إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں معاملہ اللہ کے حوالے ہے

پھر اُن کو اُن کا کیا ہوا جتلا دیں گے (قرآن)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تغلب ابن آدم بکل واد شعبۃ فمن اتبع قلبہ الشعب کلھا لم یبال اللہ بای واد اھلکہ الخ (ابن ماجہ)

اختلافِ اُمّت کا المیہ

حصہ دوم

یعنی

حقیقتِ مذہبِ شیعہ

جسمیں

شیعہ مذہب کا پس منظر نظریہ امامت۔ آئمہ کی تعداد شیعہ مذہب کے فرقے اور ان کے عقائد، ان کی عہد بعہد ترقی شیعہ حکمران اور انکی اسلام دشمن سرگرمیاں شیعی بدعات اور شیعیت کے اہلسنت پر اثرات نیز صحابہ کرام کے آپس میں تعلقات۔ علویوں اور امویوں کی آپس میں رشتہ داریاں۔ واقعہ کربلا کی صحیح تصویر اور دیگر تمام متنازعہ امور کا مکمل جائزہ۔ گویا یہ کتاب شیعہ مذہب کی مکمل انسائیکلوپیڈیا ہے

حکیم فیض عالم صدیقی راجوروی

نام کتاب ـــــــ اختلافات امت کا المیہ حصہ دوم یعنی حقیقت مذہب شیعہ

نام مؤلف ـــــــ حکیم فیض عالم صدیقی راجوروی

اشاعت اول ـــــــ سنہ ۱۹۷۲ء

تعداد ـــــــ ایک ہزار

قیمت ـــــــ اعلیٰ کاغذ نو روپے

مطبوعہ ـــــــ جاری پریس

کتابت ـــــــ قاری خلیب احمد باغ محلہ جہلم

ملنے کے پتے

۱۔ ایم اسلام ملک کشمیر بک ہاؤس سرکلر روڈ گجرات
۲۔ مولانا محمد خالد گرجاکھی۔ گرجاکھ ضلع گوجرانوالہ
۳۔ مکتبہ الوہبیہ حدیث محل اے۔ایم ۱ کراچی ۱
۴۔ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور
۵۔ اسلامک ریسرچ مشن شارع سادات امویہ محلہ پنڈی جھنگ صدر
۶۔ مولانا حافظ عبدالغفور صاحب خطیب جامع اہلحدیث جہلم شہر
۷۔ کھوکھر برادرز بک سیلرز چوک شاندار جہلم فون نمبر ۳۶۱۳
۸۔ مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور

نوٹ :۔ تاجران کتب، طلبا، اساتذہ، صحافی، خطیب اور آئمہ مساجد سے خصوصی رعایت
براہِ راست مصنف کو رہتاس کے پتہ پر لکھیں۔
حکیم فیض عالم صدیقی راجوروی ـــــ روہتاس تحصیل و ضلع جہلم

فہرست عنوانات

نذرِ عقیدت!

اِس معلوم دنیا میں وہ وقت صرف ایک بار ہی آیا کہ چالیس لاکھ مربع میل پر مشتمل مہذب ترین انسانوں کی آبادی کا ملجاء و ماویٰ رہگزارِ حجاز کا مرکزی مقام مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم بنا قیصر و کسریٰ کی ہزار ہا سالہ عظیم الشان سلطنتیں صفحۂ ارضی سے نیست و نابود ہو چکی ہیں معلوم دنیا کا ہر ادنیٰ و اعلیٰ فرد وقت کے شہنشاہِ اعظم کی خوشنودی کے حصول کے لئے مدینۃ النبیؐ کا رُخ کئے ہوئے ہے۔ وحدتِ دین۔ وحدتِ فکر۔ وحدتِ اعمال کا یہ دَور اپنی مثال آپ ہے۔ امن، فراغت، آسودگی، خوشحالی اور للّٰہیت کا یہ عالم ہے کہ کوئی زکوٰۃ قبول کرنے والا نہیں ملتا۔ گویا اسلامی عروج کا نقطۂ انجام ہے۔ اس عظیم الشان سلطنت کا شہنشاہِ اعظم علم الٰہی میں رحماء بینھم، ملاء اعلیٰ کی زبان میں ذوالنّورین اور سطحِ ارضی کی زبان میں امیر المومنین کے لقب سے ملقّب ہے۔ حجاز کے باشندے اُسے عثمانؓ کے نام سے پہچانتے اور جانتے ہیں۔

مجوسیت کا باطنی بغض ناطق بالصّدق و الصّواب خلیفہ دوم کو ابو لولو کی شکل میں شہید کر چکا ہے جس سے متاثر ہو کر یہودیت عبداللہ بن سبا کی شکل میں پر پرُزے نکال رہی ہے۔ اشداء علی الکفار کی بجائے رحماء بینھم کی رافت، نرم دلی، تواضع، انکسار اور رحم نے مجوسیت اور یہودیت کو کھلم کھلا گٹھ جوڑ کا موقع دیا۔ تمام سلطنت میں ان کی تخریبی سرگرمیوں نے ایک جال پھیلا دیا۔ امیر المومنین کو خبریں پہنچتی ہیں تو وہ سب کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مگر تخریبی عناصر مدینہ میں گھس کر قصرِ امارت کو گھیر لیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر تمام بزرگ ہستیاں عرض پرداز ہیں :—

امیر المؤمنین! حکم دیجیئے کہ ان باغیوں کو بزور شمشیر مدینہ سے نکال دیا جائے۔

نہیں میرے بھائیو! امیر المؤمنین جواب دیتے ہیں۔

مَیں نہیں چاہتا کہ میری ذات نبیؐ کے شہر میں کسی انسانی جان کی ضیاع کا موجب بنے۔ اور پھر اپنے طور پر چند نوجوان قصرِ امارت پر پہرہ دے رہے ہیں۔ مگر باغی عقبی دیوار پھاند کر اس عظیم انسان کو شہید کر دیتے ہیں۔

آپ کی شہادت؟

ملت اسلامیہ کا وہ المیہ ہے جو آگے چل کر جمل و صفین کے معرکوں میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کی شہادت کا موجب بنا۔ مگر شہادتِ عثمان کا یہ قصاص بھی کارکنانِ قضا و قدر کے ہاں پورا نہ اُترا اور رُبع صدی تک تمام عالمِ اسلام خاک و خون میں تڑپتا رہا۔ اور آج تک شیعہ سنّی کی چپقلش کی صورت میں موجود ہے۔

ایک ذرہ ناچیز اپنی حقیر ترین کوششوں کا یہ نذرانہ
اسی شہیدِ اعظم
کے حضور میں عقیدتمندانہ پیش کرنے کی جرأت
کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اور اس شہید اعظم
کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں؟

——— آمین

عرضِ حال

شیعوں اور سنیوں کے درمیان نامعلوم کب مباحثوں، مناظروں اور مجادلوں کی بنا رکھی گئی تھی کہ آج تک یہ سلسلہ روز بروز ترقی پذیر ہی ہے۔ ہر دور میں فریقین خم ٹھونک کر آستینیں چڑھائے ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔ اور فریقین کی ان باہمی چپقلشوں نے اصل حقیقت کے چہرے کو اس طرح غبار آلود کر دیا ہے۔ کہ آج اصلیت کا سراغ لگانا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔ اور پھر فریقین نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے کا منہ بند کرنے کے لئے ایک دوسرے کی کتابوں سے ایسے ایسے الزامی جوابات ڈھونڈ ڈھونڈ نکالے ہیں جنہیں آج ایک لطیف الطبع آدمی دیکھنا بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اس باہمی منافرت میں ہر دو مذاہب کے جن پڑھے لکھے لوگوں نے زیادہ حصہ لیا اب ان کے پاس یہی ایک کام باقی رہ گیا تھا جس کے ذریعے وہ تنورِ شکم کا ایندھن فراہم کرتے۔ فریقین میں اس قسم کے بھی چند لوگ ضرور ہوئے ہیں۔ جنہوں نے بات کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ اور آخر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہوئے۔ نواب محسن الملک[1] کی قسم کے لوگوں سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔ لیکن النادر کالمعدوم کے مصداق اکیلا چنا بھاڑ نہ جھونک سکا۔

شیعہ سنی چپقلش نے ہزاروں کتابوں کو جنم دیا۔ جن میں جی بھر کر فریقین نے ایک دوسرے پر اپنے دل کا غبار بھی نکالا۔ اور اپنے حواریوں سے واہ واہ کی داد بھی لی۔ اور پھر

---

[1] نواب محسن الملک سرسید کے جانشین تھے۔ پہلے شیعہ تھے۔ پھر اپنی تحقیق سے مسلک اہلحدیث اختیار کیا۔ اور اپنی تحقیق کے نتائج کے طور پر ایک کتاب آیات بینات قلمبند کی مگر سرسید نے اپنی زندگی میں اسے شائع نہ ہونے دیا۔

اس ذریعہ سے دولت بھی کمائی ۔ یہ سب کچھ ہوا اور اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک اس قسم کے لوگ زندہ ہیں۔

ثنائے خود زخود گفتن نہ زیبد مرد عاقل را

یہ تعلّی ہے نہ مجذوب کی بڑ۔ بلکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اسے حق سمجھ کر لکھا ہے اور اسے تحدیث نعمت کے طور پر بیان کرتے ہوئے اپنے قلب و وجدان میں ایک قسم کا سرور، راحت، اطمینان اور کیفیت محسوس کرتا ہوں کہ شیعہ مذہب کے ما علیہ و مالہٗ پر اس سے پہلے اس قسم کا ذخیرہ آج تک اس انداز میں قلمبند نہیں کیا جا سکا۔ اس کتاب میں آپ بیک وقت شیعہ مذہب کے پس منظر کے علاوہ اس کے عقائد و نظریات عہد بعہد ترقی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔

فیض عالم صدیقی راجوروی

تمہید

خلافت کا مادہ خلف ہے۔ اور اگر ایک شخص کے بعد دوسرا اس کا نائب یا جانشین ہو تو اُسے خلیفہ کہتے ہیں خواہ یہ نیابت موت و عزل کی وجہ سے ہو یا اپنے اختیار اور منصب کو سپرد کرنے کی وجہ سے۔

قرآن میں یہ لفظ متعدد صورتوں میں آیا ہے۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنا خلیفہ فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام کے بعد ان کی نیابت جن کے سپرد ہوئی وہ سب خلیفۃ اللہ فی الارض ہوئے اور اس زمین کی وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے جن قوموں کے سپرد ہوتی رہی اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت گذار رہیں وہ سب اس خلافت کی مستحق رہیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں اسی امر کی طرف اشارات ہیں

- وہی پروردگار ہے جس نے تم کو زمین میں خلافت دی
- پھر ان قوموں کے بعد ہم نے تم کو ان کی جگہ دی تا کہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہیں۔
- اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا
- اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا

پھر فرمایا۔

- اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو تمہارا پروردگار تمہاری جگہ کسی دوسرے کو دے گا

اسی خلافت فی الارض کو وراثت سے تعبیر کیا۔

- یقیناً زمین کی حکومت، ہمارے صالح بندوں کی وراثت میں رہے گی

اسی خلافت فی الارض کو تمکین سے بھی تعبیر کیا۔

- اسی طرح ہم نے یوسف کی خلافت مصر میں قائم کر دی۔

اسی تمکین کا مسلمانوں سے وعدہ فرمایا۔

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کی طاقت زمین میں جما دیں تو ان کا کام یہ ہوگا کہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔
غرضیکہ خلافت، وراثت، تمکین کا اصلی مقصد نیکی اور راستی کے اعلان کا ظہور اور برائی سے لوگوں کو بچانا ہے۔
اب ذرا واضح طور پر سنئے:

● "جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ انہیں زمین کی خلافت دے گا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے پہلی قوموں کو دی گئی۔ اور ایسا کرے گا کہ ان کے لئے ان کا دین حق قائم ہو جائیگا اور خوف کی گھڑیاں امن کی خوشحالی اور کامرانی سے بدل دی جائیں گی۔"

ابوالعالیہ کی روایت کے مطابق یہ آیت وقت نازل ہوئی جب ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کفار کے حملوں اور منافقین کی ریشہ دوانیوں سے یہ حال تھا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے ہتھیار اپنے جسم سے الگ نہیں کر سکتے تھے۔
مندرجہ بالا تمام آیات سے واضح ہوتا ہے خلافت سے مراد زمین کی حکومت و تسلط ہے اور جب کسی کو زمین پر کامل حکومت و اختیار نہ ہو تو وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ ان تمام خصائص سے بہم صفت موصوف خلیفہ ہوئے آپنے دو اڑھائی سال کی قلیل مدت میں منکرین زکوٰۃ، مدعیان نبوت اور منافقین کا قلع قمع اس طرح کیا کہ آج ہم وہ حالات پڑھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ واقعات اس حد تک سرکشی و طغیان، نافرمانی و بغاوت کی صورت میں آمد ہو کر مدینۃ النبی کو گھیرے میں لے چکے تھے حتیٰ کہ کبار صحابہؓ آپ کی خدمت میں عرض کرنے پر مجبور ہو چکے تھے کہ اسامہؓ کا لشکر واپس بلا لیا جائے۔ نبی علیہ السلام کے دورِ نبوت و رحمت کی نہج کا مکمل نقشہ صدیق اکبرؓ کی خلافت و رحمت کا طرۂ امتیاز بنا رہا۔ صدیق اکبرؓ کے بعد سطح ارضی کا وہ کامل ترین انسان خلعت خلافت کا جامہ زیب کیے نمودار

ہوا کہ ایک طرف قادسیہ اور یرموک میں دنیا کی دو بڑی سلطنتوں کا تختہ الٹا جا رہا ہے اور دوسری طرف خلیفہ وقت ایک بدّو کے چولہے میں پھونکیں مار مار کر آگ جلا رہا ہے اور اس کی بیوی بدّو کی دردِ زہ میں مبتلا عورت کو خیمہ میں سنبھالے ہوئے ہے۔

اور جب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو چوالیس لاکھ مربع میل کا علاقہ ایک خوش حال اور فارغ البال سلطنت کی صورت میں پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

اب خلعتِ خلافت کا جامہ شہید اعظم حضرت ذوالنورینؓ کی ذاتِ گرامی سے زینت افروز ہوتا ہے، سلطنت کی وسعت، ملک میں فارغ البالی نو مسلموں کے جمگھٹے یہودیت نصرانیت اور مجوسیت کی ملی بھگت اندر ہی اندر ایک آتش فشاں لاوا بن چکی ہے اور آخر خلیفہ ثالث شہید کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت تک خلافت کا انعقاد اور خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برائی بہر حیثیت امورات سلطنت "خلافت علی منہاج النبوۃ" کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔

حالات کی ستم ظریفی کہ اب خلافت کا جامہ سیدنا علیؓ کو پہنایا جاتا ہے۔ مگر صورت یہ ہے کہ سب سے پہلے قاتلین عثمان کا سرکردہ لیڈر اشتر نخعی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اور بیعت کے لیے آگے بڑھنے والے ہاتھ ٹھٹک جاتے ہیں۔ کبار صحابہؓ تشش و پنج میں پڑ جاتے ہیں، تمام ملک میں پھیلے ہوئے اجل صحابہؓ ششدر و حیران رہ جاتے ہیں۔

ابن خلدون کہتے ہیں ـــــ رہا علیؓ کا واقعہ تو لوگ عثمانؓ کی شہادت کے وقت مختلف شہروں میں تھے اور علیؓ کی بیعت کے وقت موجود نہ تھے ان میں سے بعض نے بیعت کی اور بعض نے توقف کیا تاآنکہ جمہور کا اجماع ہو جائے اور وہ کسی امام پر متفق ہو جائیں۔ ان میں سے سعدؓ، سعیدؓ، ابن عمرؓ، اسامہؓ بن زیدؓ، مغیرہؓ بن شعبہؓ، عبداللہ بن سلامؓ، قدامہ بن مظعونؓ، ابوسعید خدریؓ، کعبؓ بن عجرہؓ، کعبؓ بن مالک، نعمانؓ بن بشیر، حسانؓ بن ثابتؓ، مسلمہؓ بن مخلد، فضالہؓ بن عبید اور ایسے بڑے بڑے صحابہ کرام بیعت سے رکے رہے۔ ابن خلدون آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ایسے حضرات کی رائے تھی کہ ان کی بیعت منعقد نہیں ہوئی

جو صحابہ اہل حل و عقد تھے وہ دور دور بکھرے ہوئے تھے اور بہت تھوڑے اصحاب موقع پر موجود تھے بیعت اس وقت منعقد ہوتی ہے جب اہل حل و عقد متفق ہو جائیں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ان کے بعد کی صدی کے لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ سیدنا علیؓ کی بیعت ہو گئی تھی اور تمام مسلمانوں پر اسکی پاسداری لازمی تھی۔ اور یہ کہ رائے سیدنا علیؓ کی درست تھی نہ یہ کہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھی خطا پر تھے خصوصاً سیدنا طلحہؓ اور زبیرؓ کیونکہ انہوں نے بقول بعض راویوں کے بیعت کر کے توڑ دی تھی (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۵۰ طبع مصر المکتبۃ البہیہ) حالانکہ ابن خلدون کا یہ قول غلط ہے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ نے بیعت کر کے توڑ دی تھی بلکہ انہوں نے بیعت کی ہی نہیں تھی۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں اکثریت قاتلین عثمان کی تھی اور اسی وجہ سے کبار صحابہ کی اکثریت اس معاملہ میں بالکل کنارہ کش رہی۔ الغرض جنگ جمل اور صفین کے بعد سیدنا علیؓ ان کے اپنے ایک لشکری کے ہاتھ سے جو بعد میں خارجی ہو گیا تھا شہید کئے آپ کی شہادت کے بعد سیدنا حضرت حسنؓ نے چھ ماہ سے کم عرصہ میں ہی تمام امورات سے دستبردار ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور تمام اُمت نے نہایت خوشی سے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اسی موقعہ کے لئے کسی من چلے نے حدیث سفینہ گھڑی جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کر کے دنیائے رفض کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہتھیار تھما دیا۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں خلافت تیس برس رہے گی اور پھر ملک ہو جائے گا۔

یاران طریقت نے ہر دور میں تمام نصوص کے مقابلہ میں اس حدیث کو حرف آخر کے طور پر پیش کر کے اس پر بے شمار عمارتیں کھڑی کیں یہاں تک کہ ابوالکلام آزادؒ اور ابوالاعلیٰ مودودی بھی اس تسامح کا شکار ہو گئے۔ یا نسلی عصبیت کی بھینٹ چڑھ گئے۔۔۔ گویا قید زمانی و مکانی سے آزاد دین کو تیس برس کے زمانہ میں محدود کر کے رکھدیا اور خیال نہ کیا کہ حضرت علیؓ کی شہادت اگر ۴۰ھ میں نہ ہوتی اور مزید چند برس زندہ رہتے تو خلفائے راشدین کے زمرہ سے نکل جاتے یا اگر سیدنا معاویہؓ کی بجائے اور کوئی جلیل القدر صحابی خلیفہ بن جاتے تو وہ بھی کٹکھنے بادشاہ ہوتے۔ پھر یہ بھی دریافت طلب امر ہے کہ حضرت سفینہؓ

نے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یا نہیں۔ اگر کی تھی تو کیا انہیں یہ حدیث یاد نہیں
تھی اور پھر انہوں نے کسی دور میں یہ حدیث کسی سے بیان کیوں نہ کی۔ درایت کے علاوہ
روایت کے لحاظ سے ابن العربیؒ نے العواصم من القواصم میں اس حدیث کو غیر صحیح بتایا
ہے اور فرمایا ہے کہ بفرض محال یہ حدیث صحیح بھی سہی، مگر نصوص صریحہ یعنی کتاب اللہ، سنت
رسولؐ، اجماع صحابہؓ اور قیاس سب کے خلاف ہے (صفحہ ۲۰۱) یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ کیا
صرف حضرت سفینہؓ کو ہی خلافت جیسے اہم مسئلے کا جمہور صحابہؓ سے ہٹ کر کوئی مخصوص
علم دیا گیا تھا کہ خلافت تیس برس تک رہے گی۔

پھر یہ حدیث بیان کرنے سے کیا بہتر نہیں تھا کہ وہ خود حضرت معاویہؓ کو کہتے کہ تم خلیفہ
نہیں ہو۔ اس لئے تمہیں اللہ اور رسول کی بیعت لینے کا حق حاصل نہیں۔ عقلاً نقلاً
روایتاً درایتاً غرضیکہ کسی صورت میں باور نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت سفینہؓ نے یہ لفظ کہے ہوں۔

سیدنا معاویہؓ کا صحابی اور مجتہد ہونا مسلم ہے۔ آپ نے بیس سال تک خلافت
کا منصب سنبھالے رکھا اور ہمیں کسی مقام پر ان کے دور خلافت میں یہ بھی نظر
نہیں آتی کہ ان سے کسی ایک نے کسی ایک امر میں کسی ایک مقام پر بھی اختلاف
کیا ہو۔ جبکہ یہ نظر آتا ہے کہ جمل و صفین کے معرکوں کے بعد جو خلا پیدا
ہو گیا تھا اس کو کس طرح آپ نے پُر کیا۔ خوارج جو حضرت علیؓ کی شہادت
کا موجب بنے تھے انہیں کس طرح حضرت معاویہؓ نے ختم کیا۔ تاریخ اسلام کا یہ
دور امن، فراغبالی، خوشحالی، آزادی رائے میں اپنی مثال آپ تھا
حتیٰ کہ حضرت عقیلؓ نے اپنے سگے بھائی حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ کر آپ
کی مصاحبت قبول کر لی تھی۔ سیدنا حسینؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ، سیدنا عبداللہ
بن عباسؓ، سیدنا محمد بن علیؓ بن ابی طالب اور دیگر اجلہ صحابہ دمشق جاتے رہتے
تھے اور مہینوں وہاں قیام کرتے تھے۔

یہاں بعض اذہان نے افضل و مفضول کا مسئلہ تخلیق کر کے اس بحث کا
ایک اور انداز میں ذکر شروع کرنے کی طرح ڈالی۔ مگر ان عقل سے

اور دیانت سے محروم لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ امیر المومنین حضرت علی صلوات اللہ علیہ سے زیادہ عالم، عارف، متقی، زاہد اور فقیہہ کون تھا؟ جو شجاعت، سخاوت، عزیمت، خطابت اور جوانمردی میں آپ کا مقابلہ کر سکتا مگر یہ تمام مناقب وفضائل اور اخلاقی مکارم ان کی ذات تک ہی محدود رہے۔ اس لئے کہ آپ کی بیعت کے وقت جن لوگوں کی اکثریت آپ کے گرد جمع ہوئی تھی وہ ایسے لوگ تھے جن کے کردار جن کے اخلاق جن کی ذہنیتیں نہایت گھٹیا تھیں۔ وہ لوگ خونِ عثمان میں اپنے ہاتھ رنگ چکے تھے ان کے پیشِ نظر حضرت علی رضی کی آڑ میں امت کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ اور جو واقعی مخلص تھے ان کی رائے دب کر رہ گئی۔ اور یہی وجہ تھی کہ سگا بھائی ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گیا تھا۔ بخلاف آپ کے حضرت امیر معاویہؓ کی پشت پر ایسی طاقت تھی جو مخالف اور تباہ کن تحریکوں کو سر اٹھانے سے پہلے ہی اس کا سر کچل دینے کی طاقت اپنے اندر رکھتی تھی۔

جو لوگ حضرت علی رضی کی شہادت کا موجب بنے جن لوگوں نے چھ ماہ کی قلیل مدت میں حضرت حسن رضی کو خلع خلافت پر مجبور کیا وہی لوگ جب حضرت معاویہ رضی کی خلافت کے پرچم کے نیچے آتے ہی تمام چوکڑیاں بھول گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی نے بڑی دور اندیشی، عقل مندی فراست سے تمام حالات کا جائزہ لے کر ہی امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت لی۔ اور جن لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی انہوں نے بصدق دل امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کو قبول کیا۔

بیشک سعید تا سعدؓ ابن وقاص یا حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ یا حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کو بھی نامزد کیا جا سکتا تھا مگر انہوں نے خود برضا و رغبت امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کو قبول کر لیا تو دوسرے کو اس میں کلام کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔

بیس سالہ کامیاب خلافت کے بعد امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا اور امیر یزیدؒ خلیفہ بنے آپ مخالف و موافق تاریخوں کے تمام ورق کھنگال لیجئے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لیجئے آپکو صرف دو اشخاص کے علاوہ ایک فرد نظر نہیں آئے گا جس نے امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو اور ان دونوں نے بھی بیعت سے صرف توقف کیا خود مدعی خلافت نہ ہوئے اور دونوں یعنی عبد اللہؓ بن زبیرؓ اور حسینؓ بن علیؓ کعبہ شریف میں پناہ لے کر بیٹھ گئے۔

(حضرت امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کبار صحابہ کے اسماء گرامی اپنے مقام پر آ رہے ہیں گے)

یہ ہے خلافت امیر یزیدؒ کی اصل صورت حال جسے جبر و زور کیا جاتا ہے یا سیاسی چال، مکر و فریب کہا جائے یا لالچ و تحریص لیکن قانوناً اور شرعاً اجماع تھا اور ان لوگوں کا اجماع تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہترین جماعت قرار دیا اور زمین پر اپنا گواہ بنایا۔ اور فرمایا

اُولٰئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْن

اور یہ وہ لوگ تھے جو اپنی اخلاقی جرأت ایمانی جوش، ثبات قلب سیاسی اور ملی حیثیت میں انسانیت کی ان اعلیٰ اقدار کے مالک تھے کہ معمولی سی وجہ سے امیر المؤمنین حضرت علیؓ کی خلافت پر مجتمع نہ ہوئے حضرت عبد اللہؓ بن زبیرؓ جیسے عابد و شجیع علم و ادب کے آفتاب بیکر شجاعت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے سیراب کا ساتھ دینے سے الگ ہو گئے۔

انہیں امیر یزیدؓ کی ایسی کس ہیبت نے مرعوب کیا کہ وہ اپنی تمام دینی استقامت سے دستبردار ہو کر اُسے خلیفۃ المؤمنین ماننے پر تیار ہو گئے۔ پھر امارت امیر یزیدؓ اور آپ کی ولی عہدی کے درمیان دنوں یا مہینوں کا فاصلہ نہیں بلکہ پورے دس سال کا طویل زمانہ ہے۔ تمام اُمت جانتی تھی کہ ہمارے ہونے والے خلیفہ یہی امیر یزیدؓ ہیں۔ مگر کامل دس سال تک سب خاموش رہے اور انہیں امیر یزیدؓ میں شراب نوشی اور زنا کاری اور دیگر فسق و فجور کا شمہ بھر نظر نہ آیا۔

اب کس شرعی یا عقلی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ امیر یزیدؓ کی خلافت پر تمام امت کا اجماع نہیں ہوا تھا۔ معصر اکابرین امت انہیں نہایت زاہد، صوم و صلاۃ کا پابند شجاع ترین خلیفہ علم و عمل کا پیکر، اخلاص و ایثار کا منبع جانتے اور سمجھتے تھے

● سیدنا ابن عباس صلوات اللہ علیہ نے امیر یزیدؓ کے خلیفہ ہونے کے وقت حضرت امیر معاویہؓ کے لئے دعاء مغفرت کی اور فرمایا۔

"ان کے فرزند (یعنی یزید) ان کے گھر کے صالح افراد میں ہیں آپ لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔ اور اپنی اطاعت اور بیعت پر مستقیم رہیں"

(الانساب والاشراف بلاذری)

بلاذریؒ المتوکل علی اللہ اور دیگر عباسی خلفاء کے ندیموں میں سے تھے اور عباسی خلفاء کے سامنے انہوں نے امیر یزیدؓ کو امیر المؤمنین کے لقب سے ہی اپنی کتاب میں لکھا۔ مگر کسی عباسی خلیفہ نے انہیں نہ ٹوکا۔

● حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزیدؓ بن معاویہؓ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ نے اپنے متعلقین اور فرزندوں کو جمع کر کے فرمایا میں نے نبی علیہ السلام سے یہ سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر غدر کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا ہو گا۔ ہم نے اس شخص (یزید) سے خدا اور رسول کی بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑا کوئی غدر نظر نہیں آتا کہ ہم ایک شخص سے اللہ اور

اور اس کے رسول کی بیعت کریں اور پھر اس کے خلاف لڑنے کھڑے ہو جائیں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے اس کی بیعت توڑ لی ہے یا ہنگامہ میں کوئی حصہ لیا ہے تو پھر میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں رہیگا (صحیح بخاری کتاب الفتن)

● - حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے داعی عبداللہ بن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن علیؓ بن ابوطالبؓ المعروف بابن الحنیفہ کے پاس گئے اور کہا کہ یزیدؒ شراب پیتا ہے نماز نہیں پڑھتا کتاب اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا آپ اس کی بیعت توڑ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ساتھ دیں تو آپ نے فرمایا کہ:-

میں کافی عرصہ امیر یزیدؒ کے ساتھ رہا ہوں۔ میں نے ان میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ میں نے انہیں ہمیشہ نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، فقہ کا سائل اور سنت کا متبع پایا ہے۔ عبداللہ بن مطیعؓ نے جواب دیا کہ وہ صرف آپ کو دکھانے کے لئے ایسا کرتے تھے تو محمد ابن حنیفہ نے فرمایا انہیں مجھ سے کیا خوف تھا جو وہ میرے سامنے بندگی کا اظہار کرتے۔ تم جو شراب کی بات کرتے ہو کیا انہوں نے تمہارے سامنے شراب پی ہے۔ اگر تمہارے سامنے پی ہے اور تم خاموش رہے ہو تو تم بھی اس گناہ میں برابر کے شریک ٹھہرے اور اگر چھپا کر پی ہے تو جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کا بیان کرنا جائز نہیں۔ یہ طویل گفتگو البدایہ والنہایہ ۸ : ۲۳۳ اور العواصم والقواصم میں موجود ہے۔ اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھیئے کہ محمدؒ بن علی حسینؓ کے بھائی ہیں اور یزیدؒ حسین کا مفروضہ قاتل"

● - بالکل یہی موقف تمام بنو ہاشم کا تھا۔ سیدنا علیؓ زین العابدین جو سیدنا حسینؓ کے وارث اور ولی الدم تھے سیدنا زید بن حسنؓ سیدنا حسن المثنیٰ بن حسنؓ جو کہ کربلا میں موجود تھے ان سب نے امیر المومنین یزید کو اپنا بزرگ اور مربی سمجھا ان کی بیعت پر مستقیم رہے۔ اہل مدینہ کی بغاوت کی خبر سب سے پہلے انہوں نے امیر المومنین کو دی تو ابوں اور مختار ثقفی سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کا ساتھ نہ دیا سیدنا علیؓ زین العابدین نے کربلا کا تمام واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اگر وہ

امیر یزیدؒ کو اپنے والد کا قاتل سمجھتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔

ان کے علاوہ سیدنا عمرؓ بن علی بن ابی طالب سیدنا عبداللہؓ بن جعفرؓ بن ابی طالب
سیدہ زینبؓ کے شوہر سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ بلکہ سب بنو ہاشم امیر یزیدؒ کی بیعت
میں تھے۔ اور آخر زندگی تک سبائیوں کی فتنہ انگیزیوں سے الگ تھلگ رہے۔
بلکہ ایک موقع پر سیدنا حسن المثنی بن سیدنا حسنؓ بن سیدنا علیؓ نے ایک رافضی سبائی
کو کہا کہ بخدا اگر اللہ نے ہم کو تم پر قابو کا موقع دیا تو ہم تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں
گے اور تمہاری توبہ قبول نہیں کریں گے (امام ابن عساکر ۴: ۱۶۵ منقول از العواصم
من القواصم حاشیہ صفحہ ۱۸۵) بلکہ سیدہ زینبؓ نے مدینہ کی نسبت اپنے
اس نیک طبع داماد کے ہاں باقی زندگی گذار کر داعی اجل کو دمشق میں لبیک کہا
ان کا مزار آج تک دمشق میں موجود ہے۔

غرضیکہ امیر یزیدؒ کی خلافت پر اجماع امت نے اس حقیقت کو واضح کر دیا
کہ آپ خلیفہ برحق تھے اور اسی وجہ سے وہ تمام تحریکیں جو بنو امیہ کے خلاف وقتاً
فوقتاً ابھرتی رہیں ظاہراً باطناً ہر طرح سے ناکام رہیں۔

اور یہ تحریکیں کیوں نہ فنا ہوئیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ:۔

- اے ایمان والو تابعداری کرو اللہ کی اور تابعداری کرو رسول کی
  اور ان کی (تابعداری کرو) جو تم میں حکم والے ہیں۔
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلم شخص پر امیر کی بات
  سننی اور اطاعت کرنی واجب ہے۔ حکم اسے پسند ہو یا ناپسند
  بشرطیکہ معصیت کا حکم نہ ہو۔ اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ
  سننا ہے، نہ اطاعت کرنا (رواہ احمد عن عبداللہ بن عمرؓ)
- جس نے اطاعت کا عہد کرنے کے بعد توڑ دیا۔ تو اللہ کے سامنے اس
  طرح حاضر ہوگا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو ایسی حالت
  میں مر گیا کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو تو جاہلیت کی موت مرا

(رواہ مسلم عن عبداللہ بن عمرؓ)

غرضیکہ اس قسم کی تصریحات کا احاطہ ایک طویل وقت کا مقتضی ہے۔

افسوس کہ سیدنا حضرت حسینؓ کوفیوں کے چکمہ میں آکر مکہ سے روانہ ہوئے۔
مگر حقیقتِ حال کے انکشافات کے بعد جب مقام کربلا میں فرمایا کہ مجھے اپنے ابن عم
(امیر یزیدؒ) کے پاس جانے دو تو جو کوفیوں کے وفد کے لوگ آپ کے ساتھ تھے
انہوں نے اُسی طرح امیر ابن سعدؓ کے لشکر پر ہلہ بول دیا جس طرح واقعہ جمل
اور صفین میں ان کے پیشرو کر چکے تھے تو امیر ابن سعدؓ کو ہتھیار اٹھانے پڑے
اور سیدنا حسینؓ جیسی عظیم المرتبت ہستی ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی
بھینٹ چڑھ گئی۔ اور آج تک کئی خود ساختہ مجتہد اور مجتہدان بدباطن
اور کذاب رافضیوں کی روایات کے بل بوتے پر امیر یزیدؒ کو حضرت حسینؓ
کا قاتل گردان کر انہیں جہنمی بنانے کی فکر میں خود جہنم کا ایندھن بننے کا
سامان کر رہے ہیں۔

امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد سیدنا عبداللہؓ بن زبیرؓ پر بھی انعقاد
خلافت نہ ہوسکا اور مرج راہط میں امیر مروانؒ خلیفہ منتخب ہوگئے اور یہ
سلسلہ خلافت سلطان عبدالحمید عثمانی تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اُسی
یہودی سازش کے ہاتھوں خلافت کا خاتمہ ہوا۔

سلہ آج ہر بصیرت سے کورا دیانت سے عاری مگر بظاہر علم و تحقیق کا مدعی مگر بباطن مفسد اور عصبیت کا شکار یہی رٹ لگائے جا رہا ہے
کہ ظالم یزید کے ہاتھوں مظلوم حسین شہید کروئے گئے کیا کبھی اس طرف بھی کسی نے غور کیا کہ حضرت حسینؓ ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہو کر ۱۲۰۰
میل کا فاصلہ طے کرکے کس طرح ۹ محرم کو کربلا پہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے یہ سفر تیس دن میں طے کیا اور ۹ محرم کو کربلا پہنچے۔ اگر آپ کی روانگی
کے بعد مکہ کے گورنر نے امیر یزیدؒ کو اطلاع دی تو مکہ سے دمشق کا سفر گیارہ سو میل کا ہے جو ۲۰ دن میں قاصد نے طے کیا پھر امیر یزیدؒ کا
حکم لیکر قاصد نے دمشق سے کوفہ کا ساڑھے سو میل کا سفر ۲۲ دن میں طے کیا پھر کوفہ سے ایک دن میں کربلا پہنچا اس حساب سے سفر میں ان
کے ۴۲ دن صرف ہوئے جبکہ سے عثمانہ یہ تھیرا فرض کیا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ قاصد کے کربلا پہنچنے سے ۲۲ دن پہلے شہید ہو چکے تھے اور قاصد کے
کربلا پہنچنے سے ۱۲ دن پہلے حضرت حسینؓ کا کٹا ہوا سر بارہ سو میل کا سفر کرکے دمشق پہنچ چکا تھا۔ اس زمانہ میں سفر کی منزلیں مقرر تھیں
منزل سے منزل تک سفر جنگلوں یا صحراؤں میں قیام کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ حضور نبی کریمؐ جمعرات ۲۷ صفر کو
مکہ سے ہجرت فرمائی اور ۱۲ ربیع الاول سوموار کو مدینہ میں نزول اجلال فرمایا تین دن غار ثور کے نکال کر باقی سفر دہی ۱۲ روز ۲۴ میل روزانہ
کا بنتا ہے۔ مگر چند احمقوں رافضیوں کی وضعی روایات نے آج پڑھے لکھے نابالغ عصر کے ذہنوں کو تلبیس کرکے رکھ دیا ہے۔
اسی طرح اسی امر کی طرف بھی غور کیجئے کہ ہر شخص حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کی تعداد الگ الگ بیان کرتا ہے مگر مشہور شیعہ مؤلف آل محمد
بحوالہ مجلسی حجۃ الاسلام حسن ترذیبی اور صاحب مختار اپنی مشہور تصنیف تصویر کربلا میں ۱۰۰ افراد کے نام لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان میں
سے ۹ زندہ بچ گئے تھے مشہور شیعہ مورخ مسعودی پانچ سو سوار اور سو پیادہ بیان کرتا ہے ابوالقاسم دینوری ہزار سوار اور سو پیادے
اور ابن جریر دو کا ندر بیان کرتے ہیں ملا طبرسی کا بیان ہے کہ اس روز ۷۲ افراد ابن سعد کے لشکر سے کٹ کر حضرت حسینؓ کے ساتھ
مل گئے تھے دیکھئے تصویر کربلا (ص) تفاصیل کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو خلافت معاویہؓ و یزیدؒ علامہ محمود احمد عباسی)

پہلا باب

محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

حضرت عیسیٰؑ کو گذرے چھ صدیاں بیت چکی ہیں۔ عیسائیت تثلیثی شکنجہ میں کسی جا چکی ہے۔ یہودیت بھی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہہ رہی ہے۔ ہندوستان میں ۳۳ کروڑ دیوی اور دیوتاؤں کے علاوہ ہر کنکر شنکر ہے۔ جزیرہ نما عرب میں ہر قبیلہ کا بُت الگ ہے۔ اس سطح ارضی پر انسان بُتوں کی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں۔ لڑکیاں زندہ درگور کی جا رہی ہیں۔ سوتیلی ماؤں کو گھروں میں ڈالا جا رہا ہے۔ حقیقی بیٹیوں اور بہنوں سے حرم خانے آباد کئے جا رہے ہیں۔ انسان انسانوں کو جانوروں کی طرح بیچتے اور خریدتے ہیں۔ غرضیکہ معلوم دنیا میں ایک اللہ کا نام لینے والا ایک متنفس بھی موجود نہیں۔

ریگزارِ حجاز کا مرکزی مقام مکہ ہے تو بیت اللہ مگر اس میں بھی تین سو ساٹھ معبود براجمان ہیں۔ کفر، شرک، زنا کاری، مے خواری، جُوا، ڈاکہ زنی، غارت گری، قتل و غارت سے کرۂ ارضی ڈانواں ڈول ہو رہا ہے کہ اچانک چشم فلک دیکھتی ہے کہ مکہ کے بازاروں گلیوں، خانہ کعبہ کے صحن اور کبھی کبھی کسی مجلس میں ایک نوجوان نمودار ہوتا ہے۔ وہ سب سے نرالا ہے سب سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ سب لوگ اپنے آپ کو اس کی تعظیم کرنے پر مجبور پاتے ہیں۔ چونکہ وہ یتیموں کا ہمدرد ہے۔ غلاموں کا سہارا ہے۔ بیواؤں کا آسرا ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ مسافروں کی خبر گیری کرتا ہے۔ بات کا سچا اور قول کا پکا ہے۔ اکثر لوگ اس کا اصلی نام تک بھول چکے

ہیں۔ بلکہ صرف صادق اور امین کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اُسے کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرم و حیا کا پتلا سمجھتے ہیں۔ مگر

چالیس سال کا طویل دور گزارنے کے بعد وہ یک لخت لوگوں کی نظروں میں ایک خطرہ بن جاتا ہے۔ اس کی دشمنی صرف مکہ تک محدود نہیں بلکہ وہ پورے عرب معاشرہ کی دشمنی مول لے چکا ہے۔ پوری قوم۔ پورا معاشرہ۔ پورا شہر بلکہ پورا ملک زہر آلود کنچلیاں نکال کر اس پہ امڈ پڑتا ہے۔

وہ کیا کہتا ہے؟ کیوں کہتا ہے؟ اُسے سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی دشمنی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ان کے خودساختہ خداؤں کو بُرا کہتا ہے اور ایک اَن دیکھے خدا کی پرستش کا حکم دیتا ہے۔ گھروں میں مجلسوں میں بازاروں میں گلیوں میں جہاں بھی دو چار آدمی اکٹھے ہوتے ہیں موضوع سخن صرف ایک ہے کہ محمدؐ کو ختم کر دیا جائے۔ یہ ہمارے بتوں کو بُرا کہتا ہے۔ ان حالات میں کسی طرف سے حمایت و مدد یا نصرت و تائید کی آواز کا بلند کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے مگر اس حالت میں بھی چند نفوس سے اُبھر کر اُس انسانِ اکمل کی طرف لپکتے ہیں اور اس کی ہر بات پر آمنّا و صدقنا کہتے ہوئے اس کے ہر قول کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ ان کی یہ حرکت کفر کی برداشت سے باہر ہے۔ اور وہ اپنے پورے تعذیبی حربوں سے اُن پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

انہیں گھنٹوں اور پہروں تیروں کی انیوں سے کچوکے دے دیکر شہید کیا گیا۔ ماؤں سے بچے چھینے گئے۔ خاوندوں سے عورتیں الگ کی گئیں۔ ان کی جائدادیں چھین لی گئیں۔ انہیں مادر زاد ننگا کر کے شہر بدر کیا گیا۔ ان کے جسموں پہ خنجر کی نوکوں سے خراشیں لگائی گئیں مگر ان تمام تعذیبی شکنجوں میں گاڑے ہوئے ہونے کے باوجود ان کے عزم و ثبات میں کوئی فرق نہ آتا۔

حضرت یاسرؓ۔ حضرت عمارؓ۔ حضرت سمیہؓ۔ حضرت زنیرہؓ۔ حضرت نہیرہؓ۔ حضرت بلالؓ حضرت خباب بن ارتؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت عثمان ابن عفانؓ۔ حضرت سالمؓ حضرت زید بن حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعذیبی واقعات پڑھ کر آج بھی ہم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے چند تو ان غیر انسانی اذیتوں اور عقوبتوں کی تاب نہ لا کر انہیں تعذیبی شکنجوں میں کسے ہوئے ہی فردوس بریں کو سدھار گئے۔ اور زندہ بچنے والوں میں سے بعض کو اگر ان غیر انسانی سزاؤں کی یاد بھی آجاتی تھی۔ تو بے ہوش ہو جاتے تھے۔

اور پھر جب انھوں نے مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں قیام کیا تو کفر نے "بدر" "اُحد" اور خندق میں ان کو صفحہ ہستی سے ملیا میٹ کرنے کا پورا زور لگایا۔ مگر یہ وہاں بھی کندن بن کر نکلے۔

ایک مسلمان کی کشمکش حیات کا مقصد اور حرف آخر صرف اس قدر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے یہ تخلیق انسانی کا مقصد۔ عبادت کی غرض و غایت، اور اسلام کا مدعا یہی تھا کہ نبی علیہ السلام جس تعلیم کو لے کر تشریف فرما ہوئے اس کا آخری سبق یہی تھا۔ اور صحابہ کرام اس تمام معیار پر پورے اُترے اور اس مقصد کی تکمیل میں انھوں نے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کے بعد اس کا کوئی مقام نہیں۔

رحمۃ للعالمین دیکھتے ہیں کہ

آل یاسرؓ عذاب کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) پاس سے گزرتے ہیں مگر ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اور صرف اس قدر فرما کر رہ جاتے ہیں کہ آل یاسر تمہیں جنت کی بشارت ہو۔"

مگر وہ مظلوم ان حالات میں بھی آگے بڑھتے ہیں اور بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ اہل مکہ کے مر

ظلم وستم کو برضا و رغبت قبول کرتے ہیں۔ ہر طرح سے ستائے جاتے ہیں انہیں کوڑوں سے ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ انہیں دہکتے انگاروں پر لٹایا جاتا ہے۔ انہیں زنجیروں میں باندھ کر تپتی زمینوں پر گھسیٹا جاتا ہے۔ تختہ دار پر کھینچا جاتا ہے۔ مقتل کی سیر کرائی جاتی ہے۔ لوہے کے گرم اوزاروں سے داغ دیئے جاتے ہیں۔ بوجھل پتھروں کے نیچے دبایا جاتا ہے۔ غرضیکہ ان کے ساتھ ہر وہ سلوک کیا جاتا ہے جو ظلم کے عنوان سے ایک انسان تصور کر سکتا ہے۔ مگر ان تمام تعذیبی حربوں نے ان تمام آزمائشوں نے انہیں راہِ حق سے شمہ بھر بھی روگرداں نہ کیا۔ ان صاحبان "عزم و استقلال" نے کسی ترہیب و کسی تحریص کسی ترغیب اور کسی تخویف سے داعی برحق کی مفارقت گوارا نہ کی۔ آپ کی معیت و مصاحبت کو ترک نہ کیا۔

یہ معیت و مصاحبت محض تعلق کی بنا پر نہ تھی بلکہ عشق و محبت کے آخری نقاط سے بھی آگے بڑھی ہوئی تھی۔

کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ وہ لوگ بیس سال سے زائد دور مختلف قسم کی نت نئی مصیبتوں، اذیتوں، بلاؤں اور آفتوں کا نشانہ بنے رہے مگر اُف تک نہ کی۔ اور اپنے ہادی، اپنے رہنما، اپنے قائد، اپنے محبوب، اپنے سالار، اپنے محسن کا ساتھ نہ چھوڑا۔

یہ لوگ آگے چل کر اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اور یہ وہ سعادت ہے جو مقام نبوت کے بعد تمام سعادتوں کا حرفِ آخر اور نقطہ انجام ہے۔

صحابہ اصحابی کی جمع ہے۔ صحابی کے لفظی معنی ساتھی اور رفیق کے ہیں اور اصطلاحاً صحابہ سے وہ نفوس قدسیہ مراد ہیں جنہوں نے نبی علیہ السلام کی رفاقت اور محبت اختیار کی اسلام میں اصطلاحی حیثیت سے ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت اسلام میں نبی علیہ السلام کی زیارت کی۔

صحابہ کرام کا وجود اس سطح ارضی پر اپنی مثال آپ تھا۔ نہ اس سے پہلے کوئی گروہ

اس قسم کا پیدا ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔

نبی علیہ السلام جس دین کو لے کر آئے تھے صحابہ کرام نے نہ صرف اُسے قبول کیا بلکہ اُسے چار دانگ عالم میں قائم و نافذ کرنے کے لئے سب کچھ قربان کر دیا سطح ارضی پر پیغمبران علیہم السلام کے بعد تمام کائنات میں پاکیزہ تر۔ اعلیٰ تر۔ ممتاز تر۔ فضل تر یہی جماعت تھی۔ یہ نفوس قدسیہ روشنی کے مینار۔ پہاڑی کے چراغ۔ اقوام عالم کے رہنما اور فاتح تھے۔ کسی انسان کے لئے جو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار مقرر کیا جا سکتا ہے صحابہ کرام کا کردار اس معیار سے بھی ہزار گنا بلند تھا۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ ان کی سیرت کا ہر لمحہ ان کے کردار کی ہر کروٹ سب کے سب مثالی حیثیت کے حامل تھے خواہ اس کا تعلق معاشرت سے ہو یا معاملات سے سیاست سے ہو یا عبادات سے اسلام لانے سے پہلے ان میں بڑے بڑے ثروت مند تاجر بھی تھے اور بھیڑ بکریوں کی طرح بکنے والے غلام بھی ذی وجاہت اور ذی عزت مقام کے حامل بھی تھے اور گمنام مزدور بھی۔ رستم و اسفندیار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے والے بھی تھے اور اپنے سایہ سے بدکنے والے بھی۔ مگر جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو سب ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ورثہ میں پائی ہوئی کسی خوبی کا کسی مقام پر ذکر تک نہ کیا۔ انہیں اگر فخر تھا تو صرف اس بات کا کہ ہم محمدؐ کے غلام ہیں۔ خاتم النبیّن کی رفاقت کی سعادت نے انہیں قرآن مجید کا اوّلین مخاطب بنایا۔ ان میں سے بعض کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت سے سرفراز فرمایا۔ ان پاکباز ہستیوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی نبی علیہ السلام کی رفاقت کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ ان کے پیش نظر قرآن کا یہ ارشاد تھا:۔

اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب

اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ

گھر جو تمہیں پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس

کی راہ کی جد و جہد سے عزیز تر ہیں۔ تو انتظار کرو یہاں تک

کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ (توبہ)

صحابہ کرامؓ کو حضورؐ سے جو محبت تھی وہ اپنے ماں باپ بھائی بہن اعزہ و اقارب بلکہ دنیا کے تمام رشتوں سے زیادہ تھی۔ وہ اس بات کو گوارا کرنا تو بڑی بات ہے اس کا تصور تک نہ کر سکتے تھے کہ حضورؐ کو ایک کانٹا بھی چبھے۔ وہ اس کے بدلے میں اپنی جان تک پروانہ وار نثار کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ صحابہ کا یہ عشق ہمہ گیر تھا۔ آپ کی ذات و شخصیت سے بھی تھا۔ اور آپ کے پیغام و دعوت سے بھی تھا۔ وہ آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ آپ کی خاطر تکلیفیں اٹھائیں۔ آپ کے لئے ہجرتیں کیں اور زندگی کے ہر مرحلے میں آپ کے دوش بدوش چلے۔ انھوں نے اس صداقت کو پا لیا تھا۔ اور ان کو یہ حقیقت سمجھ میں آگئی تھی کہ ہمارا سب کچھ اللہ کا ہے اور نبی کا حکم اللہ کا حکم ہے۔ یہ دنیا اور اس کے لوازمات سب عارضی ہیں۔ ابدی اور حقیقی زندگی اُخروی ہے اور اخروی زندگی کی کامیابی کا انحصار نبی کی محبت نبی کی جان نثاری نبی کی تابعداری۔ نبی کی خوشی اور نبی کے فرمان پر منحصر ہے۔ انھوں نے اس حقیقت کو جس طرح سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید، حمایت، مدد اور دلجوئی کا پروانہ بدیں الفاظ ان کے حق میں جاری فرمایا۔ اور ان کے لئے ابدی نجات کی سند بدیں الفاظ انہیں مرحمت فرمائی:

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں

گھر بار چھوڑا اور جد و جہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور

مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ اُن کے لئے خطاؤں سے

سے درگذر رہے۔ اور بہترین رزق ہے۔ اور جو لوگ
بعد میں ایمان لائے۔ اور ہجرت کر کے آئے۔ اور
تمہارے ساتھ مل کر جہاد کرنے لگے۔ وہ بھی
تم ہی میں شامل ہیں ۔ (انفال ۴)
جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ وہ
افضل خلائق ہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے یہاں یہ
ہے کہ بسنے والے باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی
ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور
وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ (بدلہ) ملتا ہے (ہر)
اس (شخص) کو جو اپنے رب سے ڈرتا ہے ۔ (بینہ)

صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر ایمان لاتے ہوئے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا۔ اور یہ ساری متاع دنیا در اصل ہے بھی بے مایہ اس مایہ کے مقابلہ میں جو انہیں ملا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور
ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے وہ اللہ کی راہ میں
لڑتے اور مارتے مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ
کے ذمہ ایک پختہ وعدہ ہے۔ توراۃ، انجیل اور قرآن
میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو
پورا کرنے والا ہے ۔ (توبہ)

بشارتوں پر بشارتوں کا نزول ہو رہا ہے۔

اے نبی آپ کے لئے اللہ اور تابع فرمان مومنین کافی

ہیں۔ (انفال)

لیکن رسول اور جو اُن کے ساتھ ایمان لائے (ان سب نے) اپنی جان و مال سے (خدا کی راہ میں) جہاد کئے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے (دنیا اور آخرت کی سب) خوبیاں ہیں اور (آخرکار) یہی فلاح پانے والے ہیں۔ (توبہ)

اور مہاجرین میں سے جن لوگوں نے (اسلام قبول کرنے میں) سبقت کی اور سب سے پہلے (ایمان لائے) اور (نیز) وہ لوگ جو ان کے بعد خلوص نیت سے مسلمان ہوئے خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش اور خدا نے ان کے لئے (بہشت کے ایسے) باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور یہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے (اور) یہی بڑی کامیابی ہے (توبہ)

(اے پیغمبر) جب مسلمان ایک درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے تھے خدا ان مسلمانوں سے خوش ہوا اور اس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا۔ اور ان کو اطمینان عنایت کیا اور ان کو فتح دی۔ (سورہ فتح)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے لئے بڑے سخت ہیں (مگر) آپس میں رحمدل ہیں (اے مخاطب) تو ان کو رکوع کرتے سجدہ کرتے دیکھے گا۔ (وہ) خدا کے فضل اور خوشنودی کے طلبگار ہیں۔ ان کی شناخت یہ ہے کہ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات اور انجیل میں بھی ہیں۔ اور وہ روز بروز ترقی کرتے جائینگے جس طرح کھیتی کہ اس نے (پہلے زمین سے) سوئی نکالی۔ پھر اس نے اس (سوئی) کو قوی کیا چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ) موٹی ہوئی۔ آخرکار اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ (اور اپنی ہریاول سے) کسانوں کو خوش کرنے لگی۔ (اور خدا نے ان کو روز افزوں ترقی دی) اس لئے کہ (ان کی ترقی سے تر ساتر سا کر) کافروں کو جلائے۔ ان

میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان سے خدا نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا۔ (سورۃ الفتح)

تم (مسلمانوں) میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (راہِ خدا میں مال) خرچ کئے۔ اور (دشمنوں سے) لڑے۔ وہ (دوسرے مسلمانوں کے) برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ لوگ درجے میں ان (مسلمانوں) سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے (فتح مکہ) کے پیچھے (مال) خرچ کیے۔ اور لڑتے اور اللہ نے سب سے حسنِ سلوک کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (سورۃ الحدید)

بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی ہے وہ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے۔ (سورۃ الانبیاء)

(وہ مال جو بے لڑے ہاتھ لگا ہے منجملہ اور حقداروں کے) محتاج مہاجرین کا (بھی حق) ہے جو (کافروں کے ظلم سے) اپنے گھر اور مال سے بے دخل کر دیئے گئے (اور اب وہ) خدا کے فضل اور (اس کی) خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں۔ اور خدا اور اس کے رسول کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مسلمان ہیں (سورۃ الحشر)

صحابہ کرام کی نجی اور مجلسی زندگیاں بہت پاکیزہ تھیں صحابہ کرام کے سوا دنیا کے کسی آدمی کو ہم مثال کے طور پر پیش نہیں کر سکتے۔ کہ اس کی ظاہری اور باطنی زندگی یکساں تھی۔ متقون مفلحون۔ فائزون کے تمغوں کے براہِ راست وہی حامل تھے۔ کسی انفرادی نوعیت کے معاملہ میں یا کسی اجتماعی نوعیت کے معاملہ میں ان میں غفلت کوشی، سہل انگاری یا سستی نے کبھی راہ نہیں پائی۔ ان کے قدم ہر آن ہر لحظہ ہر وقت اور ہر مقام پر رب العالمین کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طرف ہی بڑھتے رہے۔

صحابہ کرام کے متعلق قرآن مجید کے چند ارشادات سے اپنے قلب و روح کو گرمایئے :

اور جن لوگوں نے اللہ کے لئے ہجرت کی بعد اس کے کہ وہ ستائے گئے ضرور ہم ان کو دنیا میں اچھی جگہ دیں گے ۔ اور یقیناً آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے ۔ کاش وہ اس کی تفصیل کو جانتے ۔ (نحل)

لیکن اسلام کے لئے اپنی ان عظیم الشان اور عالی خدمات کے باوجود انہیں اس بات کا مطلق احساس نہ تھا کہ وہ بھی کچھ ہیں ۔ سب کچھ قربان کرنے کے باوجود غرور، تکبر، بڑائی کسی قسم کی دنیاوی حرص، آرزو اور خواہش کا ایک شوشہ تک کبھی ان کے دلوں میں پیدا نہ ہوا ۔ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ سب کچھ جو ہم سے ہوا یا ہو رہا ہے ہماری کوششوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ ہے ۔ وہ ہر لمحہ سہمے سہمے اور خوفزدہ رہتے ۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری کسی کوتاہی کی وجہ سے یہ ہماری حقیر سی خدمات قبول بارگاہ نہ ہو سکیں ۔ پھر وہ آخرت کے اجر کے ایسے حریص تھے کہ ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ہمیں دنیا میں ہی ایسی نعمتیں نہ مل جائیں کہ وہاں خالی ہاتھ رہ جائیں ۔ اسی بنا پر وہ ہر لمحہ استغفار میں گذارتے ۔ تاکہ اس جدوجہد میں بر بنائے بشریت جو لغزشیں ہو گئی ہوں ان کی تلافی ہو جائے ۔ وہ پکار اٹھتے :

مالک ! ہم ایمان لائے ۔ ہماری خطاؤں سے درگذر فرما ۔ اور ہمیں آتشِ دوزخ سے بچا لے ۔ یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں راستباز ہیں ۔ فرمانبردار اور فیاض ہیں ۔ اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں ۔ (آل عمران)

پس سیرت و کردار، حسنِ اعمال، ثبات و استقلال، ایثار و قربانی کا یہی وہ

نمونہ ہے جس کے متعلق مخبر صادق نے فرمایا ہے کہ

"ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے"

تعداد صحابہ کے متعلق سیرت کی کتابوں میں معمولی سا اختلاف ہے مگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پر اکثر کا اتفاق ہے۔ ان میں سے ۱۲۶۷۹ کے حالات تفصیلاً مختلف سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں ذکر کیا ہے۔

متعدد صحابہ کرام کے حق میں براہ راست قرآن مجید نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی کا پیغام سنایا ہے۔ یہاں تک کہ صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کو نبی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ قرار دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ید اللہ فوق ایدیھم کے مژدۂ جانفزا سے اس کی تصدیق فرمائی۔

میں دل کی گہرائیوں سے رقت بھرے جذبات لیکر شیعہ اصحاب کے صاحب علم بزرگوں دوستوں اور بھائیوں کی خدمت میں عرض کروں گا کہ آخر کس چیز نے آپ کو اصحاب ثلاثہ کے سب و شتم پر آمادہ کیا۔ کیا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ یا حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زبان مقدس سے آپ کوئی ایک واقعہ بھی ثبوت کے طور پر پیش کر سکتے ہیں کہ ان بزرگوں نے کسی مقام پر اصحاب ثلاثہ کے متعلق دشنام طرازی تو درکنار کبیدہ خاطری کا ہی اظہار کیا ہو۔

خدارا ذرا غور کر کے بتایئے کہ اگر اصحاب ثلاثہ کا دور تاریخ اسلام سے نکال دیا جائے تو آج آپ کے پاس کیا رہ جاتا ہے۔ اصحاب ثلاثہ کے متعلق آپ کی معتبر تفاسیر اور دیگر کتب میں کیا لکھا ہوا ہے۔ کیا کبھی آپ نے اس طرف نظر ڈالنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام

شیعہ کتب میں

(۱) والذی جاء بالصدق الخ ۲۴ کی تفسیر میں شیعہ مذہب کی اہم ترین تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے کہ جاء بالصدق سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور صدق بہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں (مجمع البیان جلد ۴ ص ۴۹۸)

(۲) ان من اسلم بعد خدیجہ ابوبکر یعنی حضرت خدیجہ کے اسلام لانے کے بعد حضرت ابوبکر اسلام لائے (مجمع البیان جلد ۳ ص ۹۵)

یہاں بعض شیعہ بزرگ کہتے سنے گئے ہیں کہ حضرت ابوبکر شروع میں اسلام لائے اور بعد میں مرتد ہو گئے مگر صدیق اکبر کی وفات کے بعد بھی اگر حضرات آئمہ سے اسی قسم کی تصریحات مروی ہوں تو انہیں کیا کیجئے گا؟

(۳) نہج البلاغۃ شیعہ حضرات کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خطبات، فرمودات ارشادات اور بیانات کا مجموعہ ہے۔ نہج البلاغہ کی آج تک سینکڑوں شرحیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک ارشاد بدیں الفاظ مرقوم ہے۔

خلیفہ رسول جناب صدیقؓ اسلام میں سب سے افضل اور اس کے رسول کے سب سے زیادہ مخلص تھے اور خیر خواہ تھے۔ اور اس خلیفہ کے خلیفہ فاروق اعظم اسی طرح تھے۔ جیسا تو نے سمجھا۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات کا مرتبہ اسلام میں بڑا عظیم الشان ہے۔ اور بے شک ان کی موت سے اسلام کو سخت صدمہ

اور زخم پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت کرے۔ اور ان کے احسن اور بہترین اعمال کی ان کو جزا دے۔ (شرح نہج البلاغۃ شیعہ مجتہد ابن میثم بحرانی جز و ۳۱ ص۴۸۶)

یہ امر دونوں فرقوں کے نزدیک مسلمات کا درجہ رکھتا ہے۔ کہ نبوت کے بعد مقام صدیقیت ہے۔ اور قرآن بھی اس بات کا شاہد ہے۔ اور شیعوں کے امام اول یعنی انکے مزعومہ خلیفہ بلافصل نبوت کے بعد صدیقیت کے مرتبہ و مقام پر حضرت ابوبکرؓ کو ہی متمکن دیکھتے ہیں اور انہیں ہی خلیفہ اول سمجھتے ہیں۔

(۴) شیعوں کی ایک معتبر ترین کتاب احقاق الحق میں حضرت امام جعفر کا ایک ارشاد تحریر ہے۔

جناب ابوبکرؓ میرے نانا ہیں۔ کیا کوئی آدمی اپنے اجداد کو گالی دینا پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی شان اور عزت نہ دے اگر میں صدیقؓ کی عزت و عظمت اور تعظیم و تکریم کو تسلیم نہ کروں۔ (ترجمہ احقاق الحق ص۷)

شیعوں کے مزعومہ امام ششم کا یہ ارشاد جہاں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صدیق اکبر کو آپ بھی صدیق سمجھتے تھے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام ششم متوفی ۱۴۹ھ کے زمانہ تک شیعوں کا یہ "اصول دین" یعنی تبرا ابھی تک معرض وجود میں ہی نہیں آیا تھا۔ یہ یاران طریقت کی بہت بعد کی پیداوار ہے۔

پھر امام جعفر صادق کے قول سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ کسی بدبخت نے آپ کے سامنے ایسی حرکت کی ہے۔ جس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔

(۵) اسی کتاب کے اسی صفحہ پر آپ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کی اولاد میں دو طرح سے شامل ہوں۔ آپ کے اس ارشاد کی تشریح اسی کتاب پر نیز دیگر متعدد معتبر کتب شیعہ میں بدیں الفاظ مرقوم ہے۔

"امام جعفر صادق کی ماں ام فروہ، قاسم بن محمد بن ابوبکر کی بیٹی تھیں۔

اور فروہ کی ماں اسماء عبدالرحمن بن ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔

گویا آپ کی والدہ کا شجرہ نسب دو طریقوں سے صدیق اکبرؓ پر منتہی ہوتا ہے اور اس بات پر آپ کو فخر تھا۔ (صافی شرح اصول کافی ص۲۱۴۔ کشف الغمہ ص۲۱۵، ص۲۲۲ احتجاج طبرسی ص۲۰۵، جلال العیون ص۲۴۸)

(۶) واقعہ غار ثور کے متعلق شیعہ حضرات نے عجیب عجیب نامعقول اور بیوقوفانہ انداز میں حضرت صدیقؓ کو نشانۂ تضحیک و تذلیل بنایا ہے۔ یہی واقعہ امام جعفر صادق کی زبانی سے سنیئے:۔

جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غار میں تھے تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا۔ کہ میں ایک کشتی دیکھ رہا ہوں اور اس میں جعفر اور اس کے ساتھی ہیں۔ (واقعہ ہجرت حبشہ) صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ انہیں دیکھ رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں! صدیقؓ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے بھی دکھایئے تو نبی علیہ السلام نے ان کی آنکھوں پر مسح کیا۔ پس صدیقؓ نے بھی جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں سوار دیکھ لیا۔ (تفسیر قمی مطبوعہ ایران ص۱۵۷)

(۷) غزوات حیدری شیعوں کی ایک معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ "حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا ہر روز شام کے وقت کھانا اور پانی لاتا تھا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ تو نہایت وفادار۔ صاف اور شفاف ہے۔" (غزوات حیدری ص۶۶)

جو شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ غار میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھوں گرفتار کرانا چاہتے تھے وہ ذرا غور کرکے دیکھیں کہ ابوبکرؓ اپنے بیٹے کے ذریعے کافروں کو مطلع نہیں کرسکتے تھے۔ جب قلب و نظر پر جہالت، شقاوت، بدبختی، کور باطنی، تعصب ہٹ دھرمی

...انت کی پٹیاں چڑھ جائیں تو ان کا علاج ناممکن ہو جاتا ہے اور ایسا آدمی جو چاہے
...ہے مگر کم از کم اس قدر تو سوچ لیا جاتا کہ ابو بکر مکہ کے ایک ذی مرتبہ تاجر اور مکیسانہ
...ے شہری ہیں۔ آخر وہ اس قدر ٹھاٹھ چھوڑ کر نبی اکرم کا ساتھ دینے کے لئے تیار
ہوئے تھے۔

(۱) مجالس المومنین شیعوں کی نہایت اہم ترین تصنیف ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری جسے
شہید ثالث کہتے ہیں۔ اس میں مرقوم ہے کہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صحابہؓ کی جماعت میں فرمایا کرتے تھے
کہ ابو بکر صدیقؓ کی سبقت وفضیلت صوم وصلوٰۃ سے نہیں بلکہ ان کے
دل کی عقیدت مندی اور اخلاص کا ثمرہ ہے۔ (ترجمہ مجالس المومنین ص۸۸)

(۱) شیعوں کے مزعومہ امام نہم حضرت محمد تقی متوفی ۲۲۰ھ کا ایک قول احتجاج طبرسی
...رقوم ہے۔

"میں جناب عمرؓ کے فضائل کا منکر نہیں۔ لیکن ابو بکر صدیقؓ فاروق اعظمؓ
سے افضل ہیں۔" (ترجمہ احتجاج طبرسی ص۲۵)

گویا تیسری صدی کے شروع تک یعنی امام نہم تک مزعومہ آئمہ یا دیگر فاطمی حضرات
...ن کی توصیف میں رطب اللسان تھے۔

(۱) امام جعفر صادق کا ایک اور قول سن لیجئے :۔

امام موصوف نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دونوں کے
دونوں عادل ومنصف امام تھے۔ حق ہی پہ زندگی گذاری اور حق ہی پر دنیا
سے تشریف لے گئے۔ قیامت والے دن دونوں پہ رحمت ہو۔"
(ترجمہ احقاق الحق ص۱۶)

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے متعلق امام جعفر صادق کے الفاظ

ہیں۔ دونوں عادل اور منصف امام تھے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے شیعہ بیچ مسئلہ اصولِ دین "عدالت" اور "امامت" کے
آپ تو کہتے ہیں عدالت و امامت مختص ہے ساتھ دوازدہ ائمہ کے اور امام ششم عدالت و
امامت کی فضیلت کی دستار حضرات شیخینؓ کے سر باندھ رہے ہیں۔

(۱۱) واقعہ افک کے ضمن میں سورۂ نور کی آیت نمبر ۲۲ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ
کے متعلق شیعوں کی معتبر ترین تفسیر مجمع البیان جلد ۴ صفحہ ۱۳۲ پر مرقوم ہے کہ یہ آیت حضرت
ابوبکرؓ اور مسطح کے بارے میں نازل ہوئی۔ مسطحؓ حضرت ابوبکرؓ کا قریبی رشتہ دار تھا اور
نہایت غریب تھا۔ آپ اُسے ماہوار کچھ رقم دیا کرتے تھے۔ واقعہ افک کے بعد آپ نے
اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "فضیلت والے" اور "کشائش والے
مالدار" لوگ اپنے رشتہ داروں کی مدد سے ہاتھ نہ کھینچیں۔ گویا شیعہ قرآن مجید کی
اس آیت کے مصداق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ "اولوالفضل منکم" تھے۔

(۱۲) وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى کی تفسیر میں مجمع البیان
جلد ۵ صفحہ ۵۰۱ پر لکھا ہے کہ ابن زبیر نے کہا کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے حق میں نازل
ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے ہی حضرت بلالؓ۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ جیسے
مسلمان ہونے والے غلاموں کو ان کے کافر مالکوں سے خرید کر آزاد کیا تھا۔ شیعوں
کی مشہور اور معتبر ترین تفسیر میں گویا تسلیم کیا گیا ہے کہ

اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے جو
اپنا مال (محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے۔ اور بجز اپنے
عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے (کہ یہی اس کا مقصود ہے) اس کے
ذمے کسی کا احسان نہ تھا (کہ اس دینے سے) اس کا بدلہ اتارنا (مقصود)
ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا (یعنی آخرت میں اُسے [illegible])

نعمتیں ملیں گی) سورہ اللیل آیت ۱۷ تا ۲۱

ایک طرف یہی شیعہ اصحاب ان کے لئے تبرا کی لم تراشں کر ان پر سب و شتم کے طوفان باندھتے ہیں۔ اور دوسری طرف اللہ کے بے پناہ فضل و کرم خوشنودی اور رضامندی کا صرف انہیں ہی حامل قرار دیتے ہیں۔

نہج البلاغۃ کی شرح درنجفیہ میں شیعوں کے مجتہد اعظم لکھتے ہیں :۔

كان عند خفة مرضه يصلي بالناس بنفسه فلما اشتد به المرض امر ابابكر ان يصلي بالناس۔ وان ابابكر صلى بالناس بعد ذلك يومين ثم مات ۔

نبی علیہ السلام کا مرض جب تک خفیف رہا خود لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ اور جب بیماری میں شدت پیدا ہو گئی۔ تو ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں اس کے بعد حضور کی زندگی میں ابوبکرؓ دو دن لوگوں کو نمازیں پڑھاتے رہے۔ پھر حضور وفات پا گئے۔

صفحہ ۲۵۵۔

نبی علیہ السلام نے اپنی زندگی میں حضرت ابوبکرؓ کو نمازوں میں جو دین کا اہم ترین ستون ہے۔ امام بنا کر اس بات کو واضح کر دیا۔ کہ میرے بعد ابوبکرؓ ہی خلیفہ ہوں گے۔ اور حضرت علیؓ نے بصد شوق آپ کی خلافت کو قبول کیا تھا۔

۱۔ حضرت علیؓ اٹھے۔ نماز کی نیاری کر کے مسجد میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ (احتجاج طبرسی ص۶۱ س ۳ ترجمہ)

۲۔ حضرت علیؓ اٹھے نماز کا ارادہ کیا۔ مسجد میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی (تفسیر قمی)

۳۔ حضرت علیؓ مسجد میں آئے اور ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی (مرآۃ العقول ص۳۸۸)

۴۔ شیعوں کے مقبول احمد کے ترجمہ قرآن کے ضمیمہ ص۱۵۹ پر بھی مرقوم ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

۵۔ غزوات حیدری ص۶۲۷ پر بھی یہی عبارت مرقوم ہے۔

۶۔ اسامہؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ آپ نے کہا۔ ہاں اور یہ بیعت بیعت خلافت تھی (احتجاج طبرسی ص۵۶)

۷۔ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی۔

(احتجاج طبرسی ص۵۲ روضہ کافی ص۱۱۵-۱۳۱)

ایک نہایت ہی حیران کن بات اور بھی سن لیجیے۔ اہل سنت والجماعت کے مختلف فرقوں نے مختلف نظائر و شواہد سے صدیق اکبرؓ کی خلافت پر استدلال کیا ہے۔ مگر شیعہ حضرات نے اس ضمن میں ایک حدیث پیش کر کے صرف حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا ثبوت ہی پیش نہیں کیا۔ بلکہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا ثبوت بھی پیش کر دیا ہے اور ساتھ ہی امہات المومنین کے بلند مقام کا اقرار بھی کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہؓ ایک دفعہ کچھ غمگین سی بیٹھی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غمگین بیٹھے دیکھ کر فرمایا۔ کہ میں تم کو ایک خوشخبری نہ سناؤں کہ میرے مرنے کے بعد میرے جانشین ابوبکرؓ ہوں گے۔ اور ان کے مرنے کے بعد تمہارے باپ عمرؓ ان کے جانشین ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت حفصہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ مجھے اللہ خبیر و علیم نے بتایا ہے۔ (تفسیر قمی ص۳۵۴ تفسیر صافی ص۵۲۳

(تفسیر قمی ص۳۵۴ تفسیر صافی ص۵۲۳ تفسیر مجمع البیان ص۳۱۴)

گویا بقول شیعہ مفسرین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا حکم

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔

ثانی اثنین اذھما فی الغار کی تفسیر میں امام حسن عسکری فرماتے ہیں کہ ہجرت کا سفر مشکلات ایذاؤں اور صعوبتوں کا سفر تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہجرت میں رفاقت سفر کے لئے نبی علیہ السلام کو فرمایا کہ ابوبکر لائق ترین شخص ہیں۔ چنانچہ انھیں ساتھ لے کر جایئے۔ تفسیر امام حسن عسکری کے الفاظ ہیں وامرک فانہ ان انسک وساعدک ووازرک کان فی الجنۃ من رفقائک (صـ۲۱۳)

اسی تفسیر امام حسن عسکری میں چند سطور کے بعد مرقوم ہے :۔
پھر نبی علیہ السلام نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تو اس بات پر راضی ہے کہ تو اس سفر میں میرے ساتھ رہے اور کفار جس طرح مجھے قتل کرنے کے لئے تلاش کریں تجھے بھی تلاش کریں۔ اور یہ بھی مشہور و معروف ہو کہ تو نے ہی شرک کے خلاف توحید والوہیت اور رسالت و نبوت کے دعوے پر مجھے آمادہ کیا اور میری دوستی و رفاقت کے باعث تجھ پر طرح طرح کے عذاب پڑیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میں تو وہ ہوں کہ اگر جناب کی محبت والنس میں شدید تر سے شدید اور اشد تر سے اشد بلاؤں اور مصیبتوں میں بھی مبتلا کیا جاؤں۔ اور قیامت کے روز تک ان میں پھنسا ہوں مجھے موت بھی نہ آئے جو ان مصائب سے نجات کا موجب بنے اور نہ کسی قسم کی کشائش ملے جو ان مصائب سے نجات کا موجب بنے اور نہ کسی قسم کی کشائش ملے جو ان مصائب سے رہائی دلائے۔ اور یہ سب مصائب آپ کی محبت میں ہوں تو مجھے زیادہ پسند ہے۔ دنیا کی عیش و عشرت اور خوشحالی کی زندگی کی نسبت۔ اور اس دنیا میں اگر تمام بادشاہوں کی حکومتوں اور سلطنتوں کا

مالک بن حارث ۔

آپ کی مخالفت کی صورت میں زندگی گذارنا ہرگز پسند نہیں ۔
میرے اہل وعیال اقرباؤ رشتہ دار اولاد اور والدین سب آپ پر
قربان ہوں ۔ (ص ۲۱۳)

(۱۷) نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بحکم خداوندی
ہجرت میں اپنے ساتھ رکھا ۔ مصنف حیات القلوب لکھتا ہے ۔
اللہ رب العزت نے اے نبی آپ کو حکم دیا ہے کہ جناب ابوبکرؓ کو
ساتھ لے جائیے ۔ (جلد ۲ ص ۳۲۰)

(۱۸) بہر حال حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کرنا اور ابوبکرؓ کو اپنے
ساتھ لے جانا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بغیر نہ تھا ۔ (مجالس المومنین ص ۲۰۳)

(۱۹) نبی علیہ السلام ہجرت کی رات کو جب حضرت ابوبکرؓ کے دروازے پر پہنچے
اور ان کے کان میں سفر کی آواز دی ۔ تو حضرت ابوبکرؓ فوراً گھر سے نکلے اور ہمراہ
ہوئے ۔ جب بیابان کا کچھ حصّہ طے ہوا ۔ تو نبی علیہ السلام کے پائے مبارک
زخمی ہوگئے ۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو اپنے کندھے پر سوار کر لیا ۔ اور یہ
بہت تعجب کی بات ہے ۔ (حملہ حیدری)

اقول : شیعہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ کی دیواروں سے
بتوں کو دُور کرتے وقت نبی علیہ السلام حضرت علیؓ کے کندھوں پر سوار ہوئے
کسی اور کے کندھوں پر اس لئے سوار نہ ہوئے کہ نبوّت کا بوجھ امام کے
بغیر کوئی نہ اُٹھا سکتا تھا ۔ مگر حملہ حیدری کا مصنف کہتا ہے ۔ کہ حضرت
ابوبکرؓ نے آپ کو کندھوں پر سوار کر کے سفر کیا ۔

یحرفون الکلم عن مواضعہ

(۲۰) اب غزوات حیدری بھی ملاحظہ ہو۔ مرزا بازل مشہور شیعہ عالم لکھتے ہیں :۔

ہر گاہ جناب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم دولت سرا سے نکلے۔ تو پہلے در خانہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ پر آئے۔ کس واسطے کہ ابوبکرؓ کو آپ نے مطلع کر دیا تھا کہ ہمارے ساتھ چلنا۔ پس آپؐ نے آواز دی اور گھر سے بلا کر اپنے ہمراہ لیا۔ جب شہر سے باہر نکلے تو یثرب کا راستہ پیش نظر رکھا۔ حضرت رسولؐ خدا نے نعلین مقدس کو پاؤں مبارک سے نکال لیا۔ اور پا برہنہ راہیٔ سفر ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر ابوبکرؓ نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے شانے پر بٹھایا۔ اور تھوڑی دور اور چلے۔ ناگاہ صبح کے آثار نمودار ہوئے۔ مجبوراً لب راہ ایک جائے پناہ تلاش کی۔ اس دشت میں ایک غار نظر آئی۔ جسے عرب کے لوگ غارِ ثور کہتے تھے۔ آخر کار بوجہ خوف اس غار میں پناہ لی۔ پہلے حضرت ابوبکرؓ غار میں داخل ہوئے وہاں بہت سوراخ دیکھے تو اپنی قبا پھاڑ پھاڑ کر سوراخ بند کئے۔ ایک سوراخ رہ گیا تو مردانہ وار اپنا قدم اس میں استوار کیا۔ پھر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی غار میں تشریف فرما ہوئے۔ اور آسودہ ہو کر بیٹھے (ص ۶۵)

مندرجہ بالا تمام حوالہ جات شیعوں کی معتبر کتب سے لئے گئے ہیں۔ ان سے چند امورات مستنبط ہوتے ہیں :۔

۱۔ حضرت ابوبکرؓ کی رفاقت ہجرت اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی۔

۲۔ صدیق اکبرؓ کی اس موانست و غمخواری کا صلہ انھیں یہ ملے گا کہ وہ جنت میں بھی نبی اکرمؐ کے رفیق اور ساتھی ہوں گے۔

۳۔ صدیق اکبرؓ نے مصائب و شدائد کو بخوشی قبول کر کے کما حقہٗ رفاقت کا حق ادا کیا۔ اور دنیا کی ہر چیز نبی علیہ السلام پر قربان کر دی۔

۴۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خود حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے اور انھیں

ساتھ لیا۔

۵۔ حضرت ابوبکرؓ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر سوار کرنے کا شرف حاصل کیا۔

۶۔ غار میں خود پہلے داخل ہو کر سوراخ بند کئے اور جو باقی رہ گیا اُسے اپنے پاؤں سے بند کر دیا۔

(۱۴) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی حضرت علیؓ کو سیدہ فاطمہؓ کے رشتہ کے متعلق نبی علیہ السلام سے عرض کرنے کی جرأت دلائی اور رضامند کیا۔ ورنہ حضرت علیؓ میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی جرأت ہی نہ تھی۔

(ملخص الزہرا ص۳۱ مصنفہ خان بہادر اولاد حید رفوق)

شیعہ اصحاب اس بھری دنیا میں ایسی قربانی، رفاقت، خدمت اور ایثار کا کوئی نمونہ پیش کر سکتے ہیں؟

شیعوں کی تاریخوں میں تو اس قسم کے نظائر بے شمار ملیں گے کہ علیؓ کے ساتھیوں نے ان سے دھوکا کیا۔ حسنؓ کے ساتھیوں نے انھیں زخمی کیا۔ حسینؓ کو بلانے والوں یعنی ان کے شیعوں نے انہیں شہید کیا۔ الغرض یازدہ ائمہ اپنے ہی ساتھیوں کی نافرمانیوں عیاریوں اور غداریوں سے شہید ہوتے رہے تکلیفیں اٹھاتے رہے اور ذلیل ہوتے رہے۔ شاید اپنے ائمہ کے ساتھیوں کی بدکرداریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ لوگ نبی علیہ السلام کے ساتھیوں کو نشانہ سب و شتم بنانے پر آمادہ ہوئے۔

بخوف طوالت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل شیعوں کی کتب سے اس لئے بیان نہ کر سکا کہ حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت کے نکھار کے بعد حضرت عمرؓ کے متعلق لکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی وہ دونوں کردار و اعمال میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو ہیں۔

اونچی سطح کی کتب شیعہ میں فاروق اعظم کے عدل، انصاف، سطوت، طنطنہ، جرأت،

حق گوئی کے سینکڑوں اقتباسات موجود ہیں ۔ جب تک قلم حیدر علی ناصر سلی یاور علی کے ہاتھ میں رہا وہ اپنی غلط بیانیوں کے ساتھ حق گوئی سے بھی اپنے کلام کو محروم نہ رکھ سکے ۔ مگر جب قلم کلب علی کے ہاتھ میں آیا تو وہ صرف دشنام طرازی کے سند اسس کا ہی ہو کر رہ گیا ۔

یہی ابوبکر ہیں جن کی ذات اقدس کے متعلق گھٹیا قسم کے مصنفوں نے سب و دشنام طرازی پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں صفحات سیاہ کئے ہیں ۔ تیسرے باب میں تبرا کے عنوان سے وہ پہلو آگے چل کر سامنے آئے گا ۔

سابق الایمان

بلا اختلاف اس بات پر تمام شیعہ وسنی متفق ہیں کہ تمام امت میں سابق الایمان ہونے کا مقام صرف چار اصحاب کو حاصل ہے ۔ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ ۔ عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ۔ لڑکوں میں حضرت علیؓ اور غلاموں میں زید بن ثابتؓ ۔ چنانچہ طبرسی شیعی نے بھی اپنی تفسیر میں سیدہ خدیجہؓ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا نام لکھا ہے ۔

میرے نزدیک اس شخص سے بڑھ کر بدنصیب کوئی نہیں جو آج اپنے قلب و ذہن میں ہر قسم کی آلائشوں اور غلاظتوں کا انبار لئے ہوئے ہو ۔ اور پھر ان آیاک بزرگوں کے ایمانوں کو ناپنے اور ماپنے میں بلا وجہ ہلکان ہوتا پھرے ۔ وہ سب گلستان نبوت کے شاداب پھول تھے ان سب کی خوشبوؤں سے قیامت تک زمانہ مہکتا رہے گا ۔ جس طرح گلاب کے پھول کی خوشبو اپنے مقام پر روح افزا ہے اسی طرح موتیا کی خوشبو اور دیدہ زیبی اپنے نرالے پن میں باصرہ نواز اور دماغ کو معطر کرنے والی ہے ۔ جس طرح چنبیلی کی خوشبو روح کو وجد میں لانے والی ہے اسی طرح گل شب بو روح و وجدان میں وجد پیدا کرتی ہے ۔ مگر اس کے باوجود جس طرح

ان کی خوشنودی میں فرق ہے اسی طرح ان کے طبعی خواص اور افعال بھی جدا جدا ہیں اسی طرح صحابہ کرام کے مراتب و فضائل بھی جدا جدا ہیں۔ صدیق اپنے مقام پر۔ ام المومنینؓ اپنے مقام پر۔ علیؓ اپنے مقام پر اور زیدؓ اپنے مقام پر۔ الگ الگ مقام رکھتے ہیں۔ مگر ان میں جو مقام صدیق اکبرؓ کا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے[1]۔

مگر قربان ہوں میرے ماں باپ حضرت صدیق اکبرؓ کی روح پر فتوح پر کہ

آپ نے جونہی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سُنا آپ پر ایمان لے آئے۔ وہ ورقہ بن نوفل جس نے آپ کے نبی برحق ہونے کا خود اعلان کیا۔ اس کے متعلق بھی اس قسم کی کوئی روایت نہیں ملتی کہ وہ ایمان لایا۔ اور وہ عبد مناف (ابوطالب) جو بچپن سے نبوت تک۔ اور نبوت سے

---

[1] گو یہ چہار عظیم المرتبت ہستیاں سابق الایمان ہیں۔ مگر یہاں مندرجہ ذیل واقعہ کو اگر آپ ذہن میں رکھ کر اصل حقیقت کو دیکھیں گے تو صدیق اکبرؓ کا مقام پہچانتے میں دیر نہیں لگے گی۔ ۱۹۶۲ء میں جبکہ میں دھریالہ جالب کی جامع مسجد میں خطیب تھا۔ اور اس کے ساتھ قصبہ کے مرکز میں ایک مسجد کی بنیاد رکھ کر درس قرآن شروع کئے ہوئے تھا۔ چند افراد کے البغض للہ نے مجھے مہینوں ایک ذہنی خلفشار اور سوچ میں مبتلا رکھا۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۷ء تک متعدد افراد باترجمہ قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔ اس عرصہ میں متعدد بار میں خود غور و فکر سے قرآن مجید کی تلاوت کر چکا تھا آخر ایک شب ——— عقدہ وا ہوا اور میں نے تقلید کا جُوا اپنے کندھوں سے اُتار پھینکا۔ میرا کنبہ اُس وقت آٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ بیوی، بیٹے، لڑکوں نے، لڑکیوں نے غرضیکہ سب اہل خانہ نے بلا حیل و حجت میرے مسلک میں میرا ساتھ دیا۔ اس وقت میرا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوا کہ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ نے بھی اسی طرح بغیر رد و کد کے اسلام قبول کیا ہوگا۔ مگر پانچ سال جس قصبہ میں میری زندگی کا ہر گوشہ جن لوگوں نے دیکھا۔ ان میں سے ایک نے بھی قبول حق میں میرا ساتھ نہ دیا

نبوت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر پانچ سال کے قریب تھی۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ام المومنینؓ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ مگر پانچ سالہ بچہ کیا سمجھ سکتا تھا۔ آخر ایک روز نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے شفقت آمیز انداز میں اصول دین سمجھائے اور فرمایا کہ انہیں قبول کر لو۔ مگر حضرت علیؓ نے کہا کہ میں اپنے ابا سے پوچھ لوں۔ الغرض بیوی یا غلام یا پانچسالہ بچے کا ایمان لانا اپنی جگہ اور حضرت صدیق اکبرؓ کا ایمان لانا اپنی جگہ۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہم صرف صدیقؓ اکبر کو ہی سابق الایمان کہہ سکتے ہیں۔ گھر کے لوگ تو لازماً یقیناً بغیر کسی سوچ کے گھر کے سربراہ کے دین پر ہوں گے مگر ہمت، جرأت، استقلال، ایثار، قربانی اس مرد مجاہد کی قابل داد ہے جو دوسرے قبیلے، دوسرے محلے دوسرے خاندان کا ہو۔ معاشرہ میں بلند مرتبہ رکھتا ہو۔ کامیاب تاجر ہو ـــ ثروت مند ہو اور اسے اس بات کا یقین ہو کہ میں صرف ایک اکیلے انسان کا اکیلا ساتھی بنکر پوری قوم کو اپنا دشمن بنانے کی دعوت دے رہا ہوں۔ یہ تھے صدیق اکبرؓ جنہیں ہم سابق الایمان کے اصل مقام پر فائز دیکھتے ہیں ⁂

آج یاران طریقت نے یہاں بھی اپنی جدت طرازی سے مردوں میں ابوبکرؓ عورتوں میں خدیجۃ الکبریٰؓ لڑکوں میں علیؓ اور غلاموں میں زیدؓ کہکر صرف حضرت صدیق اکبر کا مقام کم کر کے دکھانے کے لئے تراشی ہے ⁂

حقیقت یہ ہے کہ سابق الایمان صرف ابوبکرؓ صدیق ہی ہیں۔ گھر کے لوگ تو لامحالہ گھر کے سربراہ کے دین پر ہوتے ہیں۔ چونکہ آپ ایک کامیاب تاجر نہایت ملنسار اور با مروت انسان تھے۔ اور لوگ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اس لئے آپ کی تبلیغ سے چند روز میں ہی حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، طلحہؓ بن عبیداللہ۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ بلال حبشیؓ۔ نہدیہؓ۔ نہدیہ کی لڑکی۔ بنی المؤمل کی ایک لونڈی۔ ام عبیسؓ مشرف باسلام ہوگئے۔ آخر اللہ کریم پانچ چونکہ

غلام تھے۔ اور کفار نے ان پر تشدد شروع کر دیا۔ اس لئے آپ نے ان سب کو خرید کر آزاد کر دیا
قبول اسلام سے لے کر نبی علیہ السلام کی ذات تک صدیق اکبرؓ کی زندگی کا ایک
ایک لمحہ نبی علیہ السلام کی معیت میں گذرا۔ ہجرت کے متعلق بھی شیعوں کی مشہور
منظوم کتاب حملہ حیدریہ سے سُن لیجئے :-

زنزدیک آں قوم ہر کر رفت ‌‌‌ ‌ ‌ ‌ بسوئے سرائے ابو بکرؓ رفت
پئے ہجرت او نیز آمادہ بود ‌ ‌ ‌ ‌ کہ سابق رسولش خبردار بود
نبی بر در خانہ اش چوں رسید ‌ ‌ ‌ ‌ بگوشش ندائے سفر در کشید
چوں بوبکرؓ زاں حال آگاہ شد
زخانہ برون رفت و ہمراہ شد ‌ ‌ ‌ ‌ (حملہ حیدریہ)

مگر افسوس کہ شیعیت تو صدیق اکبرؓ کی دشمن تھی ہی ——— اُس کے خدا واسطے
کے وکیل بھی خدا کے خوف سے بے نیاز ہو کر لکھ اُٹھے :-

"اسلام کا یہ نازک ترین مطالبہ ہے اور اتنا نازک ہے کہ ایک مرتبہ
صدیق اکبرؓ جیسا بے نفس متورع اور سراپا للہیت انسان بھی اُس کو پورا
کرنے سے چوک گیا (ترجمان القرآن ربیع الثانی ۵۷ھ جلد ۱۲ عدد ۴ ص ۲۸۸)

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کفر ملّتِ واحد ہے:

اسلام کے خلاف مجوسیّت یہودیت اور عیسائیت کا گٹھ جوڑ

ولتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیھود و

الذین اشرکوا ؕ ۵ : ۸۲

اور تو سب لوگوں میں سے مسلمانوں کے ساتھ زیادہ دشمنی کرنے

والا یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا۔

(۱)

حضرت عمر فاروق کی شہادت کے بعد سے دشمنان اسلام کی خفیہ سازشیں خفیہ سوسائیٹیوں اور خفیہ انجمنوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ آج تک دنیا میں مسلسل موجود ہے۔ اور کوئی زمانہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں یہ دشمن اسلام خفیہ گروہ اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف نہ رہا ہو۔ کبھی یہ ابولولو[1] کی شکل میں تھا کبھی یہ عبداللہ بن سبا اور سبائیہ گروہ کی شکل میں دیکھا گیا۔ کبھی ان کا نام خوارج ہوا اور کبھی یہ عباسیوں اور علویوں کی صورتیں بنوامیہ کے خلاف سازش میں مصروف تھا۔ کبھی یہ عباسیوں کے خلاف علویوں کی طرف سے کوششوں میں مصروف تھا کبھی اس کا نام فدائی اسماعیلیہ گروہ ہوا کبھی اس نے فریمسن کی شکل اختیار کی۔ کبھی اس خفیہ سوسائٹی نے نہلسٹوں اور انارکسٹوں کی شکل وصورت میں ظہور کیا۔ کبھی اس نے ڈپلومیسی اور پالیسی کا جامہ پہنا۔ کبھی شہنشاہیوں کی وزارت خارجہ کے دفتروں میں اس کو جگہ ملی۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام سے پہلے پہلے کا تمام زمانہ کبھی ان خفیہ سازشوں والے گروہ سے خالی نہیں رہا۔ غرضیکہ دنیا میں صرف بتیس پچیس سال ہی ایسے گزرے ہیں کہ جب ہم اس سازشی خفیہ گروہ کو معدوم اور غیر معلوم پاتے ہیں۔ اور یہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کا زمانہ تھا۔ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی یہ خفیہ گروہ برابر دنیا میں موجود پایا جاتا رہا۔

یہی لوگ آگے چل کر جمل اور صفین کے المیہ کا موجب بنے۔ سانحہ کربلا کی باگ ڈور

---

[1] ابولولو آج شیعوں میں بابا شجاع کے نام سے مشہور ہے اور شیعہ بڑے اہتمام اور باقاعدگی سے بابا شجاع کے نام عید مناتے ہیں۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

بھی انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ یہی لوگ سادہ لوح علویوں کو سٹیج پر لاکر کھڑا کرتے رہے۔ اوران کے قتل کا موجب بنتے رہے۔ تاریخ اپنے ورق اُلٹاتی رہی اور یہ کبھی قرامطہ کی صورت میں نمودار ہوئے کبھی آل بویہ کی شکل میں مسلمانوں کے قتل عام کا موجب بنے۔ ان لوگوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں سادہ لوح اور فریب خوردہ مسلمان شریک تھے۔ مگر بطور تخم کام کرنے والے ہر دور میں چند افراد ہی رہے۔ بغداد کے لئے ہلاکو کے دلیل راہ یہی بنے۔ بایزید یلدرم کے مقابلہ میں تیمور کو یہی لوگ لائے۔ اسماعیل صفوی کے مشیر کار یہی تھے۔ نوابان اودھ کی صورت میں یہی لوگ سٹیج پر نمودار ہوئے۔ ہمیشہ ان کا ہاتھ ایک رہا۔ مگر تخریبی انداز بدلتے رہے۔ ترکی میں انجمن اتحاد ترکی کی طرح ڈال کر خلافت کا خاتمہ انہوں نے کیا۔ اور ترکی ترکوں کے لئے ہے کا نعرہ لگا کر اسلامی اقدار کو ترکی سے خارج البلد کرایا۔ ناصر کے پیچھے عرب قومیت کے نعرے کے خالق یہی تھے۔ جنہوں نے مصریوں سے "ہم آل فرعون ہیں" کا نعرہ لگوایا۔ اور لاکھوں فرزندان توحید کو خاک وخون میں تڑپا کر شہید کیا۔

مجوسیت اور سبائیت کے گٹھ جوڑ میں جن سادہ لوح مسلمانوں نے "حب اہل بیت" کے پُر فریب نعرے سے متاثر ہو کر ایک مذہبی شکل اختیار کی۔ اس کتاب میں انہیں فریب خوردہ مسلمانوں کا تاریخی اور مذہبی جائزہ لیا گیا ہے

مشرکین اور یہود کی دُوسری صورتیں جو آج فری میسن۔ لائنز اور روٹری کی شکل میں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ان کا مقصد بھی صرف اور صرف اسلام دشمنی ہے یہود کے ہاتھوں جو لوگ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے فریب خوردگی کا شکار ہوئے انہیں بروئے کار لانے کے لئے جن حربوں سے کام لیا گیا۔ ان میں سے اوّلین مقام شرک کو ملا ۔

اور شرک وبدعت کی تمام صورتیں آج شیعیت اور نام نہاد حنفیت کے ہاں عین

اسلام ہیں۔

آج یہود کے تخریبانہ انداز سراسر بدل چکے ہیں۔ گویا اسلام میں سادہ لوح مسلمانوں کا جو فریب خوردہ گروہ شیعیت کی صورت میں موجود ہے۔ اس نے اپنے جن مبتدعانہ اور مشرکانہ افعال کے دُوررس اثرات سے دنیائے توحید کے اذہان کو سمیت شرک سے مسموم کرکے توحید کے شجرۂ طیّبہ کے پہلو بہ پہلو شرک کے شجرۂ خبیثہ کی آبیاری کی ہے۔ اس کی بیخ کنی ؟

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

شیعیت کا پس منظر!

زیر نظر سطور میں مذہبی سیاسی اور تاریخی نقطہ نگاہ سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد منصب خلافت کے جھگڑے کو صاحب ادراک شیعہ اصحاب کی خدمت میں پیش کرنا مطلوب ہے۔ نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت دو طاقتیں اس ربع ارضی پر حکمران تھیں۔ عیسائی اور مجوسی۔ مگر ان دو طاقتوں کے علاوہ تیسری اور طاقت بھی تھی۔ اور وہ ان دونوں سے خطرناک چالاک اور اپنے عیارانہ حربوں میں بے مثال تھی۔ قرآن نے اصحاب الاخدود کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے۔ مولوی رومی نے ایک عیار یہودی کے قصے میں ان کی فطرت کا نقشہ کھینچا ہے کہ اس نے کس طرح اپنے کان اور ناک کٹوا کر عیسائیوں میں پہنچ کر انھیں تباہ کرایا۔

ہجرت کے وقت مدینہ میں یہود کا بڑا زور تھا۔ عبداللہ بن سلام مشہور یہودی عالم کے اسلام لاتے وقت جو کچھ پیش آیا وہ یہودی ذہنیت کی منہ بولتی تصویر تھی۔

حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب اپنے چچا اور والد کی گفتگو کے متعلق فرماتی ہیں کہ چچا نے میرے والد سے پوچھا کہ یہ وہی پیغمبر ہے۔ والد نے کہا۔ ہاں! پھر چچا نے پوچھا تو اس کے متعلق تمہارے دل میں کیا جذبہ ہے؟ والد نے کہا دشمنی ہی دشمنی!!

مسلمانوں کی ہجرت کے وقت مدینہ کے تمام کاروبار پر یہودی چھائے ہوئے تھے مسلمان بھی ان سے قرض لیتے رہے۔ مگر ان مفلوک الحال اور غریب الدیار اور بے یار و مددگار مسلمانوں کی حالت جب جنگ بدر، احد اور خندق وغیرہ کی لڑائیوں کے بعد ایک خود مختار ریاست کی ہو گئی تو یہودی چکرائے۔ گو اس سے پہلے بھی یہودیوں نے ہر موقع پر مسلمانوں کی مخالفت کی۔ غزوۂ خندق کے خالق اور غزوہ احد کے طرح ڈالی بھی

بھی تھے۔ مگر فتح مکہ کے بعد ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

اس سے پہلے بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع یعنی یہود کے تینوں بڑے بڑے قبیلے اپنی ریاستی اور رئیسانہ سطح سے اپنی بد اعمالیوں وعدہ خلافیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے گر چکے تھے! اور ان کا حاسدانہ جذبۂ عمل اور مخالفانہ رویہ براہِ راست حملہ کرنے کی طاقت کھو چکا تھا اس لیے انہیں اپنے اسی تک کے باپ کی سنت پر عمل کرنے کی سوجھی اور وہ مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔ سعد بن حنیف، زید ابن الصلت، نعمان ابن اوفی ابن عمرو رافع بن حریملہ۔ رفاعہ بن زید بن تابوت، سلسلہ ابن برہام، کنانہ ابن صوریا ان لوگوں کے سرخیل تھے۔ ان کی مرکزی قیادت کی باگ ڈور عبد اللہ ابن ابی کے ہاتھ میں تھی۔ مدینہ میں مسلمانوں کو جن مشکلات سے دوچار ہونا تھا ان میں سب سے بڑی مشکل انہیں یہود کی پیدا کردہ تھی۔ ان لوگوں کی زیر زمین (UNDER GROUND) تحریک اس وقت زوروں پر تھی۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی سے دار البقا کو عازم سفر ہوئے آپ کی وفات کے بعد یک لخت ارتداد اور مانعین زکوٰۃ کے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے۔ صدیق اکبر کی بصارت و بسالت اور فراست نے ان فتنوں کا خاتمہ کیا ہی تھا کہ راہی ملک بقا ہو گئے۔ آپ کے بعد تخت خلافت فاروق اعظم کے قدوم میمنت لزوم سے مزین ہوا۔ تو ایران اور روم کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا اگر اس وقت مسلمانوں کی فوجیں یرموک اور قادسیہ میں آگے بڑھ کر مجوسی اور عیسائی افواج قاہرہ کو ان کی سرحدوں سے پیچھے نہ دھکیلتیں تو شاید نتیجہ کیا ہوتا۔

اس ہنگامہ اور فتوحات کے دور میں یہودی ریشہ دوانیاں بدستور اپنی اندرونی طاقت بڑھانے میں مصروف رہیں حتیٰ کہ حضرت ذوالنورین کی خلافت کا زمانہ آ گیا۔ خلیفہ ثالث کے زمانہ تک مختلف حیلوں میں یہودی ذہن اپنے اپنے طور پر کام میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ یہود کو عبد اللہ بن سبا یمنی نو مسلم یہودی کے وجود میں ایک شاطر کی راہنمائی میسر آ گئی۔ مشہور شیعہ کتاب

رجال کشی کے صفحہ ۱۷۱ پر مرقوم ہے کہ عبداللہ بن سبا شہر صنعا یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ بظاہر مسلمان ہو کر اس نے چند روز مدینہ میں گزارے اور حالات کا مطالعہ کرتا رہا۔ پھر بصرہ پہنچ کر حکیم بن جبلہ سے ملا۔ جو ذمیوں کو لوٹنے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے حکم سے نظربند تھا۔ یہاں اس نے بڑی چابکدستی سے کہنا شروع کیا کہ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ مسلمان حضرت عیسٰیؑ کے دوبارہ آنے کے تو قائل ہیں۔ لیکن ان سے افضل حضرت محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ آنے کے قائل نہیں (تاریخ اکبر شاہ خان اور ابن کثیر مصری ص ۱۶۷)

چند نو مسلم اس کے چکر میں پھنس گئے۔ تو اس نے کہنا شروع کیا کہ جس طرح نبوت پر ایمان لانا فرض ہے امامت پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔ بعض موقعوں پر کہا کہ جناب امیر بپیکر انسانی میں خدا ہیں۔ (غنیۃ الطالبین) علی خدا ہیں اور میں ان کا نائب ہوں۔ (رجال کشی) پھر اس نے کھل کر کہنا شروع کیا کہ حضرت علیؓ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنانا بڑی حق تلفی ہے۔ اس کی تلافی یوں ہو سکتی ہے کہ خلیفہ کو قتل کر کے علی کو خلیفہ بنایا جائے (البدایہ والنہایۃ اور تاریخ اکبر شاہ خان)

جب حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر کو اس کی ان ریشہ دوانیوں کا علم ہوا اور اس نے بلا کر ڈانٹ پلائی تو یہ چپ چاپ وہاں سے بھاگ کر کوفہ جا پہنچا۔ مگر بصرہ میں اپنے کافی ہم خیال چھوڑ گیا۔ اور کوفہ کو اپنا مرکز بنا کر اپنے ہی عقائد کا پرچار شروع کیا۔

کوفہ میں سعید بن عاص گورنر کو اس کی فتنہ انگیزیوں کی خبر ہوئی تو وہ شام کی طرف بھاگ نکلا۔ مگر کوفہ میں مالک بن اشتر نخعی۔ کمیل بن زیاد۔ علقمہ بن قیس ثابت بن قیس۔ جندب بن زہیر عامری۔ جندب بن کعب ازدی۔ عروہ بن جعد۔ عمرو بن حمق خزاعی وغیرہ اپنے متعدد جانشین پیدا کر گیا۔

مگر شام میں حضرت معاویہ اس کے کردار سے پہلے ہی واقف ہو چکے تھے اس لئے وہ شام میں نہ ٹک سکا اور مصر پہنچ گیا۔ اس کے مصر پہنچنے پر اس کے مجوزہ دستور العمل کے مطابق کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے اپنے اپنے عمال کے خلاف حضرت عثمانؓ کی خدمت میں شکایتیں لکھ کر بھیجنی شروع کیں اور پھر مصر سے بھی یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔

حضرت عثمانؓ نے چند لوگوں کو دریافت حالات کے لئے ان مقامات پر بھیجا مگر معلوم ہوا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔

۳۳ھ میں حج کے موقع پر تمام عمال اکٹھے ہوئے اور حالات پر غور کیا گیا۔ اور چند اصلاحی تدابیر سوچنے کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ مگر سازش کی یہ کھچڑی اندر اندر پکتی رہی۔

ایک دفعہ عبداللہ بن سبا نے حضرت ابو درداءؓ کے سامنے بھی بڑے محتاط انداز سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو انھوں نے صاف کہہ دیا کہ مجھے تو تم یہودی نظر آتے ہو۔ عبادہ بن صامتؓ سے اس قسم کی گفتگو کی تو انہوں نے پکڑ کر معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے اسے دمشق سے نکال دیا۔

اب دوبارہ پھر تحریری خط و کتابت شروع ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ نے ۳۴ھ کے حج پر سب کو جمع کیا۔ ان ایام میں عبداللہ بن سبا کے سازشی مدینہ میں جمع ہو گئے۔ حج کے موقع پر اچھی خاصی بحث و تمحیص ہوئی۔ لوگ ہر قسم کے اعتراض کرتے رہے اور آپ جواب دیتے رہے۔ مگر بغیر کسی ٹھوس فیصلہ پر پہنچنے کے اجلاس برخاست ہو گیا۔ اور لوگ رخصت ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا نے مصر میں بیٹھے بیٹھے اپنے تمام خفیہ انتظامات مکمل کر لئے۔ تحریک کا اصل راز سوائے چند خاص الخاص مسلم نما یہودیوں کے کسی اور کو معلوم نہ تھا۔

گویا ان لوگوں نے حبِّ علیؓ اور حمایتِ اہلِ بیت کی آڑ میں اسلامی خلافت کو درہم برہم کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ اور عرب کے سادہ لوح اور عجم کے نومسلم عبداللہ بن سبا کے فریب میں آ گئے۔

آخر مصر، کوفہ اور بصرہ کے سازشیوں نے آپس میں رابطہ قائم کر کے مدینہ کا عزم کیا۔

شوال ۳۵ھ میں مصر سے ایک ہزار، بصرہ سے ایک ہزار، کوفہ سے ایک ہزار کا قافلہ نکلا۔ ان لوگوں نے مدینہ سے قریب پہنچ کر علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ سے رابطہ قائم کیا۔ ان سب نے ملامت کی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ کم از کم مصر کا عامل ضرور تبدیل کر دیجئے۔ چنانچہ محمد بن ابوبکرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا گیا۔

واپس جانے کے تین چار روز بعد قافلے پھر اکٹھے ہو کر نعرے لگاتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علیؓ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا۔ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے غلام عبداللہ بن سعد کے ہاتھ مصر کے عامل کو رقعہ لکھا ہے کہ ان لوگوں کے مصر پہنچتے ہی انہیں قتل کر دیا جائے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدینہ سے مصر، کوفہ اور بصرہ ایک دوسرے کی مختلف سمتوں کی طرف واقع ہیں اگر مصر کے لوگوں کو شکایت پیدا ہوئی تو مخالف سمتوں میں سفر کرنے والوں کو اس بات کا کیسے علم ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہودی اپنی اس سازش کو جو انہوں نے سالہا سال کی کوششوں سے تیار کی تھی۔ پروان چڑھا کر ہی دم لینا چاہتے تھے۔

الغرض حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور چالیس روز یہ محاصرہ قائم رہا۔ آپ نے اپنے بچاؤ کے تمام انتظامات سے انکار کر دیا تھا۔

مختصر یہ کہ خلیفہ ثالث شہید کر دیئے گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۵

یہودیوں کی ان تمام کارروائیوں سے مجوسیوں کا باخبر رہنا مستبعد نہیں بلکہ یہودیوں نے مجوسیوں کی تحریک سے متاثر ہو کر کام شروع کیا تھا۔ یہودیوں کی ان سازشوں سے سالوں پہلے ایک فرزند مجوس ناطق بالصدق والصواب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ثانی کو شہید کر چکا تھا[1]۔

یقیناً ابن سبا کے تیار کردہ گروہ میں مجوسی بھی موجود تھے۔ دونوں کا مقصد ایک دونوں کا مطمح نظر ایک دونوں کا ارادہ ایک۔ پھر یہ یقینی بات ہے کہ یہودیوں کے ساتھ مجوسی بھی ضرور تھے۔ خلیفہ دوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجوسی شقاوت کا شکار ہوئے۔ اور جامع القرآن کامل الحیا عدالایمان ذی النورین حضرت عثمان ابن عفان خلیفہ ثالث یہودی ریشہ دوانیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

قاتلین عثمانؓ شہادت عثمانؓ کے وقت پورے طور پر مدینہ پر قابض تھے۔ ابن سبا کا ایک نائب غافقی بن حرب العلی جو مصری بلوائیوں کا لیڈر تھا۔ پانچ دن تک امیر مدینہ رہا۔ حضرت ذوالنورینؓ کی محصوری کے ابتدائی ایام میں مسجد نبوی میں نمازیں بھی یہی پڑھاتا رہا۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۲۹) صرف جمعہ کی نماز حضرت علیؓ نے پڑھائی۔ نہایت حیران کن بات یہ ہے کہ حضرت ذوالنورینؓ شہید ہو جاتے ہیں۔ شیعوں کے خلیفہ بلافصل حضرت حیدر کرار موجود ہیں۔ نمازیں باغی پڑھاتے ہیں۔ اور آپ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہ بات ہزاروں سے متجاوز افراد کو ذہن نشین کرا چکا تھا کہ علیؓ وصی ہیں۔ امام ہیں۔ بلکہ اپنے خاص خاص لوگوں کو یہ بھی بتا چکا تھا کہ علی خدا ہیں اور میں ان کا نائب ہوں۔ مگر علیؓ کو آگے لا کر خلافت ان کے حوالے نہیں کرتے تھے۔ مقام غور ہے کہ کیا علی کرم اللہ وجہہ اس تمام سازش کے مالہٗ وما علیہ سے قطعاً بے خبر تھے۔

---

[1] ابولؤلؤ کو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے چند روز پہلے ہرمزان نومسلم مجوسی اور جفینہ عیسائی غلام کے پاس دیکھا تھا۔ ابولؤلؤ اس کو دیکھ کر

قاتلین عثمانؓ نے ایک ہنگامہ پیدا کر کے خلیفہ ثالث کو شہید تو کر دیا مگر حالات کو سنبھالنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ اگرچند روز یہی افراتفری کی کیفیت رہتی تو نا معلوم نتیجہ کیا نکلتا اکثر صحابہؓ اچانک فتنہ کو وقتی طور پر کچھ سمجھنے اور کرنے سے الگ سے ہو چکے تھے مگر جب بلوائیوں نے کہا کہ علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ میں سے اگر کسی نے خلافت قبول نہ کی تو تینوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ اب صحابہ کرامؓ اپنے حواس کو قابو میں لا کر جمع ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلافت کا بار اٹھانے کے لیئے کہا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ کو اپنے متعلق یہ معلوم تھا کہ میں امام اوّل، وصی رسول اور خلیفہ بلا فصل ہوں تو انہوں نے قبول خلافت سے انکار کر کے حکم الٰہی کی نافرمانی کی ———— آخر بڑے اصرار اور تقاضہ کے بعد آپ نے منصبِ خلافت قبول کیا۔

ذرا اطمینان کی فضا پیدا ہوئی تو آپ کو عبداللہ بن سبا کے نظریات بھی معلوم ہوئے۔ اب آگے مناقب آل ابی طالب تالیف محمد بن علی مازندرانی مطبوعہ بمبئی جلد ثانی صفحہ ۲۲ سطر ۱۲ ملاحظہ کیجئے۔

> عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ عبداللہ بن سبا نبوت کا مدعی اور علی مرتضیٰ امیر المومنین کی الوہیت کا معتقد تھا۔ پس جب امیر المومنین کو عبداللہ بن سبا کے اس عقیدے کا علم ہوا تو آپ نے اسے بلا کر دریافت کیا۔ اس نے اعتراف کیا۔ اور کہا آپ معبود برحق ہیں۔ پس کہا علی مرتضیٰ نے اس سے افسوس ہے تجھ پر تحقیق شیطان تم سے تمسخر کرتا ہے۔ تیری ماں تیرے ماتم میں رہے۔ اس عقیدہ سے باز آ جا۔ اور توبہ کر۔ پس جب اس نے انکار کیا۔ تو آپ نے اسے قید کر دیا۔ تین روز متواتر اسے توبہ کی ہدایت کی۔ جب وہ تائب نہ ہوا

تو اُسے آگ میں جلادیا۔

تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ یہی واقعہ کتاب لسان الصادقین فی شرح الاربعین تصنیف علی حسین زنگی پوری مطبوعہ مطبع اثنا عشری سید عابد علی ص۴۲ پر مرقوم ہے البتہ وہاں یہ الفاظ زائد ہیں کہ

اس نے جہال شیعہ کی طرف رجوع کر کے امیرالمومنین علی مرتضیٰ کی اُلوہیت کا انہیں سبق دیا۔ اور آپ نے اس کو معہ اس کے متبعین کے آگ میں جلا دیا۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ شہادت ذوالنورین کا کرتا دھرتا ابن سبا تھا۔ جہال شیعہ کو علی کی اُلوہیت کی طرف راغب کرنے والا ابن سبا تھا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس فرقہ کا بانی ابن سبا ہی تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ علیؓ نے اسے معہ اس کے متبعین کے جلا دیا۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت علیؓ کی طرف امامت، وصایت، اُلوہیت اور بلا فصل خلافت کے جو نظریات منسوب کیے گئے۔ وہ عبداللہ بن سبا کے جلائے جانے پر ختم نہیں ہوتے بلکہ پوشیدہ کر دیئے گئے۔ اور بہت بعد دوبارہ اجاگر کیے گئے۔

عبداللہ بن سبا کے آگ میں جلانے کی روایت بھی من گھڑت ہے۔ تمام تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ جنگ جمل سے پہلے حضرت ام المومنین اور حضرت علیؓ کے درمیان مفاہمت کی فضا پیدا ہو چکی تھی مگر سبائیوں نے اپنے گروہ کیا ام المومنین کی فوج پر حملہ کر کے جنگ شروع کرادی۔ جنگ صفین میں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور جب قاتلین عثمانؓ کو حضرت علیؓ نے اپنے لشکر سے الگ کرنا چاہا تو بیس ہزار آدمی لشکر سے الگ ہو کر کہنے لگے کہ ہم سب قاتلین عثمانؓ ہیں۔ گویا اب عبداللہ بن سبا ایک ابن سبا نہیں تھا۔ بلکہ بیس ہزار ابن سبا تھے۔ اور ابن سبا خود ان میں موجود تھا۔ علی کرم اللہ وجہہ نے ابن سبا کو

کب جلایا۔ کہاں جلایا اور کس تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ نے ابن سبا کو جلایا تھا۔ یہ ایک من گھڑت اور وضعی بات ہے۔ عبداللہ بن سبا کے نظریات پر تو بعد میں یہ تمام عمارت کھڑی کی گئی۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے ابن سبا کو جلا وطن کر دیا تھا۔ مگر کب جلا وطن کیا۔ وہ تو آخر تک آپ کے ساتھ رہا۔ حضرت حسنؓ کے خلع خلافت کے وقت اسی کے ایما سے آپ پر حملہ کیا گیا۔ اور بہت بعد کہیں اپنی موت مرا ۔

ایران کے مجوسی

ان لوگوں کے دلوں میں کینہ کی پہلی چنگاری اس روز بھڑکی جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں باقی بادشاہوں کو دعوت اسلام کے نامہ ہائے مبارک لکھتے وقت پرویز شاہ ایران کو بھی نامہ لکھا۔ پرویز نے بغیر پڑھے ہی اُسے چاک کر کے اپنے ایک گورنر باذان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ محمدؐ کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کرے۔ مگر جب باذان کے فرستادہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ آج کی شب تمہارے بادشاہ پرویز کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔ اور پرویز کے نامہ مبارک چاک کرنے پر آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اس نے میرا رقعہ نہیں چاک کیا۔ بلکہ اپنی سلطنت کو چاک کیا ہے۔

اب آگے مشہور شیعہ مؤرخ حسین کاظم زادہ کی زبان سے سنیئے :

> جس دن سعد بن ابی وقاص نے خلیفہ دوم کی جانب سے ایران کو فتح کیا .... ایرانی اپنے دلوں کے اندر کینہ و انتقام کا جذبہ پالتے رہے .... یہاں تک کہ فرقہ شیعہ کی بنیاد پڑ جانے سے پورے طور پر اس کا اظہار کرنے لگے۔

صاحبان واقفیت واطلاع اس بات کو بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ شیعیت

کی بنیاد وظہور میں اعتقادی مسائل اور نظری و نقلی اختلافات کے علاوہ ایک سیاسی مسئلہ بھی تھا۔

آگے چل کر اس سیاسی مسئلہ کو یہی مصنف واضح کرتے لکھتا ہے کہ

ایرانی ہرگز اس بات کو کبھی نہ بھول سکتے تھے نہ معاف کر سکتے تھے اور نہ قبول کر سکتے تھے کہ مٹھی بھر ننگے پیروں پھرنے والے عربوں نے جو جنگل وصحرا کے رہنے والے تھے ان کی مملکت پر تسلط کر لیا ہے ان کے قدیم خزانوں کو لوٹ کر غارت کر دیا ہے۔ اور ہزاروں لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔

آگے چل کر یہی مصنف لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مدائن وغیرہ کے مفتوح ہزاروں ایرانیوں کو لونڈی غلام بنا لیا۔ اور حضرت علیؓ اور حسینؓ نے اپنے اپنے حصے میں آئے ہوئے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اور پھر ان کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس طرح تمام قیدی آزاد ہو گئے۔

ایرانیوں کی نفرت کا ایک اور واقعہ بھی اسی حسین کاظم زادہ کی زبان سے سنیئے

ہرمزان ایرانی کو جو خوزستان کا سابق والی اور "از بزرگ زادگان وصاحب افسران ایران" تھا مع ایک اور شخص کے قتل کر دیا کیونکہ ابولولو اکثر بازان کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے سیاست کو عدالت پر ترجیح دیکر خون بہا اپنے پاس سے ادا کر کے عبید اللہ کو آزاد کر دیا۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے عبید اللہ کو قصاص میں قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔

مصنف یہ واقعہ لکھنے کے بعد اس پر بحیثیت ایرانی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس معاملہ نے ایرانیوں کے دلوں میں عمرؓ و عثمانؓ کے خلاف غصہ اور

کینہ کی آگ کو بھڑکا دیا۔ اور حضرت علیؓ امیر المومنین کے ساتھ ان کی محبت کو اور زیادہ کر دیا۔ ایرانی جو اپنے بادشاہ اور سرپرست سے محروم ہو گئے تھے۔ اس دن سے حضرت علیؓ کو اپنا حامی اور مہربان سمجھنے لگے اور ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں اپنے اخلاص و محبت کا اظہار کرنے لگے۔ (ملخص از تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی)

حالانکہ یہ سب جھوٹ اور فریب ہے۔ حضرت عثمانؓ نے عبید اللہ کو ہرمزان کے بیٹے قباذان کے حوالے کیا تھا۔ ہرمزان بظاہر مسلمان تھا مگر درپردہ پکا اسلام دشمن مجوسی تھا۔ اور اس کا بیٹا قباذان پکا مسلمان تھا۔ اور اپنے باپ کی سازش سے بھی واقف تھا۔ اس نے عبید اللہ کو "فتركته لله" اللہ واسطے چھوڑ دیا تھا۔ طبری اس واقعہ پر الگ عنوان قائم کر کے تبصرہ کرتا ہے۔ طبری ج ۵ ص ۴۳-۴۴) حضرت عثمانؓ نے اپنے پلے سے کوئی خون بہا ادا نہیں کیا تھا۔ یہ صرف عجمی سازش کی سحر کاری ہے اور لطف یہ کہ بڑے بڑے محققین اور مورخین نے اسے درست تسلیم کر لیا۔

اسی طرح لونڈی اور غلام بنانے والا پہلا واقعہ بھی سرتاسر غلط ہے۔ صرف اہواز کے مقام پر بغاوت ہوئی تو ابو موسیٰ اشعریؓ نے بغاوت کچل کر وہاں کے لوگوں کو گرفتار کیا۔ مگر حضرت عمرؓ کے حکم سے سب چھوڑ دیئے گئے۔ مدائن کی فتح کے وقت بھی سب نے جزیہ دینا قبول کیا۔ اور ذمی بن کر رہنا منظور کیا۔ اور وہ بدستور اپنی جائدادوں اور املاک پر قابض رہے۔ صرف جلولا کی جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ غلام اور لونڈیاں مسلمان لشکریوں کے ہاتھ آئیں۔ ان میں اعلیٰ خاندان کی لڑکیاں بھی تھیں۔ حضرت عمرؓ سبایا الجلولیات سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(ملاحظہ ہو مختصر طبری ج ۱ ص ۱۲۵۔ تاریخ الامم الاسلامی ج ۱ ص ۱۶۵ اخبار الطوال ص ۱۲۶)

عبداللہ بن سبا کی زیر زمین سرگرمیاں اور مجوسیوں کی ریشہ دوانیاں ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ دونوں اسلام دشمن تھے۔ دونوں کے دل میں اسلام کے خلاف بغض و عناد کی چنگاریاں سُلگ رہی تھیں۔ دونوں اپنے اپنے مقام پر پورے طور پر اسلام کے خلاف محاذ قائم کر چکے تھے۔ مگر دونوں کے طریق کار میں معمولی سا فرق تھا۔ مجوسی اپنی زبان، طرزِ معاشرت، نشست و برخاست اور زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں عرب کے طریق زندگی میں اپنے آپ کو مدغم نہیں کر سکتے تھے۔ مگر یہود عربی النسل تھے۔ ان کا طرزِ زندگی بالکل عربی تمدّن کو اپنائے ہوئے تھا۔ مجوسی پہلی نظر میں پہچانے جاتے تھے کہ یہ غیر عرب ہیں۔ مگر یہودیوں کو مسلمانوں میں گھل مل جانے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ دونوں کے مل جانے پر قیادت کا یہودیوں کے ہاتھ میں آجانا قدرتی امر تھا۔ اس لئے یہاں مؤرخین نے اسلام دشمنی میں صرف یہودیوں کا نام لیا ہے۔ ورنہ فلسفہ تاریخ کا ایک مبتدی بھی حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا کہ سبائی عنصر صرف یہودی اسلام دشمن گروہ پر مشتمل نہیں تھا۔ بلکہ پورا مجوسی ذہن، مجوسیوں کا سرمایہ، مجوسیوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ شیعیت کی پوری دینیات مجوسیت اور ثنویت کا چربہ ہے۔

اسلام دشمنی میں سبائیت کی نسبت مجوسیت کو اولیت کا مقام حاصل ہے۔ سبائیت سے پہلے مجوسیت شہادت فاروق کا کارنامہ انجام دے چکی تھی۔ گو قیادت کا تاج سبائیت کے سر رہا۔ مگر اس میں روح پھونکنے والی قوت مجوسیت کی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق جن عقائد کا اظہار سبائیت نے کیا۔ وہ تمام مجوسی اعتقاد کا چربہ تھے۔ اور جس طرح یہودیوں کو عرب کی اجارہ داری کے چھن جانے کا صدمہ یا مجوسیوں کو ایرانی سلطنت کے خاتمہ کا افسوس تھا اسی طرح عیسائیوں کو مصر سے ملک بدر ہونے کا غم تھا۔ اور یرموک میں پٹنے کی بدنامی سبائی وفد جو مصر سے مدینہ پہنچا اس میں عیسائی نومسلم

کی اکثریت تھی۔ اور کوفہ کے وفد میں مجوسی نومسلم زیادہ تھے۔ یوں سمجھئے کہ مجوسی یہودی اور عیسائی پورے طور پر اسلام کو مٹانے کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کر چکے تھے اور آخر انہوں نے علیؓ کی آڑ میں ذوالحجہ ۳۵ھ میں مدینۃ النبیؐ میں ہزاروں صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حضرت ذوالنورینؓ کو شہید کر دیا۔

خلافتِ علیؓ

۱۸ ذی الحج ۳۵ھ کو حضرت عثمانؓ شہید ہوئے ۲۱ ذی الحج ۳۵ھ کو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی۔ آپ قبولِ خلافت سے انکاری تھے اور لوگ مُصِر تھے۔ آپ کے بار بار انکار پر لوگوں نے حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ کو بھی قبول بیعت کے لئے مجبور کیا۔ مگر سب نے انکار کیا۔ ۲۰ ذی الحج کو مفسدین نے اعلان کر دیا۔ کہ اگر ہم سے بیعت قبول نہ کی گئی تو ہم علیؓ طلحہؓ زبیرؓ تینوں کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ بعض اصحاب کے مجبور کرنے پر علیؓ نے بیعت قبول کر لی۔

صحابہ کرامؓ کا زیادہ سنجیدہ اور سمجھدار طبقہ جان چکا تھا کہ فتنہ کا دروازہ کھل چکا ہے اس لئے ان میں سے متعدد نے بیعت نہ کی البتہ طلحہؓ سعدؓ زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ چونکہ معززین اور نامور صحابہ میں شمار ہوتے تھے اس لئے انہیں بیعت کے لئے مجبور کیا گیا۔

مروان بن حکم بھاگ گیا۔ اموی حضرت عثمانؓ کا خون آلود کُرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں لے کر دمشق پہنچ گئے۔

ادھر حالات یہ تھے ادھر طلحہؓ اور زبیرؓ نے قاتلین عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں پورا انصاف کروں گا مگر ابھی بلوائیوں کا تسلط ہے اور امر خلافت ابھی مستحکم نہیں ہوا میں اطمینان

اور سہولت حاصل ہونے کے بعد اس طرف توجہ دوں گا۔

تیسرے دن آپ نے حکم دیا۔ کہ کوفہ، بصرہ اور مصر سے آئے ہوئے تمام لوگ واپس چلے جائیں۔ یہ حکم سُن کر ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔

یہ گویا آپ کی خلافت کی پہلی بد فالی تھی کہ جن لوگوں نے آپ کے نام پر آپ کا نام لے کر عثمانؓ کو شہید کیا۔ انھوں نے ہی آپ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ تھا شیعانِ علیؓ کا پہلا کردار۔ اس کے بعد آپ نے عثمانی عمال کی معزولی اور اپنے عمال کی تقرری کے پروانے جاری کئے جو سب صرف کاغذی پروانے ہی رہے۔ شام سے مخالفت کے نعرے بلند ہونے شروع ہو گئے۔ گویا اب ان تمام فتنوں کا سدِ باب شام پر حملہ تھا۔ مگر اس حملہ کی تیاری سے پہلے ہی حضرت عائشہؓ جو حج سے واپس آ رہی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے قتل سے آگاہ ہو کر واپس مکہ چلی گئیں۔ طلحہؓ اور زبیرؓ بھی حضرت علیؓ کی اجازت سے مدینہ چھوڑ کر مکہ پہنچ چکے تھے۔

حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ

۱۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل ابھی تک حضرت علیؓ کی فوج کے ساتھ تھے یعنی مجوسی، یہودی اور عیسائی گروہ۔

۲۔ حضرت علیؓ نے عثمانی عمال کی معزولی اور اپنے معاون و انصار کی تقرری کے پروانے جاری کئے۔ مگر کسی پر عمل نہ ہوا۔

۳۔ طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کی طرف سے قاتلین عثمانؓ سے قصاص کا تقاضا شروع ہو گیا۔

۴۔ اکثر اہل مدینہ گوشہ نشین ہو گئے۔

اب مکہ سے حضرت عائشہؓ نے شدت سے خون عثمانؓ کا مطالبہ شروع کر دیا

اقعات کے سیاق و سباق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا کے سازشی یقیناً
مہ پہنچ چکے ہوں گے۔ مگر صدیقہ کا بنات ان کے فریب میں نہ آئیں۔

حضرت علیؓ نے ان حالات میں مدینہ کی نسبت کوفہ کو محفوظ مقام سمجھا اور عازم
سفر ہو گئے۔ متعدد جلیل القدر صحابہ نے روکا مگر آپ نہ رکے۔

حضرت علیؓ ذی قار میں پہنچے تو طلحہؓ و زبیرؓ بصرہ پہنچ کر اہالیان بصرہ سے خون عثمانؓ پر بیعت
لے چکے تھے۔ غرض خانہ جنگی کی فضا تیار ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے قعقاع کو سفیر
بنا کر ان کے پاس بھیجا۔ اور حالات کچھ سنبھلتے نظر آئے۔ مگر سبائیوں نے خطرہ محسوس
کر کے الگ ایک مجلس منعقد کی۔ اس میں اشتر نخعی، شریح بن اوفی، عبداللہ بن سبا،
سالم بن ثعلبہ، علاب بن ہیثم کے علاوہ اڑھائی ہزار افراد شامل تھے۔

فیصلہ ہوا کہ اگر عائشہؓ اور علیؓ کے درمیان صلح ہو گئی تو دونوں کی تلواریں ہماری
گردنوں پر ہوں گی۔

امن کی فضا سازگار ہوتی جا رہی تھی کہ رات کو سبائی یہودیوں، مجوسیوں، اور
سبائیوں نے طلحہؓ اور زبیرؓ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ گھبراہٹ میں طلحہؓ اور زبیرؓ نے علیؓ کی
فوج پر حملہ کر دیا۔ ہر فریق نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا۔ بس وہ
جو ہونا تھا۔ جنگ ہوئی اور چار ہزار مسلمان کھیت رہے۔

حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کو باعزاز مدینہ روانہ کیا۔ فریقین کے مقتولین
کا نماز جنازہ پڑھ کر دفنایا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اسی ہزار کا لشکر جمع کیا
دریائے فرات عبور کر کے شام کی سرحد میں داخل ہو گئے۔

ادھر سے معاویہؓ کا لشکر پہنچ گیا۔ بات وہی قاتلین عثمانؓ کے قصاص سے
شروع ہوئی۔ یہ سن کر تقریباً بیس ہزار سبائیوں نے علوی فوج سے الگ ہو کر
کہا ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔

حضرت علیؓ اس سے پہلے جلوت و خلوت میں سینکڑوں بار اس بات کا اعلان کر چکے تھے اور اپنی بات کو قسموں سے مؤکد کر کے اپنے خطبات میں بیان کر چکے تھے۔ کہ خون عثمانؓ میں میرا ہاتھ نہیں۔ پھر اس وقت حضرت علیؓ کو ان لوگوں نے خلیفہ منتخب کیا تھا جنہوں نے پہلے تین خلفاء کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ یہاں شیعی اثرات نے بعض اذہان کو اس حد تک متاثر کیا ہے کہ وہ فوراً اس قسم کے سوالات پیدا کر دیتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی حیثیت ایک صوبائی حاکم کی تھی اور حضرت علیؓ کی حیثیت ایک سربراہ مملکت کی معلوم نہیں کس ضابطہ یا قانون کے تحت معاویہ حضرت علیؓ سے خون عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور پھر وہ عثمانؓ کے جائز وارث بھی نہیں تھے بلکہ ایک دور کے رشتہ دار تھے۔ مگر ایسے اعتراض کرنے والے اس وقت کی انارکی کی کیفیات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن سے پوری مملکت دوچار تھی۔ معاویہ حقیقت میں اس قسم کا مطالبہ کر کے حضرت علیؓ کو مجوسیت، یہودیت اور عیسائیت کے گٹھ جوڑ سے نکالنا چاہتے تھے۔

فریقین یعنی شیعہ سنی دونوں نے اس موضوع پر جی بھر کر طبع آزمائی کی ہے۔ مگر ابھی تک بات وہیں کی وہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے معاویہؓ سے بیعت طلب نہ کر کے شام پر حملہ کا ارادہ کر لیا اور جنگ صفین ہو کر رہی۔ مقتولین کی تعداد ستر اور نوے ہزار کے درمیان بیان کی جاتی ہے اور یہ فوج کی وہ تعداد تھی جو تمام کرۂ ارضی کو فتح کر سکتی تھی۔ آخر جب شامی افواج میں شکست کے آثار نظر آنے لگے تو عمرو بن العاصؓ کے مشورہ سے قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے کہا گیا کہ اے گروہ عرب! خدا رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے۔ تم فنا ہو گئے۔ دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔

عمرو بن العاصؓ کے ان لفظوں سے صاف نظر آتا ہے کہ وہ اس فتنہ سے پورے

طور پر باخبر تھے۔ اور اگر معاویہ حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہوجاتے تو تمام ملک کا ایک جیسا حشر ہوتا۔

حضرت علیؓ نے لڑائی بند کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن اشتر اور اس سے سبائی گروہ کے آدمی لڑائی بند کرنے کے حق میں نہ تھے بلکہ وہ تو مسلمانوں کا قتل عام چاہتے تھے۔ سال بھر کی جنگ کے بعد ۱۳ صفر ۳۷ھ کو ایک معاہدہ لکھ کر ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کو عمرو بن العاصؓ نے چکمہ دے کر علیؓ کی معزولی کا اعلان کرادیا۔ جس پر نہ عمل ہونا چاہیئے تھا اور نہ ہوا۔ اور اب اسی سبائی گروہ نے کہنا شروع کر دیا۔ کہ علیؓ کافر ہوگیا ہے۔

یہ سبائیوں کا دوسرا زیر زمینی حملہ تھا (تفصیل دوسرے مقام پر ہے) حکمین کے فیصلے کے بعد معاویہ بدستور امیر شام رہے۔

نہروان کی شکست کے بعد خوارج میں سے تین آدمیوں نے علیؓ معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے قتل کے فیصلہ پر متفق ہوکر رمضان ۴۰ھ میں بیک وقت تینوں پر حملہ کیا۔ علیؓ شہید ہوگئے۔ اور موخر الذکر دونوں بچ گئے۔

یہاں ایک نہایت توجہ طلب نکتے کی طرف قارئین کو توجہ دلائی جاتی ہے۔ کہ جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کا بھائی عقیل ابن ابی طالب معاویہ کے ہمراہ تھا اور معاویہ کا بھائی زیاد بن ابی سفیان حضرت علیؓ کی طرف سے فارس کا گورنر تھا۔ (ملخص از تاریخ اسلام جلد دوم اکبر شاہ خان وغیرہم)

حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ منتخب ہوئے مگر وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق معاویہ کے حق میں دستبردار ہوگئے۔ یہودی تحریک اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔ مسلمان تین گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ خوارج،

شیعہ اور سُنّی۔ خوارج تو ختم ہو گئے مگر شیعہ اور سنی کی چپقلش جاری رہی۔
سبائی تحریک اپنے مشن میں کامیاب ہو چکی تھی۔ تمام عالم اسلام امری حکومت پر مطمئن ہو کر خاموش ہو چکا تھا۔ مسلمان جمل اور صفین کی خانہ جنگیوں میں ایک لاکھ تک اپنے فرزندوں کو قربان کر چکے تھے۔ اور وہ کسی حد تک اس فتنہ سے واقف بھی ہو چکے تھے۔ اب معاویہ نے سربراہ مملکت بننے کے بعد اس گروہ کی گوشمالی کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ وقتی طور پر یہ فتنہ دب گیا۔ معاویہ کے مرنے کے بعد یزید کے زمانہ میں واقعہ کربلا پیش آیا تو اس بجھی ہوئی راکھ سے مختار ثقفی مسلمانوں کے سروں پر برق جہندہ بن کر کوندا۔ مختار جس کے عقائد ونظریات اور حالات دوسرے مقام پر لکھے گئے ہیں کے قتل ہونے کے کچھ عرصہ بعد حجاج بن یوسف نے معمولی معمولی سے شک پر بڑی بڑی جلیل القدر ہستیوں کو موت کی نیند سُلا دیا۔ ان حالات میں سبائی نظریات کے پنپنے کے مواقع تقریباً ختم ہو چکے تھے۔ اور گو ان لوگوں نے اپنے ناموں کے ساتھ محبان علیؓ یا شیعان علیؓ کا لیبل چسپاں کر رکھا تھا۔ مگر اموی حکمرانوں کو محبان علیؓ کا لفظ تک سننا گوارا نہ تھا۔ چونکہ وہ محبان علیؓ کے مدعیوں کے پس منظر سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ وہ جان چکے تھے کہ محبان علیؓ کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔ بلکہ یہ وہی سبائی فتنہ کی پیداوار ہیں۔ عرب ممالک میں یہ تحریک ابھرتی رہی۔ مٹتی رہی۔ مگر یہ اپنے اندر ماضی کی طرح کوئی دم خم پیدا نہ کر سکی۔
سبائیت کو خوب معلوم ہو چکا تھا کہ جزیرہ نما عرب میں اب اس کے پنپنے کی گنجائش نہیں۔ اور سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ مجوسیت کے مرز و بوم میں پناہ لی جائے۔ ایران میں شہادت فاروقؓ کے دن کو بابا شجاع کی عید کے نام سے منانے والے پیدا ہو چکے تھے۔ سبائیت کو اپنے دین و مذہب سے کوئی غرض نہ تھی۔

اس کا دین و مذہب صرف یہی تھا کہ اسلام کو ختم کیا جائے اب یہ لوگ گروہ در گروہ ایران میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ ایران کی سرزمین مرکز سے بہت دور تھی اور ابھی اس ملک میں بڑے بڑے مرزبان اور دہقان اپنے آبائی مذہب پر کاربند تھے۔ انہوں نے ان نو واردوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور انہیں اپنے نظریات پھیلانے میں پورے تعاون کا یقین دلایا۔ چونکہ کھلم کھلا یہ لوگ اسی صورت میں اپنے نظریات پھیلا سکتے جب خاک از تودۂ کلاں بردار کے مصداق کسی جلیل القدر ہستی کو اپنی آڑ بنا لیتے۔ اور وہ ہستی حضرت علیؓ کی صورت میں پہلے ہی ان کے اذہان میں مقام حاصل کر چکی تھی۔ حضرت علیؓ کو آڑ بنا کر عوام میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لئے وصایت، ولایت اور امامت کے نظریات کی اشاعت ہی ایک کارگر حربہ تھا اور اس حربہ سے اس قدر کام لیا کہ آج شیعہ مذہب کی بنیاد ہی ان باتوں پر ہے۔

امام مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں جب سبائیوں نے یہ جھوٹا الزام لگایا کہ انھوں نے اصلی قرآن جلا دیا ہے تو یہ سنکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ بہتان ہے آپ نے اختلاف والی چیز کو جلایا ہے اور متفق علیہ کو باقی رکھا ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ خدا کی قسم اگر حضرت عثمانؓ کی جگہ میں ہوتا تو وہی کچھ کرتا جو انھوں نے کیا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۷۱)

جب سبائیوں نے خلیفۂ وقت کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور آپ کا آب و دانہ بند کر دیا تو حضرت علیؓ آپ کی خدمت میں پہنچے اور باغیوں کے خلاف جہاد کی اجازت طلب کی۔ اس پر خلیفۂ مظلوم نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کے قتل کے معاملہ میں ابتداء نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت علیؓ یہ سن کر واپس آ گئے۔ اور یہ لفظ آپ کی زبان پر تھے۔

اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ اب میں معذورین میں سے ہوں۔ (تبیین ذوالنورین جلد ۲ ص ۳۱۹)

شہادت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ قاتلان عثمانؓ پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور شیعہ عالم سید علی نقوی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اُن لوگوں پر جنہوں نے عثمانؓ بن عفان کو قتل کیا۔ (رجال بخاری جلد ا صفحہ ۱۵۰۔ امامیہ مشن لکھنؤ)

ایک موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ ہم سب سے افضل، سب سے زیادہ رحیم، سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ پاکباز تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۳)

جنگ صفین کے بعد حضرت معاویہ نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ اے ابن عم جو ہونا تھا ہو چکا اب آپ کو صلح کر لینی چاہیے۔ اس پر حضرت علیؓ رضامند ہو گئے۔

(تاریخ ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۲۴)

جنگ صفین کے زمانہ میں کسی عیسائی حکمران نے حضرت معاویہ کو امداد کی پیشکش کی تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر میرے بھائی علیؓ تیرے خلاف فوج کشی کریں تو میں ان کی فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت میں تیرے خلاف جنگ کروں گا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۹)

جب بعض یہودی سبائیوں نے حضرت معاویہ کو کافر کہنا شروع کیا تو حضرت علیؓ نے اپنے تمام مقبوضہ ممالک میں اعلان کرایا کہ ہمارا اور اہل شام کا خدا ایک، رسول ایک، اور اسلام ایک ہے۔ ہاں خون عثمانؓ کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہے۔ اور ہم خون عثمانؓ سے بری ہیں۔ (نہج البلاغۃ جلد ۳ ص ۱۲۵)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہر نماز کے بعد حضرت معاویہ پر لعنت بھیجا کرتے تھے لیکن لعنت تو کجا؟ وہ تو دوسروں سے ان کے خلاف کوئی بات سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ واقعہ صفین کے بعد جب چند لوگوں کو آپ نے معاویہ کو برا کہتے ہوئے سنا تو فرمایا۔ معاویہ کو برا مت کہو۔ معاویہ جب تم لوگوں سے اُٹھ جائیں گے

تو تم دیکھو گے کہ کتنے متفرق سے جدا ہوتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ ابن عساکر ص ۲۱۸)

جب حضرت معاویہؓ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علیؓ کو ان کے ایک شیعہ (جو بعد میں خارجی ہو گیا تھا) نے شہید کر دیا ہے تو بے اختیار رونے لگے۔ بیوی نے حیران ہو کر وجہ پوچھی تو کہنے لگے آج دنیا کا سب سے بڑا عالم شہید ہو گیا ہے۔

مشہور شیعہ مؤرخ ابن الحدید لکھتا ہے کہ معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو دس لاکھ درہم عطا کیے۔

(ناسخ التواریخ ۶/۴۔ ابن الحدید ۴/۸۲۳۔ تاریخ الامت ۲/۷)

جب حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کوفیوں سے فرمایا کہ میرے والد مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ معاویہؓ کی امارت قبول کرنے سے کراہت نہ کرنا۔

(البدایہ جلد ۸ ص ۱۳۱۔ ابن الحدید ۳/۸۳۶)

حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی حضرت معاویہ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ جامع کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے آل محمدؐ تم میں سے جو بھی حشر کے دن لا الہ الا اللہ کہتا ہوا آئے گا بخشا جائے گا۔ اس پر معاویہؓ نے پوچھا اے بھتیجے آل محمدؐ کون ہیں۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا۔ کہ جو لوگ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور آپ کو گالیاں نہیں دیتے۔ (ابن عساکر ۸/۳۱۲)

مشہور شیعہ مؤرخ ابن طقطقی نے لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ نہایت حلیم اور بردبار تھے جب ابن عباسؓ ان کے پاس گئے تو انہوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اور ان کا وظیفہ مقرر کیا۔ اس کے علاوہ عطیات بھی دیتے رہے (الفخری ص ۹۴)

سنہ ۵۳ھ میں جب امیر یزید امیر الحج بن کر مکہ گئے اور حج کے بعد مدینہ پہنچے۔ تو عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے جو حضرت علیؓ کے داماد اور حسنینؓ کے بہنوئی تھے، اپنی بیٹی سیدہ ام محمدؓ کا عقد یزید بن معاویہ کے ساتھ کر دیا۔ (جمہرۃ الانساب ص ۶۲)

آج مروان اور یزید کے نام گالی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں یہ لوگ جو تاریخ سے نابلد، دین سے کورے، علم سے بے بہرہ اور عقل و خرد سے بیگانہ ہیں صرف شیعوں کی دیکھا دیکھی ایک رٹ لگائے جا رہے ہیں اور اس بات کا ذرہ بھر خوف ان کے دل میں نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کن لوگوں کے حق میں کہہ رہے ہیں۔

ذرا مروان بن حکم کے متعلق بھی سن لیجئے حضرت حسینؓ کی دو بہنیں خدیجہ بنت علیؓ اور رملہ بنت علیؓ اسی مروان کے دو بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں۔ اور خود حسینؓ کی بیٹی سیدہ سکینہ مروان کے پوتے اصبغ ابن عبدالعزیز کے نکاح میں تھیں۔

(طبقات ابن سعد ۸/۳۷۵ - ابن قتیبہ ۱/۱۲۲)

آگے چلئے !

مروان کا آخری وقت ہے ایسے وقت میں لوگ اپنی ذات اور اپنی اولاد کے خیال میں پھنسے ہوتے ہیں۔ مگر مروان اپنے بیٹے عبدالملک کو کہتا ہے کہ علی (زین العابدین) نے مجھ سے ایک لاکھ درہم قرض لئے تھے میرے مرنے کے بعد ان سے اس رقم کا مطالبہ نہ کرنا (البدایہ جلد ۹ صفحہ ۲۵۸)

امیر یزید مدینہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے فوج بھیجتا ہے مگر امیر لشکر کو یہ ہدایت کرتا ہے۔ کہ علیؓ (زین العابدین) بن حسینؓ کی رعایت کرنا اور ان کی پوری عزت و تکریم ملحوظ رکھنا۔ کیونکہ انہوں نے ہی مجھے اس بغاوت کی خبر دی ہے۔

(طبری جلد ۲ صفحہ ۳)

خود شیعہ مصنفین نے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے حضرت محمد باقر بیان کرتے ہیں کہ جب میرے والد مسلم بن عقبہ سے ملنے گئے تو اس نے میرے والد کو تخت پر بٹھایا۔ مزاج پرسی کی۔ والد صاحب نے جواب میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ مسلم نے کہا۔ امیر المومنین یزید نے مجھے آپ سے حسن سلوک کی ہدایت کی ہے۔ والد صاحب نے فرمایا۔

ان کے لئے اللہ کی سلامتی ہو اور اس کی طرف سے جزائے خیر۔

(جلاء العینین ص۲۷۶ الامامۃ والسیاستہ جلد۱ ص۲۳)

محمد بن حنفیہ یعنی حضرت علی کے فرزند ایک بار یزید کی ملاقات کو گئے۔ واپس آئے تو باغیوں کے امیر ابن مطیع نے اُن سے کہا کہ یزید فاسق، فاجر اور شرابی ہے۔ اس لئے آپ اس کی بیعت توڑ دیں۔ آپ نے فرمایا۔ خدا سے ڈرو۔ کیا تم نے اسے یہ سب کچھ کرتے دیکھا ہے؟ میں تم سے زیادہ عرصہ اس کے پاس رہا ہوں مگر میں نے ان میں سے کوئی بات اس میں نہیں دیکھی (البدایہ جلد۸ ص۲۳۳)

مروان کے مرنے کے بعد عبدالملک خلیفہ ہوئے تو جن لوگوں نے سب سے پہلے ان کی بیعت کی ان میں علی (زین العابدین) بن حضرت حسین بھی تھے اسی لئے عبدالملک ان کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔ (طبقات الکبریٰ جلد۵ ص۱۵۹ تابعین ص۳۸۲)

عبدالملک کے بیٹے ولید کے نکاح میں حضرت حسن کی دو پوتیاں تھیں۔ ایک سیدہ بنت حسن مثنیٰ دوسری نفیسہ بنت زید۔ حسن مثنیٰ اور زید دونوں بھائی کربلا سے صحیح وسالم واپس آئے تھے جن لوگوں نے کربلا کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اب وہی اپنی بیٹیاں اسی خاندان میں بیاہ دیتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ آج جس صورت میں واقعہ کربلا کی ہیئت ہمارے سامنے ہے اور غالی حنفی پیش کرتے ہیں اصل صورت وہ نہیں ایسا سنگدل کون ہو سکتا ہے جو اپنے دادا کے قاتلوں کی اولاد کے نکاح میں اپنی لڑکیاں دے دے۔

ان واقعات سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ شیعہ سنی نزاع بہت بعد کی پیداوار ہے امویوں اور عباسیوں نے کبھی علویوں کی مخالفت نہیں کی۔ ہاں جب کسی علوی نے خروج کیا تو سیاست ملکی تقاضے ملحوظ رکھ کر ان کی ضرور سرکوبی کی گئی۔

حضرت علیؓ حسنؓ اور حسینؓ

نے

اصحابِ ثلاثہؓ اور معاویہؓ و یزیدؓ کے ہاتھ پر بیعت کی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی۔

جنگ صفین سے واپسی کے موقع پر حضرت حسنؓ سے فرمایا۔ امیر معاویہ کی امارت کو برا نہ سمجھنا۔ اور اگر تم نے ان کی امارت سے علیحدگی اختیار کی تو تم دیکھو گے کہ کس مقدار میں لوگوں کی گردنوں کی کھوپڑیاں اڑیں گی (نہج البلاغۃ ص ۸۳۶/۳)

حضرت علیؓ نے ایک بار معاویہ اور ان کے رفقاء کے متعلق فرمایا،

اخوانا فی الاسلام (نہج البلاغۃ بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۳۸)

حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کو کہتے ہیں تو داماد پیغمبر کے اس مرتبہ پر پہنچا ہے جس تک یہ دونوں (ابوبکرؓ اور عمرؓ) نہیں پہنچے

(خطبہ جناب علی بنیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغۃ

مترجمہ سید ذاکر حسین مطبع یوسفی دہلی ص ۱۲۷)

حضرت حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کی۔ شیعہ ان کی خدمت میں آئے اور بعض ان میں سے امام پر معاویہؓ سے بیعت کرنے کی وجہ سے ملامت کرنے لگے (جلاء العیون)

ہم میں سے کوئی نہیں ہے مگر یہ کہ اس کی گردن میں بیعت خلیفہ موجود زمانہ سے واقع ہوتی ہے سوائے ہمارے امام قائم کہ عیسیٰؑ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

(جلاء العیون بحوالہ احتجاج طبرسی)

اسی مضمون کی ایک حدیث بحوالہ کافی، حق الیقین ص۲۴۱ پر بھی مضمون ہے۔
حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس پر سلیمان بن خرد نے
کہا کہ معاویہؓ بدرک واصل شد وحسینؓ بیعت خود را شکستہ (صحیح الاخران ص۴۵)
حضرت موسیٰ الکاظم) نے مہدی عباسی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُسے
یا امیر المومنین کر کے خط لکھا (اصول کافی کتاب الحج باب الفضی)
حالانکہ بقول حضرت جعفر الصادق) امیر المومنین کا خطاب جناب امیرؓ سے پہلے کسی کا نہ تھا اور
اگر کوئی بعد کو اختیار کرے تو وہ کافر ہے حتیٰ کہ امام مہدی بھی اس لقب سے ملقب نہ
کئے جائیں گے (اصول کافی کتاب الحجۃ)
حضرت علیؓ کا ایک قول ہے کہ ہم دونوں فریق مسلمان ہیں۔ ایک خدا اور ایک
رسول کو ماننے والے ہیں۔ ہم ان سے زیادہ مسلمان نہیں ہیں کہ انہیں بُرا کہا جائے۔
(تلخیص نہج البلاغۃ ص۵۹)
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ اسکے متعلق روضہ میں حضرت علیؓ کا ایک قول بدیں الفاظ
مرقوم ہے: نور اللہ قبر عمر رضی اللہ تعالیٰ کما نور مساجد اللہ بالقرآن
حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے شروع میں چند روز تک حضرت علیؓ نے آپ کے ہاتھ پر
بیعت نہ کی تو ابوسفیانؓ نے حضرت علیؓ کو ابوبکر صدیقؓ کے خلاف خروج پر آمادہ کرنا چاہا مگر
حضرت علیؓ نے ابوسفیانؓ کو حقارت سے جھڑک دیا۔ کیونکہ وہ اس فعل کو برا جانتے تھے جب
ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ خلافت کے معاملہ میں کسی کی رشتہ داری کو کوئی دخل نہیں۔
بلکہ اس کے لئے اور ضروری باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے بعد خلافت کے مستحق ہیں تو وہ خود بخود آکر صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور اس
کے بعد سب سے زیادہ صدیق اکبرؓ کے وہی معین و مددگار اور دل سے فرمانبردار تھے۔
(تاریخ اسلام جلد اول ص۲۶۴ اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

حضرت علیؓ اور حسنینؓ صحابۂ کرامؓ کے حق میں کیا کہتے ہیں؟

اہل سنت والجماعت کی معتبر کتابوں میں تقریباً اسی سندوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ اس امت میں نبیؐ کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر ان کے بعد عمرؓ۔

چونکہ شیعہ حضرات کے سامنے یہ کوئی سند نہیں اس لئے آیئے ہم ان کی معتبر کتابوں کو سرسری نظر سے ہی دیکھ کر اندازہ کریں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ صحابۂ کرام کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

۱۔ اور تھے سب سے افضل اسلام میں جیسا کہ تم نے بیان کیا اور سب سے زیادہ مخلص اللہ اور رسول کے خلیفہ صدیقؓ۔ اور خلیفہ کے خلیفہ فاروقؓ اور قسم اپنی جان (کے مالک) کی کہ بہ تحقیق مرتبہ ان کا اسلام میں بڑا ہے۔ اور ان کی وفات سے اسلام میں سخت زخم پہنچا۔ اللہ ان دونوں پر رحم کرے اور ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دے۔ (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ طہران جلد ۳ حضرت علیؓ کا خط بنام امیر معاویہؓ)

۲۔ جناب امیر کا ایک خط سب شہروں کے مسلمانوں کی طرف بیان کیا ہے اس میں وہ قصہ جو ان میں اور اہل صفین میں واقع ہوا آپ فرماتے ہیں، ابتدا ہمارے معاملہ کی یہ ہوئی کہ ہمارا اور اہل شام کا مقابلہ ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ ہم دونوں کا رب ایک، نبی ایک اور دعوے اسلام بھی ایک تھا نہ ہم ان میں زیادتی چاہتے تھے اللہ پر ایمان اور رسول کی تصدیق میں اور نہ وہ ہم میں زیادتی چاہتے تھے۔ مگر جھگڑا پڑ گیا ہم

دونوں میں خونِ عثمانؓ پر اور ہم اس سے پاک ہیں۔ (نہج البلاغۃ)

حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کو کہتے ہیں:۔

۳۔ میں ایسی کوئی بات نہیں جانتا جو آپ نہ جانتے ہوں نہ آپ کو کوئی ایسی بات بتاتا ہوں جس کو آپ نہ پہچانتے ہوں۔ بہ تحقیق جو میں جانتا ہوں آپ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہے جیسے ہم نے دیکھا اور سنا ہے آپ نے رسولؐ کی صحبت پائی جیسے ہم نے پائی۔ اور ابوبکرؓ و عمرؓ حق پر عمل کرنے کے آپ سے زیادہ حقدار نہ تھے۔ آپ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت ان کے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ آپ نے دامادئ رسولؐ پائی جو انہوں نے نہیں پائی[1]

(نہج البلاغۃ قسم اول مطبوعہ مصر ص۳۲۲)

۴۔ امیر معاویہؓ کے نام خط کا ایک ٹکڑا۔

اور سوا اس کے نہیں کہ انتخاب خلافت کا مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے۔ اگر وہ کسی شخص پر اتفاق کر لیں اور اس کو امارت کے لئے نامزد کر دیں وہ خدا کا پسندیدہ امام ہے۔[2] (نہج البلاغۃ قسم دوم مطبوعہ مصر ص۸)

۵۔ حضرت امام حسن رضی اللہ کے متعلق ایک حدیث۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے اور مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائیگا۔ (ناسخ التواریخ ص۵۵)

حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے امیر معاویہؓ کی خلافت کی بیعت۔

۶۔ حضرت حسنؓ کو حضرت علیؓ کے بعد خلیفہ بنایا گیا۔ مگر آپ نے بطیب خاطر امیر معاویہؓ سے صلح کر کے اپنی خلافت ان کے سپرد کر دی اور ان کی بیعت کر لی۔ اور

---

[1] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے اس واضح فرمان کے علی الرغم آج کے شیعہ حضرات نبی علیہ السلام کی دوسری بیٹیوں کے ہی سرے سے منکر ہیں۔ تفصیل کے لئے حصّہ اول دیکھئے۔

[2] آج کے شیعہ حضرات خلافت کو منصوص مانتے ہیں جو صریحاً حضرت علیؓ کے ارشاد کے خلاف ہے

ان کی بیعت کر لی۔ اور وظیفہ لے کر الگ ہو گئے۔ (فضائل مرتضوی وغیرہ)

امیر معاویہؓ نے مروان کو لکھا کہ تمہارا خط ملا۔ تم ہرگز معترض امام حسینؓ نہ ہونا اور جب تک وہ تم سے تعلق نہ رکھیں تم بھی ان سے علاقہ نہ رکھنا کہ جب تک وہ میری بیعت پر وفا کریں گے میں ان کا معترض نہ ہوں گا۔ (جلال العیون صفحہ ۳۶۹)

۷۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ :۔

خدا کی طرف بلانے اور جہاد کرنے کی اجازت خدا کی طرف سے اس کو ملتی ہے جو مظلوم ہو مظلوم وہ ہوتا ہے جو مومن ہو۔ مومن وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل دس صفتیں پائی جائیں :۔

۱۔ غیر اللہ کی عبادت نہ کرے۔ (۲) اس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔

۳۔ کافروں پر سخت ہو (۴) مسلمانوں پر مہربان ہو۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا طالب ہو (۶) قتل ناحق اس سے صادر نہ ہو۔

(۷) زنا کار نہ ہو (۸) اپنے گناہوں سے توبہ کیا کرتا ہو۔

(۹) ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہو (۱۰) روزہ اور نماز کا خوب پابند ہو۔

اور اس کی تائید میں امام صاحب نے بہت سی آیات پڑھیں اور یہ بھی تصریح کی کہ یہ آیتیں صحابہ مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ پھر یہ بھی تصریح کی ہے کہ جن مہاجرین نے روم اور فارس میں جہاد کیا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ماذون بہ جہاد تھے[1] پھر فرماتے ہیں مہاجرین پر دو طرح کے ظلم ہوئے اہل مکہ نے ان پر ظلم کئے۔ ان کو گھروں سے نکالا۔ اور ان کا مال چھین لیا۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے جہاد کیا۔ پھر قیصر و کسریٰ اور قبائل عرب و عجم نے ان پر ظلم کئے پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے قیصر و کسریٰ سے جہاد کیا۔ (فروع کافی جلد اول کتاب الجہاد صفحہ ۶۰۹ تا ۶۱۲ سے ملخص)

---

[1] روم کے جہاد میں یزید کی شمولیت سے کسی کو انکار نہیں۔

حضرت علیؓ کا خط امیر معاویہ کے نام

۵ - انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل وسموہ اماما کان ذٰلک للّٰہ رضی ......

ترجمہ : بہ تحقیق مجھ سے بیعت کی ہے ان لوگوں نے جنہوں نے بیعت کی تھی ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ سے انہیں شرائط پر۔ جن شرائط کے ساتھ ان سے کی تھی۔ لہذا اب نہ حاضر کو اختیار حاصل ہے کہ کسی اور کو پسند کرے اور نہ غائب کو کہ میری خلافت کو رد کر دے۔ خلافت کا حق مہاجرین اور انصار کو ہے۔ وہ اگر اس شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام کہہ دیں تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام ہے (نہج البلاغۃ)۔

تبصرہ

حضرت علیؓ اپنی خلافت کے انتخاب کے جواز میں حضرات ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے انتخاب کی شرائط پیش فرماتے ہیں جس کا صاف مطلب ہے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو برحق جانتے تھے۔

اس خط سے ثابت ہوتا ہے کہ "امام کا منصوص ہونا" یاران طریقت کی بہت بعد کی ایجاد ہے۔

حضرت علیؓ نے بطیب خاطر اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو تسلیم کیا۔

معاویہؓ و یزید اور علیؓ حسنؓ حسینؓ

ایک دوسرے کی نظر میں

امیر معاویہ رحلت کے وقت یزید کو وصیت کرتے ہیں۔

لیکن امام حسینؓ پس ان کی نسبت و قرابت جناب رسالتمآب سے تجھے معلوم ہے۔ وہ حضرتؐ کے بدن کے ٹکڑے ہیں۔ انہیں کے گوشت و خون سے انہوں نے پرورش پائی ہے۔ مجھے علم ہے کہ عراق والے ان کو اپنی طرف بلائیں گے اور ان کی مدد نہ کریں گے تنہا چھوڑ دیں گے اگر تو ان پر قابو پائے تو ان کے حقوق اور عزت کو پہچاننا اور ان کا مرتبہ اور قرابت جو رسولؐ سے ہے اس کو یاد رکھنا۔ ان کے افعال کا ان سے مواخذہ نہ کرنا۔ اور اس مدت میں جو روابط کہ میں نے ان سے مضبوط کیے ہیں۔ اس کو نہ توڑنا اور خبردار ان کو کوئی تکلیف نہ دینا۔

(ترجمہ جلال العیون صفحہ ۴۲۱، ۴۲۲)

اے بیٹا ہوس نہ کرنا۔ اور نیک کردار رہنا۔ تاکہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو تو تیری گردن پر حسین بن علیؓ کا خون نہ ہو۔ ورنہ کبھی آسائش نہ دیکھے گا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا (ناسخ التواریخ)

ایک دفعہ چند مصاحبوں نے امیر معاویہ کو کہا کہ حسینؓ ہر وقت آپ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور آپ خاموش ہی رہتے ہیں تو معاویہ ہنسے اور فرمایا تم دونوں نے غلط کہا۔ میں حسین بن علیؓ کا کیا عیب بیان کر دوں مجھ جیسے کو کیا درست ہے کہ کسی کی غلط عیب جوئی کر کے دوسرو

سے تکذیب کرلیے حسینؓ کا عیب کس طرح کہوں کہ واللہ میں ان میں کوئی عیب نہیں پاتا ....الغرض ایسی کوئی بات جو امام حسینؓ کو ناگوار خاطر ہوتی معاویہؓ نے نہ لکھی۔" (ناسخ التواریخ ج ۶ ص۳۸)

○ امیر معاویہؓ کا معمول تھا کہ ہر سال ہزار ہزار درہم بیت المال سے امام کی خدمت میں بھیجتے۔ اس کے علاوہ بیش بہا تحفے تحائف بھی بکثرت روانہ کرتے رہتے تھے۔ (ناسخ التواریخ)

○ ایک بار یمن کا خراج شام کی طرف لیجایا جا رہا تھا۔ جب قافلہ مدینہ پہنچا تو امام حسینؓ نے تمام مال ضبط کرکے تقسیم کر دیا۔ اور امیر معاویہؓ کو بذریعہ خط اطلاع دی تو معاویہؓ نے جواب میں لکھا:۔

اگر آپ اونٹوں کا قافلہ مجھ تک آنے دیتے تو جو کچھ آپ کا حصہ ہوتا میں اس سے دریغ نہ کرتا۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں اے میرے بھتیجے آپ آمادہ مخالفت نہیں ہیں۔ اور جب تک میرے دم میں دم ہے آپ کو تکلیف نہ ہوگی کیونکہ میں آپ کی قدر و منزلت کو جانتا ہوں اور آپ کو اس اقدام پر بھی معاف کرتا ہوں۔ (ناسخ التواریخ صفحہ ۵۷-۵۸)

○ یزید نے ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو جو خیر خواہ اہل بیت تھا اور امام حسینؓ کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا (جلاء العیون ص۴۲۴-۴۲۵) مدینہ کا حاکم اور مروان بن حکم کو جو جناب امیر اور ان کی اولاد کا دشمن تھا برخاست کیا۔ (جلاء العیون ص۴۲۲) (حیرت ہے مروانؓ پر یہ تہمت کیوں ہے کہ وہ حضرت علیؓ کا دشمن تھا) علیؓ کی زبان میں معاویہؓ کا یہ شعر اکثر کتب شیعہ میں مرقوم ہے ؎

خیر البریۃ بعد احمد حیدر فالناس ارض والوصی سماء

امیر یزید کے متعلق سید نبیر حسین زیدی لکھتے ہیں کہ یزید صبح اٹھ کر نماز پڑھتا تھا اور طلوع آفتاب تک وظیفہ میں مشغول رہتا تھا (ملخص محمد ارنامہ ص۱۱۱)

شیعہ اور صحابہ کرامؓ

مگر ایسی واضح، ٹھوس، بین اور واشگاف تصریحات کے باوجود بعد میں آنے والے شیعہ مصنفین نے کس تضاد بیانی سے کام لیا۔

○ صرف تین } عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان الناس اھل ردۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الا ثلاثۃ قلت ومن ثلاثۃ فقال المقداد بن الاسود وابو ذر الغفاری وسلیمان الفارسی

(روضہ کافی ص۱۱۵)

○ حضرت محمد باقر سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے بعد سوائے تین آدمیوں کے سب مرتد ہو گئے (راوی کہتا ہے) میں نے پوچھا وہ تین بزرگ کون تھے آپ نے فرمایا۔ مقداد بن الاسودؓ۔ ابوذر غفاریؓ۔ سلیمان فارسیؓ۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

صرف چار: یعنی علی اور ان چار شخصوں کے سوا امت میں سے سب نے بخوشی بیعت کی (احتجاج طبرسی ص۴۸) چوتھے سے مراد حضرت عمار ہیں۔

ایک بھی نہیں: حضور کی وفات کے بعد تمام بنی ہاشم مرتد ہو گئے۔

(مجالس المومنین جلد سوم)

بارہ ہزار:۔ اصحاب رسول بارہ ہزار تھے۔ آٹھ ہزار مدینہ سے دو ہزار غیر مدینہ سے دو ہزار رہا کردہ لوگوں میں سے اور کوئی ان میں نہ قدری تھا نہ مرجی نہ حروری نہ معتزلہ نہ خود رائے۔ پس سب شب و روز روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ یا اللہ خمیری روٹی کھانے سے پہلے ہماری روح قبض کر لے۔

(از امام جعفر۔ کتاب خصائل ابن بابویہ وحیات القلوب ملا باقر مجلسی ج ۲ ص ۵۹۸)

کہتے ہیں دروغ گو را حافظہ نباشد۔ پہلی روایت کے مطابق تین دوسری کے مطابق چار۔ تیسری کے مطابق ایک بھی نہیں اور چوتھی کے مطابق بارہ ہزار۔ اور پہلی روایت میں اس محبِّ اہل بیتؑ نے علیؑ فاطمہؑ اور حسنینؑ کو بھی نہ بخشا۔ اگر کہا جائے کہ وہ تو امام اور معصوم تھے ان کے ارتداد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو دوسری روایت میں بھی حضرت علیؓ کے نام کی ضرورت نہ تھی۔ پھر سب کے ارتداد میں تو ایک بھی نہ بچا۔ چوتھی روایت میں جن فرقوں کے نام مذکور ہیں ان فرقوں کے بانیوں کے باپ بھی اس زمانہ میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ جن کا ذکر فاضل مصنف نے کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ روایت گھڑنے والے سب کے سب تاریخ سے بھی اور دین سے بھی جاہل تھے۔ جن لوگوں نے حیات القلوب مجالس المؤمنین اور اختصاص کا مطالعہ کیا ہے وہ ان باتوں سے بے خبر نہیں۔ جو بڑی شد ومد سے بیان کی گئی ہے کہ کسی کو علیؓ کی امامت میں تمسک تھا۔ کسی نے نافرمانی کی اور کسی پر کوئی ظالم مسلط ہوا۔ اور کسی پر عذاب نازل ہوا۔

کتاب اختصاص میں معتبر سند سے امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے سلیمانؓ تیرا علم اگر مقدادؓ پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے پھر آنحضرتؐ نے مقدادؓ کو فرمایا کہ اے مقدادؓ اگر تمہارا صبر سلیمانؓ پر پیش کیا جائے تو وہ ضرور کافر ہو جائے۔ (ترجمہ از حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۶۰۰)

کچھ معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

کور باطنی

مگر سینکڑوں واضح آیات اور ہزاروں فرمودات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
علی الرغم ایک گروہ نبی علیہ السلام کے وصال کے ربع صدی بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور
دبی زبان میں اکثر صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخیاں شروع کر دیتا ہے نصف صدی
گذرنے کے بعد کہنا شروع کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے تمام صحابی
مرتد ہو گئے تھے۔ گویا نبی علیہ السلام کی تئیس سالہ محنت سے سینچی ہوئی کھیتی اجاڑ کر
رکھ دی جاتی ہے۔ آپؐ کی محنت سے لگایا ہوا تر و تازہ پُر بہار باغ جلا کر راکھ کر دیا جاتا
ہے۔ دین حق کی تبلیغ کی مرکزی ریاست مرتدوں کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ گویا محمدؐ
کو پیدا کر کے نہ اللہ اپنی مشیت کو پورا کرنے پر قادر ہو سکا نہ نبی تئیس سال میں منافقوں
اور فاسقوں سے اپنے آپ کو بچا سکا۔ دنیا جس طرح کفر و عصیان کے سمندر کے بحر
مواج میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس سے بھی اسفل مقام پر پہنچ گئی۔ اس سے بڑھکر
ناانصافی، فراست کی کمی۔ بصیرت کا فقدان۔ عقل کی بے مائیگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ
بیک جنبش قلم۔ بیک اشارہ ابرو بیک حرکت مجنونانہ اپنے نظریات کو پھیلانے کے لئے
اسلام کو ہی جڑ سے ختم کر دیا جائے اور اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے میں ذرہ بھر
خوف نہ کیا جائے کہ جن کی زد میں آکر صحابہ کرامؓ تو درکنار نہ اللہ کی الوہیت قائم ہے
اور نہ رسولؐ کی رسالت بچ سکے۔ ایک صدی گذرنے کے بعد مجوسیت و یہودیت کا وہ ٹولہ
جو فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کی شہادت کا موجب بنا تھا اور اپنے آپ کو شیعان علیؓ
کے نام سے منسوب کرتا تھا۔ اس نے علیؓ اور ان کے جانشینوں کو بھی نہ بخشا۔ عملاً
تو وہ علی کرم اللہ وجہہ اور حسنینؓ سے نپٹ چکے تھے۔ اب عملی طاقت کھو کر زبانوں

کے تیر چلانے لگے اور حضرات علی و حسنین کے فرمودات کے خلاف وہ کچھ کہنا شروع کر دیا۔ جن کا تصور بھی ان نفوس قدسیہ کے سایہ تک بھی رسائی نہ کر سکتا تھا۔

شیعوں کی تبرا بازی سے متنفر ہو کر زبانہ حال کے ایک شیعہ مؤرخ کو اپنی قوم سے احتجاج کرنا پڑا کہ :-

اسلام کی آسمانی کتاب کسی مذہب کے بزرگوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں بُرا کہنے کی اجازت نہیں دیتی۔ مذہبی احکام سے قطع نظر...... عقلاً اور اخلاقاً بھی کوئی ضمیر کسی دُوسرے کی توہین کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتی ...... سنی اگرچہ ائمہ اہل بیت کی خلافت (خلافت بلافصل مولف) کے قائل نہیں تاہم ان کا احترام کرتے ہیں۔

.... شیعوں کے اس فعل نے انہیں ہمیشہ مغلوب ومقہور رکھا۔ انہوں نے سیاسی و مذہبی نقصان اٹھائے۔ طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں دُوسروں کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہوئے، تاہم اپنی ضد پر جمے ہوئے ہیں۔ اور خود کو مومن کہتے ہیں۔ مگر یہ خبر نہیں کہ قرآن مومنوں کی تعریف میں والذین ھم عن اللغو معرضون یعنی وہ بے ہودہ باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ کہنا ہے ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اس رسم کو جسے شیعہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ دُوسروں کی مذہبی توہین اور دلآزاری بلکہ موجب نقص امن سمجھ کر جبراً و حکماً روک دیا جائے۔

(مجاہد اعظم جلد اول ص۲۳۲ مولفہ شاکر حسین نقوی)

اصحاب ثلاثہؓ سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو ہرگز کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی۔

اور نہ ان کے کسی کلام سے اس قسم کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ تعزیہ، تبرا، ماتم وغیرہ
بدعات کے متعلق کسی دوسری جگہ شیعوں کی کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے
تیسری صدی ہجری کے وسط کی ایجاد ہیں۔ حضرت علیؓ کو اصحاب ثلاثہ سے بڑی محبت
تھی اور انہیں جذبات محبت کے نتیجہ میں انہوں نے اپنے تین بیٹوں کے نام اصحاب
ثلاثہؓ کے نام پر رکھے۔

تفہیم

یہاں قطع نظر لمبی چوڑی علمی موشگافیوں کے صرف قرآنی شواہد سے ا
دیدہ و دل کو منور کیجئے:۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت
الاسلام دینا۔

○ اس مژدہ جانفزا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت شاد کام
فرمایا جاتا ہے۔ جب حجۃ الوداع کے موقع پر سوا لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کے
آپ اپنا الوداعی پیغام حاضرین کو سنا کر استفسار فرماتے ہیں۔ اے لوگو! کیا
نے تم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا؟

جواب میں جاں نثار درفدائی عرض کرتے ہاں یا رسول اللہ! آپ نے
تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ تین بار اس تکرار کے بعد پھر آپ اپنی انگشت مبارک
آسمان کی طرف بلند کر کے اپنی مقدس زبان سے گوہر بار ہوتے ہیں۔ اے اللہ
گواہ رہ اے اللہ تو گواہ رہ اے اللہ تو گواہ رہ!

سبحان اللہ! "قربان جایئے اس مولائے قدوس کے" اس بھری دنیا کے اندر وہ دن ازل سے لے کر ابد تک اپنی مثال آپ تھا۔ نبی اور کون سا نبی؟ ' ختم الرسل اور افضل البشر نبی' ۔ مجمع اور کیسا مجمع رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ایسا پاک، مقدس، بزرگ اور بے مثال مجمع چشم فلک نے اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھے گی ——— دن اور حج اکبر کا دن۔ مقام اور دنیا بھر سے مقدس مقام۔ مجمع اور کیسا مجمع ——— انبیاء کے بعد مقدس ترین انسانوں کا مجمع پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالے اس بے مثال اجتماع السعادات میں اپنی رحمت و ربوبیت سے سرفراز نہ فرماتے ارشاد ہوا تو کیسا ارشاد اور کیا ارشاد؟

دین	اور مکمل دین
نعمتیں	اور بھرپور نعمتیں
رضامندی	اور سلامتی کے دین پر رضامندی

گویا سرٹیفکیٹ ملتا ہے کیا سرٹیفکیٹ۔ مکمل دین کا۔ نعمتوں کے اتمام کا اور سلامتی کے دین پر رضامندی کا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ!

ہے کوئی زمینی آسمانی اور آفاقی طاقت جو اس سرٹیفکیٹ کو منسوخ کرنے یا مٹا ڈالنے کی جرأت کرے۔ یہ جرأت نہ نصارےٰ سے ہوئی نہ یہود سے۔ اس گستاخی کا ارتکاب نہ مجوسی کر سکے نہ مظاہر پرست . . . .

نہ بدھ شت لوگ کے اندر یہ یارائے دریدہ دہنی پیدا ہو سکا اور نہ ہنود میں ——— ہاں اس میدان میں اگر کوئی اترا بھی تو کون اترا۔

جو لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ بھی پڑھتے ہیں۔ اور بیک جنبش قلم بیک اشارہ ابرو بیک لفظ زبان محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ محنت سے سینچی ہوئی پائدار کھیتی کو بزعم خویش جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتے ہیں۔

بڑی آسانی سے کہدیا۔ کہ نبی کے مرنے کے بعد سب مرتد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے نبی کو مبعوث ہی کیوں فرمایا تھا جس کے جسم مقدس کا پاکیزہ و مطہر خون مبارک بہا بہا کر اس کے نعلین مبارک تک تر کرا دیئے جس کے شکم مبارک پر فاقوں کی وجہ سے پتھر بندھوائے۔ جس کے دندان مبارک شہید کرائے اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے تمام ماننے والوں کو مرتد بنا دیا۔ ایسا خدا نہ اس محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا خدا تھا اور نہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس امت کے لئے رسول تھا جس امت کے ایک ایک فرد نے بلکہ تنہا معلوم دنیا کے ظالم و جابر شہنشاہوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورا جس محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے غلام اور ان کے غلاموں کے غلام شہنشاہوں کے تاج پاؤں سے روندتے معلوم دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئے۔ اور جب سطح ارضی کی آخری سرحدوں تک پہنچے اپنے سامنے سمندروں اور دریاؤں کو حائل پایا تو کہیں اپنے گھوڑوں کو بے دریغ پانی میں ڈال کر ہنستے اور مسکراتے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ کتنے پاک اور مقدس تھے وہ لوگ جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے دجلہ و فرات کو پایاب کر دیا۔ اور کہیں پکار اٹھے۔ کہ الہ العالمین اگر ہم میں اپنے راستے میں یہ بحر ذخار حائل نہ پاتے تو جہان تک پہنچ سکتے تیرا نام بلند کرتے چلے جاتے۔

کیا سورہ اذا جاء نصر اللہ کے نزول کے بعد کوئی آدمی آدمی ہوتے ہوئے، کوئی انسان انسان ہوتے ہوئے چہ جائیکہ وہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھتا ہو یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نبیؐ نے اپنی تمام زندگی منافقوں، مرتدوں اور کافروں میں گھر کر گذار دی اس کے ساتھی مرتد اس کی عورتیں منافق اس کے ساتھ چوبیس گھنٹے رہنے والے کافر اس پہ پروانہ وار نثار ہونے والے سب کے سب فاسق و فاجر تھے مگر

منافقوں کا اتنا عظیم گروہ ایک نبی سے ڈر کر مسلمان کیوں بنا رہا۔ اس گروہ نے معاذ اللہ نبی کو قتل کیوں نہ کر دیا۔ اور یا معاذ اللہ وہ محسنِ انسانیت وہ داناے سبل ان منافقوں سے ڈر کر تیئیس سال کا طویل دور اپنے دل کی بات ان کے سامنے پیش نہ کر سکا کہ تم سب منافق ہو یا میرے مرنے کے بعد منافق ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی کو تبلیغ اور اشاعتِ دین سے خوش ہو کر کہتا ہے کہ اب تمہاری محنت اور کوشش کی ضرورت نہیں تم نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب میرا کام دیکھو۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً۔ فوجوں کی فوجیں تیرے پاس بھیجتا ہوں کہ وہ تیرے حضور میں حاضر ہو کر میرا دین سیکھیں۔ اب تو اس جسمانی مشقت کو چھوڑ دے اور اب صرف اپنے رب کی حمد کر اور اس سے بلندیٔ مراتب کی دعا مانگ ——— وہ تمام بھولے بھٹکوں کو جب لوٹ کر آتے ہوئے پاتا ہے تو خود ان کی طرف لوٹ آتا ہے۔

پہلے سرٹیفکیٹ کے بعد یہ ڈپلومہ اور ڈگری۔ کس کی طرف سے ہے خالقِ کائنات کی طرف سے کس کو ملا ہے ———

محمدِ عربی کا پرفیکٹ ہر دو سرا ہست

——— محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کارکردگی کی تعریفی سند اور پھر اس کے بعد اسے آرام کرنے کی چھٹی۔ یعنی جو مشیت کو منظور تھا وہ ہو چکا جوانی میں محنت کرنے والوں پر مالک خوش ہو تو پیری میں اسے اس کی جوانی کی محنت اور خدمات کے صلے میں پنشن مل جاتی ہے۔

اب اذا جاء نصر اللہ الخ گویا نبی علیہ السلام کے لئے خوشنودی کی سند اور پنشن کا پروانہ آ گیا ——— منشاء مشیت پورا ہو گیا ——— مگر فسق عن امر دینہ کا کوئی علاج نہیں رہا۔

ہیہات ہیہات ! آج ہر بھنگی چرسی، داڑھی منڈا، بے نماز، توحید کا منکر، سنت سے متنفر، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے نہ اللہ کا نام نہ رسولؐ پر درود اور نہ کلمہ شہادت، یہ پکارتا پھرے کہ نبیؐ کے بعد اس کے تمام ساتھی مرتد ہوگئے تو اس میں نہ اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی گھاٹا نہ نبیؐ کی ذات اقدس میں کوئی کمی اور نہ اس پاکباز گروہ کے اعمالِ صالحہ میں کچھ نقصان ——— اگر بگڑتا ہے تو اس کا اپنا ہی کچھ بگڑتا ہے۔ وضل عنھم ما کانوا یفترون

○

امیر یزیدؒ اور واقعۂ کربلا

ولید کے بعد مدینہ کا حاکم عمرو بن سعید ہوا اس کے زمانہ میں ہی امام حسین نے مدینہ سے ہجرت کا ارادہ کیا تھا۔ جب آپ کی ہجرت کی خبر آپ کے بہنوئی اور چچا زاد یعنی عبداللہ بن جعفر طیار کو پہنچی تو عبداللہ بن جعفر نے اپنے بھائیوں عون اور محمد کو امام حسینؓ کی خدمت میں ایک تاکیدی خط دے کر روانہ کیا کہ رُک جائیے میں بھی آتا ہوں۔ پھر خود عمرو بن سعید کے پاس پہنچے اور اس سے ایک امان نامہ لکھوایا۔ عمرو نے امان نامہ بھی لکھ دیا۔ اور اپنے بیٹے یحییٰ کو بھی ساتھ کر دیا۔ عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ ابن عمرو نے خدمت میں پہنچ کر حاکم مدینہ کا تحریری امان نامہ بھی دیا۔ اور اصرار کیا کہ آپ سفر سے رک جائیں۔ مگر آپ سفر عراق سے باز نہ آئے (جلاء العیون ۲۴۷)

اگر یزیدؒ یا عامل مدینہ امام کے دشمن ہوتے تو امام کے لئے خیر خواہانہ امان نامہ لکھ کر نہ بھیجا جاتا یزید کے دربار میں زحر بن قیس امام حسینؓ کی شہادت کی خبر پہنچا

ملہ عون اور محمد عبداللہ بن جعفر کے بھائی تھے عبداللہ کے بیٹے کا نام علی الزینبی تھا اور حضرت زینب کے بغیر کربلا پر نہ گئی کی وجہ دیدی تھی اور الزینبی کو روک دیا تھا۔

ہے۔ آگے ناسخ التواریخ کے الفاظ پڑھیئے۔ ـــــــ یزیدؔ کچھ دیر سر بگریبان دم بخود رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہا میں اس پر راضی نہ تھا کہ بلا قتل حسینؑ میری اطاعت کی جاتی۔ لیکن میں اگر ان کے ساتھ ہوتا تو امام حسینؑ کو ضرور معاف کر دیتا (ص۲۶۹)

اسی طرح دربار یزیدؔ میں محضر بن ثعلبہ نے امام حسینؓ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ کہا تو یزیدؒ نے غصے سے کہا۔ محضر کی ماں نے ایسا کمینہ اور سونت لڑکا نہ جنا ہوگا۔ مگر ابن مرجانہ (ابن زیاد) کا خدا برا کرے (ناسخ التواریخ)

جب ولید نے گورنر بننے کے بعد رات کے وقت امام حسینؑ کو بلا کر یزیدؔ کا خط پیش کیا۔ جس میں امیر معاویہ کی وفات اور یزیدؔ کی بیعت کا ذکر تھا۔ تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر فرمایا۔ کہ میرے خیال میں تو اس بات پر راضی نہ ہوگا کہ میں خفیہ یزید کی بیعت کر لوں۔ بلکہ یہ چاہتا ہوگا۔ کہ علانیہ لوگوں کے سامنے مجھ سے بیعت لے تاکہ سب آدمیوں کو معلوم ہو جائے (جلال العیون ص۴۲۴)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ معاویہؓ کو اپنا دشمن نہیں جانتے تھے۔ اور نہ ہی کافر سمجھتے تھے۔ ورنہ کافر کی موت کی خبر سن کر انا للہ پڑھنے کا کیا مطلب۔

یزیدؔ کی پوشیدہ بیعت کرنے سے بھی انہیں انکار نہ تھا۔ آپ کو صرف اعلانیہ بیعت سے انکار تھا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ حضرت علیؓ کی معاویہؓ سے صلح کے وقت خوارج کا الگ ہونا دیکھ چکے تھے۔ امام حسنؓ کے ساتھ شیعوں نے جو سلوک کیا تھا۔ وہ بھی دیکھ چکے تھے۔ پس اعلانیہ بیعت سے اگر انہیں خوف تھا تو اپنے شیعوں کی طرف سے تھا۔ وہ یزیدؔ کو کافر تو درکنار فاسق فاجر

بھی نہیں چاہتے تھے۔ ورنہ خفیہ بیعت پر رضامند نہ ہوتے۔ کیونکہ
ولید اس وقت حضرت حسینؓ کی خفیہ بیعت پر رضامند ہو جاتا۔ تو آگے
چل کر کربلا کا واقعہ پیش نہ آتا۔

گو آپ نے علانیہ بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ مگر میدان کربلا سے خود
یزید کے پاس جانے کے لئے تیار تھے۔

(رسالہ تقتیل شیعہ مشن لاہور و خلاصۃ المصائب ص۱۰۲)

اگر امام حسینؓ یزید کو اپنا دشمن سمجھتے تو اس کے پاس جانے کے لئے ہرگز
آمادہ نہ ہوتے۔

ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ رات کا وقت ہے ولید مدینہ کا گورنر ہے۔
حضرت حسینؓ اکیلے اس کے پاس ہیں۔ مروان وہاں موجود ہے وہ ولید
کو قتل امام کے لئے اشارہ بھی کرتا ہے مگر ولید خاموش رہتا ہے۔ اگر
ولید کو یزید کا حکم ہوتا کہ بصورت انکار حسینؓ کو قتل کر دینا تو وہ ہرگز
دریغ نہ کرتا۔ مگر مروان کے اشارہ کرنے کی روایت بھی وضعی ہے۔

اس موقع پر امام حسینؓ مروان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ اے ولدالزنا
ارزق زانی کے بیٹے تو مجھے قتل کرے گا۔ خدا کی قسم تو جھوٹ بولتا ہے۔

(جلاء العیون)

اب ولید، مروان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تیری خرابی ہو تو مجھے ایسا
مشورہ دیتا ہے۔ جو میرے دین و دنیا کی تباہی کا سبب ہے۔ خدا کی قسم
میں اس پر راضی نہیں ہوں۔ کہ ساری دنیا مجھ کو مل جائے اور میں خون حسینؓ
میں شریک ہوں۔ سبحان اللہ! کیا تو اسے پسند کرتا ہے کہ میں حسینؓ کو
عدم بیعت یزید پر قتل کر دوں۔ خدا کی قسم جو خون حسینؓ میں شریک ہوگا۔

قیامت کے روز اس کی ایک نیکی بھی نہیں رہے گی۔ (جلاء العیون)

یقیناً یزید کی طرف سے ولید کو قتل حسین یا ان پر سختی کا حکم نہیں تھا۔

امیر معاویہ کے متعلق جلاء العیون کی یہ بکواس سراسر واقعات کے خلاف ہے (مؤلف)

اسی ولید کے سر سے ایک بار امام نے تن تنہا عمامہ اتار لیا اور اس کی گردن میں لپیٹ کر زمین پر دے مارا۔

(جلاء العیون ص۳۶۵۔ ناسخ التواریخ ص۲۷۲ ج۶)

ایک بار امام حسین نے ایک آہنی کرسی ولید کو کھینچ ماری (خلاصۃ المصائب ص۱۵)

مگر ان تمام باتوں کے باوجود ولید خاموش رہا۔

قافلہ اہل بیت دمشق میں پہنچتا ہے۔ یزید حسین کی شہادت کی خبر سنتا ہے تو جو کچھ کرتا ہے شیعوں کی معتبر کتابوں سے سنیئے۔

۱۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے (خلاصۃ المصائب ص۳۰۳)

۲۔ یہ واقعہ سن کر دانتوں تلے انگلی دباتا ہے۔ (ذبح الاحزان ص۳۲۱)

۳۔ رو اٹھتا ہے (خلاصۃ المصائب ص۲۹۳۔۳۲۶)

۴۔ اس کی عورت روتی ہوئی بے پردہ محل سے باہر دربار یزید میں پہنچ جاتی ہے۔ (خلاصۃ المصائب ص۳۱۵)

۵۔ یزید اپنی عورت کو کہتا ہے اے ہند فرزند رسول خدا اور بزرگ قریش پر نوحہ وزاری کرو (جلاء العیون)

۶۔ یزید نہ صرف جلوت میں بلکہ خلوت میں بھی روتا تھا (خلاصۃ المصائب ص۲۹۳)

۷۔ اس کی دختران روتی تھیں۔ (خلاصۃ المصائب ص۲۹۲)

۸۔ اس کی ہمشیرگان روتی تھیں ” ” (ص۲۹۴)

۹۔ اہل بیت نے ماتم کی اجازت مانگی۔ یزید نے ایک مکان خالی کرا دیا۔ جس

میں سات شبانہ روز ماتم ہوتا رہا۔ (خلاصۃ المصائب ص۲۹۲)

۱۰۔ تباہ حال قافلہ جب دمشق پہنچا تو یہ دیکھ کر یزید رو پڑا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رومال تھا۔ جس سے آنسو پونچھتا جاتا تھا۔ اس نے سب کو اپنی زوجہ ہند بنت عامر کے پاس بھیج دیا۔ جب اہل بیت حسین محل میں پہنچے۔ تو گریہ زاری بلند ہوئی جس کی آواز بھی سنائی دیتی تھی (ایضاً ص۲۹۳)

۱۱۔ امام حسینؓ کا سر سونے کے طشت میں رکھا اور کہا اے حسین تم پہ اللہ کی رحمت ہو۔ تمہارے ہنسنے کی جگہ کیسی اچھی ہے (خلاصۃ المصائب ص۳۴)

۱۲۔ حضرت علی (زین العابدین) کی عزت کی۔ اور اہل بیت کو اپنے گھر میں جگہ دی اور صبح وشام امام زین العابدین کو اپنے دستر خوان پر بلاتا تھا۔ (ملال العیون)

۱۳۔ یزید نے حکم دیا کہ اہل بیتؓ کو خاص مکان میں اتارا جائے اور ان کی ضرورت کی ہر چیز بہم پہنچائی جائے۔ جب تک حضرت علی (زین العابدین) دستر خوان پر نہ آتے یزید کھانا نہ کھاتا نہ آرام کرتا۔ (طراز مذہب مظفری ص۴۹۸)

۱۴۔ ملا اسحٰق الفرائینی اور صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ یزید نے مجمع عام میں ایک تقریر کی جس میں فرداً فرداً سب قاتلین حسینؓ پر لعنت کی۔

(ملخص ترجمہ مقتل امام الفرائینی ص۱۹۸)

۱۵۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے اور داماد، حضرت حسینؓ کے بہنوئی یعنی زینب کے خاوند جنہوں نے حضرت حسینؓ کی کوفہ کی طرف روانگی کے وقت زینب کو روکنا چاہا مگر وہ نہ رکیں۔ اور انہوں نے طلاق دے دی اور اپنا بیٹا ان سے لے لیا یزید کو فداک امی دابی سے خطاب کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ کے ایک بیٹے کا نام معاویہ تھا۔ یہ معاویہ، یزید کے بڑے دوست تھے۔ مدح یزید میں ان کا ایک شعر ہے ؎

اذا مزق الاخوان بالغيب ودّهم

نسبيد اخوان الصّفا بيتى بيد

(شیعوں کی مشہور کتاب الاعلام الزرکلی ص۱۴۳)

اسی معاویہ کے بیٹے عبداللہ نے فرقۃ الطیاریہ کی بنیاد رکھی۔ یہ حلول و تناسخ کا قائل تھا۔ اور مروان کے زمانہ میں اس نے خروج کیا۔

شمر جب امام حسین کا سر یزید کے دربار میں پیش کر کے کہتا ہے ؎

املا رکابی فضۃ و ذھباً

قتلت خیر الخلق اماً وابا

یعنی میرے رکاب کو سونے چاندی سے بھر دے۔ میں نے اُسے قتل کیا ہے۔ جو ماں باپ کی طرف سے تمام جہان سے بہتر تھا۔ تو اس کا جواب صاحب خلاصۃ المصائب کی زبان سے سنیئے۔

"یزید غصے ہوا اور بنظر غضب اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدا تیرے رکاب کو آگ سے بھرے۔ تیرے لئے خرابی ہو جب تو جانتا تھا کہ حسین بہترین خلق ہیں۔ تو تو نے انہیں کیوں قتل کیا۔ نکل جا میرے سامنے سے تیرے لئے میرے پاس کوئی جائزہ نہیں (ص۳۰۴)

اس موقع پر صاحب ناسخ التواریخ کے کلمات بھی سن لیجئے :۔

میری طرف سے ہرگز تجھے انعام نہ ملے گا۔ یہ سنکر شمر خائف و خاسر واپس ہوا اور اس طرح وہ دین و دنیا سے بے نصیب رہا (۲۶۹)

دمشق سے بوقت رخصت حضرت علی (زین العابدین) کو مخاطب کر کے امیر یزیدؒ کہتے ہیں :۔

خدا بُرا کرے ابن مرجانہ کا کہ حسین سے یہ سلوک کیا۔ واللہ اگر میں موجود ہوتا

توحسین جو مانگتے انہیں دینا اور ان سے اس بلا کو دفع کرنا۔ اگرچہ موجب
ہلاکت میرے بعض فرزندوں کا بھی ہوتا۔ مگر جو مشیت خدا میں تھا ہوا۔
پس تم اپنے حوائج ضروری مجھے لکھ کر بھیجو تاکہ میں انھیں پورا کردوں۔
(خلاصۃ المصائب ص۲۰۵)

ابن زیاد ملعون نے حسین کے معاملہ میں جلدی کی۔ میں ان کے قتل پر
راضی نہ تھا۔ (جلاء العیون ص۵۲۷)

حسین کو اس نے قتل کیا خدا اس کو غارت کرے (ناسخ التواریخ ص۳۷۸)

خدا ابن زیاد کو غارت کرے۔ اس نے حسین کو قتل کیا اور مجھ کو
دونوں جہاں میں بدنام کیا۔ (طراز مذہب مظفری ص۵۸۴)

خدا لعنت کرے ابن مرجانہ کو۔ میں نے اسے آپ کے والد کے قتل کا
حکم نہیں دیا تھا۔ اگر میں ان سے لڑتا تو ہرگز قتل نہ کرتا (احتجاج طبرسی)

خلاصۃ المصائب ص۳۹۲ جلاء العیون، ناسخ التواریخ میں یہ واقعہ مذکور
ہے کہ دمشق سے رخصت کے وقت یزید نے حضرت ام کلثوم کو ایک تھیلی دیتے ہوئے
کہا۔ یا ام کلثوم خذی ھذا المال عوض مما اصابکم۔ اے کلثوم! یہ مال آپ
کی مصیبتوں کا معاوضہ ہے۔

بحضرت علی بن حسین تقدیم کرو۔ اور کہا کہ اس قلیل رقم کو قبول کیجئے اور
وہ رقم کتنی تھی خود ہی مولف دو لاکھ دینار بیان کرتا ہے۔ (ص۲۶۰)

پھر حضرت علی (زین العابدین) سے کہا کہ ہمیشہ خط لکھتے رہیے۔ اور مجھے برابر اپنے
حوائج ضروری لکھا کریں۔ تاکہ میں بجا لاؤں۔ (خلاصۃ المصائب ص۴۹۵۔ جلاء العیون ص۵۲۲)

پھر امیر یزید نے نعمان بن بشیر کو جو محب اہل بیت تھا اہل بیت کی حفاظت اور
رفاقت کے لئے متعین کیا۔ جس نے پانچ سو سوار لے کر بحفاظت تمام اہل بیت کو

مع الاحترام مدینہ پہنچایا۔

شیعوں کی چند اور روایات سُنیئے۔

حضرت علی زین العابدین کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آتے ہیں۔ مگر یزید کہتا ہے۔ میں نے تمہارے قتل کو معاف کیا۔

(خلاصۃ المصائب ص۳۰۵)

تضاد بیانی کا دُوسرا رُخ

انہیں محبانِ اہل بیت کی تضاد بیانی کا دُوسرا رُخ دیکھئے:

حضرت علی زین العابدین) یزید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

میں تیرا ایک مجبور غلام ہوں۔ چاہے مجھ سے خدمت لے۔ چاہے بیچ ڈال۔ (کافی کتاب الروضہ)

امیر یزیدؒ کے تفصیلی حالات دوسرے باب میں حضرت حسینؓ کے ذکر کے تحت اپنے مقام پر آئیں گے۔

○

حضرت علیؓ نے اپنے بیٹوں کے نام تبرکاً

اصحاب ثلاثہ کے نام پر رکھے

۱- ابوبکر بن علیؓ۔ کربلا میں شہید ہوئے۔

(ریاض الشہادتین بحوالہ تصویر کربلا ص۸۱)

۲- عمرؓ بن علیؓ۔ کربلا میں یزید البجی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

(قمقام بحوالہ تصویر کربلا ص۸۷)

۳- عثمان بن علیؓ۔ کربلا میں خولی بن یزید کے ہاتھوں شہید ہوئے (رض)

کربلا میں ان کا رجز تھا ے

انی انا عثمان ذوالمفاخر شیخی علی ذوالفعال الطاہر

وابن عم النبی الطاہر اخی حسین خیرۃ الاخایر

وسیّد الکبار والاصاغر

بعد الرسول والوصی الناصر

(ذبح عظیم طبع جدید ص۲۰۸)

حسنینؓ کے بیٹوں کے نام

۴- ابوبکر بن حسن بن علیؓ۔ کربلا میں شہید ہوئے (ریاض الشہادتین بحوالہ تصویر کربلا ص۸۱)

۵- عمر بن حسن بن علیؓ۔ میدان کربلا میں شدید زخمی ہوئے اور علاج سے بچ گئے۔ علاج کرنے والے کون تھے معلوم نہیں (تصویر کربلا ص۴۹ سطر ۱۵ مصنفہ سید آل محمد بحوالہ جلاء العیون ریاض الشہادۃ)

دیگر فاطمیوں کے نام اصحاب ثلاثہ کے علاوہ معاویہ اور یزید بھی تھے

۶۔ زین العابدین کے ایک بیٹے کا نام عمر تھا۔ جس کے پوتے محمد بن قاسم نے مامون کے خلاف خروج کیا۔

۷۔ اسی عمر بن زین العابدین کے پڑ پوتے محمد بن جعفر بن حسن بن عمر نے المستعین باللہ کے خلاف خروج کیا۔

۸۔ اسی عمر کے ایک پر پوتے حسن الاطروش ۳۰۱ھ میں دیلم میں المقتدر باللہ کے زمانہ میں خروج کیا۔

۹۔ اسی کے ایک بیٹے یحییٰ نے المتوکل علی اللہ کے خلاف جہاد کیا۔

۱۰۔ عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید کے بیٹے یحییٰ نے المستعین باللہ کے خلاف خروج کیا۔ (تاریخ اسلام حصہ دوم اکبر شاہ خان ص۹۴)

۱۱۔ معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار برادر علی کے بیٹے عبداللہ نے فرقہ الطیاریہ کی بنیاد رکھی جس کا عقیدہ تھا کہ آدم کی رُوح دراصل خدا کی رُوح ہے۔ اس نے مروان کے خلاف خروج کیا۔

۱۲۔ عقیل بن ابی طالب یعنی علی کے بھائی کے ایک بیٹے کا نام یزید تھا۔ اور وہ اسی بیٹے کی وجہ سے ابو یزید مشہور تھے۔

فاطمیوں اور غیر فاطمیوں کی رشتہ داریاں

جس طرح فاطمیوں میں ـــــ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نام کی جلیل القدر ہستیاں ہوئی ہیں۔ بلکہ معاویہ اور یزید کے ناموں کے بزرگ گذرے ہیں۔ اسی طرح میبیوں فاطمی لڑکیاں غیر فاطمیوں اور خصوصاً امویوں سے بیاہی گئیں۔

۱۔ سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیارؓ یعنی حضرت حسین کی بھتیجی یزید کے نکاح میں

۲۔ رملہ بنت علی معاویہ ابن مروان کے نکاح میں تھی۔

۳۔ زینب بنت حسن بن الحسن ولید بن عبدالملک کے نکاح میں تھی۔

(کتاب نسب قریشی ص ۴۵/۵۲ ـ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۵۸)

۴۔ حضرت علی کی ایک بیٹی عبدالملک بن مروان کے نکاح میں تھی (البدایہ النہایہ جلد ۹

۵۔ فاطمہ بنت عبداللہ بن جعفر (الصادق) آپ کا نکاح عباس بن موسیٰ بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ ہوا۔ یہ موسیٰ منصور عباسی کا بھائی تھا۔ (جمہرۃ الانساب ص ۶۴)

۶۔ خدیجہ بنت علی۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عامر کریز اموی کے نکاح میں تھی۔ یہ عبداللہ بصرہ کا حاکم تھا۔ اور اس نے ہی حضرت عائشہ صدیقہ کو بصرہ آنے کی دعوت دی تھی۔ خدیجہ نے عبدالرحمٰن کے مرنے کے بعد مروان کے ایک بیٹے سے نکاح کیا۔ (طبقات ابن سعد۔ ابن قتیبہ)

۷۔ حضرت علی کی ایک اور بیٹی پہلی بیٹی کے مرنے کے بعد عبدالملک کے نکاح میں آئیں۔ ان سے اولاد نرینہ بھی ہوئی۔ (جمہرۃ الانساب ص ۹۶۔ البدایہ النہایہ جلد ۹ ص ۹۶

۸۔ حضرت علی کی ایک بیٹی جعدہ ابن ام ہانی کے نکاح میں تھی۔ جعدہ کا باپ ہبیرہ بھاگ کر نجران چلا گیا۔ اور وہیں بحالت کفر مر گیا۔ (النسب قریش ص ۳۳

جعدہ کا ایک شعر ہے ؎

ومن ذا الذی یباری علی بخالہ ۔ وخالی علی ذو الندی وعقیل

۹۔ ام محمد بنت علی کے بعد زینب بنت علی یزید کے نکاح میں آئیں (جمہرۃ الانساب)

۱۰۔ سکینہ بنت حسین اصبغ ابن عبد العزیز ابن مروان کے نکاح میں تھیں۔

(حلال العینین۔ الامامۃ والسیاسۃ)

۱۱۔ سیدہ بنت حسن مثنیٰ بن حسن اور نفیسہ بنت زید بنت حسن یہ دونوں ولید بن عبد الملک اموی کے نکاح میں تھیں۔ حسن اور زید دونوں کربلا میں موجود تھے

۱۲۔ عبد اللہ بن جعفر کی ایک لڑکی عبد الملک کے نکاح میں تھی۔

۱۳۔ ولادہ بنت عباس بھی عبد الملک بن مروان کے نکاح میں تھی۔ ولید اور سلیمان جو یکے بعد دیگرے تخت خلافت پر متمکن ہوئے ولادہ کے بطن سے تھے۔

تاریخ اسلام حصہ دوم ۱۷۵ اکبر شاہ خان

۱۴۔ سکینہ بنت حسین مصعب بن زبیر کے نکاح میں تھیں۔

غرضیکہ امویوں اور فاطمیوں کے درمیان سلسلہ مصاہرت نے ایسی پیچیدہ شکلیں اختیار کر لی تھیں کہ آج ہم ان کا استیعاب کرنے سے قاصر ہیں۔

صرف امویوں یا دیگر ہاشمیوں کے گھروں میں ہی فاطمی لڑکیاں نہ تھیں بلکہ امویوں۔ ہاشمیوں اور دیگر قریشیوں کی لڑکیاں فاطمیوں کے گھروں میں تھیں۔

۱۵۔ ابن عباسی کے دور میں خاندان بنو امیہ کا ایک شخص کسی طرح بچ نکلا۔ اس کا نام علی بن عبد اللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ تھا۔ اس کی ماں کا نام نفیسہ تھا۔ یہ وہ نفیسہ نہیں جو ولید کے نکاح میں تھی بلکہ یہ عبید اللہ بن عباس بن علی کی بیٹی تھیں۔ علی مذکور

سفیانی کے نام سے مشہور تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں صفین کے سرداروں یعنی علیؓ اور معاویہؓ کا بیٹا ہوں۔ جب اس نے مامون اور امین کے درمیان چپقلش دیکھی تو شام میں خروج کر دیا۔ مگر امین نے ۱۹۸ھ کے آخر میں اُسے بھگا دیا۔ (تاریخ اسلام حصہ دوم ص۳۹۴ اکبر شاہ خان)

۱۶ - محمد (نفس ذکیہ) کے خروج کے وقت جو علوی گرفتار ہوئے ان کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو بھی گرفتار کیا گیا۔ چونکہ عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کی ماں اور محمد بن عبداللہ عثمانی کی ماں ایک ہی تھی۔

ام کلثوم بنت علیؓ

شیعہ اصحاب کی طرف سے اس سلسلہ میں جس نکاح پر سب سے زیادہ لے دے ہو رہی ہے وہ ام کلثوم بنت علیؓ کا خلیفہ دوم حضرت عمرؓ سے نکاح ہے۔ یہاں بعض شیعہ تو سرے سے ام کلثوم کے وجود کے ہی انکاری ہیں۔ بعض انہیں بالکل چھوٹی عمر کی بیان کر کے بات ختم کر دیتے ہیں اور بعض جو ہر طرح مجبور ہو کر ان کی بلوغت کو مانتے ہیں وہ اور ہی پیرائے میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں:

○ حضرت امام جعفر اپنے باپ امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ سیدہ ام کلثوم علی کی بیٹی اور اس کا بیٹا زید بن عمر ایک ہی وقت میں فوت ہوگئے۔ ان کا جنازہ اکٹھا پڑھا گیا۔ (تہذیب الاحکام شیعوں کی معتبر کتاب)

○ جب حضرت عمرؓ فوت ہوگئے تو حضرت علیؓ سیدہ ام کلثوم کو اپنے گھر لے گئے۔ (تہذیب الاحکام۔ فروع کافی کلینی)

○ شرائع شیعوں کی ایک معتبر کتاب ہے اور اس کا شارح ابو القاسم قمی

شرح شرائع میں جس کا نام مسالک ہے صاحب شرائع کے اس قول کے تحت "کہ جائز ہے نکاح عربی عورت کا عجمی مرد سے اور ہاشمیہ عورت کا غیر ہاشمی سے" رقمطراز ہے کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ زوّج علی ابنتہ ام کلثوم من عمر یعنی علیؓ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح عمرؓ سے کر دیا۔

○ قاضی نور اللہ شوستری نے بھی مجالس المومنین میں لکھا ہے:

اگر نبی دختر بعثمانؓ داد علیؓ دختر بعمرؓ فرستاد۔

یعنی اگر نبیؐ نے اپنی دختر عثمان کے نکاح میں دے دی تو علیؓ نے اپنی بیٹی کا نکاح عمرؓ سے کر دیا۔

○ اسی مجالس المومنین میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد سیدہ ام کلثوم کا دوسرا نکاح عون بن جعفر طیار سے ہوا۔ عون بن جعفر کے بعد محمد بن جعفر سے اور ان کے بعد عبداللہ سے جنہوں نے زینب کو طلاق دیدی تھی

اب شیعان علی کی ذہنی کشتی ملاحظہ ہو کہ اس نکاح کا کن الفاظ میں ذکر کرتے ہیں

اوّل فرج غصبت منا۔ ہماری پہلی شرمگاہ جو ہم سے غصب کی گئی۔

لاحول ولاقوۃ۔ کتنا بھونڈا۔ سوقیانہ۔ بازاری اور گھٹیا انداز بیان ہے۔ اہل غیرت ایسے سوقیانہ انداز بیان سے بھی گریز کرتے ہیں۔ چہ جائیکہ حضرت علیؓ جیسے بہادر، شجاع اور غیرت مند انسان کی طرف ایسے الفاظ منسوب کئے جائیں۔

روایات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ دربار رسالتؐ سے دامادی کا شرف صرف حضرت علیؓ یا حضرت عثمانؓ کو ہی حاصل نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ کو بھی حاصل تھا۔ سیدہ ام کلثوم نبی علیہ السلام کی حقیقی نواسی تھیں۔

تبصرہ:۔ دشمنان فاروق اعظم کا مسلّمہ اصول ہے کہ ائمہ کرام کو ما کان

وماییکون کا علم حاصل تھا اور وہ دیکھتے ہی مومن اور منافق میں تمیز کر لیتے تھے۔ چنانچہ امام موسٰی رضا کا قول ہے کہ ہم دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ مومن ہے یا منافق۔ (کافی کلینی)

ان کا دوسرا عقیدہ ہے کہ ائمہ کرام اللہ پاک کے حکم کے بغیر از خود کوئی کام نہیں کرتے ان الائمۃ لم یفعلوا شیئا الا بعھد من اللہ و امر منہ لا یتجاوزونہ۔ (اصول کافی)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو مومن خاص پایا اور اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔

مختلف ادوار میں اس قسم کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں نکاح ہوئے جن کی کچھ تفصیل حصہ اوّل میں گزر چکی ہے۔

ایک واقعہ اور سن لیجئے :۔

۱۶۔ جنرل سرفراز خان کے باپ کا نام ملک خان بہادر خان ہے ۱۹۱۳ء میں پنڈی گھیپ ضلع کیمبلپور میں پیدا ہوئے۔ اعوان فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی بیوی فاطمی ہیں۔ جن کے دادا کا نام امام الدین شاہ تھا۔ جن کا مزار جالندھر میں اب بھی مرجع خاص ہے شیخوپورہ کے سخی سیدن شاہ بھی ان کے دادا کے قریبی رشتہ دار تھے۔ والدہ بخاری اور والد گیلانی سید تھے۔

(اقتباس انٹرویو بیگم و جنرل سرفراز خان
چٹان ۱۸ مئی ۱۹۷۰ء)

تاریخ شیعیت پر ایک اجمالی نظر

گزشتہ اوراق میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ شیعہ مذہب مذہب نہیں بلکہ یہ یہودی اور مجوسی اور عیسائی، اسلام دشمنی کی تحریکوں کا مرکب اور ملغوبہ ہے ذرا نظر تعمق سے غور کرنے والوں پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ شیعہ مذہب (تحریک) کے عقائد اور نظریات سب کے سب مجوسیت اور اسرائیلیات کے تانے بانے سے تیار کردہ ہیں۔ اس وقت دنیا میں تقریباً ستر سے زائد مختلف الخیال اور مختلف العقائد گروہ اپنے آپ کو سچا شیعہ کہلانے کے مدعی ہیں چنانچہ مشہور مستشرق ہنری لامن اپنی مشہور تالیف (ISLAM-BELIEF AND INSTITUTION) (اسلام معتقدات و آئین) میں لکھتا ہے کہ

(حضرت علی رضی) کے حامی طلب اور کثیر التعداد اختلافات نے تھوڑے ہی دنوں میں شیعہ جماعت کو بہت سے ایسے فرقوں میں منقسم کر دیا۔ جو برابر ایک دوسرے پر سب و شتم کرتے تھے۔ یہ لوگ سیاسی فہم و فراست سے عاری رشک و حسد میں مبتلا اور منصب امامت کے بارے میں آپس ہی میں جو شدت کے ساتھ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے وہ حکومت کے خلاف ایک حزب مخالف کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی سازشوں اور ایسی بغاوتوں کے حالات سے جو ناقص طور سے منظم کی گئیں۔ پہلی دو صدی ہجری کے واقعات ان سے مملو اور بھرپور ہیں۔

(ترجمہ سر ڈینیئلس ڈائریکٹر شعبہ السنہ شرقیہ لندن یونیورسٹی صفحہ ۱۴۳/۴۴)

پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک شیعہ مذہب خود شیعوں کے نزدیک بطور ایک سیاسی تحریک ہی موسوم رہا۔ ان کے نزدیک اہل سنت والجماعت منافق تھے نہ کافر۔ علویوں، عباسیوں اور امویوں کے درمیان باقاعدہ سلسلہ مناکحت و مصاہرت قائم تھا۔ علوی اپنی اولاد کے نام تبرکاً ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور معاویہ رکھتے تھے۔

جنگ جمل اور صفین شیعوں کے قول کے مطابق سنی شیعہ جنگ تھی مگر خود حضرت علی کے متعدد اقوال اس بات پر شاہد ہیں۔ کہ فریقین کے مقتول یا شہداء جنتی ہیں۔

دوسرا منافقتہ واقعہ کربلا کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ کوفیوں کی بے وفائی کی خبر سن کر حضرت حسینؓ واپس لوٹ جانے کو تیار ہو گئے تھے بلکہ امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ مگر مسلم کے بھائیوں اور سبائیوں نے اچانک جنگ شروع کر دی پھر یہ عجیب حیران کن امر ہے کہ واقعہ کربلا کے وقت حضرت علی زین العابدین محمد باقر۔ زید بن حسن۔ حسن مثنیٰ زندہ تھے (مقاتل الطالبین ص ۱۱۹) زید بن حسنؓ کے ایک بیٹے کا نام حسنؓ تھا جو ابوجعفر المنصور کی طرف سے پانچ سال مدینہ کا گورنر رہا۔ اور حسن مثنیٰ کے خلاف عباسیوں کی مخبری کرتا رہا۔ اور علویوں میں سب سے پہلے اس نے عباسیوں کا شعار یعنی سیاہ لباس پہنا۔

(عمدۃ المطالب ص ۴۹ طبع اول مطبوعہ لکھنؤ)

مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی واقعات کربلا کے متعلق کچھ بھی بیان نہیں کیا آج تک تاریخ و سیرت کی کتابوں میں کربلا کے متعلق ایک بھی روایت نہیں ملتی۔ اس مقام پر تھوڑی سی درایت سے کام لیجئے۔ تو معلوم ہوگا کہ کربلا کے متعلق جو کچھ آج سیرت کی کتابوں میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ یہ سب کچھ کس نے دیکھا؟ کس نے بیان کیا؟ کس نے کس سے روایت کی؟ کون کس مقام پہ کھڑا ہو کر نہایت ہی وقت نظری سے یہ تمام منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا؟ اور پھر اس نے ا

واقعات کو قلمبند کر کے لوگوں تک پہنچایا۔ ان واقعات کی صداقت کا کیا معیار رہے۔
کہا جاتا ہے کہ چند نہایت ہی عقلمند سوجھ بوجھ رکھنے والے آدمی ایک کمرہ میں بٹھا دیئے گئے
اچانک دروازہ کھلا اور کمرے میں ایک آدمی داخل ہوا۔ دوسرا فوراً ہی اس کے پیچھے لپکتا
ہوا اندر داخل ہوا اور اس نے آتے ہی پے بہ پے پستول کے چند فائر پہلے آدمی
پر کر دیئے۔
اب کمرے میں بیٹھے ہوئے ان دانشوروں کو کہا گیا کہ اس واقعہ کو قلمبند کیجئے
آخر میں جب ان لوگوں کی تحریریں ملاحظہ کی گئیں تو کسی ایک کا بیان کسی دوسرے
سے ذرہ بھر بھی مطابقت نہ رکھتا تھا۔ سب نے اپنے نظریے کے تحت اس طرح وہ
سیدھا سادا سا واقعہ تحریر کیا کہ اس کی اصل صورت ہی مسخ ہو کر رہ گئی۔
دنیا میں اس قسم کے ہزاروں واقعات ہوتے رہے اور ہوتے ہیں کہ دو فریق
آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ اور غیر جانبدار تماش بینوں کا ایک گروہ لڑنے والوں
کو دیکھتا ہے۔ مگر عدالت میں پہنچ کر جب واقعہ کی صحیح صورت کا تجسس ہوتا ہے۔
تو مجسٹریٹ سر پیٹ کر رہ جاتا ہے اور وہ اصل واقعہ سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔
مگر کربلا کا واقعہ کہ ایک طرف چند نفوس ہیں۔ دوسری طرف ہزاروں اشخاص۔
غیر جانبدار کوئی بھی نہیں۔ جنگ ہوتی ہے اور موقع پر منگنے بچ نکلنے والے خاموش
ہیں۔ آخر وہ کیوں خاموش ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ واقعات بیان کئے جائیں
مگر یہ سب کچھ منٹوں کے اندر ہو گیا۔ ایک اُدھر لپکا۔ ایک ادھر جھپٹا۔ ایک یہاں
سے پلٹا۔ ایک وہاں سے بڑھا۔ غرضیکہ یہ سب کچھ ایسی جلدی میں ہو گیا کہ انسانی
نظر ایسے ہنگامہ خیز واقعات کا تعاقب کرنے سے عاری رہتی ہے۔
حضرت علی (زین العابدین) اور دوسرے بچ رہنے والے حقیقت میں سمجھ ہی
نہ سکے کہ کیا ہو گیا ہے۔ اس صورت میں وہ بیان کیا کرتے پھر ایسے پاکیزہ طبع

لوگوں سے اس بات کی امید ہی نہیں رکھی جا سکتی تھی کہ وہ کسی قسم کے جھوٹ یا مبالغہ آرائی سے کام لے کر اس واقعہ کو اس طرح بیان کریں گے کہ یہ مختصر سا واقعہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ایک دیومالائی داستان بن جائے گا۔ کسی دوسرے مقام پر مصنف مجاہد اعظم کی زبان سے کربلا کی داستان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی متوفی ۱۷۵ کی ذہنی ایجاد ہے جو واقعہ کربلا سے پوری صدی بعد پیدا ہوا۔

بنو عباس اور بنو فاطمہ نے مشترکہ طور پر بنو امیہ کے خلاف سیاسی جد وجہد کا آغاز کیا۔ مگر عباسیوں کو حکومت ملی تو انہوں نے عام سنی عقائد کا ہی اظہار کیا۔ اگر ان دونوں کی امویوں کے خلاف یہ تحریک مذہبی عقائد و افکار کی حامل ہوتی۔ تو عباسی لازماً غالی شیعیت کا نہیں تفضیلیت کا ہی اظہار کرتے۔ تاریخ کی اس واضح صورت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امویوں کے خاتمہ اور عباسیوں کے عروج تک شیعیت کے افکار وعقائد یا نظریات کا وجود تک نہیں تھا۔ اس تحریک کے پیچھے امامت کا تصور ضرور تھا۔ مگر معصوم عن الخطا امامت نہ تھی۔ امامت راہنمائی یا پیشوائی کے مفہوم میں تھی۔ اور امامت کا معصوم عن الخطا تصور اس وقت پنپ بھی نہیں سکتا تھا۔ چونکہ امامت کے پیچھے جو داستانیں اب ہمارے سامنے ہیں وہ صرف ائمہ المسلمین اور ائمۃ الکفر کے مفہوم تک محدود تھیں۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ قرآن نے جس طرح کفار کے راہنماؤں کو ائمۃ الکفر کہا ہے اسی طرح مسلمانوں کے راہنماؤں کو ائمۃ المومنین یا ائمۃ المسلمین کہا جاتا ہے۔ مگر کہا یہ بھی نہیں گیا بلکہ امام کی بجائے خلیفہ کہا گیا۔ اور لفظ خلیفہ کی خلعت سب سے پہلے حضرت ابو البشر کے قامت نبوت کے لئے خود قادر مطلق نے موزون کی تھی۔ مگر امام کا لفظ اپنے اندر ندرت رکھتا تھا۔ نہ پاکیزگی عجمی تصورات و نظریات نے اسے اجاگر کر کے شہرت دی سنیوں نے اس لفظ کا

صحیح استعمال کیا۔ یعنی ان لوگوں کو امام کہنے لگے جنہوں نے علم و ادب کے کسی شعبہ میں اپنا خاص مقام پیدا کیا۔ مگر شیعوں نے اسے ایک یا فرق الفطرت ہستی بنا دیا۔ شیعیت نے مصر میں فاطمی خلفا کے زمانہ میں اپنے پورے بر و بر نے نکال کر بعدت مذہب اپنے آپ کو پیش کیا۔ تو مامون نے ان کے اس ادعائے باطل کا زور توڑنے کے لئے حضرت موسیٰ رضا (امام ہشتم) کو اپنا ولیعہد بنایا۔ شیعہ تو یہ بھی کہتے ہیں مامون شیعہ تھا۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں "امام ہشتم" کو اس نے زہر دے کر شہید کر دیا۔ اگر مامون شیعہ تھا اور اس نے اپنے امام کو شہید کرایا تھا تو اس نے شیعوں کی سابقہ روایات پر عمل کیا۔ اس میں شیعوں کا کیا قصور ہے؟ اور اگر سُنی تھا تو امام وقت ماکان اور مایکون کے علم کے واقف ہوتے ہوئے اپنے شیعوں کے پاس مصر جانے کی بجائے مامون کے پاس کیوں آئے۔ مصر کی خلافت تو امام وقت کا حق تھا نہ کہ ایک مجہول النسب عجمی کا۔

ابتدا میں شیعہ سنی اور خوارج کی بحثوں کا تعلق عقاید کی بجائے آئین سیاست سے تھا۔ نظام عقائد دوسری صدی ہجری میں مرتب ہوئے۔ عقاید کے میدان میں رخنہ اندازی کا بانی واصل بن عطا ایک نہایت ذہین اور زبان آور شخص تھا۔ وہ حسن بصری کا شاگرد تھا۔ اس نے بنی امیہ کے (فرضی) مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے جبر و قدر کی آڑ میں "انسان مجبور محض ہے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے" کا شوشہ چھوڑا۔

معبد جہنی نے واصل بن عطا سے سن کر حسن بصری سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ واصل غلط کہتا ہے۔ معبد تو بنی امیہ کے مخالف گروہ میں شامل ہو کر لڑا اور مارا گیا۔ مگر واصل نے اسی مدرسہ کے ایک کونے میں اپنا ایک الگ حلقہ درس قائم کر لیا۔ اس کے ساتھیوں کو معتزلہ کا نام دیا گیا۔ اس پرچ پرچ میں معتزلہ نے روایت کو عقل کے ترازو میں تولنا شروع کیا۔ یونانی فلسفہ بھی پہنچ چکا تھا اب ارسطو کے کلیات بھی دین کے محکمات

بننے لگے اور حسن بصری کا حلقہ درس فلسفیانہ بدعتوں کا مرکز بن گیا۔ اس وقت تک شیعیت ایک سیاسی تحریک ہی تھی۔ عقائد کے لحاظ سے معتزلہ پہلا فرقہ ہے۔ محدثین نے معتزلہ کے عقاید کو بھی زندقہ و الحاد کے مترادف ٹھہرایا۔ مسئلہ خلق قرآن نے بھی یہیں سے سر نکالا۔ اور مامون نے اس مسئلہ کی سرپرستی میں بڑے ظلم کیے۔ مامون کے بعد مستعصم نے بھی پورا زور لگایا۔ اس وقت محکمہ عدلیہ کی کلیدی آسامیوں پر احناف قابض تھے۔ مگر خلق قرآن کے معاملہ میں ہمیں امام احمد بن حنبل اور چند اور بزرگوں کے ناموں کے سوا کسی شافعی، مالکی یا حنفی کا نام نہیں ملتا۔ اور شیعہ تو سرے سے ہی اس موضوع میں خارج از بحث ہیں۔

شافعی کے مقلدین آپ کے اس قول کے اردگرد چکر کاٹ رہے تھے کہ خبر واحد کے مقابلہ میں کوئی فقہی کلیہ دلیل نہیں بن سکتا۔ ابو حنیفہ کتاب و سنت کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا کلیہ ایجاد کر کے قیاس و رائے کی بدعت و اشاعت کے میدان ہموار کر چکے تھے۔

ہمیں اس دور میں صرف امام احمد بن حنبل کی ایک شخصیت ہی ایسی نظر آتی ہے جو قیاس و رائے کی سراسر مخالف تھی۔ آپ قیاس و رائے کو اثبات عقاید کے لئے بھی مہمل قرار دیتے تھے۔ ید، وجہ، استواء وغیرہ جیسے الفاظ کی تاویل کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ امام ابوالحسن شعرانی نے انہیں کلیات کو عقلی دلائل سے مضبوط کرنے کی کوشش کی مگر حنبلیوں نے اسے بھی شک و شبہ کی نظر سے دیکھا۔ عباسیوں کے دربار میں ہر فرقہ، ہر عقیدہ، ہر مسلک اور ہر مذہب و ملت کے علماء کو آزادی رائے کا پورا حق حاصل تھا۔ بڑی باقاعدگی سے بحث و تمحیص اور مناظروں پر گھنٹوں صرف ہوتے تھے۔ مگر ان علمی مجالس اور عقائد کے اختلاف کے میدان میں شیعوں کا وجود محض صفر نظر آتا ہے۔

حالانکہ بقول شیعہ مورخین مامون خود شیعہ تھا۔ عجب حیرانی ہے کہ شیعہ بادشاہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے اپنے دربار میں مناظرے کرائے مگر اس کے مذہب کا وہاں کوئی نام بھی نہ لے۔

نامون شیعہ تھا یا معتزلی ——— یہ معمولی سی بات تاریخ کے ہر معمولی سے طالب علم کو بھی معلوم ہے۔ مگر شیعوں کا علمی افلاس دینی بے مائیگی اور سبائیوں، مجوسیوں، مختاریوں، کیسانیوں، میمونیوں کی ذہنی پراگندگیوں کے فہمل اور دُور از کار نظریات نے انہیں اس حد تک ذہنی پراگندگی میں الجھا کر رکھ دیا تھا کہ ان کے پاس ایک بھی ٹھوس بات موجود نہ تھی۔

ائمہ اربعہ کے مقلدین اور معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، وغیرہ کی دیکھا دیکھی میمون القداح نے شیعیت کو باقاعدگی سے مذہب کی تشکیل دی۔ اور قلیل عرصہ میں یہ لوگ ستر سے زائد مختلف الخیال، مختلف العقائد اور مختلف نظائر میں بٹ گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ اموی حکومت کے کھنڈروں پر بنو عباس کی حکومت کا قصر تیار ہونے کے بعد یہود نے یہ سوچ کر کہ اب پھر حکومت بنو عباس کے مضبوط ہاتھوں میں منتقل ہو چکی ہے ایک نئی فکری تحریک کے ذریعے مسلمانوں کے اندر تشتت و افتراق کی طرح ڈالنے کا آغاز کیا۔ اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے اور سنت رسول اللہ کو دین کے ڈھانچے سے خارج کرنے کی آواز بلند کی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار سیسل راتھ لفظ JEWS کے تحت لکھتا ہے کہ قرون وسطیٰ کی یہودی قوم ایک اجنبی اقلیت ہونے کی حیثیت سے اس پوزیشن میں نہ تھی کہ سائنس، طب اور فلسفے کے سوا اپنے ماحول کی ثقافت میں کوئی قابل ذکر حصہ لیتی۔ تاہم اس نے محض اپنے وجود ہی کے بل پر کافی حصہ لیا۔ دنیائے عرب میں اس نے یونانی کلاسیک کے تراجم میں اضافہ کیا۔ اور معتزلہ کے فلسفہ کے محرک بنے۔

گویا "محبان علی" کا ہیولیٰ اور آماس تیار کرنے کے بعد اعتزال کا فتنہ کھڑا کیا۔ آگے چل کر شیعیت میں جو برگ و بار پیدا ہوئے یا جو کچھ شیعیت کی ہنوائی کے لئے پیدا ہوا۔ یا فتنہ خلق قرآن یا مصحف فاطمہ یا صحیفہ علی یا سنترہ گز لمبا

قرآن یا چالیس پاروں کا قرآن یا انکار حدیث سب قرآن سے دُور لے جانے کے ذرائع یہود کی پیداوار تھے اور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب شیعہ اور اس کی تمام شاخوں کے عقائد کے پیچھے اسرائیلیات کی قسم کی دُور از کار تخیلات کی فراوانیاں ہیں۔ اور ان فراوانیوں میں اس وقت مزدکیت اور مجوسیت کے جراثیم آسانی سے داخل ہو گئے۔ جب اس تحریک کی سرپرستی یہودیوں کے طابق النعل بالنعل مجوسیوں کے ہاتھ پہنچی۔ یہاں بعض اذہان میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ بالکل ایک نئی بات سننے میں آ رہی ہے۔ اس پر غور کرنے کے لئے صفحات گذشتہ پر اگر ایک بار پھر نظر ڈال کر دیکھا جائے۔ تو صاف نظر آئے گا کہ تمام فتنوں کی ابتداء یہود کے مغضوب وضال گروہ سے ہوئی۔ یہ لوگ ہر دور میں اپنی تکنیک بدلتے رہے۔ اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے سامان پیدا کرتے رہے[1]۔

---

[1] ماضی قریب میں "جدید ترکی" کی تحریک بڑے عرصہ تک مسلمانوں کے لئے دل خوش کن بنی رہی مگر اس طرف سوائے چند اونچی سطح کے علماء و فضلاء کے کسی کی نظر نہ گئی کہ یورپ کے اس "مرد بیمار" کو ماڈرن اور جدید ترکی کا جامہ کس نے پہنایا۔ گو یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ترکی سے قرآن کو کس طرح خارج البلد کیا گیا۔ نمازیں، اذان اور دیگر اسلامی وظائف کو کس طرح ملک بدر کیا گیا۔ عربی زبان کا کس طرح گلا گھونٹا گیا۔ اور کتنے ہزار بلکہ کتنے لاکھ نامور فرزندان اسلام کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔

جن لوگوں نے انجمن اتحاد و ترقی کی بنیاد رکھی تھی وہ سب کے سب نام نہاد یہودی تھے اور انہیں دونمہ کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بڑی چابکدستی سے عوام کو گمراہ کر کے ترکی کو الحاد و بے دینی کی گود میں پھینک دیا۔

سپین اور پرتگال میں جب یہودیوں پر جبر و تشدد شروع ہوا۔ تو انہوں نے ترکی میں اپنا اڈہ

(حاشیہ) جاملا۔ ١٦٦٦ء میں ایک یہودی شبتے نامی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ
کیا۔ پھر یہ سالونیکا ہوتا ہوا طرابلس الغرب کے راستے شام پہنچا اور بیت المقدس میں
پہنچ کر اعلان کیا کہ اسرائیل کی واپسی کا وقت آگیا ہے۔ اس کے بعد وہ دوبارہ ترکی
سے ہوتا ہوا اطالیہ، جرمنی اور ہالینڈ سے ہوتا ہوا تیسری بار پھر ترکی پہنچا تو سلطان
محمد خان چہارم نے دربار خلافت میں طلب کر کے پوچھا تو اس نے بظاہر توبہ کر لی
اور بظاہر مسلمان ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کے ہزاروں ساتھیوں نے بھی گویا تقیہ
کر لیا۔ اور یہ لوگ دونمہ کہلانے لگے یہ لوگ بڑے ذکی اور فہیم تھے۔

فرانس کے مسیحی مصنف بائبہیس نے اپنی مشہور تصنیف جمہوریہ اسرائیل
میں بڑی وضاحت سے ان کے حالات و کیفیات پر بحث کی۔ وہ لکھتا ہے کہ اکثر
ترکی کی کلیدی آسامیوں پر دونمہ یہودی تعینات تھے۔ صدر ڈیلیگیٹ کا گرینڈ حسن پاشا
بھی ایک نو مسلم یہودی تھا۔ ڈاکٹر ناظم۔ فوزی پاشا۔ طلعت پاشا۔ معصوم آفندی۔
جاوید بے اور ابوالضیا توفیق سب یہودی تھے۔

THE EMERGENCE OF MODRENTURKEY میں بھی ان
کے حالات ملتے ہیں۔

١٧١٧ء میں فری میسن کی تحریک پیدا ہوئی۔ جو آج تک "نفتہ" کی آڑ
میں دنیا کے تمام ملکوں میں اپنا جال پھیلائے ہوئے ہے۔ جن کا مقصد مسجد اقصیٰ
کو شہید کر کے ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا تھا۔ اور آخر مسجد اقصیٰ میں آگ لگا دی گئی۔

١٨٧٨ء کو علی سواوی نامی ایک نو مسلم یہودی نے ماسونی تحریک کا رکن ہونے
کی حیثیت میں بغاوت پیدا کر دی۔ مگر ناکام رہا سکالیری اور اس کے ماسونی بھائیوں
نے آخر پارلیمنٹ سے سلطان عبدالحمید کو معزول کرانے کی قرارداد منظور کرالی۔ اس
قرارداد کو سلطان تک پہنچانے والی پنج رکنی کمیٹی کا ایک ممبر قرصو یہودی تھا۔

(حاشیہ) انجمن اتحاد و ترقی کے ابتدائی اجلاس فری میسن لاج میں ہوا کرتے تھے۔ آخر جو کچھ ترکی میں ہوا وہ ساری دنیا نے دیکھ لیا۔ خلافت کا نام و نشان جو تمام دنیا کے مسلمانوں کی وحدت فکر کی علامت تھا ختم ہو گیا۔ بلکہ خالدہ ادیب خانم جو اسی گروہ سے تعلق رکھتی تھی CONFLICT OF THE EAST AND WEST میں لکھتی ہے کہ ترکی میں خلافت کبھی آئی ہی نہیں تھی اور نہ کبھی کوئی عثمانی بادشاہ خلیفہ ہونے کا مدعی ہوا۔

اسی طرح سوشلسٹ تحریک کے بانی بھی یہودی ہی تھے۔ کارل مارکس ایک یہودی ابی کا پوتا تھا۔ ۱۸۶۴ء میں جو پہلی کانفرنس ہوئی اس کے دونوں رہنما مارکس اور لازیل یہودی تھے۔ مزدوروں کو ورغلانے کے لئے انہوں نے غیر یہودی طبقے کے باشعور لوگوں اور مذہبی راہنماؤں کو قتل کرنے کے لئے جو حربے استعمال کیے ان سے آج تمام دنیا واقف ہے۔ پہلی بالشویک پارٹی کے ۵۰ فیصدی ممبر یہودی تھے۔ بالشویک انقلاب کے موقع پر ایک یہودی شاعر لا کانوسس کیلینز نے لینن کی تعریف میں ایک نظم لکھی:

نیا یسوع آ گیا ــــــ لینن لینن

لندن کے جیوئش کرانیکل نے ۴ اپریل ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ بالشویزم کے تصورات یہودی تصورات ہیں۔

روس میں مارننگ پوسٹ کے رپورٹر ڈکٹر مارسڈن نے لکھا کہ بالشویک انقلاب کے وقت ۵۴۵ لیڈروں میں سے ۴۷۷ یہودی تھے۔

ہٹلر اپنی خود نوشت میں لکھتا ہے کہ مارکس ازم کا عقیدہ یہودیوں کی پیداوار ہے۔

۱۹۱۹ء میں ارجنٹائن کی بغاوت کے دونوں لیڈر پیڈرو ورلڈ اور میکا روزیا زن یہودی تھے۔

(حاشیہ) ۱۹۲۱ء میں چلی کی بغاوت کے سرغنہ یہودی تھے۔ ۱۹۳۲ء میں یوراۓ گو کی بغاوت کے رہنما یہودی تھے۔

برازیل کی بغاوت کے تمام سرغنے سواۓ ایک کے سب یہودی تھے۔

میکسیکو میں بالشویک انقلاب بلٹا رکو المعروف لیکنز نے برپا کیا۔ جو ایک شامی یہودی کا بیٹا تھا۔ جو فری میسن کا ۳۲ درجے کا رکن تھا۔

اب ایک نظر مصر پر بھی ڈالتے چلیے۔ ۱۹۶۷ء کی اسرائیلی فتوحات کے پس منظر سے اب آہستہ آہستہ پردے اُٹھتے جا رہے تھے کہ صدر متحدہ جمہوریہ مصر نے ایک خاص سازش کے تحت اقوام متحدہ کی فوجیں واپس بھجوائیں۔ اسرائیل کا حملہ ہوا اور انہوں نے تین روز میں ۲۶ ہزار مربع میل کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر ناصر صاحب آخر تک یہی فرماتے رہے کہ ہم نے یہ کیا ہم نے وہ کیا۔ ہاں کیا اور ضرور کیا مگر کیا کیا ؟

وہ یہ کیا کہ اپنے ہوائی اڈوں سے ایک ہوائی جہاز بھی اڑانے کی اجازت نہ دی۔ اور وہ اسرائیل کے پہلے حملہ میں ہی سب کے سب بھسم ہو کر رہ گئے۔ اور ماشاءاللہ اخوان المسلمین کے وہ مجاہد جنہوں نے کفن بردوش ہو کر سامراجی ہتھکنڈوں سے نجات حاصل کرنے کے حلف اُٹھاۓ ہوئے تھے انہیں آپ پہلے ہی ختم کر چکے تھے۔

ترکی سے عربی خارج البلد کر کے اسلامی روایات کو ملیا میٹ کر کے ترکی جدید کی بنیاد، یا ناصر کے چوکوں میں رامیسس کے مجسمے اور اسلامی روایات کی بجاۓ فرعونی روایات کا احیاء ؟؟

سب کے سب یا پاکستان میں گندھارا انڈسٹریز یا سندھ کے اہرکا رڈ

سب کے سب یہودی ذہن کی پیداوار ہیں

کر چکے دفن تو یاروں کو کفن یاد آیا

یہودیت نے ہی محبان علی اور شیعان علی کی اصطلاحیں وضع کر کے اپنی تمام تر توجہات ایران کی طرف مرکوز کر دیں۔ چوتھی صدی ہجری کے شروع تک شیعیت امویوں اور عباسیوں سے بڑی طرح سہمی رہی۔ اگر ان کا غصہ ابال میں آیا بھی تو گیا رھویں امام تک اپنوں پر نکالا۔ اس کے بعد ان میں باطنیت، اسماعیلیت اور قرمطیت کے جذبات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ اور ان کی تخریبی سرگرمیوں نے تقیہ، ماتم، متعہ، تعزیہ داری، مرثیہ گوئی کی شکلیں اختیار کر کے عالم اسلام کو ایک بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اگر شیعوں میں یہ بدعتیں پیدا نہ ہوتیں اور ان کی ذہنی اور دماغی قوتیں اس طرف منعطف نہ ہوتیں تو نامعلوم یہ لوگ کیا کرتے؟ مثلاً فاطمیوں نے مغرب اقصیٰ اور مصر میں اہل سنت پر کس قدر ظلم ڈھائے۔ عباسیہ، عثمانیہ اور مغلیہ دور میں انہوں نے کیا نہیں کیا۔ اور ایران اور ہندوستان کو کسر باقی چھوڑی۔ یہ لوگ جب تک بدعات سے دور رہے اسلام کے لئے بلا شبہ عذاب جان بنے رہے۔

حسن بن صباح اور اس کے جانشین جو ایک مدت تک خوف و ہراس کی شکل بنے رہے۔ جن کے آبدار خنجروں سے ہزاروں جلیل القدر فرزندان اسلام موت کے گھاٹ اتر گئے۔ صرف ماتم وغیرہ سے نفرت کا نتیجہ تھا۔ بغداد میں آل بویہ نے جو کچھ کیا وہ کیا کم ہے مگر جب انہوں نے تبرا بازی، تعزیہ داری اور ماتم شروع کئے مسلمان ان کے ظلموں سے بچ گئے۔

جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی کا بانی چارلس مارکس نامی ایک یہودی تھا۔ انگلستان اور فرانس کی کمیونسٹ پارٹیوں کی باگ ڈور بھی یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے امریکی کمیونسٹوں میں اکثریت یہودیوں کی ہے۔

حسین طباطبائی نے ترکستان اور ایران کا راستہ تاتاریوں کو دکھا کر خوارزم شاہی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

ابن علقمی نے بغداد میں وہ قتل عام کرایا کہ دجلہ کئی روز تک پہلے تو لاشوں اور خون کا دریا بنا رہا۔ اور آخر علمی ذخیرے جب دریا برد کیے گئے۔ تو مہینوں کتابوں کی سیاہی سے سمندر تک دریا ہی سیاہی کا دریا بن گیا۔

فاطمیہ حکومت مصر نے ہر اس مسلمان کی گردن اڑا دی جس نے علی کی وصایت وامامت کے خلاف زبان سے ایک لفظ بھی کہیں بھول کر نکال دیا۔

آصف خاں نے نادر شاہ کو بلا کر دہلی میں قتل عام کرایا۔

ملتان میں ابوالفتح داود نے مسلمانوں کے خون سے کتنی بار ہولی کھیلی۔

رضیہ کے زمانہ میں دہلی کی جامع مسجد میں ان لوگوں نے عین نماز جمعہ میں مشغول مسلمانوں کو تلوار کی دھار پر رکھ دیا۔[1]

نوابان اودھ نے کون سا حربہ ایسا تھا جو وہ سنیوں کے خلاف استعمال کر سکتے تھے مگر نہ کیا ہو۔

مجھے ان علماء اہل سنت کے علم وفضل پر رونا آتا ہے جنہوں نے صدیوں سے شیعیت کے متعہ، تقیہ، ماتم، تبرا اور تعزیہ وغیرہ کے موضوعات پر بحث ومناظرہ کے بازار گرم کر رکھے ہیں۔ خدا کے بندو! یہ بدعات تو عالم اسلام کے لئے ایک زحمت ثابت ہوئی ہیں۔ انہیں بدعات میں الجھ کر شیعہ مسلمانوں کے قتل وغارت کی پالیسی کو ترک کرنے کا موجب بنے۔ ورنہ خاندان عباسیہ کے زوال کے بعد جب تمام عالم اسلام میں ہر منچلے نے اپنی الگ آزاد سلطنت

---

[1] تاریخ مبارک شاہی۔

کا کوئس عن الملک بجانا شروع کیا تھا۔ یہ لوگ خرمن اسلام کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیتے۔

اور ذہ ہیں انہیں ایک صدی سے کچھ زائد اپنی من مانی کرنے کا موقع ملا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے یہ اچھوت اور اچھوتیاں۔ امام باڑے اور تعزیئے، اماموں کے نکاح اور ان کی پیدائشوں۔ متعہ اور ماتم ہی میں پھنسے رہے۔ اور ان ہفوات سے انہیں جو فرصت کے چند لمحات بیسر آئے وہ مسلمانوں کے لئے کتنے جانگزا ثابت ہوئے۔ اور اگر یہ لوگ ان ہفوات میں اپنا وقت ضائع نہ کرتے تو اس افرا تفری اور طوائف الملوکی کے دور میں تمام برصغیر کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالتے ؞

اسلامی فتوحات کا سہرا کس کے سر؟

پہلا دور

حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جزیرہ نمائے عرب کا اکثر حصہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد یوں معلوم ہونے لگا تھا کہ سوائے مدینہ طیبہ کے مرکزی مقام یا مکہ معظمہ کے مقدس مقام کے تمام عرب کی سرزمین مرتد ہو جائے گی۔ ہو جائے گی بھی ایک شاعرانہ سا لفظ زبر قلم آگیا ہے عملاً سب کچھ ہو چکا تھا۔ ایک طرف مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی۔ طلیحہ خویلدی اور سجاح نے اپنے اپنے مقامات پر نبوت کے دعوے کر کے ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا۔ دوسری طرف ان کی اس نبوتانہ یلغار سے جو لوگ بچ گئے انہوں نے اسلام کے ایک رکن

کا انکار کر کے اپنے آپ پر ارتداد کا لیبل لگا لیا۔ اس موقع پر سیدنا صدیق اکبرؓ نہایت فراست جرأت، شجاعت اور استقلال سے باوجود چند جلیل القدر صحابہ کے اس مشورہ کے کہ چند دن حالات کا انتظار کرنا چاہیئے آپ نے فوری اقدام کر کے ان تمام فتنوں کا خاتمہ کر کے گویا از سر نو مسلم سٹیٹ کی بنیاد رکھی۔

آپ کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ نے دنیا کی سب سے دو بڑی سلطنتوں کو شکست دیکر مسلم سٹیٹ میں ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل کا اضافہ کیا۔

قادسیہ اور یرموک کے میدانوں میں مجوسی اور عیسائی سلطنتوں کا تیا پانچہ کرنے کے علاوہ۔ دمشق۔ حمص۔ بعلبک۔ بصرہ۔ ابلہ۔ فحل۔ اہواز۔ مدائن۔ جزیرہ جلولا۔ تکریت۔ قنسرین۔ حلب۔ انطاکیہ۔ ملیح۔ سرج۔ اردن۔ طبریہ۔ خوزستان۔ شوستر۔ جند نیشا پور۔ حلوان۔ حران۔ نصیبین۔ موصل۔ قیساریہ۔ مصر۔ ایلیے۔ سینا اور لیبیا تک۔ سکندریہ۔ آذربائیجان دینور۔ ماسبذان۔ ہمدان۔ طرابلس الغرب۔ رے۔ عسکر۔ کرمان۔ سجستان۔ مکران۔ بلاد جبل۔ اصفہان گویا کوفہ اور بصرہ سے لیکر بلخ سے پرے چین کی سرحد تک اور دمشق سے لے کر کوہ لبنان اور ایشیائے کوچک تک تمام ممالک اور شہر آپ کے زمانہ میں فتح ہوئے۔

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں اسکندریہ میں دوبارہ جنگ ہوئی۔ مغرب کی طرف تیونس اور طرابلس۔ الجزائر اور مراکش۔ سیسلیا۔ سپین کا کچھ حصہ۔ قبرص۔ جزیرہ روڈس۔ آذربائیجان۔ آرمینیا۔ ایشیائے کوچک کا باقی حصہ۔ اصطخر۔ جور۔ نیشا پور۔ بلخ۔ طبرستان۔ کرمان اور سجستان کا باقی حصہ۔ گویا مشرق میں مکران۔ ہرات اور چینی ترکستان تک مغرب میں اندلس طرابلس۔ بحیرہ خضر اور کوہ قاف تک اور جنوب میں بحیرۂ عرب تک تمام شہر اور ممالک فتح ہوئے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت جو کسی قسم کی فتوحات پر منتج ہوئیں۔ وہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک محدود ہیں۔ اپنی خلافت کے زمانہ میں عثمانی مفتوحہ علاقوں سے زائد ایک انچ زمین بھی فتح نہ کر سکے۔

آپ کے بعد ولید بن عبد الملک اموی کی حکومت کے زمانہ میں حجاج بن یوسف گورنر مشرقی صوبجات کی ہدایات کے تحت محمد بن قاسم نے ملتان تک مسلم بن قتیبہ باہلی نے چین تک اور موسیٰ بن نصیر نے سپین تک ممالک فتح کئے۔ آج تاریخ سے خلفائے ثلاثہ کا نام نکال کر کوئی اسلامی تاریخ مرتب کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

تمام اسلامی تاریخ اور خلفائے ثلاثہ گویا ایک دوسرے کے ہم معنی اور مترادف الفاظ ہیں۔ اگر صدیق اکبر شروع میں ہی فتنہ ارتداد کا قلع قمع نہ کرتے اور اسلام سمٹ کر مدینہ اور مکہ میں محدود رہ جاتا تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان دو شہروں میں بھی مسلمانوں کو کوئی ٹکنے دیتا۔ صدیق اکبر کی اس مسلم سٹیٹ کی سربراہی جب فاروق اعظم کو ملی تو انہوں نے فتوحات کا دائرہ اور وسیع کر دیا۔ اور آخر میں خلیفہ ثالث کی فتوحات جن سرحدات پہ پہنچ کر رک گئی۔ ان کے بعد اگر امویوں یا عباسیوں نے کچھ اضافہ بھی کیا تو آج دنیا کے نقشہ پر ہمیں ان کی فتوحات نظر نہیں آتیں۔ آج اسلامی حکومتوں کی سرحدیں تقریباً تقریباً ماسوائے معمولی سے اضافہ کے وہی ہیں۔ جو شہادت عثمانؓ کے وقت میں تھیں۔ الحاصل آج ربع مسکونہ کے تمام اسلامی ممالک جن میں شیعہ بھی ہیں اور چند خارجی بھی تمام خلفائے ثلاثہ کی فتح کی یادگار ہیں۔

کتنی احسان فراموشی، کور ذوقی، پست ذہنیت اور گھٹیا سوچ ہے کہ آج انہیں محسنین اسلام پہ دن رات گالیوں کی بوچھاڑ کو عین اسلام سمجھا جاتا ہے اور ان کے کے قاتلین کے نام پہ عیدیں منائی جاتی ہیں۔

نقشہ فتوحات اسلامی

غیر مہذب علاقہ
یورپ
غیر آباد سائبیریا
بحیرہ ارال
بحرہ ابیض
چین
کراچی
بحیرہ عرب
ریگستان افریقہ (غیر آباد)
غیر مہذب افریقہ

علامت
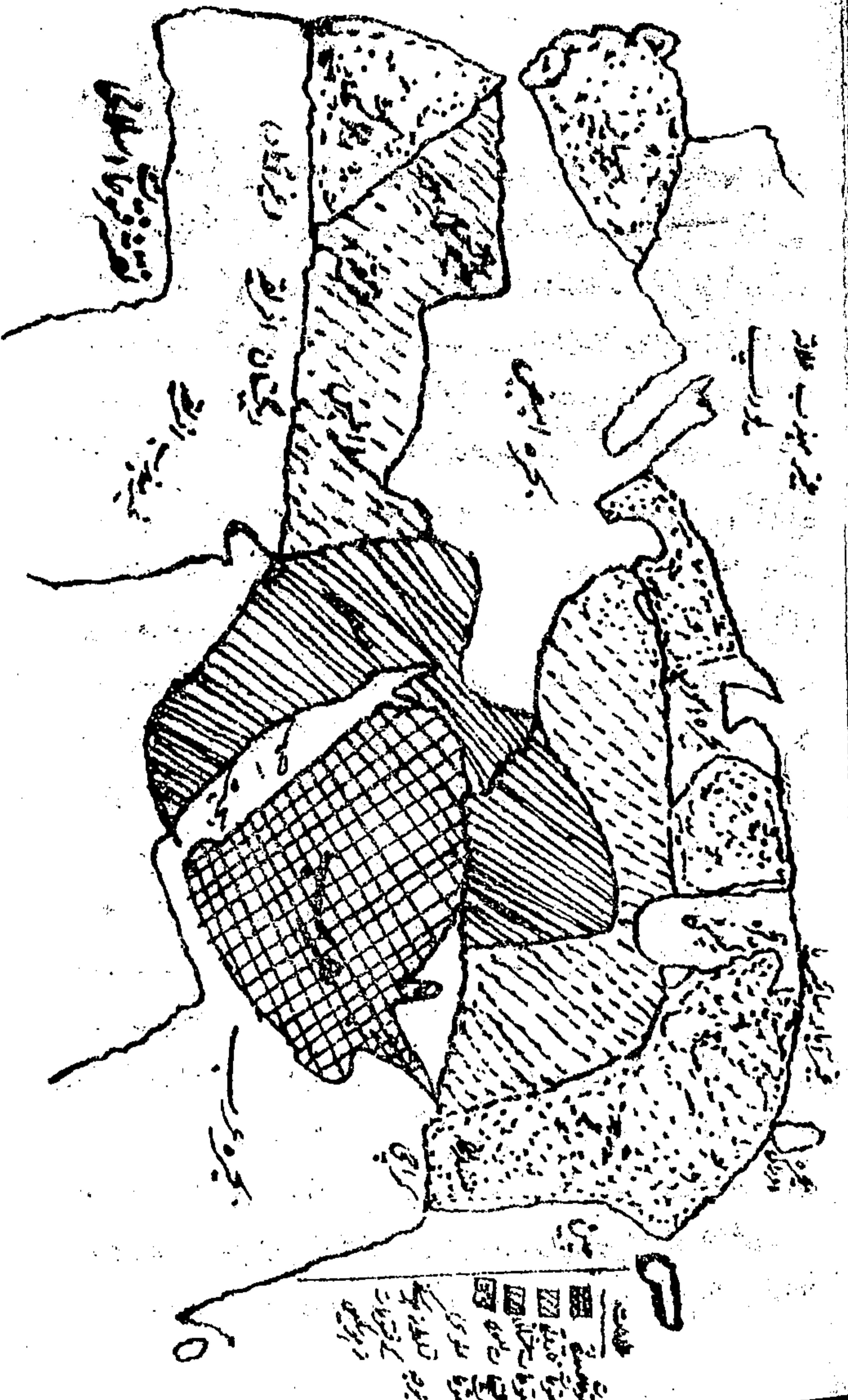
دوسرا دور

حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ایک مربع انچ زمین بھی فتوحات کے طور پر یادگار نہیں۔ حضرت حسنؓ نے معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ملک ان کے حوالے کیا تو معاویہؓ نے اسلامی سرحدات کی مضبوطی کی طرف توجہ کی۔ ملک کا اندرونی خلفشار ختم کر دیا۔ کتنی بڑی فراست تھی حضرت حسنؓ کی جنہوں نے خلافت سے دستبردار ہو کر عالم اسلام کو ایک بہت بڑے خوفناک، بھیانک اور تباہ کن خطرے سے بچا لیا۔ مجوسیوں کی سلطنت کا مرکزی مقام تو ختم ہو چکا تھا اور ان کی طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا مگر عیسائیوں کا مرکزی مقام ابھی تک موجود تھا۔ اور وہ یرموک کے مقام پر ذلیل ترین تاریخی شکست کھانے کے بعد دُم بریدہ سانپ کی طرح اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے تھے ایک دفعہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی چپقلش کے زمانہ میں بھی اس خطرے نے سر اٹھایا تو حضرت علیؓ نے ہرقل کو لکھا تھا کہ اگر تم نے شام کی طرف منہ کرنے کی جرأت کی تو تمہارے خلاف معاویہؓ کے جھنڈے کے نیچے سب سے آگے بڑھ کر نبرد آزما کھڑا ہونے کو میں موجود ہوں گا۔ اس وقت تو ہرقل اس نعرہ حیدری کو سنکر خاموش ہو گیا مگر حضرت حسنؓ کے زمانہ میں ہرقل پر پھر شرارت کا خوابیدہ بھوت جاگ کر سوار ہوا۔ تو حضرت حسنؓ معاویہؓ کو تمام عالم اسلام کا سربراہ تسلیم کر کے یہ تمام ذمہ داری اس کے سر ڈال کر گوشہ نشین ہو گئے، سیاست، فراست اور جنگی ٹکنیک کے لحاظ سے حضرت حسنؓ کا یہ کارنامہ تا قیامت عالم اسلام کے سر پر احسانِ عظیم رہے گا۔ حسنؓ نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑے خطرے سے بچا لیا ورنہ جمل اور صفین میں اسی ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان نادرِ روزگار ہستیاں اس دنیا سے روپوش ہو چکی تھیں اگر حضرت حسنؓ بھی ماضی کی تاریخ دوہراتے تو معاویہؓ ان سے الجھے رہتے اور ہرقل کی فوجیں شام سے ہوتی ہوئیں تمام جزیرہ نما عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتیں۔

نا معلوم حضرت حسنؓ کا یہ کارنامہ تاریخ میں کیوں نمایاں مقام حاصل نہ کر سکا

اور بجائے اس کے محبانِ حسنؓ نے دور از کار مفروضات میں اُلجھ کر اُن کی ذات کی طرف چند مافوق الفطرت واقعات منسوب کر کے اُنہیں مجلد شرف انسانیت کے منصب سے اُتار کر انسانیت کے خدام کے مقام پر لا بٹھایا۔

حضرت معاویہؓ نے اندرونی خلفشار سے مامون ہو کر سب سے پہلی توجہ اس نصرانی خطرہ کی طرف مبذول کی اور اس طرح اسلامی مملکت کی سرحدیں محفوظ کیں کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئیں۔ اس کے بعد خوارج کی طرف توجہ کی اور حضرت علیؓ سے بچے کھچے جو خوارج کبھی ایک جگہ سر نکال لیتے اور کبھی دوسری جگہ سر نکال لیتے تھے ان کا قلع قمع کیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دعوئے خلافت نے ایک بار پھر معاویہؓ کو چکرا کر رکھ دیا۔ ابھی یہ معاملہ معلق ہی تھا کہ معاویہ فوت ہو گئے۔ اور امیر یزیدؒ کی خلافت کے زمانے میں مشہور صحابیٔ رسولؐ مسلم بن عقبہؓ کے ہاتھوں فتنہ مدینہ کی شورش ختم ہوئی جو واقعہ حرہ کے نام سے مشہور رہی اور مسلمؓ بن عقبہ کی وفات کے بعد حصین بن نمیرؓ مکہ کی شورش ختم کرنے کے لئے پہنچے تو امیر یزیدؒ فوت ہو گئے تو حصین بن نمیرؓ نے علیؓ بن حسین کو کہا کہ خلیفہ یزید رحمۃ اللہ علیہ فوت ہو گئے ہیں۔ میرے ساتھ دمشق چلو میں تم کو عالم اسلام کا بادشاہ بنا دونگا مگر علی بن حسینؓ نے کہا میں اپنے دل میں وعدہ کر چکا ہوں کہ کسی کی بیعت نہ لونگا۔ اس کے بعد حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر سے یہی لفظ کہے کہ یزید مر گیا ہے تم میرے ساتھ دمشق چلو میں تم کو عالم اسلام کا بادشاہ بنا دوں گا۔ آپ نے انکار کر دیا اور بلند آواز سے چلا چلا کر باتیں کرنے لگے تو حصین بن نمیر یہ کہہ کر دمشق کی طرف روانہ ہو گیا کہ میں آپ کو عالم اسلام کی شہنشاہی پیش کرتا ہوں مگر آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔ کاش عبداللہ بن زبیرؓ اس وقت حصین کے کہے پر عمل کرتے تو مروان بن حکم کو دمشق کی بادشاہی نہ ملتی۔ یزید کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے معاویہ ثانی نے قبول سلطنت سے انکار کر دیا تھا۔ اب مروان بلا شرکت غیرے عالم اسلام کا سربراہ تھا۔

مروان بن حکم کے بعد عبدالملک کو تخت سلطنت ملا۔ یہ بہت بڑا عالم و فاضل ہونے کے باوجود بغض عبدالملک بھی تھا۔ اس کے یہ الفاظ نہایت مستند الفاظ ہیں تاریخ کی کتابوں میں مندرج قیامت تک نہیں مٹ سکتے۔

"میں عثمان کی طرح کمزور نہیں اور معاویہ کی طرح مکار نہیں" (عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۹۹)

اس کے دور میں سلطنت امویہ کو پورے طور پر استقلال حاصل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد ولید کو سلطنت ملی۔ یہ وہی ولید ہے جس کے گورنر حجاج نے ایک طرف ایک لاکھ بے گناہ مسلمانوں کو قتل کیا۔ اور دوسری طرف محمد بن قاسم کے جھنڈے کے نیچے سندھ فتح ہوا۔ مسلم بن قتیبہ بابِ چین کی سرحدات تک پہنچ گیا اور موسیٰ بن نصیر مراکش کے مغربی سواحل تک فتوحات کے جھنڈے لہراتا ہوا ہیں طرف گھونگھٹ نکال کر طارق کے ذریعہ سپین کو لوائے اسلام کے نیچے لانے میں کامیاب ہوا۔

ولید فوت ہوا تو سلیمان نے محمد بن قاسم اور مسلم بن قتیبہ کو قتل کرادیا اور موسیٰ بن نصیر کو لوگوں نے دمشق کی گلیوں میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔

اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے دور نے خلفائے راشدین کی یاد تازہ کردی آپ کے بعد یکے بعد دیگرے یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک، ولید بن یزید بن عبدالملک، یزید بن ولید بن عبدالملک، ابراہیم بن ولید۔ اور مروان الحمار اورنگ نشین سلطنت ہوئے۔

یہ تمام دور سوائے عمر بن عبدالعزیز کے مروان سے چلا ہوا یونہی رہا اور مروان پر ہی جا کر ختم ہوا۔ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ یہ دور مسلمانوں کی خوشحالی، عالمگیر فتوحات اور ملکی نظم و ضبط کا بے مثال دور ہوا ہے۔

اب بتائیے اس تمام پہلی صدی ہجری میں شیعوں نے کونسی اسلامی خدمت کی سوائے اس کے کہ اصحاب رسول اللہ کو گالیاں دیں اور اندرونی سازشوں میں مبتلا رہے اور جب سازشوں کو کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے صرف

"دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا"۔ تو ان میں سے ہی چند صاحب اقتدار

لوگوں نے عباسیوں کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی تمام اُمیدوں پہ پانی پھیر دیا۔ چونکہ اس سے پہلے ہی اُن کی تبلیغ کا رُخ ایران کی طرف ہو چکا تھا۔ اور وہاں ان کے ہزاروں بلکہ لاکھوں ہوا پیدا ہو چکے تھے۔ کوفہ کے شیعوں نے جس طرح حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے پہلے مسلم کو اور پھر حسینؓ کو شہید کیا۔ ایرانی شیعوں نے انہیں دودھ کی مکھی کی طرح باہر نکال پھینکا اور عباسیوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ فلسفہ تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ اگر امویوں کے بعد عباسیوں کی بجائے حکومت علویوں کو ملتی تو آگے چل کر جس طرح ان لوگوں نے مصر میں اپنی حکومت کے دوران یا اودھ میں اپنی حکومت کے دوران میں جو کچھ کیا اس سے ہزاروں گنا زیادہ تمام عالمِ اسلام میں کرتے۔ آج حنبلیوں کو بدنام کیا جاتا ہے کہ انہوں نے جنت البقیع کے قبے گرا دیئے ہیں یا عباسیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امویوں کی قبریں اکھڑوا دیں مگر شیعہ حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بھی دفن نہ رہنے دیتے اور ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضریح مبارک سے بھی گستاخی کر بیٹھتے۔ آخر حجر اسود کو بھی خانہ کعبہ سے اکھاڑ کر لے گئے تھے۔[1] اور پھر بموجب عقائد بعض ائمہ التشیع کہ جبرئیلؑ رسالت علیؓ کے لئے لایا تھا۔ اور محمدؐ درمیان سے ہی اُچک کر لے گئے۔ یا

دستِ احمد نے کیا ہے اپنے بازو کو بلند
جب تو اونچا ہے نبوت سے امامت کا وقار

(ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت)

پر عمل کرتے ہوئے گنبد خضرا کے ملبہ سے نجف اشرف کے مفروضہ مزارِ علی کو زینت دیتے۔ کس کو معلوم ہے کہ امام باڑہ آصف الدولہ کی تعمیر کے لئے کتنی مسجدوں کو شہید کیا گیا تھا۔

---

[1]:۔ آخر قبہ بیدمشکن کے زمانہ میں الیا گیا۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

حضرت حسنؓ نے خلع خلافت کا اعلان کر کے ہر قل کو اپنی طوائف الملوکی پر مجبور کیا۔ اور اللہ تعالیٰ جنت میں اعلیٰ مقام بخشیں ان علویین کو جنہوں نے اس وقت علویوں کو چھوڑ کر عباسیوں کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ گو عباسیوں کے اکثر بادشاہ بقول شیعہ تاریخ شیعہ تھے اور کچھ معتزلہ اور چند ایک سُنی۔ مگر مجموعی طور پر خلافت عباسیہ کا پہلا تین چوتھائی دور بھی تاریخ عالم کا سنہری دور ہے۔ مگر جب اس خلافت میں آل بویہ کو اختیارات ملے تو انہوں نے جو کچھ کیا ان کے اس ذکر سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ عباسیہ خلافت کے دور میں ہی مصر میں فاطمی خلافت کی بنیاد رکھی گئی۔ انہوں نے جو کچھ کیا اور جو کی سلطنت جب شیعوں کے قبضے میں آئی ان واقعات کے پڑھنے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (اس کی تفصیل دوسرے مقام پر دیکھئے)

آخر آج اس ربع مسکونہ پر جو ستر کروڑ مسلمان موجود ہیں اور جن میں چند کروڑ خود شیعہ بھی ہیں اور آج تک سُنیوں کی حکومتوں میں پنپتے، پھلتے اور ترقی کرتے رہے ان ستر کروڑ میں شیعوں کا بلحاظ فتوحات، بلحاظ علم و ہنر، بلحاظ جہاد و قتال، بلحاظ رشد و ہدایت بلحاظ تبلیغ و ارشاد کیا حصہ ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے مفروضات کی قیود و رسوم کی سرگشتگی کے خمار سے نکل کر دیکھیں تو انہیں اپنا وجود محض صفر لفی صفر نظر آئے گا۔ ہاں انہوں نے کیا اور بہت کچھ کیا۔ اور ہر جگہ کیا جہاں انہیں کرنے کی طاقت ملی، مسلمانوں کو قتل کیا۔ صحابہ کرام اور امہات المومنین کو گالیاں دیں مسجدیں منہدم کر کے امام باڑے بنوائے اور زن، زر، زمین غرضیکہ ہر قسم کے لالچ سے شیعیت کی تبلیغ کی۔

اولین دو دور تو دیکھ لئے تیسرا دور بھی ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا ———— فاعتبروا یا اولی الابصار۔

الغرض ———— آل بویہ نے آگ لگائی تو اپنے مسلمانوں کے گھر میں فاطمیوں نے آگ لگائی تو اپنے مسلمانوں کے گھر میں اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان گھر کی آگ بجھانے میں مصروف ہو گئے اور دشمنوں کے لئے میدان صاف ہوتا رہا۔

اودھ والوں نے آگ لگائی تو اپنے گھر میں اور انگریزوں کے لئے میدان صاف ہو گیا۔

دوازدہ ——— آئمہ

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

شیعوں کے مزعومہ امام اوّل

بچپن میں ایک دفعہ کسی کتاب میں کسی دانش ور کا ایک قول پڑھا تھا کہ پیغمبروں میں سب سے بڑے مظلوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے ہیں اور اُمتیوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ مقدس کی طرف ان کے اُمتیوں نے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ کی ذاتِ گرامی کی طرف اُن کے مقلدین نے جو کچھ منسوب کر رکھا ہے قیامت کے دن جب ان سے اللہ تعالےٰ پوچھے گا کہ تم نے اپنی اُمت اور اپنے مقلدوں کو واقعی یہ کچھ بتایا اور سکھایا تھا جو کچھ وہ زندگی میں کرتے رہے تو وہ حیران رہ جائیں گے اور اللہ تعالےٰ کے حضور میں اپنی بریت کا استغاثہ پیش کریں گے۔ ان کے متبعین نے جو کچھ کیا ان کے مرنے کے کئی سو سال بعد کیا اور وہ اس سے قیامت تک بے خبر رہیں گے۔ مگر حضرت علیؓ کی زندگی میں ہی اُن کے محبوں نے ان کے سامنے جو کچھ کہا۔ اور جس کردار کا مظاہرہ کیا دنیا کے کسی رہنما کے ساتھ اُن کے متبعین کے ایسے سلوک کی مثال سے تاریخیں خالی ہیں۔ حضرت علیؓ استقلال، صبر، جرأت جوانمردی، حوصلہ اور عزیمت میں ایک بے مثال شخصیت کے حامل اور عظیم المرتبت انسان تھے۔ آپ کے سامنے ایک گروہ اُٹھتا ہے اور وہ آپ کو علی الاعلان کافر کہتا ہے، دوسرا گروہ اُٹھتا ہے تو وہ آپ کو الوہیت کا حامل کہتا ہے۔ تیسرا گروہ آپ کی امامت و وصایت کے نعرے لگاتا ہوا آپ کے ارد گرد منڈلاتا پھرتا ہے غرضیکہ الوہیت کے اعلیٰ ترین مقام سے لے کر کفر کے ارذل ترین مقام تک تمام

درمیانی منازل پر مخالف ملنے آپ کے سامنے اور روبرو جھگڑا ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر اللہ رے صبر و استقامت آپ زبانی اور بدنی دونوں طریقوں سے چونکہ جنگ لڑتے ہیں۔ دقتی طور پر کامیابیاں بھی حاصل کرتے ہیں مگر بے نتیجہ۔ مومنانہ فراست ذہنی توازن کو بقا مے ہوئے ساتھ ساتھ ہے۔ مگر بقول احمد امین مصری مصنف فجر الاسلام ان کی تصویر کشی سخت دشوار ہے۔ کیونکہ مبالغات و اکاذیب کا وہ انبار لگا دیا ہے کہ مورخ حیرت زدہ رہ جاتا ہے (ص۱۶۸)

محقق لامن اور پروفیسر نکلسن اس بات پر متفق ہیں کہ ایک تخلیقی شخصیت اصلی شخصیت پر قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے ولادت کے بارے میں عجیب عجیب باتیں کہی گئی ہیں۔

ملا باقر مجلسی نے ایک عیسائی راہب مشرم کا وضعی قصہ لکھا ہے کہ ابو طالب سے اپنی ملاقات میں اس نے کہا کہ تمہارے صلب سے ایک بیٹا ہوگا جو ولی خدا و پیشوائے متقیان و وصی رسول پروردگار عالمیان ہوگا۔ ابو طالب نے برہان و دلیل کے لئے اس سے بہشت کا طعام طلب کیا۔ راہب نے دعا مانگی۔ رطب و انگور و انار بہشت کا خوان آگیا۔ ابو طالب نے انار بہشتی کھایا۔ اس سے نطفہ مبارک رحم مادر میں قائم ہوا (جلال العیون ص۱۶۸) اسی طرح اور بھی مختلف قسم کی روایات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

نطفہ قرار پاتے ہی زمین کانپنے لگی۔ کعبہ کے بت گر پڑے ... طائف کے راستہ میں ابو طالب کو ایک شیر ملا جو دم ہلانے لگا اور اپنا سر خاک پر ملنے لگا۔ ابو طالب کے پوچھنے پر بولا کہ تم ہی شیر خدا کے باپ ہو۔ وغیرہ وغیرہ (جلال العیون ص۱۹۵ مطبوعہ تہران ۱۳۲۲ھ)

اپنے متعلق اس قسم کی باتیں بھی آپ کے کانوں تک پہنچتی رہیں۔ مگر اس عزیمت و استقلال کے بے مثال پیکر نے جس حد تک ان کے لیں میں تھا تردید بھی کی جنگیں بھی لڑیں مگر آپ کی پوری زندگی صبر و ثبات کی ایک چٹان کی طرح لئے

مقام پر قائم رہی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی کے تین دور ہیں۔ پہلا دور نبی علیہ السلام کی وفات تک۔ دوسرا دور خلفائے ثلاثہ کے زمانے کا۔ تیسرا دور ان کی اپنی خلافت کا۔

نبی علیہ السلام کی زندگی میں حضرت علیؓ کی حالت بالکل ایک خانہ زاد فرد کی ہے اصحاب ثلاثہؓ کی زندگی میں سوائے اہم اور ضروری امور ان کے مشوروں کے کوئی کارنمایاں تاریخ کی کتابوں میں آپ کی طرف منسوب نہیں۔ اور آپ کی اپنی خلافت کا دور سراسر ناکامیوں اور مسلمانوں کی تباہیوں کا دور رہا ہے جس میں ایک انچ زمین کی فتح تو درکنار اندرون ملک یعنی اپنے زیر امارت علاقہ میں بھی وہ کما حقہ امن اور آرائش کی فضا پیدا نہ کر سکے۔

حضرت علیؓ کو خلیفہ بلافصل، وصی رسول اور امام اول ثابت کرنے کے لئے ابوطالب کے متعلق بھی دیو مالائی داستانیں وضع کی گئیں۔ اور نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اہلسنت کے بڑے بڑے فضلاء و علماء نقاد و ادباء مؤرخ اور سیرت نگار بھی بُری طرح شیعہ چابکدستی کا شکار ہو کر انہیں کی سی کہنے لگے۔

عبدالمطلب کے انتقال کے بعد نبی علیہ السلام کی کفالت

ہماری تمام مروّجہ تاریخیں۔ ہمارے تمام علماء اور پیران عظام ہمارے سب کے سب واعظ اور خطیب۔ ہماری تمام مجالس اور محافل غرضیکہ ہمارا تمام معاشرہ الا ماشاء اللہ بُری طرح اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد ابوطالب جن کا اصل نام عبد مناف تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل ہوئے۔ حالانکہ یہ واقعہ صریحاً غلط اور بالکل بے بنیاد ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش آپ کے بڑے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے کی۔ مگر شیعی پروپیگنڈہ نے اس حقیقت کے چہرے کو نہایت چالاکی سے مسخ کر کے ابوطالب کا مقام بلند کر کے دکھانے کے لئے

تمام واقعہ کو اس طرح موڑ توڑ کر تمام معاشرہ کے ذہنوں میں اس طرح راسخ اور پختہ کر دیا ہے کہ آج بڑے بڑے عالم اور فاضل بھی اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سبائی تصورات نے اپنے پروپیگنڈہ کے بل بوتے پر حقائق کو مسخ کر کے پوری قوم کے ذہنوں کو اپنے مزعومہ تصورات میں کس طرح جکڑ رکھا ہے۔ یزید کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور سینکڑوں اجل صحابہ اس امر کے گواہ ہیں۔ مگر سبائی پروپیگنڈہ نے اپنے جالوں میں اس طرح پوری ملت کو جکڑ لیا کہ وہ آج تک اسے بخشنے کو تیار نہیں۔ ذرا ابو طالب کے اسی ایک واقعہ سے دوسری باتوں کا اندازہ کیجیے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

عبد المطلب کی وفات کے وقت ان کے چھ بیٹے زندہ تھے:

زبیر۔ الحارث۔ عبد مناف (ابو طالب) عبد العزیٰ (ابولہب) عباس حمزہ۔ زبیر، ابو طالب اور عبد اللہ تینوں ایک ماں سے سگے بھائی تھے زبیر سب سے بڑے تھے۔ طبقات ابن سعد میں زبیر کے متعلق لکھا ہوا ہے

١۔ والزبیر وکان شاعراً شریفاً والیہ اوصی عبد المطلب

اور زبیر شاعر اور باعزت شخص تھے اور انہیں کو عبد المطلب نے اپنا وصی کیا تھا (جلد ا صفحہ [illegible])

٢۔ فاما الزبیر بن عبد المطلب فکان من اشراف قریش ووجوهها۔

لیکن زبیر بن عبد المطلب تو وہ قریش کے معززین اور باوقار سرداروں میں سے تھا (شرح ابن ابی الحدید)

٣۔ مؤلف کتاب المحبر یعنی قدیم ترین مورخ ابو جعفر محمد بن حبیب متوفی ٢٤٥ھ

الحکام من قریش ثم من بنی ہاشم کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ بنی ہاشم میں سے عبد المطلب کے بعد زبیر اور ان کے بعد ابو طالب

سردار ہوئے (صفحہ ۱۳۲)

۴۔ اشرافِ قریش میں ہے کہ حرب بن امیہ کے مرنے کے بعد جب عہدوں کی تقسیم ہوئی تو ہاشمی خاندان میں بالترتیب زبیر۔ ابو طالب۔ حمزہ اور عباس سردار ہوئے۔

۵۸۱ شمسی میں حرب فجار کی جنگ لڑی گئی۔ یہ جنگ قبیلہ ہوازن اور قبیلہ قریش کے درمیان لڑی گئی۔ اس جنگ میں بنو ہاشم کے سردار زبیر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت بیس سال تھی۔ آپ اس جنگ میں شریک شامل ہوئے۔ مگر عملاً جنگ میں حصہ نہ لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ۵۶۱ شمسی کو ہوئی۔ حرب فجار ۵۸۱ شمسی کو لڑی گئی اس حساب سے اس وقت عمر شریف بیس سال سے کچھ کم یا زیادہ تھی۔ اور آپ تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچا زبیر کو دیتے رہے۔ ابو طالب کا اس لڑائی میں ذکر کہیں نظر نہیں آتا۔ (تاریخ اسلام حصہ اول ص۹۵ اکبر شاہ خاں۔ اشرافِ قریش ص۱۴۵)

۔ کتاب المحبر میں مرقوم ہے :- ھو فتیان قریش ۔ وہ قریش کے بہادر جوانمردوں میں سے تھے (ص۱۷۶)

۔ شرح ابن ابی الحدید میں ہے کہ زبیر رحیم، کریم اور انصاف پرور تھے مظلوموں کی دادرسی کے متعلق آپ کے کئی واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عبد المطلب کی زندگی میں آپ ایک مظلوم کے سلسلے میں حرب بن امیہ سے الجھ پڑے۔ معاملہ نے طول کھینچا تو آپ اپنے بھائی الغیداق کی ہمراہی میں اس مظلوم کو لے کر کعبہ میں جا پہنچے۔ مگر معاملہ اور بڑھ گیا تو تمام بنو عبد المطلب تلواریں سونت سونت کر آپ کی مدد کے لئے پہنچ گئے۔

۵: آج محرم کو حضرت حسین کی شہادت کی وجہ سے متبرک مہینہ سمجھنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ محرم کا مہینہ زمانہ کفر میں بھی حرمت کا مہینہ تھا اس جنگ کو حرب فجار اسی لئے کہتے ہیں کہ محرم الحرام میں لڑی گئی تھی

۷۔ زبیر اپنے زمانے کے بڑے تاجر اور صاحب ثروت شخص تھے (کتاب المحبر)

۸۔ کسی زمانہ میں عرب میں چند لوگوں نے ایک عہد کیا تھا جو مظلوموں کی اعانت وغیرہ کی دفعات پر مبنی تھا۔ اس عہد نامہ پر عمل وغیرہ تو متروک ہو چکا تھا۔ مگر اس کی یاد ابھی تک لوگوں کے دلوں میں موجود تھی زبیر بن عبد المطلب نے حرب فجار کے بعد اس کی تجدید کی یعنی عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر تمام قبائل کے سرداروں کو اکٹھا کر کے اس واقعہ کی یاد دلا کر اس کی از سر نو تجدید کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت اکیس یا بیس سال کی تھی اور اپنے چچا زبیر کے ساتھ موجود تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں اسی کو حلف الفضول کہا گیا ہے (شرح ابن ابی الحدید، تاریخ اسلام اکبر شاہ خان جلد اول ص۹۷)

۹۔ زبیر کے مرنے پر ان کی بہن حضرت صفیہؓ نے ایک بڑا زوردار مرثیہ لکھا تھا فرماتی ہیں۔

۱۔ تو روئے نیک ذات زبیر پر۔ ان پر رونے سے یہ بات جاتی رہی کہ کسی کریم پر روتی۔

۲۔ یا زمین کسی کریم و شریف کو پھینک دیتی تو میں ملامت نہ کرتی۔ یا زمین کسی کے مرنے پر بد حالی اور تنگی ہو جاتی تب بھی میں پرواہ نہ کرتی۔

۳۔ اور میرے جی میں تو یہ بات تھی کہ میں مرنے والوں کو چھوڑ دوں اور ان کے پیچھے کوئی مرثیہ نہ کہوں۔

۴۔ مگر زبیر کے مرنے کو میں کیسے بھول جاؤں۔ اس کے مرنے پر صبر نہ کر سکی۔ کیونکہ میں نے اپنے سب بھائیوں میں زبیر کو کریم تر پایا۔

۵۔ اگر میں اپنے منہ سے اس کے مرثیہ کے شعر نہ کہتی تو آنسو یہ کہ میری پسلیوں کو چور چور کر دیتے۔

سوائے زبیر کے ہمیں کسی تاریخ میں نظر نہیں آتا کہ حضرت صفیہؓ نے کسی بھائی

کے مرنے پر کوئی مرثیہ کہا ہو۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت کا آپ کو بہت صدمہ ہوا مگر مرثیہ ان پر بھی نہیں کہا۔ اور ابو طالب کا تو ذکر ہی نہیں۔

زبیر کی وفات کا صحیح سن نہیں ملتا مگر حلف الفضول کے تھوڑے عرصے بعد معلوم ہوتا ہے آپ مر گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کسی کی کفالت کی ضرورت نہ تھی آپؐ بھرپور جوان تھے اور آزادانہ تجارت کرتے تھے

اب تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ کیجئے :۔

۱۔ زبیر کے مرنے کے بعد عبد مناف (ابو طالب) خاندان کے سردار ہوئے آپ کی مالی حالت بہت کمزور تھی (شرح ابن ابی الحدید)

۲۔ چونکہ ابو طالب غریب تھے اس لئے اپنے اس خاندانی عہدہ کو نبھا نہیں سکتے تھے۔ اور ان کی جگہ ان کے بھائی عباس سقایہ و رفادہ وغیرہ کے امور انجام دینے لگے۔

۳۔ قریش کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اور تجارت کے لئے شام اور یمن کی طرف سفر کرنے پڑتے تھے۔ اس زمانے میں عرب جیسے ملک میں جہاں چوری۔ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کو ایک کھیل سمجھا جاتا تھا وہی لوگ سفر کر سکتے تھے جو صحت مند اور صحیح الاعضا ہوتے تھے مگر ابو طالب جو صحت کے لحاظ سے کمزور اور ایک ٹانگ سے لنگڑے[1] تھے اور صعوبات سفر برداشت کرنے سے مجبور تھے۔ اس لئے ان کی مالی حالت بہت پتلی تھی۔

۴۔ چونکہ لمبے سفر سے معذور تھے اس لئے گھر پر ہی کوئی چھوٹا موٹا کام کر کے گذر اوقات کر لیتے تھے ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ گھر پر ہی خوشبوئیں بنا کر بیچ لیا کرتے تھے۔ (المعارف)

---

[1] :۔ المعارف میں ابن قتیبہ نے قریش کے مختلف خاندانوں کے جسمانی نقائص والوں کی ایک فہرست دی ہے۔ العرج کے عنوان کے تحت سرِ فہرست ابو طالب کا نام ہے صـ۲۵۲)

۵۔ ان کی یہ حالت باپ کی زندگی میں ہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالمطلب کی سرداری یا زبیر کی سرداری کے زمانہ میں ان کا نام نہیں ملتا۔ اور نہ ہی عہد جاہلیت کے کسی اہم واقعہ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

اب عبدالمطلب کی بصیرت، معاملہ فہمی وجاہت اور فراست کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت نبی علیہ السلام کی کفالت کا بوجھ یقیناً اس بیٹے کے سپرد کیا ہوگا جو غریبوں کا ہمدرد، مظلوموں کا مددگار، صاحب فراست، نیکی اور پارسائی کا مجسمہ قبیلہ کا سردار، ذی عزت ذی وجاہت، صاحب حوصلہ اور جراءت مند شخص تھا۔ نہ کہ اس بھتیجے یتیم پوتے کی کفالت کا بوجھ ڈالا ہوگا جو معمولی حیثیت کا ایک اپاہج اور کثیر العیال انسان تھا۔ اس مقام پر یاران طریقت نے پہلے تو قرعہ اندازی کا مفروضہ گھڑ لیا کہ عبدالمطلب نے پوتے کی کفالت و پرورش کے لئے زبیر اور عبد مناف (ابوطالب) اپنے دو بیٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا جو ابوطالب کے نام نکل آیا۔ اس لئے انہوں نے آنحضورؐ کی پرورش کی۔

اس قرعہ اندازی کے خالق کی نظر اس طرف کیوں نہیں گئی کہ عبدالمطلب کے پانچ اور صاحب حیثیت بیٹے بھی موجود تھے۔ صرف ان دو کے درمیان قرعہ اندازی کیوں ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کی کفالت کی ذمہ داری تو زبیر کے کندھوں پر باپ نے ڈالدی تھی۔ اب چونکہ اس سعادت کا سہرا ابوطالب کے سر باندھنا مقصود تھا اور زبیر کا نام درمیان سے نکالنا مطلوب تھا اس لئے دو کا نام ہی لیا گیا۔

پھر دوسرا شوشہ چھوڑا گیا۔

حضور علیہ السلام کی پرورش زبیر اور ابوطالب دونوں نے کی۔

اس دونوں کے فلسفہ کے خالق کو اتنا نظر نہیں آیا کہ زبیر تو ایک رئیس تھے اور ابوطالب ایک غریب آدمی۔ ایک امیر کے گھر رہنے والے بچے کو غریبانہ تنگ کے

ماحول میں پہنچانے کی اور وہ بھی شراکت میں کیا ضرورت محسوس ہوتی۔ پھر یہ علم
تراشی گئی ہے۔

زبیر کی وفات کے بعد ابو طالب نے پرورش کی۔

صفحات بالا میں بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
عمر شریف حلف الفضول کے وقت بیس سال سے زیادہ تھی اور زبیر کی وفات
اس سے بعد ہوتی ہے۔ اور اس وقت آپ آزادانہ تجارت کا شغل اپنا چکے
تھے۔ پھر ابو طالب کی پرورش چہ معنی دارد؟

درایت سے آگے بڑھ کر اب روایات کو دیکھیے۔

اصل بات یہ ہے کہ عبد المطلب نے مرتے وقت اپنے یتیم پوتے
کی کفالت کی ذمہ داری زبیر کے سپرد کی تھی۔ عبد المطلب اپنی آنکھوں
سے زبیر کی بلند کرداری اور غربا پروری کے مظاہرے دیکھ چکے تھے
اور انہیں یقین تھا کہ زبیر ہی اس بوجھ کو اٹھانے کا اہل ہے
اور زبیر کو اپنے یتیم بھتیجے سے بھی بے پناہ محبت اور غیر معمولی
انس تھا بچپن میں انہیں گود میں اٹھائے پھرتے ہاتھوں پر جھلاتے
اور لوریاں گنگناتے جاتے۔ چنانچہ الاصابہ میں ہے کہ زبیر بن عبد المطلب
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب وہ چھوٹے تھے جھلایا کرتے تھے اور
کہتے جاتے تھے۔ یہ محمد میرے بھائی عبد اللہ کی نشانی ہے۔ یہ
عیش و آرام سے جیئے اور بڑی اعلیٰ عزت اور توقیر پائے" (الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)
زبیر کے ایک بیٹے کا نام عبد اللہ تھا۔ عہد رسالت میں وہ جوان تھے جب
کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپ اپنے پہلو میں بٹھاتے
نہایت محبت سے پیش آتے اور فرماتے کہ یہ میرا بھائی میری ماں کا بیٹا ہے
اس کا باپ مجھ سے بڑا نیک سلوک کرتا رہا (الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۰)
زبیر کی ایک بیٹی ضباعہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک بیٹے

کا نام طاہر رکھا۔ (شرح ابن ابی الحدید)

حضرت صفیہؓ نے اپنے بھائی زبیر کے نام پر اپنے بیٹے کا نام رکھا

زبیر کی چار بیٹیاں تھیں۔ چاروں اسلام لائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن اور آغاز شباب ان کے ساتھ گزرا تھا۔ اس لئے آپ ان کی بڑی عزت فرمایا کرتے تھے۔ الغرض زبیر بن عبد المطلب اپنی نیک خصلتوں اور اعلیٰ صفتوں کی وجہ سے تمام خاندان میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور تمام خاندان میں نہایت عزیز اور محبوب تھے۔ لیکن اس باب میں شیعیت نے اس چابکدستی سے زبیر کی بجائے عبد مناف (ابو طالب) کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفیل بنا کر پیش کیا ہے کہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی جیسا بالغ نظر مورخ اور مولانا شبلی جیسا تجربہ کار نقاد اور وسیع النظر مورخ بھی چکمہ کھا گیا۔ اکبر شاہ خان عبد المطلب کی وفات کے بعد آل ہاشم کی سرداری کا تاج زبیر کے سر پر رکھتے ہیں۔ حلف الفضول کی تجدید کا سہرا زبیر کے سر پر باندھتے ہیں۔ مگر نبی اکرمؐ کی کفالت کی سعادت ابو طالب کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ ابو طالب اور عبد اللہ چونکہ سگے بھائی تھے اس لئے آنحضورؐ کی کفالت ابو طالب کے سپرد کی گئی۔ دوسرے مقام پر یہی شبلی علامہ ابن قتیبہ کو ایک نامور اور مستند مصنف کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ محدثین بھی ان کے اعتماد کے قائل ہیں (الفاروق صلا) مگر ابن قتیبہ کی یہ تحریر نامعلوم ان کی نظر سے یا سید سلیمان ندوی کی نظر سے سیرۃ النبی لکھتے وقت کیوں اوجھل ہو گئی کہ فاطمہ بنت عمرو کے بطن سے عبد المطلب کے تین بیٹے تھے یعنی زبیر ابو طالب اور عبد اللہ

ایک مستند بات ترک کر دی۔ اور ایک شنی سنائی غلط بات لکھ دی۔ حالانکہ حرب فجار کے ذکر میں زبیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ آل ہاشم کے سردار زبیر تھے اور اسی صنف میں جناب رسول اللہؐ بھی تھے۔ پھر حلف الفضول کے ضمن میں بھی لکھتے ہیں کہ زبیر بن عبد المطلب جو رسول اللہؐ کے چچا اور خاندان کے

سرگروہ تھے انہوں نے یہ تجویز پیش کی تھی۔

اسی طرح "شعب ابو طالب" کی اصطلاح آج زبان زد خاص و عام ہے۔ اور مولانا بھی بغیر تحقیق کئے شعب ابو طالب ہی لکھتے چلے گئے۔ اصل میں یہ پہاڑ کا ایک درّہ تھا جو بنو ہاشم کا موروثی تھا۔ چونکہ کفار مکہ کے مقاطعہ کے وقت اسی شعب بنو ہاشم میں تمام بنو ہاشم پناہ گزین ہوئے تھے اور اس وقت بنو ہاشم کے سردار ابو طالب تھے اس لئے یہ بھی شعب ابو طالب مشہور ہو گیا۔ مگر افسوس کہ مولانا جیسا محقق بھی ایسی غلط فہمیوں کو دور نہ کر سکا۔ البتہ بہت بعد سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی کے حاشیہ پر اس کی اصلاح کی۔ اکبر شاہ خان بھی شعب بنو ہاشم کے نام سے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اور شیعہ خود اسے شعب بنو ہاشم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

(الزہراص ۹ مصنفہ خان بہادر اولاد حیدر فوق)

وضاعین نے ابو طالب کی داستان اس چابکدستی سے تیار کی کہ ابو طالب کی ہمراہی میں نبی علیہ السلام کا سفر شام تک تخلیق کر لیا اور پھر بحیرہ راہب کا قصہ گھڑ کر عجیب گل فشانیاں کیں۔ حالانکہ ابو طالب بے چارے سفر کے قابل ہی نہ تھے۔

سیرۃ الحلبیہ کی ایک عبارت ہے کہ ابو طالب کو مال کی ایسی تنگی تھی کہ ان کے گھر والے کھانا اگر سب مل کر کھاتے یا جدا جدا کسی کا پیٹ نہ بھرتا۔ لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھاتے تو سب سیر ہو جاتے۔ اسی قسم کی متعدد روایات ابو طالب کی کفالت کے سلسلے میں بیان کی گئی ہیں۔ جن میں نبی علیہ السلام کے ارہاصات کی آڑ میں ابو طالب کے مقام کو بلند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور بعد میں آنے والوں نے ان کو بعینہٖ قبول کر لیا۔ یہ سوچنے کی کسی نے زحمت گوارہ نہ کی کہ سردار قبیلہ زبیر ہیں۔ ان کی غربا پروری اور اقربا نوازی کی داستانوں سے تاریخوں کے صفحات پُر ہیں۔ یتیم بھتیجے کو لوریاں دیتے اور ہاتھوں پر اُچھالتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ مگر اپنے محبوب اور پیارے بھتیجے کو فاقوں کا شکار ہونے کے لئے ابو طالب کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور پھر باپ کے حکم کی بھی پرواہ نہیں کرتے جو مرتے وقت یتیم پوتے کے حق میں وہ مرد بزرگ فرما گئے تھے

آگے چلئے اور تاریخ کا ذرا وقت نظری سے مطالعہ کیجئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ زمانہ دیکھئے جب تبلیغ کے سلسلہ میں آپ کو قریش مکہ سے اذیتیں پہنچتی ہیں۔ مگر ہم کسی تاریخ میں اشارۃً بھی لکھا ہوا نہیں ملتا کہ ابو طالب نے یا ان کی اولاد میں سے کسی ایک نے ایک بار بھی آپ کی معاونت یا مدد کے لئے ہاتھ بڑھایا ہو۔ ہمیں اگر نظر آتا ہے تو ابو بکر صدیق کا اسم گرامی نظر آتا ہے اور یا حضرت حمزہؓ کا نام نامی چند سال بعد ابو جہل کی بدکلامی کے سلسلے میں نظر آتا ہے اس سے آگے بڑھ کر دیکھئے زبیر کے مرنے کے بعد آپ کو ازدواجی متاہل زندگی کا خیال آیا۔ آپ نے ابو طالب کو ام ہانی کے لئے پیغام بھیجا مگر اس شفیق تایا نے اپنے ماموں کے بیٹے ہبیرہ بن ابی وہب سے نکاح کر دیا اور بھتیجے کو جواب دے دیا (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ تاریخ طبری۔ کتاب المحبر۔ الاصابہ)

نبی علیہ السلام نے جب اس بات کا تایا سے شکوہ کیا تو اس شفیق تایا نے جو جواب دیا وہ آج بھی تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔

بھتیجے ان لوگوں سے تو ہماری قرابتیں پہلے سے ہوتی آئی ہیں اور اشراف کا میل اشراف سے ہی ہوتا ہے۔ مگر تو تو ایک غریب آدمی ہے۔ (تاریخ طبری۔ الاصابہ۔ طبقات ابن سعد)

اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابو طالب کی کفالت کی تمام روایات محض وضعی من گھڑت اور کذب و افترا کے پلندے ہیں۔ ابو طالب کا یہی اشراف خاندانی داماد ہبیرہ کے بعد آنحضورؐ کی شان میں ہجو بکتا رہا اور ہر غزوہ میں نبی علیہ السلام کے مقابل آتا رہا۔ آخر فتح مکہ کے روز نجران کی طرف بھاگ گیا اور بحالت کفر کہیں مر گیا۔

۸ھ میں ام ہانی مسلمان ہو گئیں۔ اور حضرت علیؓ نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں ان سے نکاح کر لینے کی التجا کی۔ آپ نے ازراہِ ترحم قبول فرما لیا۔ مگر جب ام ہانی نے جواب دیا کہ خدا میں تو زمانہ جاہلیت میں بھی آپ سے محبت کرتی تھی اور اب آپ کا کہنا ہی کیا ہے۔ مگر میں بال بچوں والی عورت ہوں اور اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ آپ کی تکلیف کا موجب بنوں (طبقات ابن سعد جلد ۲ کتاب المحبر صفحہ ۲۹۶ الاصابہ جلد ۳ صفحہ ۳)

اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ام ہانی کی خواہش کے باوجود

س شفیق تایا نے بیٹی کا نکاح یتیم بھتیجے سے کر دینا پسند نہ کیا۔ تو کفالت کے اس مفروضہ
ب کا کیا علاج۔

اب رہا یہ سوال کہ ابو طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکالیف برداشت
ں تو وہ تکالیف مثل شعب ہاشم کے تمام بنو ہاشم نے برداشت کیں۔ سوائے ابولہب
ے۔ اس میں ابو طالب کی کوئی خاص اہمیت یا خصوصیت نہیں۔

یہ بات متفق علیہ ہے کہ ابو طالب بحالت کفر مر گئے۔ آنحضورؐ نے ان کی تدفین میں
رلت نہ کی۔ اور ان کی مختصر سی جائداد میں سے حضرت علیؓ کو حصہ نہ لینے دیا۔

نبوت کے بعد جب قریش کا ایک وفد ابو طالب کے پاس پہنچا اور کہا کہ تمہارے
بھتیجے کی وجہ سے ہم سخت تنگ ہیں تو ابو طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کو بلا کر کہا کہ بھتیجے میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور اپنے اندر قریش کے مقابلہ کی
طاقت نہیں پاتا۔ تم مجھے ایسی محنت میں مبتلا نہ کرو جو میری طاقت
اور استطاعت سے بڑھ کر ہو۔ مناسب ہے کہ تم اپنے دین کی اشاعت
اور بتوں کی برائیاں اعلانیہ بیان کرنا ترک کر دو۔ تو ابو طالب کی باتوں
سے آپؐ نے محسوس کیا کہ ابو طالب میری حمایت سے دستبردار ہو رہے
ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ چچا اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج
اور دوسرے میں چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں تبلیغ سے رک نہیں سکتا۔"

ایک بڑی غلط فہمی

جنگ بدر رمضان ۲ھ میں ہوئی۔ حضرت علیؓ کو پہلی بار اس جنگ میں شامل
ہونے کا موقعہ ملا۔ آپ فرماتے ہیں میں ہنوز پورے بیس برس کا بھی نہ تھا
جو اس (جنگ بدر) میں لڑنے کے لیے کھڑا ہوا (خطبہ ۲۷ نہج البلاغۃ کامل المبرد
عقد الفرید وغیرہ)

سیرۃ الحلبیہ میں بقول ابن عباس مرقوم ہے کہ جنگ بدر میں حضرت علیؓ کی عمر

بیس سال تھی خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ علیؓ جنگِ بدر میں شامل ہوئے تو ان کی عمر بیس سال تھی (تاریخ خطیب بغدادی صفحہ ۱۳۴ جلد ۱)

۳۔ سیدہ فاطمہؓ سے آپ کا نکاح غزوہ احد کے بعد ہوا اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی (حاشیہ صحیح بخاری صفحہ ۵۱۳ مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

۴۔ نبوت کے دوسرے سال جب سخت قحط پڑا تو ابو طالب کے دو بڑے بیٹے طالب اور عقیل کی عمریں ۳۰ اور ۲۶ سال تھیں جعفر اور علی کی عمریں ۱۲ اور ۹ سال تھیں بڑے دونوں تو خود کفیل تھے اور چھوٹے ابو طالب کی عسرت کی زندگی کی وجہ سے ناقہ کشی میں مبتلا تھے اس موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباسؓ کو اس طرف متوجہ کیا۔ عباسؓ نے جعفرؓ کی کفالت کا بوجھ اٹھا لیا اور علیؓ کو آنحضرت اپنے گھر لے آئے۔

اگر جعفرؓ کی عمر اس وقت بیس سال ہوتی تو انہیں حضرت عباسؓ کی کفالت کی کیا ضرورت تھی۔ اس صورت میں ہم حضرت علیؓ کی عمر دس سال کے قریب مان سکتے ہیں۔

۵۔ حضرت جعفرؓ نے غزوہ موتہ کے وقت ۸ھ میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر چونتیس (۳۴) سال تھی چنانچہ ان کی اولاد سے علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر کا قول مقاتل الطالبین کے شیعہ مؤلف نے نقل کیا ہے کہ جعفرؓ کی عمر غزوہ موتہ کے وقت چونتیس برس تھی۔ اس لحاظ سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۶ سال اور بعثت نبوی کے وقت چودہ پندرہ برس اور ان سے دس برس چھوٹے حضرت علیؓ کی عمر وہی چار پانچ برس ہوتی ہے۔

۶۔ حضرت علیؓ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے اس وقت وہ ۵۸ سال کے تھے چنانچہ جعفر بن محمد (الباقر) سے کسی نے پوچھا کہ شہادت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر کتنی تھی تو انہوں نے جواب دیا کہ ۵۸ برس (تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱ صفحہ ۱۳۸)

مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعثت نبوی کے وقت حضرت علیؓ کی عمر پانچ اور چھ سال کے درمیان تھی۔

جس طرح حضرت علیؓ کی وصایت، خلافت اور امامت کے بارے میں بہت سی وضعی روایتیں تراشی گئی ہیں وہاں یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے۔ نبوت کے دوسرے یا تیسرے سال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وانذر عشیرتک الاقربین کے ارشاد کے تحت اپنے تمام خاندان والوں کو بلا کر عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ اور فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اس کا اقرار کرے کہ اللہ ایک ہے اور اس کی تبلیغ میں میری مدد کرے اور آپ کا گمراہ چچا ابولہب دوسرے رشتہ داروں کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا تو حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ آپ نے فرمایا ــــ کہ فانت اخی و وزیری ووصی ووارثی وخلیفتی من بعدی

"یعنی اے علی تم میرے بھائی ہو۔ میرے وزیر ہو۔ میرے وصی ہو۔ میرے وارث ہو۔ اور میرے بعد میرے خلیفہ ہو"

یہ روایت مختلف لفظوں سے مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔ جو شیعوں کے نزدیک نظریہ وراثت کی ترجمان ہے۔ مگر آج تک روایت اور درایت دونوں طریقوں سے اسے پرکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ احناف کے محقق اعظم شبلی نعمانی نے بھی سیرۃ النبی میں لکھتے وقت اس پر غور کرنے کی زحمت گوارہ نہیں فرمائی۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ وانذر عشیرتک الاقربین کا واقعہ ۳ھ میں ہوا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر سولہ سال تھی۔ یعنی بعثت کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی۔ شیعوں کی وضعی روایات کی ترجمانی بیان کر کے شبلی جیسے فاضل بھی اگر حقیقت کو معلوم نہیں کر سکے تو ما و شما کا ذکر ہی کیا۔

اس روایت کا اصل ماخذ طبری کی تاریخ اور تفسیر ہیں۔ طبری اس روایت کو ابو مریم عبدالغفار بن قاسم انصاری اور منہال بن عمرو سے روایت کرتے ہیں۔

اب ابو مریم عبد الغفار کے متعلق امام ذہبی کا قول سنیئے
کہ وہ رافضی تھا اور ناقابل اعتبار (میزان الاعتدال جلد ۲)
اعتبار المدائینی کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اور رؤس الشیعہ میں سے تھا۔
ابوداؤد کہتے ہیں میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ ابو مریم کذاب تھا اسی طرح منہال
بن عمرو کو جوزجانی نے ضعفا میں شامل کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بد مذہب تھا۔
(میزان الاعتدال)
امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ جھوٹی اور موضوع روایت ہے۔ اب انا مدینۃ العلم
وعلی بابہا کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔
اسی طرح حضرت علیؓ کے تولد کے متعلق نہایت ہی مافوق الفطرت اور عجیب عجیب
روایات وضع کی گئی ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی رشیعان ہند مصنفہ مسٹر ہولسٹر ایم۔اے
THE EARLY HISTORY OF ISLAM حملۂ حیدری منظوم مصنفہ فخر المحققین
مجتہد العصر والزمان آقا سید محمد۔ وغیرہ متعدد کتب شیعہ میں مرقوم ہے کہ والدہ حضرت علیؓ
کو ایام حمل میں ابو طالب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غیر معمولی تعظیم کرتے دیکھا۔ پوچھنے
پر بتایا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آتے ہیں تو جو میرے پیٹ میں ہے وہ اٹھنے
پر مجبور کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک روز امتحان کے طور پر ابو طالب ایک طرف اور حمزہؓ
دوسری طرف بیٹھ گئے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دونوں نے والدہ
علیؓ کے دونوں بازوؤں کو مضبوط پکڑ لیا مگر وہ جھٹکا مار کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔
ملا صاحب لکھتے ہیں کہ والدہ علیؓ کو وضع حمل کے وقت خانہ کعبہ میں بھیجا گیا
انہوں نے دیوار کعبہ سے اپنا شکم ملنا شروع کیا۔ دیوار شق ہو گئی اور اس میں ایک
دروازہ نمودار ہوا جس سے آواز آئی کہ اے مادر افضل اوصیا اندر آجاؤ۔ اور بچہ جنو۔
کتاب المحبر کے مصنف جو تفضیلیہ شیعہ تھے انہوں نے حکیم بن حزام کی طرف یہ واقعہ
منسوب کیا ہے مگر علیؓ کا نام نہیں لکھا (ص ۱۷۶)
حکیم بن حزام کا واقعہ حضرت علیؓ کی ولادت سے چالیس سال پہلے کا ہے۔

جلال العیون میں ہے کہ والدہ علیؓ تین روز تک خانہ کعبہ میں رہیں۔ اس مقام پر مصنف جلال العیون نے بڑی طویل عبارت لکھی ہے۔

قابلِ غور امر صرف اس قدر ہے کہ اگر ابو طالب بیوی کو خانہ کعبہ میں لے گئے تھے تو خانہ کعبہ اس وقت ایک قسم کا بُت خانہ تھا۔ کیا بیوی کو دردِ زہ سے چھٹکارہ دلانے کے لئے بتوں کے پاس لے گئے تھے؟ اور اگر خانہ کعبہ کی حالت بُت خانہ کی نہ بھی تب بھی یہ کہاں کی غیرت اور پاکبازی ہے کہ وضع حمل کے لئے عورت کو مجمع عام میں لے جایا جائے کعبہ کی جو حالت بھی تھی وہ تھی مگر مکہ کے تمام لوگ اکثر وہیں مجمع لگا کر بیٹھتے تھے۔

الغرض حضرت علیؓ کا مقام بلند کر کے دکھانے کے لئے ہزاروں وضعی روایات اس طرح تیار کی گئیں کہ آج اصل علیؓ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو چکے ہیں۔ اور فرضی اور نقلی علیؓ کا وجود ہمارے سامنے رہ گیا ہے۔

حضرت علیؓ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ فضلائے صحابہ میں ان کا مقام اور درجہ منفرد تھا۔ تحقیق اور چھان بین کے بعد جو علمی مقام آپ کا ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ۵۸۶ حدیثیں بیان کیں جن میں سے تقریباً پچاس صحیح ہیں۔ نبی اکرمؐ سے بعد تیس سال تک زندہ رہے۔ مگر کوئی تعمیری، علمی یا اصلاحی کام کسی تاریخ میں آپ کی ذات سے منسوب نہیں ملتا۔ ہمیں مسند عائشہ میں ۲۲۰۰ مسند ابو ہریرہ میں ۵۳۷۴ مسند عبد اللہ بن عمر اور مسند عبد اللہ بن عباس میں پندرہ سو کے قریب اور ابن مسعود سے آٹھ نو سو حدیثیں ملتی ہیں (الملل النحل صہ ۹۹)

حضرت علی کی طرف جو کچھ منسوب کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے پہلے ہمکو بنایا اور بعد میں دوسروں کو بنایا (نہج البلاغۃ)

ابن ابی الحدید اس کی شرح میں لکھتا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اللہ کے بنائے ہیں اور دوسرے انسان ہمارے بنائے ہیں۔

حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابی۔ تقوے، طہارت اور حسنِ اخلاق سے

متصف انسان کی طرف ایسے کلمات منسوب کرتے ہوئے جسم پر رعشہ اور کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ مگر شیعان علی! ۔۔۔ جو چاہے آپکا حسن کرشمہ ساز کرے

حضرت علیؓ کی طرف ایک شعروں کا دیوان بھی منسوب کیا گیا ہے۔ اور شیعہ عالم اور فاضل بڑے فخر سے آپ کے اشعار پیش کرتے ہیں۔ کاش کہ انہوں نے اپنے سے بڑے نقاد ابو عبید اللہ المرزبانی مولف معجم الشعراء کا قول سن لیا ہوتا۔ مولف مذکور آپ کے دو رجزیہ بیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

"یہ صحیح نہیں کہ علی نے دو بیتوں کے سوا کوئی شعر کہا ہو۔ مگر حیرت والی بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی طرف منسوبہ دیوان میں یہ دونوں بیت موجود نہیں۔

زمانہ حال کے نقاد احمد تیمور کا قول ہے کہ "دیوان علیؓ" کے اشعار اگر اصل مالکوں کے حوالے کر دیے جائیں تو دیوانِ علیؓ کی جیب خالی رہ جائے۔

جہاد کا اسلام میں بہت بڑا اور بلند مقام ہے۔ اور افضل الجہاد جہاد باللسان ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس جہاد میں ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ، ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ جن کی تبلیغ سے سینکڑوں اصحاب نے اکابر صحابہ کا مقام حاصل کیا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ ہیں۔ اس باب میں حضرت علیؓ کا نام بہت کم ملتا ہے۔

دوسرا جہاد، جہاد بالمال ہے۔ اس میں بھی ہمیں سر فہرست حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے نام ملتے ہیں حضرت علیؓ کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

تیسری قسم جہاد کی بوقت جنگ صلاح و مشورہ قرار دی گئی ہے۔ یہ مقام حضرت ابوبکرؓ کے لئے مختص نظر آتا ہے اور پھر کسی حد تک عمرؓ کا نام بھی اس باب میں ملتا ہے۔ حضرت علیؓ کا نام یہاں بھی نہیں ملتا۔

چوتھی قسم جہاد کی نبرد آزمائی یعنی تیغ انگنی نیزہ بازی اور تیر اندازی ہے جہاد کی یہ قسم دلیل و برہان کی روشنی میں ادنیٰ مقام رکھتی ہے۔

اگر ہم ذرا نظر تعمق سے دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ حصہ ایک قلیل ترین حصہ تھا اور وہ بھی دفاعی غزوات پر مبنی تھا جو ہجرت سے وفات تک کے دور پر پھیلا ہوا ہے۔ حضرات علی کرم اللہ وجہٗ کو اس جہاد میں بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ مگر علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی کو اس فضیلت میں بھی یکتا نہیں پایا بلکہ دوسرے لوگ بھی ان کے برابر کے شریک ہیں مثلاً طلحہ، زبیر، سعد، حمزہ، عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب، مصعب بن عمیر، سعد بن معاذ، سماک بن خرشہ یعنی ابو دوجانہ (الملل والنحل صہ ۹۵)

خصوصی طور پر فتح خیبر کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے کہ آپ ہی خیبر کے فاتح ہیں۔

یہاں اس امر کو ملحوظ رکھیے کہ خیبر میں اسلامی فوج کے کمانڈر خود نبی اکرم تھے اور یہ بات مسلمات سے ہے کہ کسی جنگ میں کوئی شخص کتنی ہی بہادری یا جوانمردی کا ثبوت کیوں نہ دے کامیابی کا سہرا کمانڈر کے سر ہی ہوتا ہے جو جنگ کا نقشہ مرتب کرتا ہے حملے اور دفاع کا ذمہ دار ہوتا ہے اب فتح خیبر کی تفصیل بھی سنیے

"خیبر کے کل دس قلعے تھے۔ سات ایک دائرہ کے اندر تھے اور تین الگ الگ۔ نو قلعے مختلف صحابہ کرام کے ہاتھ پر فتح ہوئے جن میں سے عمرؓ، سعد بن عبادہؓ۔ محمود بن مسلمؓ، حباب بن منذرؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

محمد بن مسلمہ نے ہی قلعہ قموص کے یہودی پہلوان مرحب کو قتل کیا۔ (طبری جلد ۳ صہ ۹۳) (سیرۃ ابن ہشام صہ ۴۲) مگر قلعہ فتح نہ کر سکے۔ قلعہ قموص تین قلعہ جات کے سلسلے میں واقع تھا۔ ان میں سے ایک حضرت ابوبکرؓ کے زیر کمان اور دوسرا حضرت عمرؓ کے زیر کمان فتح ہوا۔"

جس روایت میں قلعہ قموص کا فتح ہونا حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے وہ بریدہ بن سفیان کی روایت ہے اور بریدہ کو امام بخاری نے ساقط الاعتبار کہا ہے بریدہ سے کوئی روایت امام بخاری نے بیان نہیں کی (سیرت ابن ہشام عربی جز ثالث صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ مصر ۱۳۰۶)

دوسری روایت ابو رافع کے آزاد کردہ غلام سے ہے۔ کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو خیبر کا قلعہ فتح کرنے کو بھیجا۔ تو میں آپ کے ساتھ تھا۔ جب حضرت علیؓ قلعہ کے پاس پہنچے تو لڑائی شروع ہوئی ایک یہودی نے حضرت پر وار کیا تو آپ کی ڈھال دور جا گری۔ حضرت علیؓ نے قلعہ کے دروازہ کا کواڑ جو قریب تھا اٹھا لیا اور اسی سے کفار کے حربے مثل ڈھال روکتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ قلعہ فتح ہونے پر اس کواڑ کو آپ نے پھینک دیا۔ میرے ساتھ سات آدمی تھے ہم نے جب اسے اٹھانا چاہا تو نہ اٹھا سکے۔

ان روایتوں کے متعلق علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے کلہا واھیہ یعنی یہ سب کی سب روایتیں فضولیات کا مجموعہ ہیں۔ علامہ ذہبی نے بیان کیا ہے کہ یہ روایت منکر ہے اس روایت کے راوی بریدہ بن سفیان کو امام بخاری نے ساقط الاعتبار کہا ہے اور امام ابو داؤد اور دار قطنی معتبر نہیں سمجھتے (میزان الاعتدال)

مولانا شبلی کہتے ہیں کہ یہ بازاری قصے ہیں (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۴۹۳)

روایات سے قطع نظر درایت کے طور پر بھی جائزہ لیا جائے تو اس زمانہ کی لڑائیوں کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قلعہ کا دروازہ توڑنا ہی قلعہ کو فتح کرنا ہوتا تھا محصورین کسی حملہ آور کو دروازے کے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اور جب دروازہ کی ڈھال بن گئی تو لڑائی کا کیا سوال ہے!

حضرت علیؓ کی ذات کی طرف فاتح خیبر ہونے کے انتساب کا بانی بریدہ شخص ہے۔

اب اسی عظیم الشان ہستی کی زندگی کے تینوں دور ہم شیعہ حضرات کی معتبر کتب سے پیش کرتے ہیں:۔

اوّل زمانہ قریب وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام معتبر کتب شیعہ میں بلا اختلاف مرقوم ہے کہ نبی کریمؐ نے اپنے بعد جناب امیر کو خلیفہ بنانے کے لئے کاغذ اور قلم دوات طلب فرمایا تاکہ بحق علی تحریری خلافت نامہ لکھ دیں۔ مگر دشمنوں (اصحابہ) نے نہ لانے دیا اسی کا نام حدیث قرطاس یا قصہ قرطاس ہے[1]

آپ کے دوسرے زمانہ کے متعلق تمام شیعہ مورخ اسبات پر متفق ہیں کہ اصحاب ثلاثہ رضی نے جناب امیرؓ اور حضرت فاطمہؓ پر زیادتیاں کیں یعنی خلافت کا حق غصب کیا باغ فدک چھین لیا۔ گھر میں آگ لگائی۔ رسی سے باندھا جبراً بیعت لی شکم پر مارا حمل ساقط ہو گیا۔ محسن کو شہید کیا وغیرہ وغیرہ

یہ تو تھی دشمنوں کی کیفیت مگر اس زمانہ میں دوستوں یعنی آپ کے شیعوں نے آپ سے کیا سلوک کیا۔

کسی اور مقام پر نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت بحوالہ کتب شیعہ بیان کیا گیا ہے کہ تمام مسلمان مرتد ہو گئے تھے

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار تھے آٹھ ہزار مدینہ سے دو ہزار غیر مدینہ سے دو ہزار رہا کردہ لوگوں میں سے اور کوئی ان میں سے قدری، مرجی، حروری، معتزلہ اور خود رائے نہ تھا۔ پس سب شب و روز روتے تھے اور خدا سے دعا مانگتے تھے کہ یا اللہ خمیری روٹی کھانے سے پہلے ہماری ارواح کو قبض کر لے (کتب خصائل ابن بابویہ، حیات القلوب ملا باقر مجلسی ص ۵۸۸ جلد ۲ و تلخیص نہج البلاغۃ)

---

[1] علمائے اہلسنت والجماعت نے اس حدیث پر متعدد طریقوں سے جرح و تعدیل کی ہے الفاروق میں مولانا شبلی نے بھی اس پر بحث کی ہے۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک واضح باب ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں درایت و روایت دونوں طریقوں سے یہ روایت قابل اعتنا نہیں۔

حیران اس بات کی ہے کہ علیؓ خود قوت پروردگار ہیں" اور بقول صاحب حق الیقین آپ ایک بار حضرت عمرؓ کو زمین پر پٹک کر کہتے ہیں کہ میں تجھ کو دکھا دیتا کہ وہ کون ہے جس کے مددگار ضعیف اور دشمن کم ہیں۔

مگر باایں ہمہ قوت وطاقت، تعداد و اتحاد اور پرہیزگاری کے نہ تو واقعہ قرطاس میں کسی نے دم مارا۔ نہ اوقت غصب خلافت کسی نے اُف تک کی۔ اور پھر اس وقت کسی نے آواز نکالی جب سیدہ فاطمہؓ حضرت حسینؓ کو ساتھ لے کر گھر گھر دروازہ دروازہ گلی گلی گھوم کر ہر شخص سے رو رو کر فریاد کرتی رہیں اور نہ اس وقت کسی محب اہلبیت کی نکسیر تک پھوٹی جب حضرت سیدہ کا حمل گرایا گیا۔ حقیقت وہی ہے جو کتب سیرت میں موجود ہے یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اصحاب ثلاثہؓ سے وہی تعلق خاطر تھا جو ان کی شان کے شایان تھا خلفائے ثلاثہ کے دور میں حضرت علیؓ ان کے مشیر کار تھے۔ اصحاب ثلاثہؓ تمام اہم امورات میں ان سے مشورہ کرتے تھے غرضیکہ حضرت علیؓ اور اصحاب ثلاثہؓ کے تعلقات میں کسی مقام پر کوئی ذرہ سی بدمزگی بھی پیدا نہ ہوئی۔ مگر شیعہ حضرات علیؓ کے اس دور کو کس طرح ایک بے بس، مسکین، غریب اور عاجز و لاچار انسان کی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔

اب ہم حضرت علیؓ کے تیسرے زمانہ کا ذکر کرتے ہیں۔

تیسرا آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نیز ام المومنین سیدہ عائشہؓ اور امیر معاویہؓ کی جنگیں ہوئیں۔ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان لڑائیوں کی اصل وجہ کیا تھی۔ اصل وجہ شہادت عثمانؓ تھی اور بقول شیعہ اصحاب حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کیا تھا جس پر مروان نے حسد کیا اور ایسا فریب کیا کہ آخر محمد نے مصر کے بلوائیوں کے ساتھ مل کر حضرت عثمانؓ پر ہجوم کیا۔ اسی قاتل عثمانؓ کے ساتھ حضرت امیرؓ کی ایسی ہمدردی تھی کہ اس کے مصر میں قتل پر حضرت امیرؓ نے اظہار غم کیا (نہج البلاغۃ) پھر لطف یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں شیعوں کی تعداد بے حساب

چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ تحقیق میرا گروہ زیادہ ہے۔ میرا خاندان سب پر غالب ہے۔
میرے آدمی سب سے زبردست ہیں۔ اور میرا حکم سب سے زیادہ
مانا جاتا ہے۔ (خصال ابن بابویہ صفحہ جلد ۲)

قاضی نوراللہ شوستری لکھتے ہیں کہ:۔

اوس۔ خزرج۔ ہمدان۔ ہشام۔ مذلج۔ ربیعہ۔ مضر۔ ازد۔ وائل۔ خزاعہ
طے وغیرہ مختلف قبائل کے لوگ جناب امیرؑ کے شیعہ تھے۔ ان کی مدح میں جناب امیرؑ
کے اشعار بھی نقل کیے ہیں کہ معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کے ساتھ قبیلہ اوس
اور خزرج کے نوّے ہزار شیعہ تھے (مجالس المومنین جلد ۲)

تاریخ اسلام کا یہ ایک نازک ترین باب ہے۔ کسی سُنی مورخ نے آج تک اس
موضوع پر کسی قسم کی حاشیہ آرائی نہیں کی۔ اس باب کو قلمبند کرتے وقت وہ لوگ
دامن بچا بچا کر نکل گئے۔ مگر شیعہ حضرات نے خود اس باب کو اس طرح اجاگر کر کے
اس پر زورِ قلم صرف کیا کہ اسے کسی پہلو سے دیکھا جائے ہر پہلو میں حضرت علیؓ
کی ذاتِ گرامی کی تنقیص ہی سامنے آئے گی۔

شیعہ حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کبھی تو کہتے ہیں کہ تمام
مسلمان مرتد ہو گئے تھے۔ کبھی کہتے ہیں تین شخص مسلمان رہ گئے تھے۔ کبھی چار بیان
کرتے ہیں۔ پھر بارہ ہزار پر آتے ہیں اور آخر حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں
تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر اتنی بڑی تعداد معاویہ سے جنگ کے وقت
عجیب عجیب حرکات کا مظاہرہ کرتی ہے۔ قرآن بلند کر کے معاویہ صلح
کے خواہاں ہوتے ہیں اور حضرت علیؓ انکار کرتے ہیں تو آپ کے شیعہ فوراً
بگڑ جاتے ہیں جب صلح ہو جاتی ہے تو ایک گروہ الگ ہو کر کہتا ہے کہ علیؓ کافر ہو
گیا (نعوذ باللہ من ذالک) اور حضرت علیؓ سے جنگ کرتا ہے۔ باقی شیعوں کے متعلق
سلطان العلماء مولانا سید محمد مجتہد شیعہ لکھنوی کا قول سن لیجئے۔

"اکثر اتباع آنجناب یقین داشتند بآنکہ خلافت باجماع اہل حل وعقد

ثابت مے شود۔ وجمیع ایشاں ازہمیں جہت اقرار بیعت و خلافت ثلثہ داشتند و حضرت امیر را نیز در وقت خلافت ظاہری بہ ہمیں دلیل خلیفہ مے دانستند۔ نہ آنکہ منصوص و معصوم مے شمردند" (کتاب لوارق صفحہ ۱۱)

"یعنی شیعان علی خلافت کے لیے اجماع امت کے قائل تھے۔ اسی لئے ان لوگوں نے اصحاب ثلثہ کی بیعت کی اور حضرت امیر کی ظاہری خلافت کو بھی وہ اسی دلیل سے خلیفہ جانتے تھے۔ مگر منصوص اور معصوم نہیں سمجھتے تھے غالباً اسی لئے عقیل بن ابی طالب یعنی علیؑ کے سگے بھائی آپ سے کٹ کر معاویہ کے پاس چلے گئے تھے۔ اور وہیں آپ نے وفات پائی" (نور العین صفحہ ۷۵۲ و مجالس المومنین)

کتاب لوارق کی اس عبارت پر تبصرہ بے کار محض ہے۔ معلوم ہوا کہ شیعان علیؑ اصحاب ثلاثہ کو خلیفہ برحق مانتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امیر کی زندگی کا تیسرا دور جس میں آپ کو اپنے شیعوں سے واسطہ پڑا وہی آپ کی زندگی کا مصائب و آلام سے پُر دور رہا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

بخدا سوگند۔ مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ مجھے تم سے اٹھا لے۔۔۔ خداوندا تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ میں ان سے ملول ہوں اور یہ مجھ سے ملول ہیں۔ خداوندا مجھے ان سے نجات عطا کر اور ان کو اس شخص کے ہاتھ میں مبتلا کر کہ بعد اس کے مجھے یاد کریں (جلاء العیون باب ۳ فصل ۲ صفحہ ۲۲۹) میں ان کا دشمن ہوا ہوں اور یہ میرے دشمن ہوئے ہیں (جلاء العیون باب ۳ فصل ۳ صفحہ ۲۳۶)

اگر گرم موسم میں کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہتے ہو بڑی سخت گرمی ہے۔ ہم کو مہلت دیجئے کہ گرمی کم ہو جائے۔ اگر سردی کے موسم میں کہتا ہوں کہ نکلو تو کہتے ہیں سخت سردی ہے۔ ہم کو مہلت دیجئے کہ سردی کم ہو جائے۔

جب تم سردی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے اور زیادہ بھاگو گے۔
اے لوگو! جو لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا۔ اور نہ تم کو پہچانتا۔ میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو غصہ سے تم نے بھر دیا ہے۔ اور تم نے سخت نافرمانی کی ہے میری کاہ سعہ کو تم نے ضائع کر دیا (حلیۃ المتقین باب ۱۴ فصل ۱۲ ص ۳۶۱)

ایک اور موقع پر حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔
"اے لوگو! میں نے تم سے بیعت لی اور حال یہ ہے کہ تم بیعت کو توڑ دیتے ہو۔ اور یہ تمہارے دشمن کے واسطے مفید ہے۔ کیونکہ تم سست پڑ گئے ہو۔ اور البتہ کل میں تمہارا حاکم تھا۔ اور آج تمہارا محکوم ہو گیا۔ اور کل میں تمہیں روکتا تھا اور آج تم مجھے روکتے ہو اور بے شک دوست رکھا تم نے زندگی کو اور مجھ کو اس پر تمہارا اعتبار نہیں جس کو تم برا جانتے ہو۔
(نہج البلاغۃ از بدر الدرجی ص۲)

ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں۔
بیشک تم صبح گروہ در گروہ آتے ہو۔ اور اپنے سرداروں کے ظلم سے ڈرتے ہو۔ میں صبح کو داخل ہوتا ہوں اور اپنی رعیت کے ظلم سے ڈرتا ہوں میں جہاد کی طرف روانہ کرتا ہوں اور تم نہیں جاتے۔ میں سناتا ہوں اور تم نہیں سنتے۔ میں علانیہ اور پوشیدہ بلاتا ہوں اور تم قبول نہیں کرتے۔
حتیٰ کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ اولاد سبا کی طرح متفرق لوٹ جاتے ہو اپنی مجلسوں کی طرف۔ اور فریب دیتے ہو ایک دوسرے کو میں صبح تمہیں سیدھا کرتا ہوں اور رات کو مثل کمان کے ٹیڑھے ہو جاتے ہو جس کا سیدھا کرنے والا عاجز ہو گیا (نہج البلاغۃ از بدر الدرجی ص۱۵۱)
جب آپ کو کہا گیا کہ قاتلانِ عثمانؓ کو سزا دیجئے تو آپ نے فرمایا۔
"اے بھائیو! میں اس سے بے خبر نہیں ہوں جس سے تم باخبر ہو۔ لیکن میں

کیا کروں۔ وہ اپنی شوکت پر مختار ہیں۔ اور ہم مجبور ہیں اور وہ تمہارے درمیان میں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں (نہج البلاغتہ ایضاً ص ۱۹۲)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتلان عثمانؓ شیعہ تھے تبھی وہ حضرت امیرؓ کے لشکر میں موجود تھے اور وہی ظالم اب حضرت امیرؓ پر مسلط ہیں جن کی آپ شکایت کر رہے ہیں۔

حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں:۔

"میرے والد نے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب (شیعہ) سے استغاثہ اور طلب یاوری کی مگر جب کوئی مددگار نہ پایا تو خلافت سے دستبردار ہو گئے اور اگر کوئی مددگار پاتے تو بے شک جہاد کرتے مگر اللہ نے انہیں معذور رکھا (جلال العیون باب ۲ فصل ۵ ص ۳۲۲)

مجالس المومنین مجلس اول میں مذکور ہے کہ آخری دنوں میں جناب امیرؓ کی خلافت برائے نام تھی۔ ہمیشہ اپنی کمزوری مددگاروں کی بزدلی اور کم ہمتی اور دوستوں کی پہلوتہی کی شکایت فرمایا کرتے تھے۔

شیعان علی کا یہودی سازش کا شکار ہونا اس بات سے بھی واضح ہے کہ قیس بن سعد انصاری جو حضرت علیؓ کی طرف سے گورنر مصر تھا ایک بار معاویہؓ نے "اے یہودی کے بیٹے یہودی" کہہ کر خط لکھا تھا اور قیس نے معاویہؓ کو بت پرست کا بیٹا لکھا تھا (عبرت نامہ اندلس مصنفہ رابن ہارٹ ڈوزی ص ۱۲۵)

حالانکہ ایک ایسا صاحب فراست سربراہ مملکت جس نے حریف کے حقیقی بھائی کو اس سے توڑ لیا تھا ایک صوبہ کے گورنر کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے محبت سے کام لیتا نہ کہ یہودی کا بیٹا کہہ کر خط لکھتا۔ حضرت حسنؓ کے خلع خلافت کے وقت یہی قیس اپنے پانچ ہزار ساتھیوں کے ساتھ معاویہؓ کے پاس پہنچ گیا (عبرت نامہ اندلس ۱۲۷) گویا حضرت علیؓ کے سب سے بڑے مفید ادنے بھی معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے حضرت علیؓ کی زندگی کے تیسرے دور کا مطالعہ کر کے انصاف کیجئے کہ حضرت علیؓ کو کن لوگوں سے واسطہ پڑا۔ یہ آپ کے شیعہ کس قدر نافرمان گستاخ اور کم ہمت لوگ تھے جنہوں نے زندگی کے کسی موڑ پر بھی حضرت علیؓ کا سچے دل سے ساتھ نہ دیا۔ اور آپ نے نہایت بے بسی، بے کسی، حرمان و یاس اور نا امیدانہ حالات میں یہ زمانہ گذارا۔ شیعی دنیا میں امام اول کا دور آپ نے دیکھ لیا۔ اب سنیوں کی تاریخیں اٹھا کر دیکھئے حضرت علیؓ کی زندگی کا ہر لمحہ نہایت تابناک، درخشاں اور نیر تاباں کی طرح نظر آئے گا۔ آخر علم و فضل کا یہ عالمتاب سورج عبدالرحمان ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں شہید ہوا۔ یہاں پھر اس بات کو ذہن میں لائیے کہ عبدالرحمٰن بھی شیعان علیؓ میں سے تھا اور جنگ صفین کے موقع پر تحکیم کے وقت آپ سے الگ ہوا تھا۔

تبصرہ:-

نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے:-

"میری امت میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے۔ پھر اس کے بعد والوں کا۔ اور پھر اس کے بعد والوں کا۔ پھر تمہارے بعد ایک قوم آئے گی جو شہادت دے گی۔ حالانکہ اس سے شہادت طلب نہ کی جائے گی۔ یہ لوگ خائن ہوں گے۔ امانت دار نہیں۔ یہ نذریں مانیں گے مگر انہیں پورا نہیں کریں گے۔ اور ان میں موٹاپا عام ہو جائے گا (بخاری)

اس حکومت کا آغاز رحمت اور نبوت سے ہوا ہے پھر یہ رحمت اور خلافت ہوگی۔ پھر جبری سلطنت بن جائے گی پھر یہ سرکشی تشدد اور فساد فی الارض میں تبدیل ہو جائے گی۔ مسلمان بادشاہ ریشم اور شراب کو حلال کر لیں گے۔ اور شہوت رانی میں مبتلا ہو جائیں گے ان کو اس کے مواقع ملیں گے یہاں تک کہ وہ خدا سے جا واصل ہو جائیں گے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۲۰ بحوالہ طبری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عہد صحابہ میں کچھ ایسے واقعات پیش آئیں گے جن کو مسلمانوں کی بدنصیبیوں کی تاریخ کا پہلا باب کہا جائے گا۔ اور اسلام کی حقیقی روح کا اضمحلال شروع ہو جائے گا۔ اسلام کا عدیم المثال اجتماعی نظام جو عہد نبوت اور خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں قائم تھا حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت ۳۵ھ کے بعد قائم نہ رہ سکا۔

شیخین کے زمانہ میں بھی فتنے اُٹھے لیکن ان دونوں بزرگوں نے اپنی غیر معمولی فراست ذہنی، شجاعت و جرأت سے ان کا استیصال اس طرح کیا کہ اُنہیں پھر اُبھرنے کا موقعہ نہ ملا۔

لیکن عثمانی حلم و سماحت کی صورت حال ہی اور تھی۔ کہیں یہودی النسل عبداللہ بن سبا جیسے منافق اپنی بھرپور ریشہ دوانیاں لے کر نمودار ہوئے۔ کہیں مجوسیوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے کام لیا۔ کہیں مصر و عراق کے بدباطن لوگوں کو خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا موقعہ مل گیا۔ اور خلیفہ سوم انتہائی مظلومیت کی حالت میں شہید کر دیئے گئے۔ نعش مبارک تیسرے روز بعد چند آدمیوں نے بعد مشکل دفن کی۔

شہادت عثمانؓ کے بعد پانچ روز تک عبداللہ بن سبا کا خاص چیلہ غافقی بن حرب مصری امیر مدینہ رہا۔ حضرت عثمانؓ کی محصوری کے ابتدائی ایام میں مسجد نبوی میں نمازیں بھی یہی پڑھاتا رہا۔ جمعہ اور عید کی نماز البتہ حضرت علی رضی کرم اللہ وجہہ نے پڑھائی (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۵)

حضرت عثمانؓ جب محصور تھے تو عرض کیا گیا کہ اجازت دیجئے تاکہ ہم باغیوں کی سرکوبی کریں۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ میں اُمت میں کسی فتنہ کی بنیاد نہیں رکھنا چاہتا۔ مگر آپ کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ اور اسلام کا اجتماعی نظام پراگندہ ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ نے ہر چند بار خلافت اُٹھانے سے انکار کیا مگر باصرار آپ کی خدمت میں عرض

کیا گیا کہ آپ سے بڑھ کر خلافت کا کوئی اور مستحق نہیں۔

حضرت علیؓ کی جلالت شان، تقویٰ، دیانت، خلوص اور للہیت میں چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ مگر منافقین کی دسیسہ کاریوں، نومسلموں کی دینی روح سے ناواقفیت اور عراق وشام کی کشمکش نے نہایت نازک صورت اختیار کر لی آپ کی نیک نفسی، پاک باطنی، اخلاقی عظمت و برتری اپنی جگہ مسلّم مگر وقتی حالات کے تحت جس سیاسی تدبر اور حزم و دور اندیشی کا تقاضا تھا آپ کماحقہٗ اس طرف توجہ نہ فرما سکے۔

آپ نے سب سے پہلے حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ پہلے ان سے خلافت پر بیعت لیجئے پھر آپ انہیں معزول کر سکتے ہیں۔ اگر بیعت سے پہلے ہی آپ نے انہیں معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا تو وہ خون عثمانؓ کے بہانے آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔

معاویہ کے علاوہ آپ نے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا۔ عمارؓ بن شہاب کو کوفہ کا۔ عبیداللہ بن عباس کو یمن کا۔ قیس بن سعد کو مصر کا سہل بن حنیف کو شام کا عامل بنا دیا۔ مگر یہ سب کا غذی عامل ہی رہے۔ عبیداللہ بن عباس یمن میں پہنچے تو وہاں کا سابقہ گورنر یعلیٰ بن امیہ تمام خزانہ لے کر مکہ پہنچ گیا اور بعد میں یہی رقم جنگ جمل میں خرچ ہوئی۔ بات یہاں تک رہتی تو معاملہ زیادہ نہ بگڑتا مگر معاویہؓ کی معزولی کے حکم پر وہی ہوا جس کی مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہؓ بن عباس نے نشان دہی کی تھی۔ حضرت عثمانؓ کا خون آلودہ کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں جب مجمع عام میں پیش کی جاتیں تو لوگ داڑھیں مار مار کر روتے۔ اصل حالات سے شام کے لوگ قطعاً ناواقف تھے پختہ طور پر انہیں ذہن نشین ہو چکا تھا کہ علیؓ ہی عثمانؓ کے قاتل یا قاتلوں کے پشت پناہ ہیں۔ اسی دور میں محمد بن ابوبکر اور اشتر نخعی کو آپ نے بڑے بڑے عہدے دے کر اپنی مخالفت فضا کو اور شدید کر دیا۔

اُدھر شام اور حجاز میں یہ ہو رہا تھا اُدھر مصر میں حضرت علیؓ نے اپنے خیر خواہ عامل قیس بن سعد کو معزول کر دیا یہاں کے لوگ بھی معاویہؓ کے ہمنوا بن گئے اس تمام مخالفت کے پیچھے قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہ لینا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ حالات ہی اس قسم کے تھے کہ حضرت علیؓ اس وقت ان سے قصاص لینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان ایام میں طلحہ اور زبیر بھی آپ سے الگ ہو گئے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا

اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ مکہ میں تھیں۔ بصرہ کے عامل عبداللہ بن عامر نے آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا کہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں اس وقت آپ خونِ عثمانؓ کے قصاص کو اپنے ہاتھ میں لے کر حالات کو سنبھال سکتی ہیں۔ عبداللہ بن عامر کا ایسا کہنا دراصل حقیقت پر مبنی تھا۔ آگے چل کر زمانے نے ثابت کیا کہ وہ شخص حضرت اُم المؤمنین کے صحیح مقام کو پہچانتا تھا آج دین کا ایک چوتھائی بلکہ ایک تہائی حصہ حضرت اُم المؤمنین کی علمی اخلاقی اور مذہبی خدمات کا رہین منت ہے حضرت اُم المؤمنین مکہ سے عازم مدینہ ہو چکی تھیں کہ اس تحریک پر آپ نے مدینہ جانے کا ارادہ ترک کر کے بصرہ روانہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کا یہ مخلصانہ اقدام صرف اصلاح بین الناس کے مقصد سے تھا۔ جیسا کہ قعقاع التمیمی کے سوال پر انہوں نے خود فرمایا تھا الغرض آپ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں۔

شیعوں کی وضعی اور من گھڑت روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بصرہ کے راستہ میں ایک مقام الحوئب میں آپ پہنچے تو کتے بھونکے تو آپ نے پوچھا یہ کونسا مقام ہے جواب ملا کہ الحوئب آپ نے فرمایا کہ مجھے واپس کر دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ تم میں سے وہ کون ہو گی جس پر

الحوب کے کُتّے بھونکیں گے ۔

طبری نے اپنے تفسیر کی آڑ میں اس پر ایک پورا باب باندھا ہے ۔ اس روایت کا اصل خالق وہی ابو مخنف ہے جس نے کربلا کے واقعہ سے ۱۲۵ سال بعد کربلا کے واقعات تراشے اور جس کے متعلق ہمارا اعظم کے شیعہ مصنف کو بھی لکھنا پڑا کہ ابو مخنف کا لکھا ہوا کوئی واقعہ صداقت کے معیار پر پورا نہیں اُترتا اصل واقعہ یہ ہے کہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو ایک سریہ پر متعین کر کے بنو فزارہ کی طرف بھیجا ۔ اس سریہ میں ام قرفہ نامی ایک عورت معہ اپنی بیٹی ام زمل سلمیٰ کے گرفتار ہو کر آئی ام قرفہ صاحب القتل تھی وہ اپنے انجام کو پہنچی ۔ مگر ام زمل سلمیٰ لونڈی کی حیثیت سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی کو دے دی گئی ۔ آپ نے اُسے آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا ایک روز چند عورتیں معہ ام زمل سلمیٰ کے آپ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ تم میں سے وہ کون ہوگی جس پر الحوب کے کُتّے بھونکیں گے ۔ پھر یہ عورت اپنی قوم میں چلی گئی اور مرتد ہو گئی (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۳ یاقوت حموی)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں جب مختلف قبیلوں نے بغاوت کی تو چند طالع آزماؤں نے نبوت کا دعوےٰ کیا جن میں طلیحہ بن خویلد اسدی بھی تھا ۔ غطفان ۔ ہوازن اسد اور طے کے قبائل کے بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے ۔ حضرت خالد نے انہیں شکست فاش دے کر ان کی طاقت کو منتشر کر دیا سلمیٰ اس لشکر میں موجود تھی جس کے دل میں اپنی ماں کے قتل کا کینہ بھرا ہوا تھا ۔ طلیحہ بھاگ کر یمن چلا گیا غطفان سلیم اور ہوازن وغیرہ قبائل کے بچے کھچے لوگ الحوب کے مقام پر جمع ہوئے اور انہوں نے اسی سلمیٰ بنت مالک کو اپنا سردار بنا لیا ۔ حضرت خالد کو معلوم ہوا تو وہ اس طرف متوجہ ہوئے سلمیٰ اپنے لشکر کو مقابلہ پر لے آئی ۔ تو اس کی ناقہ کی کونچیں کاٹ ڈالیں ناقہ گری اور سلمیٰ مقتول ہوئی (تاریخ اسلام ج ۱ اکبر شاہ خاں صفحہ ۲۱۲)

الحوءب کے کتے بھونکنے کا اشارہ اسی عورت کی طرف تھا فکانوا یجدون انھا انھا التی غاجا النبی صلی اللہ وسلم (معجم البلدان جلد ۲ ص ۲۵۲ یاقوت حموی)

ابو مخنف کی بیان کردہ اسناد کے علاوہ طبری نے اپنی طرف سے سلسلہ رواۃ بیان کر کے اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسماعیل بن موسیٰ فرازی علی بن عابس۔ ابو الخطاب الہجری صفوان بن قبیصہ الاحمسی اس کی سند کے راوی ہیں۔ پہلا راوی اسماعیل بن موسیٰ الفزاری ہے بقول امام ذہبی وہ غالی شیعہ اور فاسق تھا۔ جو سلف و صحابہ پر سب کرتا تھا وہ کوفی تھا ۲۴۵ھ میں مرا (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۱۷)

مگر طبری ۲۲۴ھ میں طبرستان میں پیدا ہوا۔ یہ طبری کا ہی کمال ہے کہ پیدا ہونے سے تقریباً اسی سال پہلے طبرستان سے کوفہ پہنچا اور مرتے ہوئے اسماعیل سے اس روایت کی سماعت کی۔

دوسرا راوی علی بن عابس بقول نسائی ضعیف ہے۔ تیسرا راوی ابو الخطاب الہجری بقول حافظ ابن حجر مجہول ہے (تہذیب التہذیب) اور ان مجہولوں کا سلسلہ اسناد عرنیہ قبیلے کے کسی نامعلوم الاسم اونٹ والے پر منتہی ہوتا ہے جس سے ام المومنینؓ کی سواری کے لئے اونٹ خریدا گیا۔ اور پھر اسے ہی راہبری کے لئے ساتھ رکھا۔

کتنی حیرانی کا مقام ہے کہ ام المومنینؓ جیسی بلند مرتبہ ہستی ایک اہم ترین سفر پر روانہ ہو رہی ہوں۔ اور ان کے پاس سواری ہے نہ رہبر۔ وہ سواری کے لئے اونٹ خریدتی ہیں۔ اور اونٹ والے کو ہی اپنا بدرقہ بنا لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ایسی بے سر و پا ہانکنے والوں کو ہدایت دے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہزاروں کی جمعیت موجود تھی جن میں سے اکثر اسی علاقہ کے رہنے والے تھے اور ملک کے چپے چپے سے واقف تھے۔ مگر شیعہ بزرگ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ گویا کوئی معمولی قسم کی عورت گھر سے نکلتی ہے اور سفر کے لئے اونٹ خریدتی ہے

اسی اونٹ والے کو راستہ بتانے کے لئے ساتھ لیتی ہے۔ اصل واقعات کو اس طرح سوقیانہ انداز میں بیان کرنا شیعوں کے لئے تو جائز اور باعث ثواب ہے، مگر اہل سنت عالموں کی عقل وخرد، علم وفضل اور سمجھ بوجھ کو کس مخبوط الحواس شخص کے گدھے چر گئے ہیں جو آتے روز نہایت دلسوزی، دردمندی اور ماکوانہ سے انداز میں محراب ومنبر سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ کاش کہ حضرت عائشہؓ بصرے کا سفر نہ کرتیں اور آپ پر الحوب کے کتے نہ بھونکتے۔ کوئی ان عقل کے کودنوں سے پوچھے کہ اگر تمہیں اصل واقعہ کا پتہ ہی نہیں تو اس دردمندی کے ہلکان میں مبتلا ہونے کے لئے تمہیں کس حکیم نے مشورہ دیا ہے کہ جب تک تم اس واقعہ سے اپنے "مواعظ حسنہ" کو زینت دو گے تمہیں کھایا پیا ہی ہضم نہیں ہوگا۔

- اصل بات یہ ہے کہ بصرے کے عامل عبداللہ بن عامر کی تجویز سے ام المومنینؓ اس سفر پر روانہ ہوئی تھیں۔ عامل موصوف کی فوج کا ایک دستہ آپ کے ہمراہ تھا۔ اور یہ راستہ کوئی نامعلوم راستہ نہیں تھا بلکہ ایک شاہراہ تھی جس پر دن رات قافلے چلتے رہتے تھے۔ اور تمام راستے میں حاجیوں اور مسافروں کی سہولت کے لئے حوض اور کنوئیں تعمیر کرائے گئے تھے۔ مقام لبتان ابن عامر آج تک ابن عامر کے نام کی طرف منسوب ہے۔
- ام المومنینؓ کی سواری کے لئے کسی صحرا میں کسی بدو سے کسی شخص نے اونٹ خریدا۔ کیا ام المومنینؓ گھر سے پیدل ہی عازم سفر ہوئی تھیں ایک معمولی آدمی تو گھر سے پورا ساز وسامان لے کر نکلے مگر ام المومنینؓ کے لئے سواری راستہ میں خریدی جائے۔ ان کی سواری میں عسکر نام کا بہترین اونٹ تھا جو حضرت یعلی بن امیہ نے پیش کیا تھا (معارف ابن قتیبہ ص۱۲۰)
- مکہ سے بصرہ تک اکیس منزلیں تھیں۔ مؤلف ابوالفرج قدامہ بن جعفر متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی تالیف کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ میں اس

دور کے تمام اہم راستوں کی منازل لکھی ہیں مگر ان منازل میں الحوأب ۱۶
نام کی کوئی بستی سرے سے نہیں ہے۔

۵ کتے اکثر قافلوں پر اور مسافروں پر بھونکتے رہتے ہیں۔ اگر کہیں کتے
بھونک بھی گئے تو صرف طبری اور اسکے مجہول راویوں کو نظر آتے کہ
یہ الحوأب کا مقام ہے اور حضرت عائشہؓ پر کتے بھونک رہے ہیں
اور بعد میں آنے والے مورخ آنکھیں بند کرکے طبری کی اس بیہودہ
سرائی اور یاوہ گوئی کو نقل کرتے چلے گئے۔ انہیں وہ تمام روایات
بھول گئیں جو ام المؤمنینؓ کے لئے حضور نبی کریمؐ سے مروی ہیں۔
چاہیئے تو یہ تھا کہ علماء اہل السنت شیعوں کی اس شرمناک بدگوئی
سے حرم رسول اللہؐ آپ کی محبوب زوجہ حقیقی اہل بیت جنکے
لحاف میں آرام فرمائی کی حالت میں آپ پر وحی نازل ہوتی رہی جن
کو کلمینی یا حمیرا کہہ کر مخاطب فرمایا جاتا رہا کو بچایا جاتا۔ مگر آج
اس واقعہ پر معاندانہ انداز میں گفتگو کی جاتی ہے اور یہ نہیں
کہا جاتا کہ یہ واقعہ سرے سے ہے ہی غلط شیعیت کی سازش نے
بڑی بڑی جلیل القدر ہستیوں کے دماغوں میں غلط سلط نظریات
ٹھونس کر انہیں کسی امر کی حقیقت سمجھنے سے دور پہنچا دیا تو عوام
کالانعام اگر آج یا علیؓ یا حسینؓ کے نعرے لگا کر تعزیے بنائیں۔
محرم کے جلوس نکالیں، مجلسیں سجائیں تو حیرانگی کی کونسی بات ہے
منافقین نے اظہار تاسف کے جو کلمات ان سے منسوب کئے ہیں
وضعی محدثوں کی طرح سب من گھڑت ہیں۔ اظہار تاسف سے
یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ آپ کی ذات سے "خطا اجتہادی"
کی ایک اصطلاح منسوب کرکے اپنی غلط کاریوں کو بھی اسی
اصطلاح کے لبادے میں پوشیدہ رکھنے کے لئے

رندکے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی ــــ کے مصداق جو دل چاہے کرتے رہیں۔
عوام کا تو گلہ ہی بے سود ہے۔ اہلسنت کے تمام فرقوں کے مسلمہ بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ بھی اس تسامح کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ ازالۃ الخفا میں انہوں نے بھی۔ الحؤب کے کتے بھونکنے کی جھوٹی روایت کو قیس بن حازم متوفی ۹۸ھ کی سند سے نقل کر دیا ہے جسے یحییٰ بن سعید نے منکر الحدیث کہا ہے
حقیقت یہ ہے کہ اسرائیلیات کی طرح شیعی تحریک کی وضع کردہ روایات آج اس طرح اصل روایات میں خلط ملط ہو کر رہ گئی ہیں۔ جس طرح انگلیوں کے گوشت میں ناخن پیوست ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے سورج کے غروب ہونے کے بعد اس کے لوٹ کر آنے کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر فوت ہو گئی تھی آنحضرتؐ نے دعا کی تو سورج لوٹ آیا۔ حضرت علیؓ نے وضو کر کے نماز پڑھ لی تو سورج غروب ہو گیا۔ قطع نظر دیگر طرق سے دیکھنے کے نماز کے متعلق کتاباً موقوتا پر ہی غور کر لیا جاتا تو اس روایت کی حقیقت کھل جاتی اصل وقت فوت ہو جانے کے بعد فطرت کے اصول کے خلاف وقت کو واپس لانے سے اس فرض کی ادائیگی جس کا تعلق اس اصل وقت سے تھا آئین فطرت کے خلاف ہے۔ شیعوں نے اس روایت کو اس لئے وضع کیا تھا کہ اس پر آگے چل کر ایک عمارت کھڑی کرنی مطلوب تھی۔ معلوم نہیں کہ شاہ صاحب کو وہ عمارت نظر ہی نہیں آئی یا انہوں نے ارادۃً اسے ترک کر دیا۔ آگے روایات میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے سورج کو سلام کیا اور سورج نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا کہ اے علی تم ہی اول ہو اور تم ہی آخر ہو۔ اب یہ دریافت کرنا شیعوں کا کام ہے کہ علی نے زبان سے سلام کیا تھا یا ہاتھ کے اشارے سے اور یہ آتش پرستوں کا شعار تھا یا وصی رسول اللہ کا اور پھر سورج کا جواب صرف علیؓ نے سنا تھا یا نبی اکرمؐ نے بھی یا کسی اور صحابی نے بھی۔ اگر سنا تھا تو اس کا ردعمل کیا ہوا؟
معین کاشانی نے بیان پندرہ اشعار کی ایک نظم کہی ہے۔

تا صورت پیوند جہاں بود علی بود	تا نقش زمیں بود زماں بود علی بود
ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن	ہم عابد و ہم معبد و معبود علی بود
عیسیٰ کا بوجود آمد فی الحال سخن گفت	آں نطق فصاحت کہ بدو بود علی بود

موسیٰ و عصا و ید و بیضا و نبوت ۔۔۔ بر فرعون کہ نمود و عصیٰ بود

ہارون ولایت کہ پس از موسیٰ عمران ۔۔۔ واللہ کہ علی بود عیسیٰ بود علی بود

جبرئیل کہ آمد زبہر خالق بے چون ۔۔۔ در پیش محمد شد و مقصود علی بود

ہر چند کہ نظر کردم و دیدیم بحقیقت

از ہر دو جہان مقصد و مقصود علی بود

یہ وہی معین کا شانہ ہے جس نے

شاہ است حسین بادشاہ است حسین ۔۔۔ دین است حسین دین پناہ است حسین

سر داد نداد دست در دست یزید ۔۔۔ حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

کا رباعی لکھی ہے اور آج زبان زد خاص و عام ہے کہ یہ رباعی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی لکھی ہوئی ہے اور ہر مسجد کے محراب کی دیوار انہی رباعی سے مزین نظر آتی ہے اور ہر خطیب اسے حضرت اجمیریؒ کی طرف منسوب کرتا ہے۔

شیعوں کی لاطائل روایات کے جرعات سے شاہ ولی اللہ جیسا بے مثل نگار روزگار اور عبقری اپنا دامن نہ بچا سکا ہو۔ حضرت احمد فاروقی سرہندی جیسا عظیم الشان بزرگ رد روافض لکھنے کے باوجود خود ان کی من گھڑت اصطلاحات کی تلچھٹ کی جرعہ بازیوں کے تصورات کے متنے محض غیر ارادی طور پر تیار کرتے ہوئے ان کی دسیسہ کاریوں کو نہ سمجھ سکا ہو تو ما و شما کا کیا ذکر۔

یہ کہنے سے ان اصحاب کو کون باز رکھ سکتا تھا کہ مجتہد کو صحیح اجتہاد پر ایک نیکی اور غلط اجتہاد پر دو نیکیاں ملیں گی۔ اب یہ جسے چاہیں اجتہادی غلطی کا مرتکب گردان کر اسے دگنے ثوابوں سے لادتے چلے جائیں۔

الغرض آپ بصرہ پہنچیں ادھر سے علیؓ بڑھے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ حضرت علیؓ نے بصرہ کی جانب سفر کرتے وقت اپنے لشکر میں اعلان کر دیا کہ جس کسی نے خون عثمانؓ کے بارے میں کچھ کیا ہو ہمارے ساتھ نہ چلے۔ مگر ابھی تمام فتنہ کا سرغنہ عبداللہ بن سبا خود آپ ہی کے لشکر میں موجود تھا۔ وہ لوگ کہاں باز آنے والے تھے جو

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو سبائیوں نے سمجھا کہ ان کی صلح تو ہماری گردن کی رگوں پر ہو گی۔ رات کو حملہ کر دیا۔ ام المومنینؓ کے لشکریوں نے سمجھا حضرت علیؓ نے حملہ کر دیا ہے پس لڑائی شروع ہو گئی۔ ہوا جو کچھ ہوا۔ پانچ ہزار حضرت علیؓ کے ساتھی اور سات ہزار حضرت ام المومنینؓ کے ساتھی کھیت رہے۔ مقتولین کی لاشیں میدان جنگ میں بکھری دیکھ کر حضرت علیؓ سخت متاثر ہوئے۔ حضرت حسنؓ کو سینے سے لپٹا کر کہنے لگے کہ کاش میں آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔ حضرت طلحہؓ کی لاش کے پاس بیٹھ کر ان کے چہرہ سے گرد پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے جو بپتا مجھ پر پڑی ہے اللہ سے اس کا شکوہ کرتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۴۸) حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے قسم بخدا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں دنیا اور آخرت دونوں میں۔ ان کے سفر کے تمام انتظامات کئے۔ چالیس عورتوں کو ساتھ کیا۔ ایک دستہ فوج بھی ہمراہ کیا۔ دور تک مشایعت کی۔ ایک دن کی مسافت پر بیٹوں کو ساتھ بھیجا۔ حضرت ام المومنینؓ نے چلتے وقت لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میرے بیٹو! دیکھو اب تم میں سے کوئی کسی کے ساتھ سختی نہ کرے۔ علیؓ میں اور مجھ میں پہلے سے کوئی بات متعلق نہ تھی سوائے اس معمولی بات کے جو سسرال والوں سے ہو جاتی ہے۔ حضرت علیؓ نے ہم احباؤں کی تصدیق کی۔

طلحہؓ اور زبیرؓ عین لڑائی کے درمیان الگ ہو گئے تھے۔

اکابر صحابہؓ کی گوشہ نشینی

مسلمانوں کے اس اختلاف و انشقاق کے فتنہ کے دور میں اکثر جلیل القدر صحابہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ تحکیم کے واقعہ کے بعد مجبیبہ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ اس سے پہلے ہی مغیرہ بن شعبہ حضرت عائشہؓ کی دعوت کے باوجود گھر سے نہ نکلے۔

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھیں۔ مگر عبداللہ بن عمرؓ یعنی بھائی کے سمجھانے پر رُک گئیں۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ عین معرکہ کارزار میں حضرت عائشہؓ سے الگ ہو گئے۔ یہ تو چند جلیل القدر ہستیوں کا ذکر ہے۔ ان بزرگوں میں سے ہر ایک بذاتہ ایک انجمن ایک اُمت اور ایک گروہ تھا۔ لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کے ساتھ ہزاروں افراد نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہو گی۔

جب حضرت عائشہ مکہ سے روانہ ہوئیں تو لوگ زار زار روتے تھے۔ اور اس دن کا نام ہی یوم النحیب پڑ گیا۔

شیعانِ علیؓ کا اپنے امام کے ساتھ سلوک

سبائی یہودی اب پورے طور پر حضرت علیؓ کے لشکر کا اہم حصہ ہی نہیں بن چکے تھے بلکہ تمام حالات پر چھا چکے تھے۔ اور بقول مشہور شیعہ محقق شیخ جعفر الاسکافی آپ کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ کُل اہل بصرہ آپ سے متنفر تھے۔ اور کوفہ اور مدینے کے اکثر لوگ اور مکہ کے تو سب ہی لوگ ان سے متنفر تھے اور سب قریش ان کے خلاف تھے اور جمہور خلق ان کے مخالف بنی اُمیہ کے ساتھ تھی۔ عبدالملک بن عمیر نے عبدالرحمان بن ابی بکرہ کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ انسانوں میں سے کسی ایک کو بھی وہ برائی پیش نہیں آئی جو مجھے آئی ہے۔ پھر یہ کہہ کر رونے لگے (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید)

یہ افسوسناک صورت حالات کیوں پیش آئی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے سبائی لیڈروں کو منہ لگایا اور ان پر اعتماد کیا۔ جو اعتماد کے لائق نہ تھے اور اس تدبر و فراست اور مستقل مزاجی اور آمرانہ سطوت سے کام نہ لیا جو ایک قائد و حکمران میں ہونا ضروری ہیں۔ مگر یہ کہنے والے ان حقائق اور مجبوریوں سے عمداً چشم پوشی کرتے ہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں جو حضرت علیؓ کو مجبور کیے ہوئے تھیں۔ جنگ جمل نے عوام میں یہ تاثر پھیلا دیا تھا کہ آپ نے ام المومنینؓ کے خلاف جنگ کی ہے۔ شام کا تمام ملک حضرت معاویہؓ کی بادو دمشق اور

ہو کا نہ فراست کی بھینٹ چڑھ کر حضرت علیؓ کے متعلق اس تاثر کو قبول کر چکا تھا کہ قتلِ عثمانؓ میں آپ کا ہاتھ تھا۔ آپ کی فوج میں اکثریت سبائیوں کی تھی اور وہ کسی صورت میں آپ کے لشکر سے الگ ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ آپ نے جنگِ جمل کے موقع پر انہیں الگ کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے چپکے سے جنگ شروع کر دی۔ صفین کے موقع پر الیا کرنے کا ارادہ کیا تو بیس ہزار کا جیش پکار اٹھا کہ ہم سب قاتلینِ عثمانؓ میں سے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ان حالات میں جس حد تک حالات کو سنبھالا دیئے رکھا وہ کسی حیثیت میں فتوحاتِ صدیقی اور فاروقی سے کم نہیں۔ مگر افسوس کہ تاریخوں کو جس حد تک کرید کرید کر اصل حالات دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے الجھنیں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ایرانی زار شاہی کا نتیجہ پانچ ہوتے چند روز ہی ہوتے ہیں خلافتِ راشدہ کے زمانہ کی نسبت آج کے وسائل نشر و اشاعت کروڑہا گنا زیادہ ہیں۔ مگر کوئی ذہین سے ذہین آدمی بھی غیر جانبدار ہو کر تاریخ مرتب کرنے کی سکت اپنے آپ میں نہیں پاتا پھر ہم کس تاریخ کے کس واقعہ کو کس نظر سے دیکھ کر کیا اندازہ کر سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ نہایت بالغ نظری سے تمام موافق و مخالف تاریخوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر قسم کے نظریات سے اپنے اذہان کو فارغ کر کے الگ کھڑے ہو کر دیکھیں تو ہاں جس طرح حق حضرت علی رضی کے ساتھ نظر آئے گا۔ اسی طرح صدیقہؓ کا ثابت حضرت ام المومنین کے ساتھ نظر آئے گا۔ اور اسی طرح امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی کے ساتھ نظر آئے گا۔ مگر سبائی دسیسہ کاریوں نے تاوقتیکہ امت کی سربراہی حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ آئی کسی کو چین نہ لینے دیا۔ حالات نے حضرت علیؓ کو اس حد تک بے دست و پا بنا کر رکھ دیا تھا کہ آپ اکثر اپنے ساتھیوں کے متعلق اظہارِ ناراضگی و شکایت انداز میں فرماتے رہتے۔ مشہور شیعہ مؤلف آغانی نے نقل کیا ہے کہ ایک بار آپ نے فرمایا تھا کہ۔۔

لے زنان بصورت مرداں، اور اے کمینو زنانہ عقل والو میری آرزو ہے کاش میں نے تمہیں کبھی دیکھا بھی نہ ہوتا مجھے انتہائی ندامت ہے اور دل میں تم سے انتہائی نفرت ہے تم بہت نافرمان اور بہت رسوا کرنے والے ہو۔ تمہاری وجہ سے قریش کہنے لگے کہ

کرابی طالب کا بیٹا بہادر تو ہے مگر سیاست حرب سے نابلد محض ہے۔ افسوس ان کہنے والوں پر مجھ سے زیادہ ان میں لڑائی کا دھنی کون ہے۔ میں نے بیس سال کی عمر سے آج تک کہ ساٹھ برس کا ہو گیا ہوں تیغ زنی کی ہے۔ مگر کوئی کمبخت جب کہنا ہی نہ مانے تو کیا ہو سکتا ہے (عقد الفرید ج ۲ صفحہ ۱۵)

ان ہی حالات میں جنگ صفین کا المیہ پیش آیا۔ قریب تھا کہ شامی فوج شکست سے دوچار ہوتی کہ واقعہ تحکیم نے تمام صورت بدل کر رکھ دی۔ حضرت علیؓ جانتے تھے کہ تحکیم کی یہ پیشکش اسی ہزار فرزندان اسلام کے لاشوں کے خاک و خون میں تڑپنے کے بعد کی جا رہی ہے مگر مشکل یہ پیش آئی کہ اب خود عراقیوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔

تحکیم سے پہلے مسلمانوں میں صرف دو گروہ تھے شیعان علیؓ اور شیعان معاویہ مگر اب تیسرا گروہ بھی پیدا ہو گیا جس نے آگے چل کر ہزاروں مسلمانوں کا بے دریغ خون بہانے سے دریغ نہ کیا۔

حضرت علیؓ نے ایسے نامساعد حالات میں بھی استقامت، صبر، جرأت اور ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یہ ہیں تاریخ اسلام میں حضرت علیؓ کے صحیح خد و خال مگر دنیائے شیعیت کے علیؓ شیر خدا بھی ہیں اور معصوم عن الخطا بھی، مامور من اللہ وصی رسول اللہ بھی ہیں اور امام البدئ بھی۔ مگر ان تمام اوصاف کے باوجود مجبور بے کس لاچار، بے بس اور شکست خوردہ ذہنیت کے حامل۔ انہیں اس مقام پر کس نے پہنچایا شیعان علیؓ نے اپنی بے وفائیوں، غداریوں، نافرمانیوں اور تلون مزاجیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ایسے نظریات کی طرح ڈالی جن کا اسلام میں سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔ چنانچہ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی لکھتا ہے کہ شیعان علی کے مذہبی اصول ایک شخصی حکومت اور وہ بھی سخت ترین شخصی حکومت پر منتج ہوتے تھے۔ اس امر کو تسلیم کرنے سے قطعی انکار کرتے کہ رسول اللہ (معاذ اللہ) ایسے ناعاقبت اندیش تھے کہ انہوں نے اپنا جانشین مقرر کرنا لوگوں کی پسند پر چھوڑ دیا۔ انہوں نے آپ کے چند مبہم اقوال کی بنا پر اس عقیدہ کو قائم کیا کہ آپ حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے لئے فرما گئے تھے۔ اور یہ کہ اولاد علی جو بطن فاطمہ سے ہو خلافت کا موروثی حق رکھتی ہے۔ پس شیعان علی نے معاویہ کو

نہیں بلکہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو بھی غاصب خلافت سمجھا۔ اور اس کے ساتھ ہی انھوں
نے خلیفہ کو خدا بنا دیا۔ اور کہہ دیا کہ امام سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اور جو کمزوریاں
یا نقائص انسان میں ہیں امام ان سے بری ہے۔ عقائد میں شدت پیدا ہوتی گئی امام یا
خلیفہ میں الوہیت کو بدلائل تسلیم کر کے اس زمانے میں فریق غالب تھے جس کا بانی کیسانؔ
حضرت علیؓ کا آزاد کردہ غلام تھا اور بعد میں مختار کی فوج کا محافظ سردار بنا از روئے
منطق یہ افسوسناک نتیجہ نکالا کہ ایمان، مذہب اور نیکی صرف اس بات میں ہے کہ بلا
عذر اطاعت اور بلا کلام حکم برداری ایک ایسے انسان کی جائے جو خدا بھی ہو۔ یہ عجیب
خیال جو عرب کی طبیعت اور فطرت کے بالکل مغایر تھا معتقدین زردشت نے اپنے
دماغ سے پکا کر نکالا تھا۔ کیونکہ پیروان زردشت ہی اپنے بادشاہوں اور موبدوں
کو خداؤں اور فرشتوں کی اولاد سمجھتے تھے۔ اس عقیدہ کے لوگوں نے اس پرانے خیال
کو نئے مذہب (یعنی اسلام) کے بادشاہوں کے ساتھ برتنا چاہا (دروزیل کے حالات مذہب
حصہ اول صفحہ ۱) دروزی کا مضمون تاریخ اسلام مترجم ساؤن صفحہ ۲۱۹) اور مسلمان بادشاہوں کی
بھی وہی عظمت قائم کی جو اپنے بادشاہوں کی حالت بت پرستی میں کیا کرتے تھے شیعیت
کی اصطلاح کے اولین خالق گو یہودی تھے مگر اس موقع پر عرب کے آزاد کردہ غلاموں کے
ساتھ ایران کے نومسلم مجوسیوں نے مل کر عقائد کا ایک عجیب ملغوبہ تیار کر دیا الغرض ان
سب نے مل کر نہایت غیظ و غضب کی ایک لڑائی کل سوسائٹی کے خلاف شروع کر دی
اس گروہ کے سرغنے باضابطہ عموماً عربی تھے۔ جو ان لوگوں کی سریع الاعتقادی اور مذہبی
تعصب سے اپنا نفع نکال لیتے تھے (تلخیص عبرت نامہ اندلس پروفیسر رین ہارٹ ڈوزی)

حضرت علیؓ کے متعلق یہ لوگ جن نظریات کے داعی تھے حضرت علیؓ خود ان سے
بے خبر تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ کو معاویہ کے حق میں ان ہی لوگوں
کی بے وفائیوں کی وجہ سے دستبردار ہونا پڑا۔ پھر ان لوگوں نے حضرت حسینؓ کو
کوفہ بلایا۔ مگر وہ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ شہید کر دئے گئے

شہادت حسینؓ کے بعد جب ابن زیاد، ابن سعد، شمر اور دیگر معروف قاتلین کو یزید کی

طرف سے سوائے لعنت و ملامت کے کچھ نہ ملا تو یہ لوگ تو ابین بنکر گریہ و ماتم میں مشغول ہو گئے۔

عالم اسلام پہلے ہی حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت اور جمل و صفین میں ایک لاکھ سے زائد جلیل القدر ہستیوں کی شہادت کے بعد نیز خوارج کے ظہور اور ان کے قتل کے بعد اور پھر حضرت علیؓ کی شہادت کی وجہ سے شدید ذہنی انتشار کا شکار تھا۔ اب حضرت حسینؓ کی شہادت کے متعلق جس کسی نے جس مقام پر سنا دم بخود رہ گیا۔ علوی تحریک کے داعیوں کے ہاتھ ایک بہت بڑا حربہ آگیا۔ انہوں نے کوسنوں سے کام لے کر صحیح انداز میں سوچنے والے اذہان کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا۔ صحابہ کی کچھ جماعت تو پہلے ہی گوشہ نشین ہو چکی تھی باقی اب گوشہ نشین ہو گئی۔

گویا عراق اس وقت عجیب عجیب پیچیدہ مسائل اور طرفہ خیالات کا دنگل بن چکا تھا۔ طرح طرح کے مفرط اور حد سے بڑھے ہوئے مذہبی عقائد پیدا ہونے شروع ہو گئے توریث و انتخاب، مطلق العنان بادشاہی اور قومی حریت، جمہور کی سیادت اور حق پر غالب آنے کی کوشش میں سرگرم تھا۔ فاتح عرب، مفتوح ایرانی، غریب امیر دھی منشلک سب ایک دوسرے سے آمادۂ پیکار تھے۔ اعتدال پسند گروہ کو امویوں سے محبت تھی نہ علویوں سے اُنس۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ تمام مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں یعنی شیعان علیؓ اور شیعان معاویہؓ اور ان دونوں گروہوں کے پیچھے تاریخ عرب کے پرانے المیہ کے کردار یمانیہ اور معدیہ بھی میدان میں نکل آئے ہیں اور یمانیہ نے شامیوں یعنی شیعان معاویہ اور معدیہ نے عراقیوں یعنی شیعان علیؓ کے جھنڈوں کے نیچے جمع ہونا شروع کر دیا ہے تو مجبوراً صائب الرائے اصحاب کی نظریں کسی غیر جانبدار شخصیت کو ڈھونڈھنے لگیں جو ملت کو اس بحران سے نجات دلانے کی اہلیت سکت اور طاقت کا اہل ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ:۔

چنانچہ اس انتشار سے سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔

مگر سیدنا ابن زبیرؓ نے عوام سے رابطہ کیا اور نہ کسی عوامی تحریک سے آپ کی خلافت کے استحکام کی صورت پیدا ہوئی کیونکہ آپ کی ذات مجموعۂ فضائل تھی۔ آپ مدینۃ النبی میں مسلمانوں کے ہاں پہلے مولود تھے جو اکرمؐ کے لعابِ دہن کی گھٹی سے سیراب، اجرات، ہمت، شجاعت، ثباتِ قدمی، تورّع، زہد، پاک نفسی اور پاکیزگی باطنی کے مجسمہ۔ مگر لطف یہ کہ بنو ہاشم نے بھی آپ سے تعاون نہ کیا چہ جائیکہ عوام آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر کی ایک روایت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے عمر بن سعیدؓ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں مجھے ابن ابی ملیکہ نے اطلاع دی اور کہا کہ ہم حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا تمہیں ابن الزبیرؓ کی اس بات سے تعجب نہیں ہوتا کہ وہ اپنی خلافت کی یہ تحریک لے کر اٹھے تو میں نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو ان کا ایسا بنا لوں گا کہ ایسی پابندی نہ حضرت ابوبکرؓ کی نہ حضرت عمرؓ کی کی حالانکہ وہ ہر طرح اور ہر بھلائی کے ان سے زیادہ مستحق تھے میں نے سوچا تھا کہ وہ نبیؐ کی پھوپھی کے بیٹے حضرت ابوبکرؓ کے فرزند ہیں حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے ہیں حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں لیکن وہ تو میرے مقابلے میں اکڑے ہی چلے گئے اور وہ نہیں چاہتے کہ میرا ان سے تعلق ہو۔ میرے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں اپنے آپ کو اس طرح ان کے سامنے پیش کروں گا اور وہ ٹھکرا دیں گے۔ میں تو سمجھتا ہوں ان کے پیش نظر بھلائی ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ ابو نوفل نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی معیت میں حضرت ابن الزبیرؓ کی نعش کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا تو ابن عمرؓ نے بڑے افسوس سے تین بار فرمایا کہ میں نے تمہیں اس کام سے روکا تھا۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تحریک ایک شخصی تحریک تھی۔ ہو سکتا تھا کہ آپ حصین بن نمیرؓ کے ساتھ شام چلے جاتے تو امر خلافت آپ پر مستحکم ہو جاتا مگر آپ نے یہ موقع ضائع کر دیا۔ اور روافض کی تقلید میں سیوطی اور خلافت ملوکیت کے مصنف کو بھی اموی خلافت کے خلاف دروغ راویوں کے سہارے حضرت ابن الزبیرؓ کو خلیفۂ حق لکھنے میں شرم نہ آئی۔ آخر مرج راہط کے مقام پر امر خلافت حضرت امیر مروانؓ کے ہاتھ پر مستحکم ہو گیا۔

تاریخ کی اس پیچ پیچ میں بھی کہیں خلافت بلافصل کی آواز کسی گوشہ سے سننے میں نہیں آتی۔

اس سے پہلے خوارج بھی اپنی خلافت کا اعلان کر کے نہروان کے مقام پر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے شکست فاش کھا چکے تھے۔ یہ لوگ اپنے عقائد میں

سخت متشدد، متقی، متورع، عابد، پرہیزگار، صائم الدھر قائم اللیل، رحم دل، رقیق القلب ہونے کے ساتھ ساتھ ظالم، اکھڑ مزاج، خودسر، خود دار اور آزاد منش تھے۔ یہ لوگ آب و آتش کا یہ مثال نمونہ تھے۔ ان کا نعرہ تھا لاحکم الا للہ صحیح اسلامی جمہوریت کے داعی تھے۔ اگر خلافت بلافصل کا معمولی سا تصور بھی ان کے سامنے ہوتا تو وہ ہرگز لاحکم الا اللہ کا نعرہ نہ لگاتے۔

حضرت علیؓ نے خود کسی مقام پر خلافت بلافصل کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ حضرت حسنؓ نے تو معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو کر اس نظریہ کو بیخ و بن سے ہی اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ حضرت حسینؓ کی زبان سے بھی کبھی خلافت بلافصل کی صدا نہیں نکلی ان کا خروج بھی یزید کی مفروضہ بداعمالیوں کی وجہ سے تھا۔

عبداللہ بن عباس کے نہاں خانہ دماغ میں بھی حصول خلافت کی آرزو پرورش پا رہی تھی۔ جو وراثتہً عبداللہ السفاح تک پہنچی اور آخر اموی شہنشاہیت کے مزار پر عباسی شہنشاہیت کا قصر تعمیر ہوا۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خلافت بلافصل کا تصور بہت بعد کی پیداوار ہے۔

یہاں اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے وقت ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اموی تھے یا عباسی، علوی تھے یا زبیری سب کے سب صرف خلیفہ تھے۔ بعض مورخین نے ابن زبیرؓ اور عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کو علیٰ منہاج النبوۃ قرار دیا ہے۔ سب نے اپنی اپنی طاقت کے مطابق حصول حکومت کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ بقول مولانا احمد سعید امت کا لاشہ اموی غسالوں کے ہاتھ سے نکل کر عباسی گورکنوں کے ہاتھ میں پہنچا۔ علوی سیدھے سادھے بھولے بھالے لوگ تھے۔ لاابالی سے بے نیاز سادہ لوح اور جوڑ توڑ کے ہتھکنڈوں سے نابلد تھے۔ خروج کرتے رہتے اور مرتے رہتے۔ عباسی چالاک، ہشیار، عقلمند، دوراندیش اور عاقبت اندیش تھے۔ علویوں کو آگے بڑھا کر ان کی شہادت کا تماشہ دیکھتے اور پیش آمدہ واقعات سے نتیجہ خیز امورات کو اخذ کرتے اور جنگ کے ذریعوں سے

علوی پٹتے رہے ان کو اپنے امن سے دور کرتے رہے۔ گویا عباسیوں نے ایک طرف علویوں سے امویوں کی طاقت کمزور کرنے کا کام لیا اور دوسری طرف اپنے ان حریف کو راستہ سے ہٹانے کا کام لیا۔ یہی حالات تھے جن کی وجہ سے عین وقت پر ابو ہاشم علوی عباسیوں کے حق میں دستبردار ہوئے۔ اموی بظاہر نہایت بردبار متحمل مزاج تھے۔ دشمنوں سے گالیاں کھا کر بھی اپنی داد و دہش سے انکا منہ بند رکھتے تھے۔ ضرورت کے وقت ہر حربہ استعمال کر لیتے تھے۔ ان کی اسی پالیسی نے ۹۰ سال تک ان کے فرق پر تاج خلافت تھامے رکھا۔

الغرض واقعہ تحکیم کے بعد زیر زمین جو جراثیم پرورش پا رہے تھے یہ ہے ان کا ہلکا سا خاکہ۔

اس تمام دوران میں ہمیں خلافت بلا فصل کا نشہ بھی نظر نہیں آتا۔

ولو فرضنا ۔۔۔ خلافت بلا فصل کا دعویٰ درست بھی ہو اور اصحاب ثلاثہ کے زمانہ میں علیؑ مجبور رہے ہوں مگر اب علیؑ کو خلافت مل چکی ہے۔ شیعان علیؑ کی تعداد بقول شیعہ اصحاب لاکھوں پر مشتمل ہے۔ علیؑ، قاتل عمرو بن عبدود ہیں فاتح خیبر ہیں ۔۔۔ علی ۔۔۔ شاہ مردان شیر یزداں قوت پروردگار ہیں ۔۔۔ مگر شیعہ کہتے ہیں کہ علی اپنی خلافت کا تمام زمانہ اتنی کثیر تعداد میں سابقین کے باوجود نہایت بیکسی سے گذارنے لگا۔ عجیب ذہنیت تھی شیعان علیؑ کی ۔۔۔ ان کی اس بے وفایانہ سرشت نے علیؑ کو اس قدر مجبور و معذور کر کے رکھ دیا کہ کئی مدعیان خلافت پیدا ہو گئے۔ کیا امت کا یہ تشتت و افتراق بالواسطہ شیعان علیؑ کا پیدا کردہ نہ تھا۔؟

اگر خلافت بلا فصل کو صحیح ہی تسلیم کیا جائے تو آئیے ہم ذرا تعمق نظری کے پیمانے سے ان حالات کا جائزہ لیں جو نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت فتنہ ارتداد کی صورت میں تمام اسلامی سٹیٹ میں چند دنوں بلکہ لمحوں کے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ تو علیؑ کس طرح اس پر قابو پا سکتے تھے۔ جبکہ صرف مومنین مسلمان باقی رہ گئے تھے اور وہ بھی ایسے کہ جنہیں ایک دوسرے پر اعتماد ہی نہیں۔ کیا علیؑ اکیلے میدان میں نکل کر ان فتنوں کا انسداد کرتے

حالانکہ ہزاروں کی جمعیت کی موجودگی میں ان کے شیعان نے انہیں کچھ نہ کرنے دیا۔
معاذ اللہ! معاذ اللہ! معاذ اللہ۔ مگر اس گروہ "منافقین" نے جو کچھ کیا وہ تاریخ
عالم کا سب سے نا پاک ترین باب ہے۔ اور ہم تم اور ہمارا کُش نے اللہ جیسا تک
اللہ کے فضل و کرم سے انہیں کے محنت، ہمت، جرأت، شجاعت، استقامت
عدالت، تقویٰ، زہد، اور الوالعزمی کے ثمرات سے متمتع ہو رہے ہیں۔

تحقیق حدیث مدینۃ العلم

شیعہ کہتے ہیں۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔
اور فصل خصومات علم دین کو مستلزم ہے"
مگر حدیث "اقضاکم علیؓ" کی کوئی اسناد معلوم نہیں تاکہ اس سے احتجاج
کیا جا سکے۔ اس سے یہ حدیث صحیح تر ہے کہ حضرت معاذ حلال وحرام کے بہت
بڑے عالم ہیں۔ حلال وحرام کا علم دین اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے شیعہ
کی ذکر کردہ حدیث سنن مشہورہ اور معروف مسانید میں بسند صحیح یا ضعیف کے
ساتھ مندرج ہی نہیں۔
یہ جس کے ساتھ مروی ہے اس میں متہم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں۔ یہ
حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ علیؓ اقضانا (علی صحابہ میں ایک بڑے قاضی تھے۔
اقضاء فصل خصومات کو کہتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فیصلہ حقیقت
حال کے برعکس صادر کیا جاتا ہے احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے۔
"تم میرے پاس فصل خصومات کے لئے آتے ہو اس بات کا احتمال ہے کہ تم
میں سے ایک شخص اپنا نقطۂ نظر وضاحت سے بیان کر سکتا ہو اور میں اس کے
حق میں فیصلہ صادر کر دوں۔ یاد رکھو جس شخص کو میں نے اس کے مسلمان بھائی

کے حق میں سے کچھ حصہ دے دیا تو میں نے اُسے دوزخ کا قطعہ الاٹ کر دیا"

اس حدیث میں سالار رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ آپ کے حکم دینے سے نہ حلال چیز حرام ہو جاتی ہے اور نہ حرام چیز حلال ٹھہرتی ہے۔

شیعوں کی طرف سے دوسری حدیث "انا مدینۃ العلم وعلی بابہا" پیش کی جاتی ہے مگر یہ بھی حد درجہ ضعیف ہے۔ اگرچہ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے تاہم یہ موضوعات میں شمار کی جاتی ہے ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ جملہ طرق موضوع ہیں اس کا متن خود اس کے موضوع ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ جب آپؐ کی ذات علم کا شہر ہوئی اور اس کا دروازہ صرف ایک (حضرت علیؓ) ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضورؐ کے اقوال و ارشادات کے مبلغ صرف حضرت علی ہوں گے اس سے دین اسلام کا فساد لازم آتا ہے اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آنحضورؐ کے اقوال و ارشادات کو لوگوں تک پہنچانے والے اتنے کثیر التعداد لوگ ہونے چاہئیں کہ جن سے خبر متواتر حاصل ہو اس لئے کہ خبر واحد سے وہ علم حاصل نہیں ہوتا جو قرآن اور احادیث متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اگر شیعہ کہیں کہ علیؓ اگرچہ واحد ہیں مگر معصوم ہیں اس لئے آپ کی خبر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ شیعہ پہلے آپ کا معصوم ہونا ثابت کریں۔ حضرت علیؓ کی معصومیت ان کے قول ہی سے ثابت نہیں ہو جائے گی کیونکہ اس طرح دور لازم آتا ہے اجماع سے بھی آپ کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ آپ کی معصومیت پر اجماع منعقد نہیں ہوا۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ آنحضورؐ نے کتاب و سنت کا جو علم اکناف عالم میں پھیلایا تھا اس سے سب کرۂ ارضی معمور ہو چکا ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ کی منفرد روایات آنحضورؐ سے حد درجہ قلیل ہیں۔ پھر یہ بات کیونکر صحیح ہو سکتی ہے کہ حضرت علیؓ ہی آنحضورؐ کے علم کا واحد دروازہ تھے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مدینہ میں اجل التابعین وہ تھے جو خلافت نا دو تک

عثمانی کے تربیت یافتہ نہیں تھے نہ کہ علوی خلافت کے۔ حضرت معاذ نے تابعین اور اہل یمن کو جو تعلیم دی وہ حضرت علیؓ کی تعلیمات سے بہت بڑھ کر تھی۔ جب حضرت علیؓ وارد کوفہ ہوئے تو وہاں جلیل القدر تابعین کی خاصی تعداد موجود تھی۔ مثلاً شریح وعبیدہ وعلقمہ ومسروق اور ان کے نظائر وامثال۔

امام محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"روافض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اعلم الناس تھے۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ کسی صحابی کے علم کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ اس کے فتاویٰ وروایات کی تعداد کس قدر ہے اور آنحضورؐ نے کس حد تک اسے مختلف کاموں پر مامور کیا۔"

جب ہم نے اس بات کو جانچ پرکھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آنحضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی بیماری کے دوران امام صلوٰۃ مقرر کیا تھا۔ حالانکہ اس وقت حضرت عمرؓ وعلیؓ وابن مسعودؓ وابی بن کعب اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ غزوہ تبوک کو جاتے وقت جب آپ نے حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا وہ اس سے مختلف ہے اس لئے کہ مدینہ میں اس وقت صرف بچے اور عورتیں تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کو امام مقرر کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ دیگر صحابہ کی نسبت نماز کے مسائل سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ اور نماز دین اسلام کا رکن رکین ہے۔ علاوہ ازیں آنحضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج مقرر کیا تھا۔ اور زکوٰۃ کی فراہمی کے لئے عامل بھی بنایا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان مسائل کو دیگر صحابہ کی نسبت بہتر طور پر جانتے تھے۔ علاوہ ازیں آنحضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو لشکر کا سپہ سالار بھی بنایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دیگر مجاہدین کی طرح جہاد کے احکام ومسائل سے بھی آگاہ تھے۔ اس ضمن میں آپ کا پایہ حضرت علیؓ سے فروتر نہ تھا۔ جب علمی مسائل صلوٰۃ وزکوٰۃ اور حج کے احکام میں حضرت ابوبکرؓ کا حضرت علیؓ پر تفوق ثابت ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد کے مسائل جاننے میں آپ حضرت علیؓ سے پیچھے نہ تھے تو اس سے آپ کا علمی پایہ واضح ہو جاتا ہے

حضرت ابوبکرؓ سفر و حضر میں آنحضورؐ کی صحبت و رفاقت میں رہا کرتے تھے اور اس طرح آنحضورؐ کے فتاوی و احکام سے بذات خود آگاہ تھے۔ بنا بریں آپ احکام و مسائل سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ علم کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ دوسروں پر فائق نہ ہوں کم از کم اس میں دوسروں کے برابر نہ ہوں جہاں تک روایت و فتویٰ کا تعلق ہے آپ کو اس کی ضرورت بہت کم پیش آئی اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضورؐ کی وفات کے صرف اڑھائی سال بعد حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس قلیل عرصہ میں روایت و فتویٰ کی ضرورت بہت کم پیش آئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے ایک سو چالیس احادیث مروی ہیں۔ آپ کے فتاویٰ اس پر مزید ہیں۔ بخلاف ازیں حضرت علیؓ سے پانچ سو چھیاسی احادیث روایت کی گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ آنحضورؐ کے تیس سال بعد تک زندہ رہے۔ اس طویل عرصہ حیات میں بکثرت لوگوں سے ملنے کی نوبت آئی۔ چونکہ اکثر صحابہؓ فوت ہو چکے تھے۔ اس لئے لوگوں نے آپ کے علم سے استفادہ کی ضرورت محسوس کی چنانچہ مدینہ و بصرہ و کوفہ و صفین کے لوگوں نے آپ سے علمی مسائل دریافت کئے

جب ہم ان تاریخی حقائق پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضورؐ کے بعد بہت کم عرصہ زندہ رہے اس کے برخلاف حضرت علیؓ نے طویل زندگی پائی اور مختلف شہروں میں سکونت پذیر رہے اور وہاں کے رہنے والوں نے آپ سے احکام و مسائل روایت کیے۔ دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ جم کر مدینہ میں رہے اور کہیں ادھر ادھر نہ گئے۔ پھر یہ کہ آپ کے عہد خلافت میں لوگوں کو مسائل دریافت کرنے کی ضرورت بہت کم لاحق ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ ان حقائق کے پیش نظر جب ہم حضرت ابوبکرؓ کی مرویات و فتاوی کا حضرت علیؓ کی روایات کردہ احادیث و فتاوی کے ساتھ تقابل کریں تو ہر صاحب علم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حضرت ابوبکرؓ علم و فضل میں بدرجہا حضرت علیؓ پر فائق تھے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ میں جو قلیل العمر تھے ان کی مرویات کی تعداد طویل عمر پانے والوں کی نسبت بہت کم ہیں۔ حضرت عمرؓ مدینہ میں سکونت پذیر تھے آپ ملک شام بھی گئے تھے۔ آپ کی مرویات کی تعداد پانچسو سینتیس ۵۳۷ ہے یہ تعداد حضرت علیؓ کی مرویات کے لگ بھگ ہے۔ حضرت عمرؓ کی وفات حضرت علیؓ سے سترہ سال قبل ہوئی تھی جبکہ بہت سے صحابہ بقید حیات تھے۔ حضرت عمرؓ کے بعد طویل عرصہ زندہ رہنے کے باوصف حضرت علیؓ نے صرف ۵۰ احادیث حضرت عمرؓ سے زیادہ روایت کی ہیں۔

احادیث صحیحہ کا اعتبار کیا جائے تو حضرت علیؓ کی صرف ایک یا دو روایتیں حضرت عمرؓ سے زیادہ ہیں فقہی مسائل میں حضرت عمرؓ کے فتاویٰ حضرت علیؓ کے مسائل و فتاویٰ کے مساوی ہیں جب ہم حضرت عمرؓ و علیؓ دونوں کی مدت حیات اور سیاحت بلاد کا موازنہ کریں اور اس کے پہلو بہ پہلو ان کی مرویات فتاویٰ کا بھی تقابل کریں تو ہر سلیم العقل آدمی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ حضرت عمرؓ علم و فضل میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر تھے۔

چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زمانہ کے اعتبار سے متاخر ہیں اس لئے آپ کی مرویات دو ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ اور انسؓ کی روایات بھی اس کے لگ بھگ ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے پانچ ہزار احادیث مرفوعہ اور تین صد احادیث غیر مرفوعہ روایت کی گئی ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ کی مرویات کی تعداد آٹھ صد سے زائد ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ عائشہؓ اور ابن عمرؓ کے فتاویٰ حضرت علیؓ کے فتاویٰ سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ یہ صحابہ حضرت علیؓ کے بعد بھی زندہ رہے۔

اسی طرح ابن عباسؓ کی مرویات ایک ہزار پانچ صد سے زیادہ ہیں ان کے فتاویٰ و تفسیری اقوال کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ لہٰذا روافض کا قول باطل ٹھہرا۔ یہ درست ہے کہ آنحضورؐ نے حضرت علیؓ کو عامل مقرر کیا تھا اور یہ عہدہ اصحاب علم ہی کو تفویض کیا جاتا ہے مگر اس میں خصوصیت کی کوئی بات نہیں۔ حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کو بھی

ابن عبدہ پر فائز کیا گیا تھا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

"حضرت علیؓ نہایت ذہین وفطین اور علم کے بہت بڑے حریص تھے بچپن سے لے کر وفات آنحضورؐ کی صحبت میں رہے ہیں"

ہم کہتے ہیں یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ سے زیادہ ذہین اور ان سے زیادہ شائق علم تھے؟ بخاری ومسلم کی متعدد احادیث سے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے علم وفضل پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً حضرت ابوسعید خدری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ انہوں نے قمیصیں پہن رکھی ہیں۔ بعض کی قمیص سینہ تک پہنچتی ہے اور بعض کی اس سے نیچے حضرت عمرؓ جب پیش کیے گئے تو وہ قمیص کا دامن کھینچتے ہوئے گزرے۔ لوگوں نے پوچھا۔ پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا قمیص سے دین مراد ہے۔

جب حضرت عمرؓ نے شہادت پائی تو حضرت ابن مسعود نے کہا علم کے نو حصے رخصت ہو گئے اور ایک حصہ باقی رہا جس میں سب لوگ شریک ہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

"بچپن میں جو علم حاصل کیا جائے وہ کالنقش فی الحجر ہوتا ہے، بنا بریں حضرت علیؓ دوسروں سے بڑھ کر عالم ہو گئے۔ نیز اس لیے کہ آپ کے استاد (نبیؐ) ہر لحاظ سے کامل تھے اور شاگرد (علیؓ) میں قبول علم کی استعداد موجود تھی"

ہم کہتے ہیں۔ یہ ایک عامیانہ کلام ہے اور حدیث رسولؐ نہیں ہے اقتضاء عمر میں بخلاف صحابہ نے کتاب وسنت کا علم بڑی عمر میں سیکھا تھا تاہم اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کی تحصیل آسان کر دی تھی۔ حضرت علیؓ کا بھی یہی حال ہے۔ ابھی وحی تکمیل پذیر نہیں ہوئی تھی کہ حضرت علیؓ کی عمر تیس سال کو پہنچ گئی آپ نے قرآن بڑی عمر میں یاد کیا تھا اس میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت علیؓ کو پورا

پورا قرآن یاد تھا یا نہیں ؟ دوسری طرف حضرت ابوہریرہؓ کو دیکھئے انہوں نے صرف تین سال کے عرصہ میں جو کچھ یاد کر لیا تھا دوسرے صحابہ وہ طویل عرصہ میں بھی یاد نہ کر سکے

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(شیعوں کے دوسرے مزعومہ امام)

امام اوّل حضرت امیر کی نسبت اب شیعوں کی تعداد اضعافاً مضاعفہ ہو چکی منقول ہے کہ بمقابلہ امیر معاویہؓ صرف کوفہ کے چالیس ہزار تنخواہ دار شیعوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اسی قدر ان کے فرزندان و اتباع ان کے ساتھ تھے (جلاء العیون) یہ تعداد گویا اسّی ہزار تھی۔ مگر حضرت علیؓ چونکہ اپنے شیعوں کی سرشت سے واقف اس لئے امام حسنؓ کو آخری وقت وصیت کرتے ہیں کہ:

"اے فرزند! جب میں دنیا سے مفارقت کروں اور میرے اصحاب تم سے موافقت نہ کریں تو لازم ہے کہ تم خانہ نشین رہنا (جلاء العیون باب ۲ فصل ۳) استقلال خلافت کے بعد آپ نے کوفہ کی جامع مسجد میں منبر پر تشریف فرما ہو کر حمد کے بعد معاویہؓ سے جہاد کا حکم دیا تو کسی نے جواب تک نہ دیا۔ آخر عدی بن حاتم کھڑے ہو کر کہا سبحان اللہ تم کیسے فرزند ناہنجار ہو۔ تم کو رسول خدا کے فرزند جہاد کا حکم دیتے ہیں اور تم قبول نہیں کرتے۔ کیا ہوئے تمہارے شجاع۔ آیا تم لوگ خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے اور ننگ و عار کی پرواہ نہیں کرتے؟ یہ سنکر ایک نے ساتھ دیا۔ ان سے امام نے فرمایا اگر سچ کہتے ہو تو جانب نخیلہ میرا لشکر ہے وہاں جاؤ۔ او مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے قول پر وفا نہ کرو گے جس طرح اس سے وفا نہ کی جو مجھ سے بہتر تھا (یعنی علیؓ) اور میں تمہارے قول پر کیونکر اعتماد کروں۔ حالانکہ میں نے دیکھا ہے کہ جو کچھ تم نے میرے باپ کے ساتھ سلوک کیا تھا پس امام منبر سے اترے اور سوار ہو کر لشکر گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ جن لوگوں نے اطاعت کیا تھا ان میں سے اکثر نے اپنے قول پر وفا نہ کی۔ اور دغا کرتے ہوئے

ان پر امام حسنؓ نے خطبہ دیا۔ اور فرمایا مجھے فریب دیا جس طرح اپنے پہلے امام کو تم نے
دا دی۔ نہیں معلوم تم لوگ میرے بعد کس امام سے مقاتلہ کرو گے (جلال العیون باب
ل ۵ صـ۳۱۲) گویا حضرت حسنؓ کی مومنانہ فراست نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ میرے بعد بھی
لوگ ضرور اپنے امام سے قتال کریں گے۔ سو یہ سب کچھ ہو کر رہا کہ ان لوگوں نے
ام حسینؓ کو شہید کرنے پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ ہر امام کی مخالفت پر بیش از بیش عمل
پیرا رہے۔ اور اکثر آئمہ کو انہوں نے خود شہید کیا۔

اب اکثر تو علی الاعلان حضرت حسنؓ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے اور جو باقی رہ گئے
بادل کے وقت امام کے لشکر میں رہتے ہیں اور رات کے وقت معاویہؓ سے جا ملتے
۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی کہتے ہیں کہ معاویہؓ نے ان کے نام اور ان کی چٹھیاں جو انہوں
معاویہؓ کو لکھی تھیں لفافہ میں بند کر کے حضرت حسنؓ کے پاس بھیجیں اور لکھا کہ تمہارے
حاب نے تمہارے باپ سے وفا نہ کی تو تم سے کب وفا کریں گے (جلال العیون صـ۳۱۴)

حضرت عباسؓ بقول ملا باقر مجلسی شیعہ تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عزت کرتے۔ ان کی تعظیم فرماتے اور کہتے
کہ عباس بمنزلہ میرے باپ کے ہیں (مجالس المومنین مجلس ۳)
انہیں عباس کے بیٹے عبداللہ کے متعلق معاویہ نے چاہا کہ امام کی رفاقت سے
علیحدہ کریں۔

۱:۔ انہیں عباس کے متعلق دوسرے مقام پر بقول حضرت علیؓ بیان کیا گیا ہے کہ میرے
بیت کے وہ لوگ جاتے رہے جن کی قوت کا خدا کے دین میں مجھے بھروسہ تھا۔ اب قریبی ماندہ
اہلبیت کے ذو خوار و ذلیل صرف عقیل و عباس رہ گئے ہیں (علامہ طبری)

اور شیعہ:۔ فضیلہ مادر عباس کنیز مادر زبیر یا ابو طالب و عبداللہ ابناءِ عبدالمطلب بود عبدالمطلب
و مقاربت کرد کہ عباس از آں بہم رسید۔ زبیر یا عبدالمطلب دعویٰ کرد و بہ پرخاش برآمد کہ ایں کنیز
از مادر ما بما میراث رسیدہ است۔ تو بے رخصت با و مقاربت کردی۔ ایں فرزند کہ بہم رسیدہ غلام
(اگلے صفحہ پر)

پس اس نے ابن عباسؓ کو درہم و دینار کی لالچ دی اور بیشتر نقد ان کے پاس بھیجا۔ اور نصف بوقت ملاقات دینے کو کہا۔ جب رات ہوئی تو ابن عباسؓ اپنے چند دربانوں کے ساتھ سوار ہو کر امام کی رفاقت چھوڑ کر معاویہؓ کی طرف چل دیئے صبح لوگ جماعت کے منتظر تھے۔ مگر ابن عباسؓ کو نہ پایا تو قیس ابن سعد نے امامت کی۔ جب امام نے اپنے خواص کا یہ حال دیکھا کہ وہ ایسی بے وفائیاں کرتے ہیں تو ان کی آنکھ کھلی اور خبر ہوئی کہ قوم کے سردار ہی ان کو رسوا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں (ازالۃ الغین از بحار الانوار جلد دہم)

حضرت امام نے اپنے لشکر کو آزمانا چاہا۔ مگر لشکر والوں نے یہ جان کر کہ امام معاویہؓ سے صلح کر لیں گے راستے میں غدر کر دیا۔ حتیٰ کہ ایک شخص آپ کا مصلےٰ لے کر بھاگ نکلا اور دوسرے نے آپ کی ران مبارک پر کلہاڑی ماری۔

ایک بار امام حسنؓ نے اپنے لشکر میں خطبہ دیا کہ میں مسلمانوں کی جمعیت کو پراگندگی سے بہتر جانتا ہوں۔ یہ سن کر وہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ان کو معاویہؓ سے صلح کرنی منظور ہے اور منصب خلافت معاویہؓ کے سپرد کرنا چاہتے ہیں پس سب نے یہ کہہ کر کہ "یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے"؟ بلوہ کر دیا۔ امام کا اسباب لوٹ لیا۔ امام کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لی۔ دوش مبارک سے چادر اتار لی۔ امام گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے اہل بیت اور قلیل تعداد شیعوں کو ہمراہ لے کر ساباط مدائن پہنچے۔ تو جراح بن سنان اسدی نے لگام پکڑ کر ران یا پہلو پر امام پر ایسا خنجر مارا کہ استخوان تک شگاف ہو گیا۔ اور اس شقی نے کہا کہ تم مثل پدر کافر ہو گئے ہو۔ (جلا العیون صـ۳۱۲)

امام حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کی پس شیعہ ان کی خدمت میں آئے اور بعض

نیہ است (حیات القلوب) امام زین العابدین کی زبانی بہ روایت بھی منقول ہے کہ من کان هذه اعمی فهو فی الاخرة اعمی عبد اللہ اور عباس کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

ان میں سے ملامت کرنے لگے (جلال العیون)

امام حسنؓ نے مدائن میں اپنے مقرر کردہ عامل سعد بن مسعودؓ کے ہاں جو مختار ثقفی کا چچا تھا قیام کیا۔ مختار[1] نے اپنے چچا سے کہا چلو ہم امام حسنؓ کو معاویہ کے سپرد کردیں شاید اس کے عوض میں ہمیں عراق کی حکومت مل جائے۔ (جلال العیون)

امیر معاویہؓ سے صلح کرنے پر شیعہ امام سے از حد ناراض ہو گئے (چنانچہ سفیان بن لیل شیعہ نے ان الفاظ میں سلام کیا السلام علیک اے ذلیل کنندہ مومناں (جلال العیون ص۳۲۲) عام شیعہ تو درکنار حضرت امام حسینؓ پکار اٹھے: لو جز انفی لکان احب الی مما فعلہ اخی (کشف الغمہ) یعنی جو کچھ میرے بھائی نے کیا اس سے اگر میری ناک کاٹ ڈالی جاتی تو بہتر تھی۔

کسی ایک شیعہ نے امام سے کہا کہ ہماری گردنوں کو آپ نے ذلیل کیا اور ہمیں بنو امیہ کا غلام بنا دیا۔ امام نے پوچھا کیسے؟ اس نے کہا خلافت آپ نے معاویہؓ کو دے دی۔ امام نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے کسی کو مددگار نہ پایا۔ اگر کوئی مددگار پاتا تو دن رات معاویہؓ سے جنگ کرتا۔ لیکن میں نے اہل کوفہ کو پہچانا آزمایا اور جان لیا کہ یہ لوگ ہمارے کام نہیں آئیں گے ان کی زبانیں میرے ہمراہ اور دل بنو امیہ کے ساتھ ہیں (جلاء العیون باب ۲ فصل ۶ ص۳۲۶)

سلیمان بن صرد خزاعی نے امام سے کہا ہمارا تعجب معاویہؓ سے صلح کرنے سے برطرف نہیں ہوتا حالانکہ چالیس ہزار مردان کارزار اہل کوفہ آپ کے ساتھ تھے کہ وہ آپ سے تنخواہ لیتے تھے۔ اور اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ اور اسی قدر ان کے فرزندان و اتباع آپ کے ہمراہ تھے بغیر ان لشکروں کے جو بصرہ اور حجاز میں رہتے تھے۔ با وجود اس کے آپ نے معاویہؓ سے پیمان محکم صلح نامہ میں نہ لیا اور اس کے اور آپ کے درمیان ایسے چند عہد ہوئے جن پر لوگ مطلع نہ ہوئے (جلاء العیون باب ۲ فصل ۶ ص۳۳۵)

---

[1] یہی مختار ثقفی شیعوں کی کتب میں امیر مختار رحمۃ اللہ علیہ ہے اس کے حالات اپنے مقام پر آئیں گے۔

بالآخر امام نے ان صدہا معترضین کے جواب میں ایک خطبہ میں فرمایا خدا کی قسم معاویہؓ میرے لئے بہتر ہے۔ اس جماعت سے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے شیعہ ہیں۔ حالانکہ انہیں شیعوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور مجھے غارت کیا (الیقا)

تبصرہ:

امام دوم اپنے شیعوں سے نالاں ہیں۔ ان کے شیعہ انہیں کافر تک کہنے سے گریز نہیں کرتے ان کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لیتے ہیں۔ ان کی ران پر کلہاڑا مارتے ہیں۔ ان کے پہلو میں برچھا سے وار کرتے۔ ان کے دوش مبارک سے چادر کھینچ لیتے ہیں۔ ان سے گھر بیٹھے تنخواہیں لیتے ہیں اور لڑائی سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ آخر امام ان کی حرکتوں سے تنگ آکر کوفہ چھوڑ کر مدائن چلے جاتے ہیں اور وہاں مختار کے ارادہ سے مطلع ہو کر مدینہ میں جاکر گوشہ نشین ہو جاتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ کہ منصوص حق امامت معاویہؓ کے سپرد کر دیتے ہیں۔

اب امام حسنؓ کی زندگی کے اس دور کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنیئے۔ کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کا موجب بنے گا۔ اور انہیں مقدس کلمات پر اہل سنت کا ایمان ہے۔ یہ کتنی سیدھی سادی اور سچی تصویر ہے حضرت امام حسنؓ کی اور اس وقت کے مسلمانوں کی۔ اس کے مقابلہ میں کیا شیعیت کی دنیا کا حسنؓ امام معصوم ہے یا ایک خاطی، گنہگار بلکہ کافر اور پھر شیعوں کے معصوم عن الخطا امام دوم کہتے ہیں معاویہؓ تمہاری نسبت میرے لیے بہتر ہے۔

حضرت حسنؓ کی زہر خورانی کا لغو قصہ

حضرت حسنؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق شیعوں کی تمام کتب اور اخاف کی اکثر کتب میں یہ واقعہ بڑی اندوہگین داستان کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ

معاویہ اور یزید نے آپ کی زوجہ بنت اشعث کے ذریعے آپ کو زہر دلوایا تھا باقی جھوٹی داستانوں اور من گھڑت روایتوں کی طرح اس داستان پر بھی وہ وہ حاشیہ آرائیاں کی گئیں ہیں کہ الامان۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ کسی نے یہ نہیں لکھا کہ یہ روایت چلی کہاں سے ہے۔ ایک بار ابو جعفر منصور نے محمد مہدی الحسنی کے خروج کو فرو کرنے کے بعد ایک مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ علیؓ خلیفہ ہوئے تو اس میں وہ خون سے لت پت ہو گئے ۔ ۔ ۔ پھر انہیں کے مددگار شیعوں نے ان پر یورش کی اور انہیں قتل کر دیا۔ ان کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ بنے مگر وہ اس میدان کے مرد ہی نہ تھے۔ انہیں روپیہ پیش کیا گیا تو وہ خلافت سے دستبردار ہو کر عورتوں سے تمتع کرنے میں مصروف ہو گئے (ماخوذ از طبری)

زہر خورانی کی داستان سراسر جھوٹ اور کذب ہے اور میرے خیال میں ابو جعفر منصور نے جس انداز سے حضرت حسنؓ کا ذکر کیا ہے اس سے بھی قلبی بغض اور عناد کی بو آتی ہے۔ اس کے بھائی نے مجمع عام میں یہ کہنے سے بھی گریز نہیں کیا تھا کہ خلافت ہمارا حق تھا سو ہم کو مل گیا۔ اور غاصبوں کو اللہ تعالےٰ نے رسوا کیا شیعوں نے سیدہ جعدہ پر اس لئے تہمت لگائی کہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی بھانجی تھیں۔ اور حنفیوں کے میلادیے اور مولودیے اس لئے اس من گھڑت روایت کو لے اڑے کہ وہ اکثر امورات اور نظریات میں شیعوں کے ہمنوا ہیں حضرت حسنؓ جیسا پر امن، صلح کل اور آرام طلب آدمی جس نے خود ہی سب کچھ معاویہؓ کے سپرد کر دیا تھا ایسے آدمی کو زہر دینے کی کسی کو کیا ضرورت تھی۔ حضرت حسنؓ البتہ عورتوں کی صحبت کے دلدادہ تھے۔ مدائنی کہتا ہے کہ آپ نے نوے نکاح کئے ابن سیرین نے ایک دفعہ بیان کیا کہ ایک خاتون سے نکاح کیا تو سو کنیزوں کے ذریعہ اسے روپیہ بھیجا اور ہر کنیز ایک ایک ہزار درہم یعنی ایک ایک لاکھ روپیہ لے کر گئی (تاریخ الخمیس ج ۲ صفحہ ۳۲۶)

حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح کے وقت یہ بھی وعدہ ہوا تھا کہ کوفہ کے

بیت المال کی تمام نقدی حضرت حسنؓ کو دے دی جائے۔ چنانچہ وہاں سے آپ کو
پانچ کروڑ نقد ملا۔ بیس لاکھ سالانہ وظیفہ تھا۔ یہ تمام کچھ خرچ کر دیتے بلکہ اکثر قرض
لیتے۔ (تاریخ الخمیس ۳۲۶)

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں خوب بے پر کی اڑائیاں ہیں۔ کہ حضرت حسنؓ نے
دو سو پچاس عورتوں سے نکاح کیا۔ پھر خود ہی دوسری جگہ تین سو لکھتا ہے اور یہ نکاح
حضرت علیؓ کی زندگی میں ہوئے۔ بعد کے متعلق کوئی علم نہیں۔ چنانچہ ایک بار حضرت
علیؓ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ حسنؓ بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ
ہماری لڑکیوں کا ایک رات ان کے گھر میں رہنا ہمارے لیے موجب شرف ہے
(ایضاً مطبوعہ تہران صفحہ ۳۰۱ سطر ۶ ۱۳۲۲ھ)

ملا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے جتنی عورتوں کو طلاقیں دی تھیں
وہ سب آپ کے جنازہ پر ننگے پیر روتی پیٹتی حاضر ہوئیں۔ ابن ابی الحدید نے ستر
نکاح اور پروفیسر حتی نے سو بیان کیے ہیں

آپ کی موت کے متعلق تاریخ الخمیس میں ہے کہ بیماری سے چالیس دن بستر
پر پڑے رہے (صفحہ ۴۲۶ ج ۲)۔ دینوری نے مدت علالت دو ماہ بیان کی ہے۔
ذیابیطس کا عارضہ تھا اور شہد کا شربت پینے سے بڑھ گیا۔

ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ ابو حنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ صاحب کتاب المحبر
متوفی ۲۴۵ھ نے زہر خورانی کا ذکر تک نہیں کیا۔ بلکہ ابن جریر طبری متوفی
۳۱۰ھ نے بے حساب موضوعات کو بڑے وثوق اور یقین سے بیان کیا ہے ان
نے بھی کہیں زہر خورانی کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

زہر خورانی سے متعلق سب سے پہلا الہام مسعودی متوفی ۳۴۶ھ کو ہوا
گویا چوتھی صدی ہجری کے ربع اول تک حضرت حسنؓ کی زہر خورانی کا تصور تک
کسی کے ذہن میں نہ تھا۔ امام ابو حنیفہ سے دو سو سال بعد بعض فقہا کو بعض مسائل
کے بارے میں الہام ہوتے اور انہوں نے جہاں کہیں بھی کوئی من گھڑت روایت لکھ

غدائی صیغہ لکھ کر سرخرو ہو گئے۔ مگر مسعودی نے زہر خورانی کی داستان وضع کرتے وقت بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن کسی کا نام نہ ل سکا تو مجبوراً لکھنا پڑا اور کہا جاتا ہے" کہ جعدہ نے معاویہ کے ایماء سے حضرت حسنؓ کو زہر دیا تھا۔

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا

حضرت حسینؓ اور ان کے شیعہ

سطور گذشتہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ امام حسنؓ نے فرمایا تھا کہ مجھے فریب دیا گیا ہے۔ جس طرح اپنے پہلے امام کو تم نے دغا دی۔ انہیں معلوم میرے بعد تم کس امام سے مقابلہ کرو گے۔ اب میدان کربلا میں امام حسنؓ کی یہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس وقت کے شیعوں کی تعداد پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

ایک دفعہ امام حسنؓ نے برسر منبر فرمایا کہ خدا کے دو شہر ہیں ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں۔ اور ہر ایک میں قلعہ آہنی ہے اور ہر شہر میں ہزار ہزار دروازے سے ستر ہزار آدمی داخل ہوتے ہیں اور ہر شہر میں ہزار لغت ہیں۔ کہ ہر طائفہ ایک دوسرے سے جدا زبان میں کلام کرتا ہے اور میں ان سب کی زبانیں جانتا ہوں۔ اور دونوں شہروں میں اور وہاں کے ساکنوں پر سوا میرے اور برادر حسینؓ کے کوئی دوسرا امام اور حجت نہیں (جلاء العیون باب ۳ فصل ۳ ناسخ التواریخ کتاب ۲ جلد ۲ صفحہ ۳۵۸، ۳۵۹)

جلاء العیون باب ۳ فصل ۱۲ صفحہ ۱۲۹ - فصل ۱۵ صفحہ ۱۹۸ وفصل ۱۷ صفحہ ۱۵۵ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان گنت انسان۔ افواج اجنہ حتیٰ کہ افواج ملائکہ بھی شیعہ تھے۔

کوفی کون تھے؟

اہل کوفہ کا سنی ہونا خلاف اصل اور محتاج بہ دلیل ہے (مجالس المومنین مجلس اول قاضی نور اللہ)

کوفی سب شیعہ تھے اور ان کی تعداد چھ لاکھ تھی (خلاصۃ المصائب ص۲۰)

امام حسینؓ کی اجازت سے حبیب بن مظاہر نے قبیلہ بنی اسد کے نوے آدمیوں کو نصرت امام کے لئے راضی کیا (جلاء العیون ص۳۵۸)

یزید بن مسعود نہشلی رئیس بصرہ نے ان کے ارشاد کے مطابق ان کی امداد کے لئے قبائل بنی سعد - بنی حنظلہ - بنی تمیم سے بیعت لی تھی (ایضا باب ۵ فصل ۱۳ ص۲۳۰)

کربلا میں امام حسینؓ کے مقابلہ پر شامی نہ تھے بلکہ کوفی تھے (تحقیق مرقع کربلا ص۴۲ خلاصۃ المصائب ص۲۰۱)

امام حسینؓ کا تحریری وصیت نامہ جو امام عابد کے نام تھا۔ ان کے تندرست ہونے پر انہیں فاطمہ دختر حسینؓ نے دیا۔ اس میں تحریر تھا کہ

"اے فرزند! جب تم قید سے چھوٹ کر مدینہ پہنچو تو ہماری طرف سے ہمارے دوستوں کو سلام کہنا۔ اور کہنا حسینؓ نے تم سبھوں کے لئے پیاسے گلا کٹوایا۔ ۔ ۔ شرط دوستی یہ ہے کہ جب تم آب سرد پیو تو اس وقت ہماری بیکسی اور تشنگی کو یاد کر کے رونا (خلاصۃ المصائب ص۱۶۳)

الغرض واقعہ کربلا کے وقت مدینہ سے کوفہ تک بلکہ مشرق و مغرب میں لاکھوں شیعہ موجود تھے نہ فرشتے اور جنوں کے لشکر بھی شیعہ تھے۔

شیعوں کی اپنی لکھی ہوئی تاریخیں ان کے عقائد کی طرح عجیب بھان متی کا سوانگ ہیں خود ہی کہتے ہیں کہ کوفی شیعہ تھے اور خود ہی ان پر کفر کے فتوے جڑتے ہیں۔ اور انہیں منافق، ملحد، خبیث، پلید، کتے اور خنزیر سے بھی ناپاک، ظالم، بدبخت، شقی، بد اصل۔ نانجیاں بد بخت کے القاب بخشتے ہیں

ابن زیاد۔ ابن سعد اور شمر بھی شیعہ تھے

ابن زیاد کے نام نہج البلاغہ میں جناب امیر کا ایک خط اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ اور جناب امیر کا ایک عامل تھا۔ ملا باقر مجلسی بھی اسے

شیعہ ہی بیان کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن زیاد کے حقیقی پھوپھا تھے اس لحاظ سے زیاد اور اس کا بیٹا عبیداللہ خباب ابیر اور حضرت امام کے رشتہ دار تھے چنانچہ حضرت مسلم کے شہزادگان کے سر جب قاتل نے عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پیش کئے تو وہ شہزادگان کے سر دیکھ کر تین مرتبہ تعظیماً اٹھا اور بیٹھا پھر قاتل کو کہا کر اگر تو انہیں زندہ لاتا تو میں تجھے بہت انعام دیتا۔ پھر اسے قتل کرا دیا (خلاصۃ المصائب ۱۸۲)

واقعہ کربلا کے بعد جب امام حسینؓ کا سر ابن زیاد کے سامنے پیش ہوا اور سنان بن انس نے کہا میرے ہمارکاب کو چاندی اور سونے سے بھر دے تو ابن زیاد نے اس کے قتل کا حکم دیا اور اس کی گردن ماری گئی (خلاصۃ المصائب ص۲۸۰) پھر اس نے تمام قافلہ بحفاظت دمشق بھیج دیا۔

ابن سعد ——— نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں زاد بھائی تھا اور امام حسینؓ کا قریبی رشتہ دار تھا۔

- جب ابن سعد سے مقابلہ امام فوج کی سرداری کے لئے کہا گیا تو اول اس نے انکار کیا۔ مگر بعد کو بطمع حکومت رے سرداری قبول کر لی۔ (ناسخ التواریخ ص۱۷۵)

- ابن سعد نے میدان کربلا میں امام کے پاس جانے کے لئے کثیر بن عبداللہ کو کہا وہ تیار ہو گیا۔ اور اس نے پوچھا کہ امام کے پاس صرف پیغام پہنچا دوں یا تیرے پاس ان کا سر بھی لاؤں۔ ابن سعد نے کہا کہ آخری بات مجھ کو منظور نہیں۔ تو صرف اس قدر پوچھ کر آ کہ آپ یہاں کیوں تشریف لائے (ناسخ التواریخ)

- کثیر بن عبداللہ کے ناکام واپس آنے پر ابن سعد نے قرۃ بن قیس کو بھیجا اس نے واپس آکر امام کا یہ پیغام سنایا کہ اہل کوفہ کے بلانے سے آیا ہوں۔ اگر میرا آنا اب منظور نہ ہو تو مجھے واپس جانے دو یہ سنکر ابن سعد نے کہا کہ امیدوار ہوں کہ خدا مجھے محاربہ و مقاتلہ امام حسینؓ سے نجات دے (ناسخ التواریخ)

- ابن سعد امام حسینؓ کی خدمت میں رات کو حاضر ہوتا۔ اور خاطر مدارات کرتا تھا۔ ابن زیاد کے پاس اس کی شہادت پہنچی تو اُس نے ابن سعد کو یہ تہدید آمیز خط لکھا کہ اگر تجھ سے یہ کام انجام نہ ہو تو فوج کی سرداری شمر کے سپرد کر دے۔ ابن سعد نے شمر سے کہا خدا تجھے بدترین جزا دے۔ تو نے صلح نہ ہونے دی (جلال العیون ص۲۶۰)
- حسن مثنےٰ بن امام حسنؓ معرکہ کربلا میں سخت زخمی ہو گئے۔ اسماء بن خارجہ فرازی نے ابن سعد کی اجازت سے ان کا علاج کرایا۔

شمر :

جنگ صفین میں شمر جناب امیر کی طرف سے معاویہ کے خلاف لڑا۔ (ناسخ التواریخ اور جلال العیون)

شمر جناب امیر کا سالا اور برادرانِ حسین، جعفر، عباس اور عثمان کا ماموں تھا چنانچہ اُس نے عین معرکہ کے وقت خیمہ امام کے پاس آکر آواز دی کہ میرے فرزندانِ خواہر کہاں ہیں۔ یہ سنکر جعفر، عباس اور عثمان نے باہر آکر پوچھا کہ تو کیا کہتا ہے۔ شمر نے کہا چونکہ تمہاری ماں میرے قبیلہ سے تھی اس لئے میں نے تم کو امان دی (جلال العیون ص۱۴۱)

متعدد کتب شیعہ میں مذکور ہے کہ جب شمر نے اہل بیت پر قابو پایا تو کسی ایک کو بھی قتل نہ کیا۔ بلکہ سب کو زندہ کوفہ میں پہنچایا پھر دمشق میں پہنچایا۔

قاتلانِ حسینؓ تمام شیعہ تھے

تمام مردم بعد از قتل حسین مرتد شدند (مجالس المومنین مجلس پنجم ص۱۴۲) یعنی پہلے وہ شیعہ تھے اور قتلِ حسینؓ کے بعد مرتد ہو گئے (بہر حالتے تو شیعہ للمؤلف)

حقیقت یہ ہے کہ ابن زیاد، ابن سعد، شمر شیعہ نہیں تھے بلکہ صحیح العقیدہ مسلمان تھے یہ تمام خرافیات شیعوں کے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔

واقعۂ کربلا

حضرت علیؓ نے واقعہ صفین اور نہروان کے مقام پر خوارج کی بیخ کنی کے بعد عالم اسلام کو ایک لوائے کے نیچے جمع کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ مگر آپ کو ۴۰ھ میں شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ خود ہی خلافت سے معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ گویا ۴۱ھ میں خلافت خاندان بنو امیہ میں منتقل ہو گئی۔

۵۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ کے مشورہ سے یزید کی ولی عہدی کا اعلان ہوا۔ چونکہ معاویہؓ نہایت زیرک اور ہوشمند انسان تھے اس لئے جن اصحاب نے یزید کی ولی عہدی کو پسند نہ کیا ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے رہے۔ مرتے وقت یزید کو نصیحت کی کہ دیکھ خلافت کا معاملہ سب سے اہم ہے جس میں حضرت حسینؓ، عبداللہ ابن زبیر عبدالرحمٰن ابن ابی بکر، عبداللہ بن عمر کے سوا تیرا کوئی حریف مجھے نظر نہیں آتا۔

- ابن عمر خدا پرستانہ رجحان کے حامل ہیں۔ زہد و عبادت کے سوا انہیں کسی چیز سے واسطہ نہیں۔ ابن ابی بکر میں کوئی ذاتی حوصلہ نہیں۔ وہ وہی کریں گے جو انہیں ان کے رفقا کہیں گے۔
- عبداللہ ابن زبیر لومڑی کی طرح کاوے دیکر شیر کی طرح حملہ کرنے والے ہیں۔ اگر صلح کریں تو صلح کر لینا اور اگر جنگ کریں تو قابو پا کر زندہ نہ چھوڑنا
- حسینؓ ابن علیؓ کو عراق والے ضرور تیرے مقابلہ پر لا کر کھڑا کریں گے لیکن جب ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا چونکہ وہ بڑے حقدار، اور قرابتدار رسولؐ ہیں (طبری)

۶۰ھ میں یزید نے تخت خلافت پر بیٹھ کر ان لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ یزید کے حکم پر ولید گورنر مدینہ نے چاروں کو بیعت کے لئے بلایا۔ ولید صلح جویانہ مسلک کا آدمی تھا۔ معمولی بات چیت کے بعد اس نے انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مروان اس وقت ولید کے پاس بیٹھا ہوا تھا

اُس نے اُسے حضرت حسینؓ سے جبراً بیعت لینے کے لئے کہا مگر ولید نے اُسے جھاڑ پلا کر خاموش کر دیا۔ حضرت حسینؓ جب واپس آئے تو عجیب کشمکش میں مبتلا تھے۔ اس عرصہ میں عراقیوں کے خطوط آنے شروع ہو گئے تھے۔ آپ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا فضا سخت خراب ہے۔ نہ یزید کی بیعت کیجئے نہ کسی شہر کی طرف جانے کا ارادہ کیجئے بلکہ علی الاعلان اپنی خلافت کی دعوت دیجئے اگر جمہور مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اللہ کا شکر کیجئے۔ اگر کسی اور کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی تب بھی آپ کے فضائل میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔

اگر آپ نے کسی اور شہر کا رُخ کیا تو اس سے سخت اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ اور آپ کے شرف پر بھی اثر پڑے گا۔

آپ نے فرمایا! پھر میں کہاں جاؤں؟ مدینہ کی فضا تو تنگ ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا فی الحال مکہ چلے جائیے۔ اور اگر وہاں سکون نہ مل سکا تو کبھی ریگستان یا پہاڑوں کی طرف نکل جائیے۔ اور برابر ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتے رہیئے جب تک کہ ملک کوئی فیصلہ نہ کر لے

آپ شعبان ۶۰ھ میں مدینہ سے نکلے۔ عبد اللہ بن مطیع ملے اور کہنے لگے آپ گھر سے تو نکل کھڑے ہوئے ہیں لیکن خدارا کہیں کوفہ کا ارادہ نہ کیجئے۔ آپ یہیں بیٹھ کر اپنی خلافت کی دعوت دیجئے۔ آپ کی موجودگی میں کوئی حجازی کسی دوسرے کی خلافت کو تسلیم نہیں کرے گا۔

آپ مکہ پہنچے تو کوفیوں کے وفود اور خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ آپ نے دریافت حالات کے لئے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ مسلم کے پہنچتے ہی اٹھارہ ہزار افراد نے پہلی مجلس میں ہی بیعت کر لی۔ حضرت مسلم نے حالات سے مطلع کیا۔ تو آپ نے کوفہ جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ۹ ذی الحجہ کو مکہ سے چلے اور ۹ محرم کو کربلا میں پہنچے۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مکہ سے کربلا کا فاصلہ کسی صورت میں تیس منزل

سے کم نہیں مصنف خلافت معاویہ و یزید نے منازل کے نام بھی گنوائے ہیں۔ طبری مختلف روایتیں بیان کرتا ہے۔ کبھی کربلا، کبھی نینوا، کبھی محرم لکھتا ہے کبھی صفر۔ ناسخ التواریخ میں ۶۰ھ بھی ہے اور ۶۱ھ بھی۔ دنوں کا بھی اختلاف ہے عاشورہ کا دن شنبہ تھا یا دوشنبہ۔ غرضیکہ شیعہ آج تک صحیح سال، صحیح مہینہ اور صحیح دن پر بھی متفق نہیں پھر ان کی بیان کردہ جزئیات کے متعلق کیا کیا جائے۔

بالغرض یزید کو حضرت مسلم کے کوفہ پہنچنے کی اطلاع ملی تو اس نے عبداللہ ابن زیاد کو کوفہ کا عامل بنا کر روانہ کیا۔ ابن زیاد چند سواروں کو لے کر منہ پر نقاب ڈالے کوفہ میں وارد ہوا۔ کوفیوں نے سمجھا حسینؓ آ گئے ہیں۔ ابن زیاد بڑا ہوشیار تھا وہ سیدھا دارالامارت پہنچا اور نعمان بن بشیر کو معزول کر کے اپنی امارت کا اعلان کیا۔ پھر مسجد میں پہنچ کر ایک پرزور تقریر کی۔ کوفیوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ اس زمانہ میں کوفہ کی آبادی ۶ لاکھ تھی مگر نامعلوم ان لوگوں کا خمیر کس مٹی سے تھا سب دم بخود رہ گئے حضرت مسلم جن کے ہاتھ پر ہزاروں نے بیعت کی تھی ان کے ہاں اب انہیں جائے پناہ ملتی تھی بمشکل ہانی کے گھر میں پناہ ملی۔ معقل کی سراغرسانی سے بہر حال عظیم شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو گیا۔ اور آپ کے دو بچے اور ہانی بھی شہید ہو گئے۔

حضرت حسینؓ نے ذی الحجہ ۶۰ھ میں حج سے ایک دن پہلے مکہ چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ مکہ کے لوگ جوق در جوق آپ کو روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ آپ حجاز میں رہ کر ہی خلافت کی کوشش کیجئے یہاں ہر شخص آپ کا ہمدرد اور خیر خواہ ہے۔

عبداللہ بن عباس نے کہا آپ خدا کے لئے فریب کار عراقیوں کے بھرّے میں نہ آئیے۔ اگر آپ یہاں سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن کی طرف نکل جائیے۔ گورنر مکہ نے روکنے کی کوشش کی مگر آپ نے کسی کے مشورہ پر عمل نہ کیا۔ اور بھی کئی جلیل القدر صحابہ نے روکنا چاہا مگر آپ آگے ہی بڑھتے رہے۔

گورنر کے خط کا تذکرہ کسی اور جگہ ہو چکا ہے۔ بہر حال تمام کوششوں کے

باوجود آپ آگے ہی بڑھتے رہے۔

راستہ میں عمرو بن سعد اور محمد بن الشعث کا پیغام ملا کہ مسلم شہید کر دیے گئے ہیں۔ آپ واپس چلے جائیں۔

زبالہ کے مقام پر آپ نے صورت حال سے اپنے ساتھیوں کو مطلع کیا۔ تو آپ کے ساتھ صرف اپنے خاندان والے اور چند کوفی رہ گئے باقی واپس چلے گئے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے بھی واپسی کا ارادہ کر لیا تھا مگر مسلم کے گھرانہ کے لوگوں نے کہا کہ ہم جب تک مسلم کا قصاص نہ لیں گے واپس نہ لوٹیں گے۔

آپ ۹ محرم شام کو میدان کربلا میں پہنچے اور ۱۰ محرم کو یہ واقعہ پیش آیا۔ مشہور شیعہ عالم مصنف مجاہد اعظم لکھتا ہے کہ واقعات مثلاً تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا۔ فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا۔ زینب کے صاحبزادوں کا نو نو برس کا ہونا فاطمہ کبریٰ کا عقد قاسم کے ساتھ ہونا۔ شمر کا سینہ مبارک پر بیٹھ کر سر جدا کرنا۔ بنی زادیوں کی چادریں چھین لینا سکینہ کی عمر تین سال کا ہونا وغیرہ بیسیوں واقعات کہ یہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ بعض ان میں سے غلط بعض مشکوک بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔ صفحہ ۱

یہ ایک سیدھا سادا سا تاریخی واقعہ تھا۔ بعض مورخ کچھ اس قسم کی عبارتوں کی حاشیہ آرائی بھی کرتے ہیں کہ راستہ میں جب حضرت مسلم کی شہادت کی اطلاع ملی یا عبداللہ بن مطیع نے روکا تو آپ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ اب اللہ کی رضا پوری ہو کر رہے گی۔

آپ کی شہادت کی کوئی صورت بھی پیش کیجیے ——— بس واقعہ اس قدر ہی ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ اس وقت اموی حکومت کے خلاف آپ خروج کر چکے تھے۔ یا حضرت مسلم کی شہادت نہ ہونے کی صورت میں کوفہ پہنچ کر خروج کرتے

یہ بات یقیناً مسلمات سے ہے کہ اُس دَور میں جبکہ سوائے شام کے تمام اسلامی ممالک میں ہر طرف بدامنی، بے چینی، گھبراہٹ، پریشانی، خوف و ہراس اور بے اطمینانی کا دیو استبداد اپنے مضبوط پنجے گاڑ چکا تھا۔ آپ ضرور چاہتے تھے کہ اس بے چینی کو دور کرنے کے لئے خروج کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر یزید کی مفروضہ بداعمالیاں بھی آپ کے پیش نظر تھیں، مگر یزید آپ کو شہید نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر جنگ صفین کی طرح جیسے معاویہؓ اور علیؓ آمنے سامنے تھے یزید اور حسینؓ آمنے سامنے ہوتے اور آپ کو شکست ملتی تو یزید یقیناً آپ سے وہی سلوک کرتا جو ایک بھائی دوسرے بھائی سے کرتا ہے کیونکہ حضرت حسینؓ کے ساتھی آپ کے خلاف کی تائید کرکے جنگ کی طرح نہ ڈالتے اور یہ حادثہ

چند تنقیحات:

یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ کیا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔

۲۔ کیا حضرت حسینؓ کے خروج کے وقت امہات المؤمنین، صحابہ کرام یا ان کے قریبی رشتہ داروں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔

۳۔ کیا حضرت حسینؓ نے یزید کی سالاری میں قسطنطنیہ کے جہاد میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔

۴۔ کیا شہادت حسینؓ کے بعد ان کے بقیۃ السیف افراد کو امان دی گئی تھی یا انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔

۵۔ کیا حضرت علیؓ (زین العابدین) یا دیگران افراد سے جو کربلا میں بچ گئے تھے کوئی روایت ملتی ہے یا آج کل جو کچھ رطب و یابس کتابوں میں ملتا ہے یہ سب یاران طریقت کی حاشیہ آرائی یا ایجاد بندہ ہے

۶۔ کیا واقعی اُس وقت خروج کی ضرورت تھی؟

۷۔ کیا کربلا کے واقعات جو آج کتب شیعہ میں ملتے ہیں درست ہیں اور کیا کوئی شیعہ وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ ۱۰ محرم کو شہید ہوئے تھے۔

(۱) ۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں نے معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ کوفیوں نے جب حضرت حسینؓ کو خط بھیجا جسے متعدد مورخین نقل کیا ہے۔ اور آپ نے جواب دیا کہ جب تک معاویہ زندہ ہیں تم اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو۔ ہم نے ان کی بیعت کر لی ہے جسے کا موقع نہیں۔ ہاں اگر ان کی موت کا واقع پیش آیا تو اس وقت دیکھا جائے گا۔ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیر معاویہؓ کی زندگی میں یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ حضرت معاویہؓ مریں تو ہم خروج کریں یہ امر شیعہ مسلمات میں سے ہے کہ کوئی امام کسی غیر امام کا حکم ماننے کی صورت میں معصوم نہیں رہ سکتا۔

یزید بقول ان کے فاسق، فاجر بلکہ کافر ہے اور ان لوگوں نے یزید کو بدنام کرنے میں اس حد تک تحریر و تقریر کے ذریعہ کام لیا کہ اہلسنت کے ایک فرقہ احناف نے یزید کی تکفیر پر اپنی کتب فقہ میں ایک الگ باب باندھنے سے بھی گریز نہ کیا اور موافقت (میں کم) اور مخالفت (میں زیادہ) میں صفحے کے صفحے سیاہ کرتے چلے گئے۔ ہمارے پاس یزید کے کفر و ایمان کے ماپنے کو کوئی آلہ نہیں۔ ہم اسی قدر جانتے ہیں کہ شیعوں کے ایک غالی مؤلف نے اپنی مشہور تصنیف الامامت والسیاست میں لکھا ہے کہ معاویہ حجاز آئے انہوں نے بھرے مجمع میں اہل مدینہ کو بتایا کہ تمامی دیار و امصار میں لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔

اے اہل مدینہ! میں نے جب یزید کی ولی عہدی کا قصد اور پختہ ارادہ کر لیا۔ تو کسی قریہ اور جھونپڑی کو بھی نہ چھوڑا۔ جہاں بیعت کے لئے وفد نہ بھیجا

چنانچہ سب ہی لوگوں نے بیعت کرلی (ج ۲ ص ۱۹۸)

گویا شیعہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ معاویہ نے تمام دیار و امصار میں لوگوں سے یزید کی بیعت لی۔ اور معاویہ نے مجمع عام میں یزید کی ولی عہدی کا اعلان کیا اس وقت کوئی علوی اس مجمع میں موجود نہ تھا۔ جو معاویہ کو کہتا کہ تم غلط کہتے ہو۔ اور حسین رض نے خود کیوں نہ کہا کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔

اس موقعہ پر ہمیں صرف عبداللہ بن عمر رض کی زبان کے اس قسم کے لفظ تاریخ کی کتابوں میں نظر آتے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام میں قیصر کے مرنے پر قیصر اور کسریٰ کے مرنے پر کسریٰ کا وجود نظر نہیں آتا۔ مگر ان لفظوں کے باوجود ابن عمر رض نے اپنے آپ کو کبھی بحیثیت مدعی خلافت پیش نہیں کیا وہ گوشہ نشینی کی عابدانہ زندگی گذار کر واصل بحق ہو گئے

حضرت حسین رض کو سفر کوفہ سے روکنے والوں میں متعدد اجل صحابہ کرام کے نام ملتے ہیں۔ حتیٰ کہ عمر بن علی رض اور محمد بن علی سگے بھائیوں نے روکا اور محمد بن علی رض نے یزید کا ساتھ دیا۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن جعفر طیار رض نے بھی روکا۔ مگر جب حضرت حسین رض نہ رکے تو عبداللہ بن جعفر نے اپنے بیٹے علی الزینبی کو حضرت حسین رض کے ساتھ جانے سے روکا۔ اور اپنی زوجہ زینب بنت علی رض کو بھی روکنے کی کوشش کی۔ مگر جب وہ نہ رکیں تو انہیں طلاق دے دی۔ بعد میں ان کی ہمشیرہ ام کلثوم سے نکاح کیا۔ جو حضرت عمر رض کی شہادت کے بعد بیوہ ہو چکی تھیں۔

حضرت عمر رض سے ان کے ہاں زید پیدا ہوئے۔ عبداللہ کے مرنے کے بعد ام کلثوم کا نکاح عون بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا تھا۔ عون کے مرنے کے بعد محمد بن جعفر سے اور محمد بن جعفر کے مرنے کے بعد ان عبداللہ سے نکاح ہوا تھا۔ عون اور محمد زینب کے بطن سے نہیں بلکہ ام کلثوم کے بطن سے تھے۔ اور داستان میں رنگ بھرنے کے لئے انہیں زینب کے بیٹے بنا دیا

زینب کا بیٹا علی الزینبی تھا جسے باپ نے روک لیا تھا۔ اور عون اور محمد عبداللہ بن جعفر بھائی لا بجاز زینب کے دیور تھے جو اپنے بھائی عبداللہ یعنی زینب کے تاجدار کے موقف کے حامی تھے۔

(۳) حیرانی اس بات کی ہے کہ اہل التشیع کے ہاں تو یزید چونکہ قاتل حسینؓ ہے اس لئے وہ اسے کافر، فاسق یا فاجر جو چاہیں کہیں انہیں اس فعل سے کون روک سکتا ہے وہ تو سوائے تین صحابہ کرام کے باقی سب کو مرتد اور کافر کہنا اپنے دین کا ایک اصول سمجھتے ہیں۔ مگر وہ اہل سنت والجماعت جو علم و فضل کے مدعی ہوتے ہوئے جلسوں میں خطبوں میں مجلسوں میں غرضیکہ جہاں بھی یزید کا ذکر آئے اسے یزید پلید کہے بغیر نہیں پکارتے کیا ان کے علم و فضل نے انہیں یہی سکھایا ہے کہ نبی علیہ السلام کے ارشادات کے علی الرغم جو منہ میں آئے کہتے جائیں نہ خدا کا خوف نہ رسول اللہ کا لحاظ نہ انسانیت کا تقاضا اور نہ اخلاق کی کوئی حد۔

اس حدیث سے علم حدیث کا ایک معمولی طالب علم بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کہ نبی علیہ السلام ایک روز حضرت ام حرامؓ بنت ملحان کے گھر دوپہر کا کھانا تناول فرما کر قیلولہ فرما رہے تھے کہ یکایک حضورؐ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ حضرت ام حرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کے مسکرانے کا کیا سبب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خواب میں میری امت کے کچھ ایسے لوگ دکھائے گئے ہیں جو سمندر میں جہاز پر سوار تھے۔ اور ان کی شان بادشاہان مسند نشین کی سی تھی۔ وہ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھے حضرت ام حرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ مجھے بھی ان مجاہدین میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حرامؓ کے حق میں دعا فرمائی اور پھر سو گئے تھوڑی دیر بعد پھر بیدار ہوئے تو ہونٹوں پر تبسم تھا اور وہی خواب زبان پر تھا حضرت ام حرامؓ نے سابقہ دعا کے لئے پھر درخواست کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم بھی اسی جماعت کے ساتھ ہو۔ حضرت ام حرامؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ لفظ فرمائے تھے۔

اوّل جیش من اُمتی یغزون البحر قد اوجبوا

"یعنی میری اُمت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اُس پر جنت واجب ہو گئی"

دوسری بار استراحت فرما ہونے کے بعد جو کلمات فرمائے وہ کتب احادیث میں اس طرح مرقوم ہیں۔

اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم

"یعنی میری اُمت کا وہ لشکر جو پہلی بار قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا ان کے لئے مغفرت کی بشارت ہے"

اسی طرح حضور نبی کریم کے یہ کلمات مبارک بھی کتب احادیث میں مذکور ہیں

لتفتحن القسطنطنیۃ ولنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا۔

"یعنی قسطنطنیہ فتح کرنے والے لشکر کا امیر کیسا بہترین امیر اور اُس کے لشکری کیسے بہترین لشکری ہیں"

ان ہر سہ بشارت ہائے عظیمہ کی بنا پر صحابہ کرام بحری غزوات کے لئے بیقرار رہتے تھے۔ پہلا غزوہ جس کے لئے جنت کی بشارت فرمائی گئی تھی وہ ۲۸ ہجری میں سیدنا ذوالنورین کی خلافت کے زمانہ میں امیر معاویہؓ کی سرکردگی میں سرانجام ہوا۔ اس جہاد میں شامل ہونے والے تمام مجاہدین کے لئے وجوب جنت کی بشارت واضح اور صاف ہے۔ ام حرامؓ کی شہادت اسی غزوہ میں گھوڑے سے گر کر ہوئی۔

دوسرا غزوہ جو باختلاف روایت ۵۰ یا ۵۱ھ میں ہوا۔ بلا اختلاف امیر یزید کی سالاری میں ہوا۔ اس غزوہ میں شامل ہونے والوں کے لئے مغفرت کی بشارت ہے

تیسری بشارت فتح قسطنطنیہ کے متعلق ہے اس لشکر میں شامل ہونے والوں کے لئے فرمایا گیا کہ وہ کیا اچھے لوگ ہیں اور ان کا امیر کتنا اچھا۔ یہ غزوہ سب جانتے ہیں کہ قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح عثمانی کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا۔

ان سطور میں ذرا تفصیل سے دوسری بشارت کو پیش کرنا مطلوب ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خواب تقریباً سب کتب احادیث میں موجود ہیں

۱۔ صحیح بخاری ۱: ۳۹۱، ۳۹۲ باب الدعا بالجہاد والشہادۃ للرجال

۲۔ صحیح بخاری ۱: ۳۹۲ باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ فمات فہو منہم

۳۔ صحیح بخاری ۱: ۴۰۳ باب غزوۃ المراۃ فی البحر

۴۔ صحیح بخاری ۱: ۴۰۹، ۴۱۰ باب ما قیل فی قتال الروم

۵۔ صحیح بخاری ۲: ۹۲۹، ۹۳۰

۶۔ صحیح مسلم۔ کتاب الامارت ۳: ۱۹ جزو ۶ طبع مصر

۷۔ موطا امام مالک کتاب الجہاد باب الرغیب فی الجہاد ۱: ۳۰۹، ۳۰۸

۸۔ جامع ترمذی کتاب الجہاد فی غزوۃ البحر ۱: ۱۹۸ مطبع مجتبائی

۹۔ سنن ابو داؤد، جزو ثالث باب فضل الغزو فی البحر طبع مصر

۱۰۔ سنن ابن ماجہ ترجمہ اردو وحید الزمان باب الجہاد کے بیان میں حدیث نمبر ۲۷۸۸

۱۱۔ رحمۃ اللعالمین۔ مصنفہ محمد سلیمان منصور پوری ۲: ۱۸۶ عنوان جہاد بحری کی اطلاع بحوالہ بخاری و مسلم بروایت حضرت انسؓ۔

یہ حدیث تمام آئمہ فن اور آئمہ حدیث اور اسماء الرجال کے نزدیک حسن صحیح ہے

تاریخی طور پر اس لشکر میں امیر یزید کی سرداری میں جہاد کرنے والے کون تھے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابو ایوب انصاری، حسین ابن علی، عبداللہ بن زبیر جیسی عظیم الشان ہستیاں شامل تھیں۔

اس غزوہ میں حضرت ابو ایوب انصاری لیا رضہ پیچش مبتلا ہو کر واصل بحق ہوگئے

آپ نے آخری وقت وصیت فرمائی کہ مجھے کفار کے علاقہ میں جتنی دور لے جا سکو وہاں دفن کرنا امیر یزید نے رات کے اندھیرے میں قسطنطنیہ کے قلعے کی دیوار کے نیچے جا کر دفن کیا۔ صبح جب عیسائیوں نے دیوار کے نیچے ایک تازہ قبر دیکھی تو کہنے لگے ہم اس قبر کو مٹا دیں گے۔ اس پر امیر یزید نے غیرت ایمانی سے قیصر کو للکارتے ہوئے کہا کہ

"اے قسطنطنیہ والو! یہ ابو ایوب رضؓ انصاری ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ایک ہیں۔ اور تم دیکھ رہے ہو ہم نے جہاں انہیں دفن کیا ہے۔ قسم ہے رب ذو الجلال کی اگر تم نے ان کی قبر سے کچھ بھی تعرض کیا تو ارض اسلام کے ہر کنیسہ کو گرا دوں گا پھر سرزمین عرب میں ناقوس کبھی نہ بج سکے گا۔"

امیر یزیدؒ کے یہ الفاظ بلا اختلاف الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۱۳۸، عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ پر موجود ہیں۔ اور ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سنیئے اور سنبھل کر بیٹھیے اور غور کیجیے کہ بعینہٖ یہی الفاظ مشہور شیعہ مورخ میرزا محمد تقی سپہر کاشانی نے اپنی مشہور تصنیف ناسخ التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ پر مرقوم کیے ہیں۔ وہ حنفی یا شیعہ جو ہر طرف سے فرار کی راہیں بند پا کر کہتے ہیں کہ یزیدؒ اس لشکر میں موجود تھا مگر سالارِ فوج نہ تھا وہ ان لفظوں پر غور کریں جو امیر یزیدؒ نے فرمائے تھے کہ ارضِ اسلام کے ہر کنیسہ کو گرا دوں گا۔

کیا پورے لشکر کی موجودگی اور سالارِ لشکر کی موجودگی میں ایسے لفظ کوئی معمولی سپاہی یا عہدہ دار کہہ سکتا ہے یا ان لفظوں میں ایک سالارِ لشکر کا طنطنہ اور دبدبہ کار فرما ہے اس لشکر کو امیر یزیدؒ نے مختلف دستوں میں تقسیم کر کے ہر دستے کا الگ سردار مقرر کر دیا تھا۔ مصری دستۂ فوج کے قائد عقبہ بن عامر جہنی رضؓ ایک دستہ کے امیر فضالہ بن عبید رضؓ ایک دستہ کے امیر عبد اللہ بن خالدؓ سیف اللہ تھے۔ مگر جلیل القدر صحابہ عام لشکریوں کی حالت میں شامل تھے جن میں حسین رضؓ بن علی تھے۔ نو ماہ یہ لشکر دمشق سے باہر رہا اور اتنا طویل عرصہ یہ سب بزرگ امیر یزیدؒ کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے۔

مزید تفصیل کے لئے مشہور شیعہ مورخ سید امیر علی کی مشہور تصنیف ہسٹری آف سیریز صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ لندن ۱۹۵۱ء
مشہور شیعی مورخ ابن جریر طبری کی تاریخ الامم والملوک جلد ۱۲ صفحہ ۱۳ کتاب الذیل من الذیل فی اصول الصحابہ والتابعین صفحہ ۲ مطبوعہ مصر نیز ایک اور مشہور شیعی مورخ

مسعودی کی تالیف التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۔

مشہور شیعی مؤلف محرم نامہ نے اپنی اس تصنیف میں صفحہ ۱۱۶ پر اور ابوالعلیٰ شاہ محمد کبیر شاہ دانا پوری مشہور شیعہ مؤلف نے تذکرۃ الکرام طبع لکھنؤ کے صفحہ ۲۷۶ پر بڑی تفصیل سے جہاد قسطنطنیہ کے واقعات لکھے ہیں اور امیر یزید کی سپہ سالاری کو تسلیم کیا ہے۔ ان شیعہ مورخین اور مصنفوں کے علاوہ مشہور عیسائی مصنفین میں سے پروفیسر ہٹی نے تاریخ عرب میں ایڈورڈ گبن نے تاریخ عروج و زوال روما کے صفحہ ۲۸۶ پر بزنطین ایمپائر کے صفحہ ۷۲ پر اور ہیر ولڈ ولیم کی تاریخ میں امیر یزید کی سپہ سالاری کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اب رہ گیا بعض اصحاب کا یہ اعتراض کہ یزید اُس وقت مسلمان تھا بعد میں مرتد ہو گیا۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ ہیں "مَغْفُورٌ لَهُمْ" یعنی وہ سب بخشے گئے ہیں۔ ان الفاظ کا واضح مقصد یہ ہے کہ اس لشکر میں شامل ہونے کی سعادت ہی اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب کو عنایت فرمائی جو علم الہٰی میں مغفور لہم کا مصداق تھے ورنہ نعوذ باللہ من ذالک یہ کہنے والا کہ یزید بعد میں مرتد ہو گیا تھا بلاواسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی بشارت کا منکر ہے جو منزلہ وحی کے تھی۔ گویا اس لشکر کے ہر فرد کا مغفرت یافتہ ہونا شروط ہے اس حکم کے ساتھ کہ اس میں شامل ہی وہی ہوگا جو مغفرت یافتہ ہے۔

مشہور اسلامی مورخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی امیر یزید کے متعلق گو ان کے سپہ سالار اعظم ہونے کے قائل نہیں مگر ایک دستہ فوج کی سرداری کے قائل ہیں۔ بہر حال حدیث مغفور کی روشنی میں امیر یزید کا اس لشکر میں شامل ہونا تاریخی حد تک صحیح ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مشہور تھی اور سب کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پہلا لشکر میری اُمت کا جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا وہ مغفرت یافتہ ہے"۔

ابتدا صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن زبیرؓ

عبداللہ بن عباسؓ حسینؓ بن علیؓ ابوایوب انصاریؓ وغیرہم وعدۂ مغفرت کے شوق میں آکر شریک لشکر ہوئے۔ ایک عظیم الشان لشکر مرتب ہوگیا تو سفیان بن عوف کی سپہ سالاری میں قسطنطنیہ کی جانب روانہ کیا۔ سفیان کی سپہ سالاری میں اپنے بیٹے یزید کو بھی جو طائف فوج کا افسر تھا ایک حصہ فوج کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا (تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۳۷) اکبر شاہ خان بھی بہر حال امیر یزید کی شمولیت بلکہ ایک دستہ کی سرداری کے قائل ہیں۔

۵:- میدانِ کربلا میں صرف وہی افراد شہید ہوئے۔ جنہوں نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا۔ جنہوں نے کسی قسم کا حصہ نہ لیا وہ بالکل مامون و محفوظ رہے یارانِ طریقت تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب شمر امام زین العابدینؒ کو قتل کرنے لگا تو زینب تڑپ اٹھیں اور کہنے لگیں کیا تو خاندانِ نبوت کا خاتمہ ہی کرنا چاہتا ہے۔ ان بھلے لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم ایک غلط روایت گھڑنے کے لیے یہ کہتے ہوئے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ حضرت حسینؓ کی بہن چلّا کر ایک حملہ آور سے الجھ جائیں۔ اور پھر حملہ آور بھی وہ جو ان کے نزدیک دنیا کا ذلیل ترین انسان ہو۔ اُسے کس چیز نے (حضرت عابد) کے قتل سے روکا۔ حقیقت میں بات اسی قدر ہے جو بیان کی جا چکی ہے کہ جو تلوار لے کر نکلتا رہا وہ شہید ہوجاتا رہا اور جو خیموں میں موجود رہے انہیں بالکل نہیں چھیڑا گیا۔

حضرت علی (زین العابدین) کے بیٹے محمد باقر کی عمر اس وقت اڑھائی سال تھی۔ اور ان کا دوسرا بیٹا بھی موجود تھا۔ حضرت حسنؓ مثنے جو حضرت حسینؓ کے داماد تھے معہ اپنے متعدد عزیزوں کے صحیح سلامت واپس پہنچے اور عرصہ دراز تک زندہ رہے۔

سخت حیرانی کی بات ہے کہ کسی شیعہ یا غالی حنفی کی کسی کتاب میں ان بقیۃ السلف بزرگوں سے ایک روایت بھی نہیں ملتی۔ جاتے غور ہے کہ اگر موقع پر موجود ہی کچھ بیان نہ کریں تو دوسرے تیسرے نے کہاں سے سنا۔ ان کے علاوہ جعفر

عباسؓ۔ عثمانؓ پسران علیؓ بھی کربلا سے زندہ واپس لوٹے۔

(۶) اگر اس وقت فی الواقع خروج کی ضرورت تھی تو حضرت حسینؓ اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی ہزاروں کی تعداد میں موجود جماعت اور دیگر مسلمانانِ عالم کے متعلق کیا کہا جائے گا جنہوں نے خاموشی سے یزید کو خلیفۃ المومنین تسلیم کر لیا۔ اور وہ لاکھوں شیعہ کہاں چلے گئے جن کا معتبر شیعہ کتب میں ذکر ملتا ہے۔

(۷) آج کل واقعہ کربلا کے متعلق جو کچھ سننے میں آ رہا ہے یہ سب کچھ زمانہ حال کے ایک بہت بڑے شیعہ مؤلف کی کتاب "مجاہد اعظم" میں دیکھیے۔

عام کتابوں سے قطع نظر کر کے فریقین کی وہ مستند کتابیں جو تاریخ کی جان سمجھی جاتی ہیں اس قدر مختلف البیان ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں اگر دو مستند سے مستند کتابوں کو بھی سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو تمام واقعات کی تحریریں اول سے آخر تک متفق اللفظ نہیں (ص ۱۲۲)

پھر خود ہی سوال کرتے ہیں کہ آخر اسلامی واقعات کے اس بڑے اور مہتم بالشان حادثہ کی نوعیت اس قدر ڈانواں ڈول اور سلسلہ روایات کے لا انتہا مختلف البیان ہونے کی وجہ کیا ہے پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ کسی کا کوئی چشم دید واقعہ بیان نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ صد ہا طبعزاد باتیں تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی (ص ۱۲۷) سب سے پہلے جس شخص نے اس واقعہ کو افسانوی رنگ دیا وہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی متوفی ۱۷۵ھ تھا (اگر وہ ۷۵ سال کی عمر میں مرا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کربلا کے واقعہ سے چالیس سال بعد پیدا ہوا) اسے آئمہ رجال نے متفقہ طور پر کذاب اور غیر ثقہ کہا ہے۔ ابو مخنف کے بارے میں مصنف مجاہد اعظم نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ واقعات سماعی لکھے ہیں۔

اس لحاظ سے ابو مخنف کی تصنیف مقتل میں جو کچھ لکھا ہوا ہے سراسر ایجاد بندہ ہے۔ اور پھر لطف یہ کہ مقتل کے بھی کئی نسخے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں۔ اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ ابو مخنف بھی ان کا جامع نہیں۔ بلکہ کسی اور نے بھی یہ واقعات قلمبند کئے ہیں۔
(مجاہد اعظم ص۱۷۷)

قصۂ شہربانو

ایک پُر فریب جعل، عظیم الشان جھوٹ اور کذب و افتراء سے بھرپور داستان

نامعلوم اس داستان کو کس نے جنم دیا؟ کس نے پروان چڑھایا اور ابتدائی طور پر کن لوگوں نے اسے شہرت دی۔
حسین کاظم زادہ نے بھی اس داستان سے اپنی "مایہ ناز تصنیف" کو زینت دیتے ہوئے خامہ فرسائی کی ہے کہ یزدگرد آخری ساسانی بادشاہ کی دختر شہربانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن الخطابؓ کے سامنے پیش ہوئی۔ انہوں نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ اُسے بھی بازار میں فروخت کئے جانے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ مانع ہوئے اور کہا کہ پادشاہزادگان و نجبا کو ننگے سر بازار میں لے جانا خلاف ادب ہے۔ بالآخر شہربانو حضرت حسینؓ فرزند علیؓ کے حصے میں آئی۔
اس داستان سرائی کے بعد مصنف لکھتا ہے کہ اسی سبب سے خاندان حضرت علیؓ ایرانیوں کی نظر میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا تھا (لاحول ولا قوۃ) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کی بنا پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص شمار ہوتا تھا۔ اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر تخت و تاج کیانی کا وارث ہو سکتا تھا۔ نیز اسی بنا پر علی زین العابدین جو امام حسینؓ کے فرزند ارجمند شہربانو کے بطن سے تھے فخر بیا لعرب و العجم کہلاتے تھے

کیونکہ باپ کی طرف سے ان کا سلسلہ نسب بزرگ ترین عرب یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ماں کی طرف سے روئے زمین کے نجیب ترین سلاطین یعنی عجم کے بادشاہوں پر منتہی ہوتا ہے۔

یہی داستان جب کربلا تک پہنچتی ہے تو اس پر مزید جو حاشیہ آرائیاں ہوتی ہیں وہ بھی حیران کن ہی نہیں بلکہ پریشان کن بھی ہیں۔ ایک صاحب فرماتے ہیں شہادت حسینؓ کے بعد ان کا گھوڑا خیمہ کے دروازہ پر آکر کھڑا ہوا اور حضرت شہربانو اس پر سوار ہوکر ایران کی طرف چل نکلیں۔ راستہ میں انہیں اپنا ... مل گیا جو حضرت حسینؓ کی مدد کے لئے آرہا تھا (اُسے شیعوں پر اطلاع دی ... کہ مدد کے لئے پہنچو) حضرت شہربانو کو ہمراہ لے کر واپس چلا گیا۔ ایک اور ... دیا کھیان کرتے ہیں کہ آپ دریائے فرات میں ڈوب کر مرگئیں گویا خودکشی کی موت مریں۔

میں سخت حیران ہوتا ہوں کہ شیعہ تو رہے درکنار احناف کا ایک ... خاصا سمجھدار طبقہ بھی اپنے مواعظ میں شہربانو کے حالات کو اس طرح بیان کرکے سامعین کو رُلاتا ہے گویا یہ بھی دین کا ایک اہم حصہ یا جزو ہے حالانکہ تاریخی نقطہ نظر سے شہربانو کا وجود محل نظر ہی نہیں بلکہ بالکل عنقا ہے۔ شہربانو نام کی کوئی بیوی حضرت حسینؓ کے حرم میں سرے سے تھی ہی نہیں چہ جائیکہ کہ وہ یزدگرد کی لڑکی ہو۔ درحقیقت یہودی تکنیک اور مجوسی عصبیت نے مل کر شیعیت کا جو ہیولیٰ کھڑا کیا اس میں نہایت چابکدستی سے اس قسم کی روایات کو سمویا کہ آج بڑے سے بڑا مورخ اور بڑے سے بڑا محقق بھی ... اور تسیح کی تمیز میں اپنے آپ کو معذور پاتا ہے۔

اب آیئے ذرا چند لمحات کے لئے ہم تاریخ ایران کا مطالعہ کرکے شہربانو کو تلاش کریں کہ یہ کون تھی کہاں سے آئی تھی۔ کس کی بیٹی تھی۔ یا سرے سے تھی ہی نہیں۔

شہریار کا بیٹا یزدگرد ۱۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی عمر اس وقت ۱۶ سال تھی (اخبار الطوال ص۱۲۵) گبن نے پندرہ سال لکھی ہے۔ یہی سال فاروق اعظم کی خلافت کا پہلا سال ہے ۱۵ھ میں اس کی عمر ۱۸ سال تھی قادسیہ کا معرکہ لڑا گیا۔ یزدگرد یہ سنتے ہی مدائن چھوڑ کر بھاگ نکلا اور حلوان پہنچ گیا۔
(ملخص فتوح البلدان بلاذری ص۲۷۱ اخبار الطوال ص۱۳۳)

اسلامی لشکر نے جب اُدھر کا رُخ کیا تو وہ مع اپنے اہل و عیال کے خاقان قم اور قاشان کو بھاگتا پھرا۔ آخر ۲۹ھ میں جب اس کی عمر ۳۲ سال تھی خراسان پہنچا اور ۳۱ھ بعہد خلافت عثمانی اس کا خاتمہ ہو گیا۔

غرضیکہ یزدگرد پر اسلامی لشکر نے کہیں بھی قابو نہیں پایا۔ پھر شہربانو کہاں گرفتار ہوئی اور کس نے گرفتار کی۔ اصل میں اس قصہ کا خالق زمخشری جیسا تاریخ سے ناواقف انسان ہے۔ ابن خلکان بھی زمخشری کے چکر میں آ گیا۔

زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری اور ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ اور لکھتے بھی کیسے جبکہ یزدگرد مع اہل و عیال آگے آگے بھاگتا رہا اور کسی مقام پر مسلمانوں کے قابو میں ہی نہیں آیا۔ اگر اس کے عیال میں سے کوئی گرفتار بھی ہوا ہوگا تو وہ زمانہ خلافت عثمانی کا ہے نہ کہ خلافت فاروقی کا۔

مگر مجوسیوں نے خود ایک وضعی داستان تصنیف کی اور ام سے حضرت علیؓ کے نام سے جہلا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے پھیلایا۔ تاکہ عوام حضرت علیؓ کے ہمنوا بن کر آپ کے نام کی آڑ میں اسلام دشمنی پر ہر معرکہ سر کرنے کے لئے تیار رہیں۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے پہلے سال یعنی ۱۳ھ یزدگرد کی عمر ۱۶ یا ۱۸ سال ہے۔ محرم ۱۴ھ میں قادسیہ کا معرکہ لڑا گیا اور اس کے بعد مسلمان آگے بڑھنے شروع ہوئے۔ مگر یزدگرد آگے آگے بھاگتا رہا۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں اس کے گھر لڑکی پیدا ہو کر کے جوان

کرنا اُسے گرفتار کر کے مدینے لانا اور حضرت حسینؓ کے نکاح میں دینا۔ یہ معجزہ شیعوں کا ہی کام ہے۔

وہ جسے اللہ نے بخش دیا مگر اُس کے بندوں نے نہیں بخشا

حضرت حسینؓ کے خروج کے وقت ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام زندہ موجود تھے۔ جن میں سے دو سو سے زائد کے نام اصابہ فی تمییز الصحابہ، البدایہ والنہایہ، جمہرۃ الانساب وغیرہ کتب میں ملتے ہیں۔ اور یہ وہ شخصیتیں تھیں جنہوں نے کسی نہ کسی وجہ سے تاریخ میں اپنا نام ثبت کرایا۔ یزید کی ولی عہدی کے وقت اُمہات المومنین میں سے اُم المومنین حضرت حفصہ متوفی ۵۴ھ اُم المومنین حضرت جویریہ متوفی ۵۶ھ حضرت عائشہ متوفی ۵۸ھ اور حضرت میمونہ متوفی ۶۱ھ زندہ موجود تھیں۔ ان کے علاوہ عشرہ مبشرہ میں سے سعد بن وقاص متوفی ۵۵ھ سعید بن زید متوفی ۵۱ھ اسامہ بن زید متوفی ۵۹ھ ابوہریرہؓ متوفی ۵۹ھ زندہ موجود تھے۔ اور وہ اصحاب جنہوں نے یزید کی سالاری میں قسطنطنیہ میں جہاد کیا ان کی تعداد کئی ہزار تھی۔ اس لشکر کی مغفرت کی بشارت رسول اللہ نے دی تھی۔ اور حضرت حسینؓ خود اس لشکر میں موجود تھے۔ پھر ۵۰ اور ۵۱ھ میں دو بار یزید نے امیر الحجاج بن کر تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو حج کرایا۔ اور تمام مسلمانان عالم نے متعدد نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں مگر آج شیعوں کے علاوہ احناف کا غالی اور بدعتی گروہ جو اکثر مشترکانہ عقائد ورسومات میں شیعوں کا طابق النعل بالنعل ہے یزید پر فتوے بازی کے معاملہ میں شیعوں سے پیچھے نہیں۔ ان کی ہر مجلس میں یزید اپنے ہم قافیہ پلید کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ صرف یزید کے معروضہ فسق و فجور، کفر و ارتداد، شراب و زنا نے انہیں اپنی کتب فقہ میں ایک باب کا اضافہ کرنے پہ مجبور کیا۔ شاید اس دینی خدمت کے بغیر ان کی نجات کی

راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ اور وہ اپنے تدین، پرہیزگاری، تقدس اور بزرگی کا ڈپلومہ حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے اگر یزید کے فسق و فجور کے تذکروں سے اپنی مجالس کو نہ گرماتے معلوم ہوتا ہے کہ دیانت، غیرت، حیا، صداقت، حق و باطل کی تمیز کی قسم کی کوئی چیز بھی ان لوگوں میں باقی نہ رہی۔ خود کفر و شرک کا ارتکاب کریں۔ ان کی اولادیں مادر پدر آزاد ہوں ان کی مجالس سے شیطان پناہ مانگے ان کے افعال و کردار سے انسانیت سر بگریباں ہو مگر کوئی پرواہ نہیں۔ انہیں اگر تکلیف ہے تو یزید کی بد کرداری کی۔ انہیں فکر ہے تو یزید کی بد اعمالی کی کیا کبھی ان لوگوں نے اس بات کی طرف بھی غور کیا ہے کہ یزید کی سالاری میں سند یافتہ بخشے ہوئے لوگوں نے جہاد کیا۔ دو سال حج کے دوران میں ہزاروں صحابہ نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان کی ولی عہدی کی بیعت بقول شیعہ اصحاب ہر ہر قریہ سے لی گئی اور جب وہ خلیفہ بنے تو اس وقت بھی ہزاروں صحابہ زندہ موجود تھے۔ مگر ہمیں مخالف یا موافق مورخوں کی کسی تاریخ میں سوائے حضرت حسینؓ کے خروج کے کسی کا نام نہیں ملتا۔ اور وہ بھی اس صورت میں کہ کسی ایک صحابی نے آپ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ چچا زاد بھائی اور بہنوئی بھی ساتھ چھوڑ گئے۔

اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لئے ذہن، عقل، فراست، بصیرت اور ایمان کی ضرورت ہے۔ مگر جب ہٹ دھرمی، ضد اور "میں نہ مانوں" کی پٹیاں قلب و نظر کی تمام طاقتوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیں تو ایسے افراد سے امید انصاف محض نادانی ہے۔

یزید کی خلافت کے وقت نامعلوم کس قدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے مگر تاریخ نے جن کے اسمائے گرامی کسی خاص شہرت کی وجہ سے محفوظ کر لئے وہ بھی سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔

یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

کس سنہ میں فوت ہوئے	اسمائے گرامی
سنہ ۶۰ھ میں	(۱) امیہ ضمیری۔
سنہ ۶۱ھ میں	(۲) حمزہ بن عمرو (۳) شیبہ بن عثمان (۴) صفوان بن المعطل۔
سنہ ۶۲ھ میں	(۵) سنن بن واقد (۶) عمر ابن اخطب (۷) مسلم بن مخلد خزرجی (۸) معبد بن یرموع (۹) محقل بن یسار۔
سنہ ۶۳ھ میں	(۱۰) ابوزمعہ (۱۱) عبداللہ قبطی (۱۲) جرید بن خویلد (۱۳) عبداللہ بن زید (۱۴) عقبہ بن نافع الفہری (۱۵) عمرو بن غیلان الثقفی (۱۶) مسلم بن مخلد انصاری (۱۷) الولید بن عقبہ
سنہ ۶۴ھ میں	(۱۸) شداد بن اوس (۱۹) ثابت بن ضحاک (۲۰) ابوامامہ (۲۱) ابوبشیر انصاری (۲۲) ابوسعید بن المعلی (۲۳) ابوفراس (۲۴) حارث بن نفیع (۲۵) حارثہ بن بدر (۲۶) نزل بن عمرو (۲۷) عبداللہ بن خالد (۲۸) مسعود ابن مخرم (۲۹) وہب بن عبداللہ
سنہ ۶۵ھ میں	(۳۰) عبیداللہ بن یزید بن حصین (۳۱) اسماء بن خارجہ (۳۲) عبداللہ بن سعد الوازی
سنہ ۶۶ھ میں	(۳۳) حارث بن عوف
سنہ ۶۷ھ میں	(۳۴) جنیدہ بن ابی امیہ
سنہ ۶۸ھ میں	(۳۵) خویلد (۳۶) زید بن ارقم (۳۷) ضحاک بن قیس (۳۸) عبداللہ بن عمرو بن العاص (۳۹) عبداللہ بن یزید الاوسی (۴۰) عبدالرحمان بن حاطب (۴۱) عدی بن حاتم۔
سنہ ۶۹ھ میں	(۴۲) فضالہ بن عبید (۴۳) جندب بن عبداللہ۔

کس سنہ میں فوت ہوئے	اسمائے گرامی
۷۰ھ میں	(۴۴) عبداللہ بن ابی حدرد (۴۵) علقمہ بن الاخطب (۴۶) حارث بن عمرو۔ متعہ کی حرمت کی حدیث کے راوی (۴۷) سعید بن حمران (۴۸) سفینہ مولا رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۴۹) عبداللہ بن معقل (۵۰) عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب۔
۷۱ھ میں	(۵۱) حضرت سائب (۵۲) عبداللہ بن سائب
۷۲ھ میں	(۵۳) حارث بن سوید (۵۴) زید بن خالد (۵۵) عبداللہ بن ابی حدرد (۵۶) عبداللہ بن حازم (۵۷) معبد بن خالد جہنی
۷۳ھ	(۵۸) اوس بن صبیح حضرمی (۵۹) نافع بن خدیج (۶۰) عبداللہ بن سعد انصاری (۶۱) عمیر بن ابو عیاض۔
۷۴ھ میں	(۶۲) سلم بن عمرو (۶۳) عبداللہ بن عمر (۶۴) الاسود بن یزید (۶۵) جابر بن سمرہ۔ بارہ خلفا والی حدیث کے راوی (۶۶) جابر بن عبداللہ (۶۷) زرارہ (۶۸) سعد بن مالک (۶۹) عبید بن عمر (۷۰) عثمان بن عبداللہ
۷۵ھ میں	(۷۱) ابو ثعلبہ (۷۲) العرباض بن ساریہ (۷۳) عطیہ بن بسر المازنی (۷۴) عمرو بن میمون۔
۷۶ھ میں	(۷۵) زہیر بن قیس
۷۷ھ میں	(۷۶) سائب بن خباب مدنی۔
۷۸ھ میں	(۷۷) عبداللہ بن غنم الاشعری
۷۹ھ میں	. . . .
۸۰ھ میں	(۷۸) جبیر بن نفیر (۷۹) جنادہ بن امیہ (۸۰) عبداللہ بن حوالہ (۸۱) ثعلبہ بن الحکم۔
۸۱ھ میں	(۸۲) عبداللہ بن شداد
۸۲ھ میں	(۸۳) عبداللہ بن عدی
۸۳ھ میں	(۸۴) طارق بن شہاب۔

کس سنہ میں فوت ہوئے	اسمائے گرامی
سنہ ۸۴ھ میں	(۸۵) عبداللہ بن ابی طلحہ
سنہ ۸۵ھ میں	(۸۶) بشیر بن عمر (۸۷) عبداللہ بن جعفر طیار حضرت علیؓ کے حقیقی بھتیجے اور داماد۔ (۸۸) عمرو بن حریث القرشی
سنہ ۸۶ھ میں	(۸۹) عبداللہ بن حارث (۹۰) واثلہ بن الاسقع
سنہ ۸۷ھ میں	(۹۱) عبداللہ بن علقمہ (۹۲) عتبہ بن عبد السلمی (۹۳) علقمہ بن خالد الخزاعی (۹۴) مقداد بن معدی کرب
سنہ ۸۸ھ میں	(۹۵) قبیصہ بن ذویب
سنہ ۸۹ھ میں	(۹۶) عبداللہ بن ثعلبہ
سنہ ۹۰ھ میں	(۹۷) ابو العالیہ (۹۷) سائب بن یزید الکندی
سنہ ۹۱ھ میں	(۹۸) ابو سنان (۱۰۰) سہل بن سعد
سنہ ۹۴ھ میں	(۱۰۱) حارث بن اوس (۱۰۲) مالک بن حویرث
سنہ ۹۵ھ میں	(۱۰۳) سعد بن ریاس
سنہ ۹۶ھ میں	(۱۰۴) سعید بن وھب (۱۰۵) عبداللہ بن بسر (۱۰۶) محمود بن لبید۔
سنہ ۹۷ھ میں	(۱۰۷) عبداللہ بن کعب انصاری (۱۰۸) محمود بن الربیع
سنہ ۱۰۰ھ میں	(۱۰۹) سہل بن حنیف (۱۱۰) عامر بن واثلہ (۱۱۱) عبدالرحمٰن بن ملی (۱۱۲) معاویہ بن الحکم السلمی

یزید کے زمانے میں فوت ہونے والے:۔

(۱۱۳) بریدہ بن الحصیب (۱۱۴) خباب بن کعب ۱۲۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے

(۱۱۵) عامر بن مسعود (۱۱۶) عبداللہ بن عصام یزید کی طرف سے وفد بن کر

(۱۱۷) عبداللہ بن زبیر کے پاس گئے تھے (۱۱۸) مولہ بن کثیف ۱۲۰ سال کی

عمر میں (۱۱۹) نوفل بن معاویہ (۱۲۰) ہلال بن حارث

مروان کے زمانہ میں فوت ہونے والے:۔

(۱۲۱) جبدہ بن معاویہ (۱۲۲) عبداللہ بن الحارث بن نوفل (۱۲۳) عبداللہ بن

عباس (۱۲۴) عمرو بن سفیان (۱۲۵) مالک بن ہبیرہ (۱۲۶) نعمان بن بشیر

عبدالملک کے زمانہ میں فوت ہونے والے:۔

(۱۲۷) ابو غلہ بن معاذ بن زرارہ (۱۲۸) ابو سعید انصاری (۱۲۹) ابو عامر الاشعری

(۱۳۰) ادہم بن محزر الباہلی (۱۳۱) ارطاۃ بن زفر المزنی (۱۳۲) اسید بن ظہیر

(۱۳۳) انس بن مالک انصاری (۱۳۴) بسر بن ارطاۃ (۱۳۵) سعد بن زید

(۱۳۶) سلمہ بن ابی سلمہ (۱۳۷) سمرہ بن جنادہ بارہ خلیفوں والی حدیث کے راوی

(۱۳۸) سندر بن ابو الاسود (۱۳۹) عبداللہ بن سندر الجذامی

(۱۴۰) عبداللہ بن نوفل (۱۴۱) عقبہ بن عامر جہنی (۱۴۲) علقمہ بن وقاص اللیثی

(۱۴۳) عکراش بن ذویب (۱۴۴) عمر بن ابی سلمہ (۱۴۵) عمران بن ملحان

(۱۴۶) عمرو بن مرہ (۱۴۷) اللجلاج العامری (۱۴۸) معن بن یزید

(۱۴۹) الولید بن عبادہ (۱۵۰) یزید بن رکانہ

ولید کے زمانہ میں فوت ہونے والے:۔

(۱۵۱) ابو سعید المقری

حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ میں

(۱۵۲) ابو الغادیہ الجہنی (۱۵۳) ابو کاہل الاحمسی (۱۵۴) الاسود بن ہلال

(۱۵۵) اسیر بن عمرو الکندی (۱۵۶) حصین بن الحر (۱۵۷) سنان بن سلمہ جہاد ہند

میں شامل ہوئے (۱۵۸) عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ۔

عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں

(۱۵۹) ابولیلیٰ النابغہ الجعدی

ان کے علاوہ خصوصی طور پر عقیل بن ابی طالب کو جو حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے حضرت عثمانؓ کے قصاص خون کے معاملہ میں حضرت علیؓ سے متفق نہ تھے صفین کے معرکہ میں حضرت معاویہؓ کے لشکر میں تھے۔ ۶۰ھ میں فوت ہوئے (عمدۃ المطالب) ایک بیٹے کا نام یزید تھا۔ ان کی کنیت ابو یزید اسی بیٹے کی وجہ سے تھی۔

قیس بن ثور السلومی معاویہؓ کی وفات پر یزید کے پاس ماتم پرسی کے لیے پہنچے۔ شاعر بھی تھے سن وفات معلوم نہ ہو سکا۔ مروان بن حکم۔ امام شافعی نے جعفر بن محمد باقر سے علی (زین العابدین) کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ مروان کے پیچھے جب وہ مدینہ کا گورنر تھا نمازیں پڑھتے رہے۔

ابوعنبہ مشہور صحابی ۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت جابرؓ مدینہ کے کبار صحابہ میں سے تھے اور سب سے آخر میں فوت
انسؓ بن مالک مشہور صحابی سے ایک روایت ابن زیاد نے بیان کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ بھی واقعہ کربلا کے بعد فوت ہوئے صحیح تاریخ وفات نہیں مل سکی۔

خرشہ بن الحر الفزاری مروان سے بہت بعد فوت ہوئے۔

اسماء بن حارثہ واقعہ کربلا سے بہت بعد فوت ہوئے۔ بشیر بن عاصم کی عمر سو سال تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کربلا سے بہت بعد فوت ہوئے سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

میں دوبارہ پھر ان الفاظ کو دہرانا چاہتا ہوں کہ امیر یزیدؒ کی ولی عہدی اور خلافت کے وقت ہزارہا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین زندہ تھے۔ الامامۃ والسیاست کے مجہول الاسم رافضی مؤلف اور مشہور غالی شیعہ طبری متولد ۲۲۴ھ کے خرافات سے متاثر ہو کر امام سیوطی نے اپنی تصانیف کی تعداد بڑھانے کے لیے تاریخ الخلفاء میں غلط اور

موضوع روایات کا انبار جمع کر دیا اسی طرح مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں اپنی مجتہدانہ ساکھ بلند کرنے کے لئے یا شیعوں کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے خدا کے خوف سے بے خطر ہو کر انہیں کتابوں کے سہارے حقائق کے چہرے کو بہت بری طرح مسخ کرنے کی کوشش کی اور اپنے جوش صحافت میں صحابہ کرامؓ پر تنقید کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو بھول گئے۔

● ۔ میرے صحابی مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کسی کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا لو گے۔

● ۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی جس میں سے ایک فرقے کے سوا تمام ہی دوزخی ہوں گے حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ ایک فرقہ کونسا ہوگا۔ فرمایا جو میرے اور میرے صحابیوں کے طرز و طریق پر ہوگا) (مشکوٰۃ رواہ الترمذی)

● ۔ اور جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی کمزوریاں بیان کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لئے کہ رسول حق ہے اور قرآن حق ہے اور جو کچھ وہ ان لایا ہے وہ حق ہے اور چونکہ ہم تک پہنچانے والے صحابہؓ ہیں تو یہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتا ہے تاکہ کتاب و سنت کو باطل کر دیں اس لئے انہیں کو مجروح کرنا بہتر ہے یہی لوگ زندیق ہیں۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ ص ۱۲ بروایت ابوزرعہ)

● ۔ عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے معاملے میں ان کو اپنی مذمتوں کا نشانہ مت بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی تو میری وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان کو مبغوض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔ عنقریب اللہ ان کو پکڑے گا (ترمذی۔ احمد۔ بخاری)

سانحۂ کربلا کے اثرات

فریقین کے نزدیک یہ امر مسلّمات کا درجہ رکھتا ہے کہ شیعان علیؓ نے ہی حسینؓ کو پیہم خطوط لکھ کر حضرت حسینؓ کو کوفہ بلایا تھا اور آخر انہیں خود ہی شہید کر دیا حالانکہ آپ نے ان کے سامنے تین صورتیں پیش کی تھیں۔

۱۔ مجھے یزید کے پاس لے چلو۔

۲۔ مجھے واپس جانے دو۔

۳۔ مجھے کسی دوسرے ملک میں نکل جانے دو۔

مگر شیعان علیؓ نے ان کی ایک نہ سنی۔ آپ کی تینوں پیش کردہ صورتوں کا اگر تجزیہ کیا جائے یعنی آپ کا یہ فرمانا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ وہی کچھ کرنا چاہتے تھے جو حضرت حسنؓ نے معاویہؓ کے ساتھ کیا تھا دوسری صورت میں بھی آپ جانتے تھے کہ مجھے لامحالہ یزید کے ہاتھ پر زود یا بدیر بیعت کرنا پڑے گی۔ اور تیسری صورت میں بھی جائے مفر کوئی نہ تھی۔

بہر حال شیعان علیؓ نے آپ کی ایک نہ سنی اور آخر آپ شہید ہو گئے اور آپ کی شہادت پر سب سے زیادہ یزید کو رنج ہؤا۔ اس نے بقیۃ السیف سے جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا وہ فریقین کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور اس سے زیادہ ایک سگے بھائی سے بھی امید نہیں کی جا سکتی۔

آج ہر ممبر، ہر مجلس وعظ، ہر جلسہ ہر اخبار، ہر رسالہ اور ہر کتاب میں جہاں بھی حق و باطل کے کسی معرکہ کا تذکرہ ہو تو فوراً حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ نہایت رقت آمیز انداز میں دوہرایا جاتا ہے اور یہ بدعت اس حد تک معاشرہ پر حاوی ہو چکی ہے کہ ڈاکٹر نصرمن اللہ سے لے کر مولوی عنایت اللہ تک کسی حکیم الامت سے لے کر ایک مرتضیٰ ملت تک اسی طرح واقعہ کربلا کا ذکر کرتے نظر آئیں گے کہ :-

گویا اس کے بغیر ان کے پاس کوئی اور موضوع ہے نہ اس سے بڑھ کر کوئی کارِ خیر یہ بالکل بجا اور درست ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت نہایت بے دردانہ انداز اور نہایت بیکسانہ حالات میں ہوئی۔ مگر حضرت ذوالنورینؓ کی شہادت اس سے بھی بڑھ کر مظلومانہ انداز میں ہوئی۔ یہاں تو بے چارگی کے باوجود جنگ کی گئی وہاں سب کچھ ہوتے ہوئے سرِ تسلیم خم کر دیا گیا۔

پھر سانحہ کربلا کو مثال کے طور پر ہر مقام پر بیان کرنے والے اس حقیقت سے بالکل بے خبر کیوں ہو جاتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ تجاہلِ عارفانہ ہے یا حقیقت سے سراسر غفلِ بصر؟ کہ مستقبل میں سانحہ کربلا کوئی اچھے نتائج پیدا نہ کر سکا۔

حضرت حسینؓ کی شہادت نے اپنے بعد جو اثرات چھوڑے ان میں ایک فیصدی بھی تعمیری پہلو نہیں اور ننانوے فیصدی سے زائد تخریبی پہلو موجود ہیں۔ سانحہ کربلا کے بعد سب سے پہلے توابین اُٹھے انہوں نے قتلِ عام شروع کیا۔ مختار جیسا شاطر اور مکار آپ کا نام لے کر اٹھا اور اس نے ہزارہا بے گناہوں کے سر قلم کر کے رکھ دیے۔ اور پھر علویوں کو یہ ایک ایسا ہتھیار مل گیا کہ اسے لے کر اٹھتے رہے اور مارتے مرتے رہے اور ہر مرنے والے کے بعد یہ تحریک اپنے اندر زیادہ وزن پیدا کر کے آگے بڑھتی رہی یہاں تک کہ قرامطہ، باطنیہ۔ اسماعیلیہ وغیرہ تمام اسی تحریک کے برگ و بار تھے سو انہوں نے سطحِ ارضی پر جس قتل و غارت گری کی طرح ڈالی وہ آگے بڑھ کر آلِ بویہ نوابانِ اودھ اسماعیل صفوی تیمور لنگ وغیرہ کی صورت میں ماضی قریب تک عالمِ اسلام کے لئے ایک قیامتِ صغرٰی بنی رہی۔

ذرا ٹھنڈے دل سے اسباب کا جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ اگر سانحہ کربلا رونما نہ ہوتا تو فتنہ سبائیہ اپنی موت آپ مر جاتا۔ اور اس کے بعد آج تک جن آلام سے فرزندانِ توحید کو دوچار ہونا پڑا یہ باب تاریخ میں لکھا ہی نہ جاتا۔ مشرقی پاکستان کا المیہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے ادھر بھارتی فوجیں قتلِ عام میں مصروف ہیں ادھر پہلوی شہنشاہیت کے ڈھائی ہزار سالہ جشن میں ہر روز ہر قوم کا لاکھوں روپیہ بے دریغ بہایا جا رہا ہے ادھر مجیب ... ادھر شاہِ ایران نہایت رازداری سے اسلام آباد پہنچ گئے یہ سب کچھ گویا ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے گویا منصوبہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کو چھوڑ دیا جائے اور مغربی پاکستان کو ایرانی شیعہ سلطنت کی گود میں ڈال دیا جائے۔

مختار ثقفی

اس کتاب کے پہلے حصہ میں بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ شیعیت نیم یہودی، نیم ایرانی سیاسی تحریک تھی جو بعد میں مذہب کی صورت میں سامنے آئی ۔ سطور گذشتہ میں یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ واقعہ کربلا تک شیعہ نام کا کوئی فرقہ یا گروہ نہ تھا بلکہ یہ لفظ اگر تاریخ میں استعمال ہوا ہے تو اس سے مراد صرف گروہ یا جماعت کے تھے ۔ جیسے شیعان علیؓ اور شیعان معاویہؓ ۔ واقعہ کربلا کے بعد عبداللہ بن سبا کے سازشی گروہ کے لوگوں نے کیسانی تحریک سے مل کر شیعیت کو ایک مذہبی شکل دی ۔

یہاں ایک اور بات بھی ذہن میں رکھیے کہ کوفہ ایک نئی بستی تھی جہاں اکثریت عجم کے مختلف خطوں کے لوگوں کی تھی ۔ یہ لوگ نو مسلم بھی تھے اور وحدت فکر سے بھی تہی تھے پھر یہ سب نوجی قسم کے لوگ تھے جن کی زندگی اس ڈگر پر رواں دواں تھی کہ لڑو مرو، مار دھاڑ، لوٹ لو، چند روز آرام کرو پھر لڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہو ۔ یہ لوگ جس قدر دینی طور پر روح اسلام کی حقیقت سے بے خبر تھے اسی قدر وہ اسلامی جمہوریت کی روح سے بھی نا آشنا تھے ۔ علیؓ کوفہ میں پہنچے سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ حسنؓ آئے ان کے ساتھی بن گئے ۔ امام حسینؓ نے بلایا ان کے پرستار بن گئے ۔ ابن زیاد آیا اس کے سامنے جھک گئے ۔ ان کی تلون مزاجی کے متعلق کسی دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ دن کو امام حسنؓ کے ساتھ ہوتے تھے اور رات کو معاویہؓ کے لشکر میں ہوتے تھے ۔

اس مقام پر تاریخ کی روشنی میں ہمیں اسلام کا عیار ترین انسان سٹیج پر نمودار ہو کر ان حالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے محب اہل بیت ہونے کا بہروپ بھرتا نظر آتا ہے ۔ چنانچہ پروفیسر رابنؔ ہارٹ ڈوزی عبرت نامہ اندلس میں لکھتا ہے کہ:

مختار نہایت چالاک، سفاک، ہشیار اور بہادر مگر بے اصول آدمی تھا غصہ میں شیر اور مکاری میں روباہ سے کم نہ تھا۔ کبھی خارجی رہا کبھی زبیری اور آخر میں شیعہ ہو گیا۔ آزاد جمہوریت کے حامیوں سے لے کر مطلق العنان بادشاہی کے پسند کرنے والوں تک کوئی فرقہ ایسا نہ تھا جس میں مختار کبھی نہ کبھی شریک رہا ہو۔ اپنے اس تلون سے جس سے لوگوں کو گمان ہوتا تھا۔ کہ اس کے ایمان میں خلل ہے انصاف پر مبنی بتانے کے لئے اس نے اپنی ہی طبیعت اور مزاج کا ایک خدا بھی ایجاد کر لیا تھا اس خدا کی تلون مزاجی کا یہ حال تھا کہ جس بات کا آج خیال یا قصد یا ارادہ یا حکم کیا ہے کل وہ بدل سکتا تھا۔ ایسے خدا کے عجیب اور مہمل اعتقاد میں ایک بڑا نفع یہ تھا کہ جب مختار اپنی غیب دانی اور الہامی قابلیتوں پر ناز کرنے لگتا تھا تو کسی کو انکار کی کوئی گنجائش نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ اگر کوئی وقوعہ اس کی پیشگوئی کے مطابق نہ اترتا تو وہ آسانی سے جواب دے دیتا تھا کہ خدا نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے[۱]۔۔۔ مختار نے جتنے سوانگ بھرے بڑی عمدگی سے بھرے۔ لیکن شیعوں کی سرداری کا سوانگ جب بھرا تو یہ اس کی طبیعت اور مزاج کے لئے بہت ہی موزوں اور مرغوب تھا۔

۔۔۔ مختار نے جب لشکر شام کے مقابلہ پر جانے کا اپنے لشکر کو حکم دیا تو اس کے سامنے ایک کرسی لا کر رکھ دی جو کسی بڑھئی سے بہت واجبی قیمت یعنی دو چار روپے میں خریدی تھی۔ مگر اس کو ریشم سے منڈھ کر یہ بتایا کہ وہ جناب امیر علیہ السلام کی کرسی ہے اور اس کو پیش کر کے یہ تقریر کی۔

---

[۱] اس صفت میں بھی مرزا غلام احمد قادیانی مثیل مختار نظر آتا ہے۔

اے لشکر کے لوگو! یہ کرسی تمہارے حق میں ایسی ہی مبارک ہے جیسے کہ تابوت سکینہ بنی اسرائیل کے حق میں ہوا تھا۔ اسے لڑائی میں اپنے ساتھ رکھو۔ اور جہاں سب سے زیادہ کشت و خون ہو وہاں اسے رکھ دو اور پھر اس کو دشمن سے بچاؤ (کتنی عیاری ہے) اگر فتح ہو جائے تو سمجھو کہ خدا نے تمہاری مدد کی ہے اور اگر شکست ہو تو ہمت نہ ہارنا۔ کیونکہ مجھ کو الہام ہوا ہے کہ ایسی صورت میں خدا کی جانب سے تم پر ملائکہ کا نزول ہو گا۔ اور تم ملائکہ کو دیکھو گے کہ وہ سفید کبوتروں کی شکل میں اونچے اڑتے ہوں گے۔ اصل میں مختار نے چند کبوتر جو کہ کوفہ میں پالے گئے تھے اپنے معتبر لوگوں کو جو لشکر کے ساتھ جا رہے تھے یہ کہہ کر دئے تھے کہ لڑائی میں اگر بات بگڑ جائے تو کبوتروں کو چھوڑ دینا مختار جانتا تھا کہ جب ان کبوتروں کو چھوڑا گیا تو وہ سیدھے کوفہ واپس آئیں گے۔ اس کے دو فائدے تھے ایک تو اس نے یہ سوچ رکھا تھا کہ کبوتر آنے پر میں بھاگ نکلوں گا اور دوسرے یہ کہ لشکری ڈٹ کر لڑیں گے۔ اگست ۶۸۶ء میں موصل کے قریب جنگ ہوئی اور ان کا سردار عبیداللہ بن زیاد مارا گیا۔ آخر مختار مصعب بن زبیر کے ہاتھوں قتل ہوا

(تلخیص عبرت نامہ اندلس صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۸)

آج شیعہ صاحبان نے مختار کو بہت بلند مقام پر لا بٹھایا ہے مگر اس طرف کسی نے دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔

مختار کے متعلق آئمہ کرام علیہم السلام کا کیا خیال تھا۔ مختار کا کل زمانہ حکومت ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ سے ۱۵ رمضان ۶۷ھ تک ہے۔

حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ مختار حضرت امام زین العابدین
سے غلط روایتیں منسوب کرتا تھا (کتاب رجال کشی علامہ کشی بحوالہ مختار نامہ ص ۳۴۲)

حضرت محمد باقر سے روایت ہے کہ مختار نے حضرت زین العابدین
کی خدمت میں ہدیے اور تحفے بھیجے مگر آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیے کہ میں
کسی دروغ گو کا ہدیہ قبول نہیں کرتا (مختار نامہ ص ۳۴۲)

ایک دفعہ مختار نے ایک لاکھ درہم امام زین العابدین کی خدمت میں بھیجے
مگر آپ نے قبول کرنا مکروہ جانا اور واپس بھیجنے میں خوف محسوس کیا۔ رقم
لے کر دفن کر دی۔ مختار کے قتل کے بعد عبدالملک کو مطلع کیا تو اس نے
کہا خرچ کر لیجئے۔ (کتاب مختصر الشیخ حسن بن سلیمان بحوالہ مختار نامہ ص ۳۴۵)

امام زین العابدین نے مختار پر لعنت بھی بھیجی اور فرمایا کہ تحقیق کہ اس
نے ہم پر اور خدا پر بہتان اور افترا باندھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ مجھ
پر وحی نازل ہوتی ہے۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ قیامت کے
روز جناب سید الثقلین حضرت امیر المومنین اور حسنین جہنم کے کنارے
تشریف لے جائیں گے اور مختار کو جہنم میں دیکھیں گے۔ ملا مجلسی نے
بحار الانوار میں اس کی عجیب عجیب توضیحات کی ہیں ابتدا میں وہ امام جعفر
صادق کی امامت کا قائل نہ تھا۔ بلکہ جہم ابن صفوان کے عقیدے پر تھا۔
جناب امیر کی شہادت پر لوگوں کا خیال تھا کہ مختار بھی ابن ملجم کا ساتھی
ہے۔ اس لئے کوفہ میں ہر نماز کے بعد لوگ اس پر لعنتیں بھیجتے تھے
مختار نے اپنے چچا سعد ابن مسعود کو حضرت حسن کی گرفتاری پر آمادہ کرنا
چاہا مگر اس نے کہا لعنت ہو تجھ پر تو مجھے کتنے برے کام کے لئے
کہتا ہے۔

(ملخص از تقریظ سید محمد ابراہیم قبلہ مجتہد العصر بحوالہ مختار نامہ ص ۳۴۱ تا ۳۴۶)

امام چہارم حضرت زین العابدین

کوفی شیعوں کے دست ظلم سے بچ نکلے اور مختار الثقفی جس نے عبداللہ بن علیؓ کو شہید کیا تھا امام چہارم کی امامت کا انکار کیا۔ اور محمد بن حنفیہ کے متعلق اعلان کیا کہ امام وقت او ست نہ کہ علی بن الحسین (مجالس المومنین) اس وجہ سے امام زین العابدین بھی اس سے سخت ناراض ہو گئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اُس نے امام کی خدمت میں چالیس ہزار درہم بھیجے مگر آپ نے اس لئے کہ مختار نے مذہب باطل اختیار کیا تھا اُس کا ہدیہ مسترد کر دیا۔ (جلال العیون ص۵۶۶) امام زین العابدین نے ان وجوہات سے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

مگر شیعہ کہاں چپ بیٹھنے والے تھے۔ یہ تو ایک من چلا گروہ تھا پہلے عثمانؓ کو شہید کیا۔ پھر علیؓ کو شہید کیا۔ پھر حسنؓ کو خانہ نشینی پر مجبور کیا پھر حسینؓ کو شہید کیا۔ اب حضرت زین العابدین کو گھیرنے لگے جب اُنہوں نے دھتکار دیا تو آپ کے صاحبزادے زید کو گھیر کر اپنے ڈھب پر لانے پر قادر ہو گئے۔ ان کا نعرہ بنو امیہ کی دشمنی تھا۔ مگر اب نہ انکا کوئی سردار تھا اور نہ خروج کر سکتے تھے۔ اب امر بالمعروف کے نعرے سے منتشر شیعوں کو جمع کیا۔ ان کی حقیقی غرض یہ تھی کہ اہل بیت رسولؐ جو بچ گئے ہیں ان کا بھی صفایا کر دیا جائے۔ اس لئے سب نے مل کر عاجزی کر کے زید کو خروج پر آمادہ کر لیا (تذکرۃ الائمہ ص۳۰۸)

الغرض چالیس ہزار شیعوں نے بیعت اور وعدہ نصرت نے زید کو آگے کیا۔ اور اموی حکومت کے خلاف خروج کیا۔ مگر آئمہ سابقین کی پیشین گوئی اور بددعا کی وجہ سے عین وقت پر دھوکا دیا۔ یعنی اصحاب ثلاثہؓ پر تبرا کرنا شروع کیا اور زید کو بھی اس فعل پر مجبور کیا۔ مگر آپ نے

انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ عین معرکہ کارزار میں حسینؓ کے پوتے کو بے یار و مددگار چھوڑ کر الگ ہو گئے اور بقول علامہ شوستری ازیں جہت غبار ملال بہ حاشیہ خاطر زید نشست و ازیں بے وفائی کوفیاں تعجب نمود (مجالس المومنین مجلس ص ۳۶۰) زید نے ان کوفی شیعوں سے پوچھا کہ اَرَفَضْتُمُوْنِیْ کیا تم نے مجھے چھوڑ دیا۔ انہوں نے جواب دیا رَفَضْنَاکَ ہم نے تجھے چھوڑ دیا۔ آخر زید شہید ہو گئے (مجالس المومنین) اس دن سے شیعوں کا دوسرا نام رافضی مشہور ہوا۔

امیر یزیدؒ کے خلیفہ بننے کے بعد مدینہ میں جب ان کی مخالفت ہوئی اور قریش نے عبداللہ بن مطیع اور انصار نے عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا اپنا سردار منتخب کیا تو عثمان بن محمد اموی مروان بن حکم اور باقی اموی جن کی تعداد مدینہ میں ایک ہزار کے قریب تھی کچھ تو مدینہ سے نکل گئے اور باقی مروان بن حکم کی حویلی میں پناہ گزیں ہو گئے ان حالات میں بھی حضرت علیؓ (زین العابدین) نے امویوں کا ساتھ دیا۔ مروان نے یہ دیکھ کر اپنا تمام قیمتی سامان حفاظت کے لئے آپ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے ان تمام حالات کی خبر عبدالملک بن مروان کے ذریعہ یزید کو لکھ بھیجی اور مروان کو اپنے ہاں پناہ دی۔ مسلم بن عقبہ کو مدینہ روانہ کیا۔ اور خصوصی طور پر نصیحت کی علی بن حسینؓ سے نہایت نرمی کا سلوک کرنا۔ وہ میرا ہمدرد اور وفادار ہے۔ مسلم نے مدینہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور تین روز تک لوگوں کو سمجھایا۔ مگر کسی نے اس کی بات نہ سُنی۔

۲۷ ذی الحجہ ۶۳ھ واقعہ کربلا سے تقریباً تین سال بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ مشہور صحابی رسول حضرت مسلمؓ بن عقبہ اس لشکر کے سالار اعظم تھے تمام لشکر چار دستوں پر مشتمل تھا ایک دستہ کے حضرت عبداللہ بن مسعدہ الفزاریؓ تھا دوسرے کے حضرت روح بن زنباع الجذامیؓ تیسرے کے حضرت عبداللہؒ بن عضاہ الاشعریؓ جو راوی احادیث بھی شمار ہوتے ہیں اور چوتھے دستے کے حصینؓ بن نمیر کمانڈر تھے (الاستیعاب الاصابہ) فوج کی تعداد صرف چار ہزار تھی (کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی) اس لشکر کی اکثریت صحابہ کرامؓ پر مشتمل تھی۔

اور جو تابعی تھے وہ بھی اکثر جہادوں میں اسلام کی سربلندی کے لیے حصہ لے چکے تھے۔
حضرت امیر مسلمؒ سالار لشکر کی عمر نوے سال تھی۔ وہ تین دن تک اعلان کرتے رہے کہ شورش ختم
کردو امیر المؤمنین یزیدؒ تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتے مگر شورش پسندوں نے اس کے جواب
میں گالیاں دیں۔

تمام ساداتِ بنو امیہ اپنے قریشی دوستوں کے ساتھ مدینہ کے عامل عثمان بن محمد کے ساتھ
امیر مروان کی حویلی میں پناہ گزین ہو گئے۔ حضرت ابن عمرؓ نے بھی سمجھایا مگر باغیوں کا سرغنہ ابن
مطیع باز نہ آیا۔ (بلاذری۔ الانساب والاشراف) بلکہ باغیوں نے گالیوں کے ساتھ تیروں کی
بوچھاڑ شروع کردی۔ مجبوراً حضرت مسلمؒ نے جوابی حملے کا حکم دے دیا اور انصار کے مقتدر قبیلہ
بنو عبد الاشہل نے فوج کو شہر میں داخلہ کا راستہ دے دیا۔

مشہور شیعہ مورخ طبری لکھتا ہے کہ ابھی لڑائی جاری تھی کہ ناگاہ شہر سے تکبیروں کی آواز
بلند ہوئی۔ ہوا یہ کہ قبیلہ بنو حارثہ نے بھی بنو عبد الاشہل کی طرح باغیوں کے مقابلہ میں اہل شام
کا ساتھ دیا۔ صرف پانچ چھ سرغنہ قتل ہوئے۔ آٹھویں صدی ہجری تک کے مورخین نے اس
سے زیادہ کچھ نہیں لکھا۔ مگر دورِ حاضرہ کے مجتہدِ اعظم کو امیر یزیدؒ کا فسق و فجور ثابت کرنے
کے لیے ایک ہزار عفت مآب کنواریوں کو زنا میں ملوث کرکے دکھانے کے لیے آٹھویں صدی
کے مورخ ابن اثیر کی ایک بے سند روایت کے سہارے ایسے شرمناک الفاظ لکھتے ہوئے
ذرہ بھر شرم نہ آئی۔ [۱]

مدینہ کی شورش فرو کرنے کے بعد امیر مسلمؒ مکہ کی طرف روانہ ہو کر راستہ میں فوت ہو گئے
اور امیر حصینؒ نے علی بن حسینؓ کو کہلا بھیجا میں آپ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کرتا ہوں
انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت ابن زبیرؓ کو کہا کہ میرے ساتھ دمشق چلیے میں امر خلافت
آپ کے ہاتھ پر مستحکم کرادوں گا۔ مگر انہوں نے دمشق جانے سے انکار کر دیا۔ یہ ہے واقعہ
حرہ کی اصل صورت جسے دورِ حاضرہ کے خودساختہ مجتہدِ اعظم نے اپنی جبلی فطرت
اور نسلی عصبیت سے بگاڑ کر شیعیت کی وکالت کا حق ادا کیا ہے۔

---

[۱]: تفصیل کے لیے حقیقتِ خلافت و ملوکیت مرتبہ علامہ محمود احمد عباسی دیکھیے۔

امام پنجم محمد باقر بن امام زین العابدین

حضرت امام باقر اپنے تمام خاندان والوں کے ساتھ شیعوں کا سلوک دیکھ چکے تھے اور اپنے بھائی زید کا جو حشر ہوا اسے بچشم خود دیکھ چکے تھے۔ مگر شیعہ چونکہ بقول مجلسی لقیہ اہل سنت کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر چکے تھے اس لیے اب امام باقر کو بھی گھیرنے لگے۔

چنانچہ عبد اللہ بن عطاء نے امام سے کہا کہ کوفہ میں آپ کے شیعہ بہت ہیں اور بخدا آپ کے خاندان میں آپ کا کوئی نظیر نہیں پھر آپ بنو امیہ پر خروج کیوں نہیں کرتے۔

(صافی شرح اصول کافی کتاب الحج ص۱۱۱)

امام باقر نے جواب دیا۔ ابن عطاء! میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو بے وقوفوں کی باتوں پر عمل کر رہا ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں تمہارا صاحب نہیں (بحار الانوار ج ۱۳ ص۱۹)

زرارہ نے ایک بار امام باقر کے متعلق کہا کہ شیخ لا علم له بالخصومة

(اصول کافی)

علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی میں لکھتا ہے۔ یہ بڈھا بد دماغ ہو گیا ہے۔ خصم کے ساتھ گفتگو کا طریقہ نہیں جانتا۔

جعفر (الصادق)

فاطمہ بنت حسین بن حسن کے بطن سے

عبداللہ — اسماعیل متوفی ۱۴۳ھ — ام فروہ — موسیٰ — محمد — اسحاق — علی — عباس

نسل مذکر نہیں چلی — لنگڑے تھے

محمد — علی

یہ موسیٰ کاظم کے سخت خلاف تھے اور بنی عباس کے پاس موسیٰ کی مخبری کرتے تھے۔ عمدۃ المطالب صفحہ ۲۲۲ — ۱۸۰ھ میں فوت ہوئے تھے

عبداللہ میمون ۲۶۱ھ میں مرا اس نے محمد کے متعلق جو کچھ کہا سب لغو ہے۔ پہلے یہ خود محمد بن اسماعیل بنا پھر رُخ محمد کی طرف پھیر دیا۔

فاطمہ

ان کا نکاح عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ سے ہوا۔ موسیٰ ابو جعفر منصور کے بھائی تھے (شجرۃ الانساب صفحہ ۴۴)

حضرت جعفر (الصادق) ابن محمد باقر متولد ۸۳ھ متوفی ۱۴۸ھ شیعوں کے چھٹے امام

امام جعفر صادق پر بھی شیعوں کا جادو نہ چلا۔ چنانچہ ابو سلمہ شیعی نے جبکہ بنی عباس خلافت کے لئے کوشش کر رہے تھے آپ کی خدمت میں لکھا کہ آپ کے حقوق بازیافت کا یہی موقعہ ہے اور دوسری طرف جواب آنے سے پہلے بنی عباس کی خلافت تسلیم کر لی امام نے اس کا خط بغیر کھولے نذر آتش کر دیا۔

زرارہ نے جسے شیعہ اصدق الصادقین کہتے ہیں ایک دفعہ زیاد بن حلال سے کہا۔ کہ امام جعفر نے مجھے تو استطاعت کا فتویٰ دیا ہے اور خود اسے کلام سمجھنے کی لیاقت نہیں۔

ایک بار اسی زرارہ نے کہا کہ:

رحم اللہ ابا جعفر واما جعفر فان فی قلبی علیہ لعنۃ (تنقیح رجال کشی)

یعنی باقر پر اللہ رحم کرے۔ مگر جعفر کے لیے تو میرے دل میں لعنت ہے۔

ابوبصیر ایک شیعہ رئیس تھا۔ ایک مرتبہ امام کی خدمت میں پہنچا مگر اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملی تو کہنے لگا میرے ساتھ طبق ہوتا تو ضرور اجازت مل جاتی اس پر ایک کتا آیا اور ابوبصیر کے منہ میں پیشاب کر گیا (تنقیح رجال کشی ص۱۰۱)

عباسی خلیفہ منصور کے متعلق شہید ثالث علامہ شوشتری لکھتے ہیں کہ منصور قولاً وفعلاً شیعہ تھا۔ اس نے امام جعفر صادق کو مدینہ سے طلب کیا۔ اب منصور نے دارالسیاست میں بیٹھ کر اپنے خاص شیعہ حاجب ربیع کو بلا کر اپنے عنایات واحسانات کا اعتراف کرایا پھر کہا کہ جا اور جعفر بن محمد کو میرے حضور میں لا کر حاضر کر۔ ربیع نے باہر نکل کر انا للہ پڑھا۔ اور کہا میں ہلاک ہوا اگر اس وقت اس ملعون (منصور) کے پاس جعفر کو لاؤں گا تو بوجہ شدت غضب ان کو ضرور مار ڈالے گا۔ اور اگر نہ لایا تو وہ مجھ کو قتل اور میری نسل کو برباد کر دے گا۔ ربیع دنیا اور آخرت کے درمیان متردد ہوا۔ آخر دنیا کی طرف ہو کر اس کو آخرت پر ترجیح دی اور بارادہ گرفتاری امام اپنے گھر پہنچ کر اپنے لڑکوں میں سے سب سے بہادر اور سنگدل محمد سے کہا۔ اسی وقت جا اور دیوار کی طرف سے مکان میں داخل ہو کر جعفر بن محمد باقر کو جس حال میں ہو پکڑ لا۔ اور خود خلیفہ کے پاس پہنچا۔ محمد کا بیان ہے کہ میں آخر شب چھپ کر پہنچا اور سیڑھی لگا کر مکان میں داخل ہوا دیکھا کہ امام جعفر پیراہن اور ایک رومال کمر سے باندھے نماز میں مشغول ہیں۔ بعد ختم نماز کے میں نے کہا چلو تم کو خلیفہ بلاتا ہے امام نے دعا پڑھنے اور کپڑے پہننے کی مہلت چاہی۔ میں نے نہ دی پھر امام نے کہا اچھا مہلت دو کہ غسل کر کے مرنے کے لیے تیار ہو جاؤں میں نے یہ بھی نہ مانا۔ پس ننگے سر ننگے پیر زیادہ بڈھے کو اس ایک کرتہ کے ساتھ سر برہنہ میں نے مکان سے باہر نکالا اور ان کو پیدل لے چلا۔ تھوڑی دور چلنے پر امام کو ضعف طاری ہوا

مجھے رحم آگیا تو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا۔ جب خلیفہ کے مکان پر پہنچا تو میں نے سنا کہ منصور میرے والد سے کہہ رہا ہے خرابی ہو تم پر اے ربیع تو نے دیر لگا دی اور جعفر کو نہ لایا۔ پس والد باہر آئے امام کی حالت زار پر نظر پڑی تو رونے لگے۔ اس لئے کہ امام کی خدمت میں بہت اخلاص تھا اور وہ ان کو امام زمانہ جانتے تھے۔ امام نے فرمایا اے ربیع میں جانتا ہوں کہ تو مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اتنی مہلت دے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ کر مناجات کروں۔ ربیع مہلت دے کر منصور کے پاس گیا۔ منصور نے غصے اور اصرار سے کہا جعفر کو جلد حاضر کر ادھر امام بھی نماز اور دعا سے پوری طرح فارغ ہو چکے تھے۔ ربیع نے امام کا ہاتھ پکڑا اور محل میں داخل کر دیا۔ (جلاء العیون)

حضرت جعفر کے چھ بیٹے تھے۔ عبداللہ نسل ذکور نہیں چلی۔ صرف ایک بیٹی فاطمہ تھی۔ جس کا نکاح عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ سے ہوا۔ موسیٰ ابو جعفر منصور عباسی کا بھائی تھا۔ (جمہرۃ الانساب صہ ۲۵)

اسماعیل متوفی ۱۴۳ھ۔ ان کے دو بیٹے محمد اور علی تھے۔ اسماعیل اپنے بھائی موسیٰ کاظم (ساتویں امام) کے خلاف مخبری کرتے رہتے تھے (عمدۃ المطالب ۲۲۲) عبیداللہ بن میمون القداح متوفی ۲۶۱ھ نے پہلے محمد بن جعفر ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ حالانکہ محمد اور عبیداللہ کے درمیان اسی سال کا فرق ہے۔ علی بھی موسیٰ کاظم کے خلاف عباسیوں کے ہاں شکایتیں کیا کرتے تھے اور ان کی شکایتوں کی بنا پر موسیٰ کو بغداد طلب کر کے نظر بند کیا گیا۔

تبصرہ

منصور شیعہ، ربیع شیعہ اس کا بیٹا محمد شیعہ، امام وقت ضعیف اور کمزور ہیں مگر کسی کو امام وقت کی حالت پر رحم نہ آیا۔

اصول کافی کتاب الحجۃ میں کیا معقول بات بیان کی گئی ہے (یعنی ایک باب) عبداللہ بن یعفور نے امام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یہ دیکھ کر تعجب کرتا ہوں

کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ سے محبت کرنے والوں میں تو امانت داری، راست بازی اور وفا شعاری ہے مگر آپ کے محبین میں نہ امانت ہے نہ وفا اور صدق امام یہ سن کر غضبناک ہوئے اور شیخین کو ظالم اور ان کے محبین کو بے دین کہا۔ اور اپنے آپ کو عادل اور اپنے شیعوں کو دیندار فرمایا مگر ابن یعفور کی بات کو جھٹلا نہ سکے اور بزبان سکوت اقرار کیا کہ شیعہ خائن، بے وفا اور جھوٹے ہیں۔ شیعوں کے انہیں معصوم اور مفترض الطاعۃ امام کے وقت میں امویوں کے مقابلہ میں عباسیوں اور علویوں کی متحدہ و متفقہ کوششیں عروج پر تھیں۔ حتیٰ کہ امویوں کا پتہ کٹ گیا۔ امویوں کی مخالفت میں عباسیوں کی نسبت علوی پیش پیش تھے اور عوام کے سامنے بھی یہی تاثر پیش کیا گیا تھا کہ خلافت کا حق علویوں کا ہے مگر عین وقت پر شیعوں کے سرغنہ ابومسلم خراسانی اور ابوسلمہ کوفی نے جو بظاہر اس وقت تک بنو فاطمہ کا دم بھرتے رہے بنو فاطمہ کو خلافت سے محروم کر دیا۔ چنانچہ ابوسلمہ کوفی نے جامع مسجد کوفہ میں ایک عظیم الشان جلسہ کر کے ابوالعباس کو اس کی خلوت سے بلا کر بیعت کر لی۔ بس پھر کیا تھا ابوسلمہ شیعہ کے اس فریب میں آ کر سب نے ابوالعباس کی خلافت تسلیم کر لی اور علوی اپنے شیعوں کی بے وفائیوں اور فریب کاریوں کا تماشہ دیکھتے رہ گئے۔ (ہسٹری آف اسلام سید امیر علی صفحہ ۵۵)

امام ہفتم حضرت موسیٰ کاظم

آپ ان تمام کارستانیوں سے واقف تھے جو شیعہ ان کے آباء و اجداد سے کر چکے تھے۔ ابوبصیر جس کے مذہب میں کتے نے موت دیا تھا آپ کے ایک فتویٰ کو غلط بتا کر کہا کہ ابھی ان کا علم کامل نہیں (تنقیح رجال کشی صفحہ ۱۶۷) اسی لیے امام کاظم نے اپنے شیعوں سے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا۔

"تحقیق اللہ نے غضب نازل کیا شیعوں پر اور مجھ کو اختیار دیا کہ

اپنی جان دوں یا شیعہ ہلاک ہوں پس بچا میں اپنی جان دے کر شیعوں
کو بچاتا ہوں (اصول کافی ص ۱۵۹)

"اگر میں اپنے شیعوں کو منتخب کروں تو نہ پاؤں مگر زبانی۔ اور اگر امتحان
لوں تو نہ پاؤں مگر مرتد" (فروع کافی۔ روضہ ص ۱۰۱)

جناب جعفر (صادق) کے جن سے عبیدین نے اپنے آپ کو منسوب کیا تھا
سات بیٹے تھے۔

عبداللہ، اسماعیل، موسیٰ، محمد، اسحاق، علی، عباس۔ عبداللہ کے نام
سے ہی جناب جعفر کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ عبداللہ، اسماعیل اور ان کی بہن
ام فروہ تینوں فاطمہ بنت حسین بن حسن بن علی کے بطن سے تھے۔ ان کی ایک
بیٹی فاطمہ جو علیہ بنت حسین بن زید بن زین العابدین کے بطن سے تھی۔
ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی کے بھائی موسیٰ بن محمد کے پروتے عباس بن موسیٰ
بن عیسیٰ بن موسیٰ سے بیاہی گئی تھیں (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۴۶)

اسماعیل کے دو بیٹے تھے محمد اور علی۔ یہ دونوں بھائی اپنے چچا موسیٰ
بن جعفر یعنی موسیٰ کاظم کے سخت خلاف تھے۔

مؤلف عمدۃ المطالب ص ۲۲۲ پر لکھتا ہے کہ موسیٰ الکاظم اپنے بھتیجے محمد بن
اسماعیل سے ہراساں رہتے تھے۔ وہ بنی عباس کے سلطان سے ان کی مخبری کرتے
رہتے تھے۔

آخر اس روز روز کی ضیق سے تنگ آکر مہدی باللہ عباسی ۱۵۸ تا ۱۶۹
نے انہیں بغداد طلب کیا۔ انہوں نے اپنی صفائی پیش کی۔ مہدی نے واپس جانے
کی اجازت دے دی اور تین ہزار کا گراں قدر عطیہ بھی مرحمت کیا۔ ہارون نے
سریر آرائے خلافت ہو کر موسیٰ کاظم کا بڑا اعزاز و اکرام کیا (عمدۃ المطالب ص ۱۸۴)
ہارون حج کے لئے گیا تو محمد بن اسماعیل نے بعض کچھ راز ہائے درون پردہ خلیفہ
کے سامنے پیش کئے آخر موسیٰ (الکاظم) گرفتار ہو کر قید ہوئے (عمدۃ المطالب ص ۲۲۳)

آخر قید میں ہی وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں قید میں زہر دیا گیا۔ مگر یہ سب غلط ہے کہ قید میں ان کی آرام و آسائش کا پورا پورا بندوبست تھا۔ اسی نظر بندی کے دوران میں ان کے دس بارہ اولادیں ہوئیں ان کی اولاد کی تعداد ساٹھ ہے ۳۷ بیٹیاں اور ۲۳ بیٹے۔

آپ کو اگر موسیٰ کاظم کے اقوال اور واقعات میں کچھ تناقض نظر آتا ہے تو یہ سب شیعہ کتب کے ہی اقتباس ہیں اصل واقعات یہ ہیں کہ موسیٰ کاظم کے وہ لفظ جو تنقیح رجال کشی، اصول کافی اور فروع کافی میں مذکور ہیں اس وقت کے ہیں جو آپ نے نظر بندی کے دوران میں کہے ہیں۔ اور ایسی حالت میں کہے ہیں جب نظر بندی میں آپ نہایت عیش سے زندگی گذار رہے تھے اور شیعہ بار بار وہاں پہنچ کر آپ کو آمادہ خروج ہونے کی ترغیبیں دیتے تھے۔

امام ہشتم حضرت علی رضا

آپ مامون کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ مامون بھی شیعہ مورخوں کی تحقیق کے مطابق شیعہ تھا۔ بلکہ اس کا باپ ہارون بھی شیعہ تھا۔ منصور کا شیعہ ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ملاحظہ ہو۔ مجالس المومنین مجلس بذیل عنوان ذکر ملوک نامدار و سلاطین کامگار از فرقہ ناجیہ اولی البصائر والابصار بحوالہ کتاب احتجاج طبرسی۔

ایک روز مامون نے اپنے اصحاب سے کہا جانتے ہو میں نے مذہب شیعہ کس سے سیکھا۔ لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں مامون نے کہا میں نے شیعہ مذہب اپنے والد ہارون سے سیکھا لوگوں نے کہا وہ تو شیعوں کو قتل کرتا تھا تو مامون نے جواب دیا کہ وہ تو ان کو ملک کیلئے قتل کرتا کیونکہ اس میں غیر کی شرکت نہیں ہوتی۔

۞ - مامون نے چالیس مخالف اہل علم اکٹھے کر کے ان سے بحث کر کے ثابت کیا کہ حضرت علیؑ پیغمبر کے دوسرے اور خلیفہ حق ہیں اور وحی لوگ غاصب ہیں۔ اور اس کے زمانے میں حسن واثق کے امام برحق اور خلیفہ

موسیٰ رضا ہیں (مجالس المومنین بحوالہ کتاب عیون اخبار الرضا و کتاب بلا الف)

اب ابن مامون اور اس کے ندیم خاص صبیح دیلمی جس کا کٹر شیعہ ہونا اہل تشیع کے ہاں مسلّم ہے۔ ہر دو نے اپنے امام وقت کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

ابن بابویہ بسند معتبر ہر ثمہ بن اعین سے ناقل ہے کہ ایک روز مامون نے بوقت شب صبیح دیلمی کو معہ تیس غلاموں کے بلا کر راز داری کا عہد لے کر ہر ایک کو ایک ایک زہر آلود خنجر دیا اور کہا کہ امام رضا کے حجرہ میں جاؤ اور وہ جس حالت میں ہوں یہ تلواریں ان کے جسم میں اُتار دو۔ ان کے گوشت اور ہڈی کو ریزہ ریزہ کر دو اور ان تلواروں کو اُنہیں کے بستر میں صاف اور خون سے پاک کر کے میرے پاس پہنچو۔ تم میں سے ہر ایک کو بارہ تھیلیاں زر سرخ کی معہ مال اور اسباب عمدہ دوں گا۔

صبیح کا بیان ہے کہ ہم نے تلواریں لیں اور امام کے حجرہ میں پہنچے۔ دیکھا کہ آپ پہلو کے بل سوتے ہوئے ہیں۔ اور ہاتھوں کو حرکت دے رہے ہیں اور نامعلوم کیا باتیں کر رہے ہیں۔ میں ڈرتا ہوا حجرہ میں ایک طرف تلوار کی نوک زمین پر ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ اور ان بے حیا غلاموں نے دوڑ کر اپنی تلواریں امام مظلوم کے جسم میں اُتار دیں۔ امام صرف ایک زرہ اور کپڑے پہنے ہوئے تھے تاکہ تلوار کا اثر نہ ہو پھر اس مظلوم امام کو اُنہیں کے بستر میں لپیٹ کر ہم لوگ مامون الرشید کے پاس پہنچے۔

باوجود انتہائی اختصار کے یہ باب بہت طویل ہو گیا۔ امام محمد تقی، امام علی نقی اور امام حسن عسکری کے حالات بھی وقس علیٰ ھذا

اب آخری امام کے متعلق شیعی نظریات بھی سن لیجیے۔

حسن عسکری کی وفات کے وقت ان کے ایک پیرو عثمان بن سعید نے اعلان کیا کہ حسن عسکری کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جو غائب ہو گیا۔ اور وہ بارہ امام الٰہی سے ظاہر میں ان کا نائب ہوں۔

مگر جعفر برادر حسن عسکری نے اس بات کی تردید کی کہ میرے بھائی کے ہاں کوئی لڑکا نہیں تھا۔ چنانچہ عثمان اور جعفر کے درمیان اس بات پر سخت اختلاف ہوا عثمان کے بعد ابو جعفر حسین بن نوح علی اور اس کے بعد ابو الحسن سمری اس کے نائب ہوئے اسی ابو الحسن سمری نے مرتے وقت اعلان کیا کہ میرے بعد میرا کوئی نائب نہیں ہوگا۔ کیونکہ امامت غیبت صغریٰ ختم ہوگئی ہے۔ اور اب غیبت کبریٰ شروع ہے۔ ظاہر ہونے والے امام کے متعلق اس نے عجیب عجیب خیالات پیش کئے

محمد مہدی کے متعلق شیعوں کے مفروضہ عقائد

۱۔ ۲۵۵ھ میں بزمانہ خلیفہ معتمد علی اللہ پیدا ہو چکے ہیں۔

۲۔ والد کی طرف سے سید ہیں۔ والد کا نام حسن عسکری اور والدہ کا نام نرجس (ایک فرنگن لونڈی)

۳۔ کمسنی کے زمانہ میں ہی خدم و حشم غار سرمن رائے میں پوشیدہ ہو گئے۔

۴۔ آئندہ بزمانہ رجعت ظاہر ہوں گے

۵۔ بجائے رحم و شکم کے ران سے پیدا ہوئے۔

۶۔ معصوم اور مفترض الطاعۃ امام ہیں۔

۷۔ خلفائے ثلاثہ، حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کے دشمن ہوں گے۔

۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔

۹۔ صاحب معجزہ ہوں گے۔

۱۰۔ آپ کے پاس گذشتہ انبیاء کے صحیفے اور کتابیں نیز صحیفہ، جامعہ، مصحف فاطمہ، کتاب علی، کتاب شب قدر اور جفر و نجوم (جوتش) ہوگا۔

۱۱۔ عالم الغیب ہوں گے (۱۲) موجودہ قرآن کے منکر ہوں گے آپ کے پاس حضرت علی کا جمع کردہ قرآن ہوگا جو عہد خباب امیر سے لے کر تا ظہور امام مہدی غائب ہے۔

۱۳۔ دجال کے قاتل ہوں گے۔

اہلسنّت کے عقائد:

۱۔ آپ کا نام محمد اور لقب مہدی ہوگا (۲) مخبیب الطرفین سید اور امام حسن کی اولاد سے ہونگے

۳۔ والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا

۴۔ قرب قیامت میں پیدا ہوں گے اور چالیس سال کی عمر میں ظاہر ہوں گے

۵۔ پیدائش عام انسانوں کی طرح ہوگی (۶) غیر معصوم اور غیر مفترض الطاعتہ امام ہوں گے

۷۔ اصحاب ثلاثہ حضرت عائشہ اور معاویہ کے دشمن نہ ہونگے بلکہ ان کے نقش قدم پر چلیں گے

۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے۔

۹۔ صاحب معجزہ نہیں ہوں گے (۱۰) آپ کے پاس یہی موجودہ قرآن ہوگا جو اہلسنت کا معمول ہے

۱۱۔ عالم الغیب نہیں ہونگے (۱۲) دجال کے قاتل آپ نہیں ہونگے بلکہ حضرت عیسیٰ ہوں گے۔

امام مہدی کے متعلق شیعوں کے عجیب عجیب تمسخرانہ عقیدت نے ہی مولوی گل حسن نے سید غوث علی پانی پتی کے تذکرہ میں سید صاحب کی زبانی بیان کیا کہ:۔

"ایک دفعہ ہم موضع منڈا ور پہنچے تو سنا کہ یہاں ایک سید صاحب شیعہ تھے مرتے دم انہوں نے یہ وصیت کی کہ ہماری دونوں لڑکیوں کی شادی نہ کی جائے جب حضرت امام مہدی آخرالزمان کا ظہور ہو تو یہ دونوں ان کے نکاح میں دی جائیں ہم نے سید صاحب کی بیوی سے کہا کہ امام مہدی (علیہ السلام) تو شریعت محمدی کے تابع ہوں گے اور اسی شریعت میں دو بہنوں کا جمع کرنا جائز نہیں لیں مناسب ہے کہ ان میں سے ایک کی شادی کردو اور ایک امام صاحب کی نذر کے لئے رہنے دو۔ چنانچہ ایک کی شادی ہوگئی۔ اس کے بعد ہم نے کہا کہ اب اس غریب کو کیوں بٹھا رکھا ہے خدا جانے امام مہدی کے ظہور تک اس کی عمر وفا کرے یا نہ کرے اس سے تو یہی بہتر ہے کہ اس کی بھی شادی کردو۔ اور اس کی اولاد سے امام کے زمانہ میں جو لڑکی موجود ہو وہ امام صاحب کی نذر کی جائے تاکہ وصیت بھی پوری ہو جائے۔ غرض اس کی بھی شادی ہو گئی۔ یہاں امام مودودی صاحب کا عقیدہ بھی ملاحظہ ہو۔ مہدی ہر دور کا سردار، لیڈر اور امیر ہو سکتا ہے جو اوصاف پر پورا اترے۔ (جیسے مودودی صاحب ہیں ملخص) (ملفوظات)

تیسرا باب

دین میں بدعات

شیعہ اور سُنی دونوں فرقے کل بدعۃ ضلالۃ کل ضلالۃ فی النار کے قائل ہیں۔ مگر اس بھری دنیا میں سوائے جماعت اہلحدیث کے ہر فرقہ کے افکار و نظریات شرک و بدعت کی دیومالائی داستانوں سے پُر ہیں۔ متقدمین میں صرف حنابلہ شرک و بدعت کی ان بھول بھلیوں سے مجتنب رہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی الحسینی امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم۔ ابوبکر بن ہانی مصنف کتاب سنن فی الفقہ ابوالقاسم خرقی متوفی ۳۳۴ھ مصنف المختصر۔ عبدالعزیز بن جعفر متوفی ۳۶۳ھ شمس الدین بن قدامہ متوفی ۶۸۲ھ مولف شرح الکبیر علی متن المقنع۔ موفق الدین بن قدامہ مصنف کتاب المغنی اور آخری دور میں شیخ محمد بن عبدالوہاب سب اہلحدیث کے پہلو بہ پہلو شرک و بدعت کی ضلالت کے خلاف علمی میدان میں شمشیر بکف رہے۔

جماعت اہلحدیث کی مبلغانہ سرگرمیوں اور حنبلیوں کے پند و موعظت سے انیسویں صدی کے وسط میں غیر مقلدین سے چند اس قسم کی جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہستیوں کا ظہور ہوا جنہوں نے شرک و بدعات کے سلاسل میں جکڑی ہوئی گردنوں کو آزاد کرانے کا

بیڑا اُٹھایا۔ وہ لوگ کہیں کامیاب ہوئے۔ کہیں تشانہ تشدد اور نشانہ تضحیک بن کر رہ گئے۔ مگر نصف صدی گذرنے کے بعد ان کا لگایا ہوا پودا اپنا جوبن دکھانے لگا غیر مقلدین کے عنوان سے حصہ اول میں ان بزرگانِ دین کا تعارف گذر چکا ہے۔ یہ لوگ اس وقت عالمی سطح پر اپنے علم و فضل کی وجہ سے ایک بلند مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔

یہ معترضہ سا جملہ یونہی درمیان میں ٹپک پڑا ——— میں کہہ رہا تھا کہ سوائے اہلحدیث اور حنابلہ کے بلا اختلاف شیعہ، سُنی تمام فرقوں میں بدعات نے اس زور شور اور شدت سے اپنا اڈہ جما رکھا ہے کہ اب وہ لوگ باوجود حقیقتِ حال سے باخبر ہونے کے اس بدعت کے کابوس سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کرا سکتے۔ اگر کسی طرف سے اس قسم کی کوشش شروع بھی ہو تو دین کے وہ ٹھیکیدار جو ملائی اور پیری کے مسند نشین ہیں وراثت میں آئی ہوئی ان بیڑیوں کو اپنے اپنے گلوں سے کسی قیمت پر الگ نہیں ہونے دیتے۔ شیعیت کی دنیا تو شروع سے الگ تھی مگر اہلسنت کے آئمہ اربعہ کے مقلدین نے ماسوائے حنابلہ کے دین کی تمام باگ ڈور اپنے ائمہ کے ہاتھوں میں تھما رکھی ہے۔ اُن بزرگ ہستیوں نے کچھ کہا یا نہیں کہا مگر ان کے مقلدین ہر برائی ان کے سر تھوپنے سے ذرہ بھر بھی نہیں ہچکچاتے ان کے علی الرغم اصحاب التشیع نے ہر مجتہد کو یہ حق دے دیا کہ وہ وقت کے حالات کے تحت جو ردّ و بدل موزوں سمجھے کرنے کا مجاز ہے یہی وجہ ہے کہ شیعہ مذہب کے ہر دو کسی ایک امر کسی ایک بات، کسی ایک مسئلہ میں بھی ایک دوسرے سے متفق نہیں شیعہ مذہب کی تمام تفاسیر، روایات اور معتبر کتب میں اصحاب ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اوصاف اسی طرح بیان کئے گئے ہیں جس طرح اہل سنت کی کتابوں میں ہیں مگر نہایت حیران کن امر ہے کہ ان محسوس حقائق کے علی الرغم گھٹیا قسم کے شیعہ مصنفین نے بغیر کسی ثبوت کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف وہ سوقیانہ انداز استعمال کیا ہے جو شیطان کے متعلق بھی استعمال نہیں کیا گیا۔ دراصل یہودی اور مجوسی گٹھ جوڑ کی بنیاد ہی اس عناد پر رکھی گئی تھی کہ فاتحین،

جس قدر برا کہا جا سکتا ہے ——— کہا جائے۔ اسلام نے ایک طرف یہودیوں کو جزیرہ نما عرب سے باہر دھکیلا اور دوسری طرف ہزار ہا سالہ مجوسی شہنشاہیت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ یہ صدمہ یہود و مجوس کے لئے کوئی معمولی صدمہ نہ تھا ایک فرزند مجوس فاروق اعظم کو شہید کر چکا تھا۔ فتنۂ یہود ذو النورین کو خاک و خون میں تڑپا چکا تھا۔ مگر ان کی آتشِ انتقام ابھی سرد نہیں ہوئی تھی بلکہ آئے دن اور بھڑکتی جا رہی تھی۔ حالات نے حضرت علیؓ کے زمانہ میں انہیں چند کامیابیوں سے ہمکنار کیا تو وہ کھل کر سامنے آنے لگے۔ مگر ان کے پاس دینی یا دنیوی طور پر کوئی ٹھوس پروگرام نہ تھا سوا اس کے کہ ایک ہی بات پر وہ متفق ہو سکتے تھے کہ فاتحین ایران اور یہود کو خارج البلد کرنے والوں کے خلاف زبانِ دشنام دراز کی جائے۔ انہوں نے اپنے دعوے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جو لائحہ عمل تیار کیا تھا وہ صرف اس قدر تھا کہ علی وصی رسول ہیں۔ مگر اس وصایت رسول کی جزئیات میں بھی وہ متفق الخیال نہ ہو سکے یہی وجہ ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ کو علیٰ منہاج الخلافۃ بزرگ سمجھنے والے بھی شیعہ اور ان پر تبرا کرنے والے بھی شیعہ ہیں۔

شیعوں کے کسی ایک فرقہ کے دس آدمیوں کے درمیان بھی کسی ایک بات پر اتفاق نہیں۔ مگر ان کے تمام فرقوں میں صرف ایک قدر مشترک ہے اور وہ قدر مشترک صحابہ کرام اور امہات المؤمنین کی پاکیزہ ذاتوں کی دشنام طرازی ہے۔

ان کی اس مجتہدانہ آزادی نے ہر مجتہد کو یہ کہنے کی کھلی چھٹی دے رکھی کہ وہ جو کہے وہی حرف آخر ہے اس آزادی کا بیج مختار نے یہ سوچ کر بویا تھا کہ آج اگر کچھ کہوں گا تو کل ویسا نہ ہونے پر شرمندہ ہوں گا۔ لہذا ایسی کیفیت پیدا کی جائے کہ جو کہوں درست ہو یا غلط میری سیادت اور قیادت قائم رہے۔ بہر حال بدعات کا دروازہ کھولنے میں شیعوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے تولّا اور تبرا نے سر نکالا۔ اس کے ساتھ ہی قرآنی تحریف کی ڈھنڈورا پیٹنی شروع کر دی۔ ساتھ ہی تقیہ بھی نمودار ہوا

اور پھر جلد ہی ماتم شروع ہو گیا اور بغداد میں آلِ بویہ اور مصر میں فاطمیوں کو عروج ملا تو اذان بھی بدل دی گئی۔ متعہ کے جراثیم تقریری طور پر تو ایرانی تحریک کے ساتھ ہی شیعیت میں داخل ہو چکے تھے مگر ان کے پروان چڑھانے میں زیادہ ہاتھ ان شیعہ حکمرانوں کا تھا جو حسین چہروں کو اپنے کاشانہ کی زینت بنانا چاہتے تھے۔ ہندوستان میں پہنچ کر تعزیہ، ندائے یا غیر اللہ کے مشرکانہ افعال کی بھی پورے زور و شور سے تبلیغ شروع ہو گئی۔ جن کی موجودگی میں حنفیت بے معنی سا وجود بن کر رہ گیا۔ اس باب میں احناف کے اس گھبرائے ہوئے گروہ نے بالکل تشیع کا بھرپور ساتھ دیا جو آج بھی ہمارے سامنے انہیں مشرکانہ افعال کو عین اسلام ثابت کرنے میں مصروف ہے۔ اور سوائے اپنے دنیا کا ہر مسلمان ان کے نزدیک کافر ہے۔

تولاّ و تبرّا

تولاّ و تبرّا کو شیعوں نے اپنے اصولِ دین میں سے قرار دیا ہے۔ شیعہ مذہب چونکہ یہودی سازشوں اور ایرانی سیاسی تحریک کے طور پر شروع ہو کر ایک زمانہ کے بعد مذہبی شکل میں منتقل ہوا اس لئے آج تک اس مذہب کی تمام کڑیاں بالواسطہ اور بلاواسطہ ایران کی مجوسیت، ثنویت اور یہودیوں کی تخریبی تکنیک پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے حبِّ علیؓ کی آڑ میں عثمانؓ کی مخالفت کا جو بیج بویا تھا اس سے بھی اسے تقویت ملی۔

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں دونوں بڑی ہی قوتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ مسیحیت چونکہ ایک الہامی مذہب تھا اگرچہ امتدادِ زمانہ سے اپنی اصلی ہیئت کھو چکا تھا مگر اسلام کی آغوش میں پناہ لینے کے بعد اس نے اسلام کو قبول کرنے کے بعد اسلامی عقائد میں کوئی نرالا پن محسوس نہ کر کے اس پر عمل کرنے میں تکلیف محسوس نہ کی مگر مجوسیت سراسر ایک خود ساختہ مذہب تھا جس میں مانویت اور مزدکیت نے مل کر اسے دو آتشہ بنا دیا تھا۔ ایران فتح تو ہو گیا مگر حجاز کی دوری

کی وجہ سے وہ اسلام کی روح کو اپنا نہ سکا۔ پھر یہ فتوحات ایک سیلِ رواں کی طرح ایران کی آخری سرحدوں تک پہنچ گئیں۔ اس لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کی آبادی پر مشتمل ملک میں ہزاروں مبلغوں اور معلّموں کی ضرورت تھی۔ جو سالہا سال کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر کے مجوسیت کے جراثیم دور کر کے اپنے کردار و افعال اعمال اور تبلیغ سے انہیں روحِ اسلام سے شناسا کرتے۔ مگر فتوحات کے اس تیز ترین دور میں فتوحات کے مقابلہ میں تبلیغ و اشاعتِ دین کا کام بہت سست تھا۔ ایران سے سینکڑوں اور ہزاروں مجوسی غلام مدینہ میں پہنچ چکے تھے ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کی مخالفت کی چنگاریاں بجھ بجھ کر بھڑکتیں اور بھڑک بھڑک کر بجھتیں۔ ایران کے لوگ نسلی طور پر بھی اپنے آپ کو عربوں کے مقابلہ میں برتر سمجھتے تھے۔ اسی نسلی تفاخر اور عصبیت نے انکے بزرگوں سے یہ کلمات کہلوائے تھے

زشیر شتر خوردن سوسمار عرب را بجائے رسید است کار

یہاں اس بات کو بھی ذہن سے دُور نہیں کیا جاسکتا کہ فردوسی نے محمود غزنوی کے زمانہ میں شاہنامہ لکھا۔ مگر شاہنامہ کے مطالعہ سے ہر قاری فردوسی کے اسی نسلی عصبیت اور ایران پر مسلمانوں کی فتح کو نہایت ناپسندیدہ انداز میں پیش کرنے کو محسوس کر سکتا ہے

اسی مجوسیت کے ایک فرزند ابو لؤلؤ کے ہاتھوں ۲۶ ذی الحج ۲۳ھ کو فاروق اعظم مسجد میں زخمی ہوئے اور یکم محرم ۲۴ھ کو شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ گویا آتشکدہ ایران کے ایک بیٹے نے سقوط ایران کا انتقام لے لیا۔ اسی ایران سے ابو مسلم خراسانی اُٹھا۔ اسی ایران نے مامون کو اپنا نواسہ سمجھ کر خلیفہ وقت امین کے قتل میں مامون کی مدد کی۔ اسی ایران میں آل بویہ نے اپنی حکومت کی داغ بیل ڈال کر بغداد کی وزارت حاصل کی اور پھر وہاں جبراً شیعی بدعات کو رواج دیا۔

اسی ایران کے صفویوں نے تبلیغ شیعیت کے جوش میں جو ان کے سامنے آیا اُسے خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ اسی ایران سے شاہ عباس نے اُٹھ کر

سنہ ۱۲۲۳ء میں بغداد کو تاخت و تاراج کیا۔ اسی ایران کے شاہ اسماعیل صفوی نے سنہ ۹۱۴ھ میں کربلا کا سفر کیا اور راستہ میں لوٹ مار کرتا ہوا دولت جمع کرکے کربلا پہنچا اور وہاں سی لوٹ کی دولت سے عمارات تعمیر کرائیں۔

بیجاپور اور گول گنڈہ کی ریاستوں کے بانی اسی ایران کی پیداوار تھے سعادت خاں بانی ریاست اودھ بھی ایرانی تھا۔ ایران میں بیٹھ کر ہی ہلاکو نے بغداد کو تاخت و تاراج کرنے کا منصوبہ بنایا اور ابن علقمی نے اس کی راہنمائی کی۔

اسی ایران کے شاہ اسماعیل نے سُنّی علماء کو بلا کر اصحاب ثلٰثہ پر لعنت کرنے کے لئے مامور کیا۔ مگر جب انہوں نے انکار کیا تو سب کو قتل کروا دیا (الوانعایہ صفحہ ۱۳۸)

اسی ایران کے ایک عالم حسین طباطبائی نے جو ان دنوں سمرقند کا گورنر تھا شہر کے دروازے کھول کر حملہ آور تاتاریوں کا استقبال کیا۔ اور اس کی اس غداری کے نتیجے خوارزم شاہی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اور سمرقند کی حکومت پر مسلط رہنے کے لئے اپنی پوتی گلبدن تاتاریوں کی خدمت میں پیش کرنے پر آمادہ ہو گیا جس بھاگ کر جان بچائی۔

اسی ایران کی فوج کے بل پر تیمور لنگ نے انگورہ کے مقام پر بایزید کو شکست دے کر تاریخ اسلام میں ایک دردناک باب کا اضافہ کیا۔ اسی ایران سے نادرشاہی عذاب سعادت خاں کی سازش سے ہندوستان میں قتل عام کا سبب بنا۔ آخر کار ایران کی حکومت اللہ تعالےٰ نے رضا شاہ پہلوی کو بخشی جس نے تمام گذشتہ بدعات اور ظلم و تعدی کا اس طرح ازالہ کیا کہ تبرا اور ماتم حکماً بند کر کے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت کا فخر حاصل کیا۔ اور مرحوم کے جانشین محمد رضا شاہ پہلوی نے باپ کی اس سنت پر اس سختی سے عمل شروع کیا کہ آج ایران کے شیعہ تمام عالم اسلام کے سُنیوں کے دلوں کی دھڑکن بن چکے ہیں۔

الغرض ابولؤلؤ مجوسی نے حضرت عمرؓ کو شہید کر کے شیعت کی دنیا میں ایک ہیرو کا رتبہ حاصل کیا۔ اس کے اس فعل کو صرف مستحسن ہی نہیں بلکہ ایک بہت

ثابت کرنے کے لئے صدیوں بعد پیدا ہونے والے شیعہ علماء نے وضعی روایات کا ایک ذخیرہ مرتب کر ڈالا۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی کی تالیف زاد المعاد کے حوالہ سے نواب محسن الملک نے اپنی کتاب آیات بینات میں حضرت حذیفہ کی طرف ایک حدیث منسوب کی ہے کہ نویں ربیع الاول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت علی اور حسنین کھانا نوش فرما رہے تھے۔ حضرتؐ نہایت خوش تھے اور اپنے نواسوں کو فرما رہے تھے کہ:

"کھاؤ بیٹا کھاؤ۔ یہ کھانا تم کو مبارک ہو۔ کہ آج کا دن وہ دن ہے کہ جس میں خدا اپنے دشمن کو اور تمہارے جد کو ہلاک کرے گا۔ اور تمہاری مادر مشفقہ کی دعا قبول کرے گا۔ کھاؤ بیٹا کھاؤ۔ آج کی تاریخ خدا میرے اہل بیت کے فرعون کو ہلاک کرے گا ۔ ۔ ۔ ۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس روز کو فضیلت دے۔

خدا نے آپ کی دعا قبول کی۔ اور کہا میں نے ملائکہ ہفت آسمان کو حکم دیا ہے کہ اس دن کو جس دن وہ (عمرؓ) مارا جائے شیعہ اپنے محبوں کے لئے عید کریں۔ اور تمام شیعوں کی مغفرت کی دعا کریں۔ میں نے تمام فرشتوں کو بھی حکم دیا ہے کہ اس تاریخ سے تین دن کے لئے قلم آدمیوں سے اُٹھا لیں۔ کوئی شخص کچھ گناہ کیوں نہ کرے اس کو نہ لکھیں اور ہر سال اس دن ہزار ہزار محبان اہلبیت اور شیعہ کو جہنم کے عذاب سے نجات دوں گا ان کے اعمال کو قبول کروں گا اور ان کے گناہوں کو بخشوں گا۔"

شیعہ اس روز کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور عید غدیر سے بھی افضل جانتے ہیں آپ یکم محرم کو شہید ہوئے مگر ۲۴ صفر کو یہ دن منایا جاتا ہے اور اسے یوم عید الاکبر یوم مفاخرہ اور یوم برکت قرار دیا ہے۔ شیعان ہند کے انگریز مصنف نے اس عید کا نام عید عمر لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ شیعانِ ہند اس روز بڑی خوشیاں مناتے ہیں۔

تبرّا بازی کے چند اور نمونے ملاحظہ ہوں

عمر ابن الخطاب علیہ اللعنۃ والعذاب (حیات القلوب مطبوعہ ایران صفحہ ۱۳۶ ...)

قرآن کے مقبول ترجمہ وحواشی میں ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر کے
تحت لکھا ہے کہ الفحشاء سے مراد ابوبکر اور منکر سے مراد عمر ہے اس لئے کہ
دونوں از روئے صورت وسیرت مجسمہ بے حیائی وبدکاری تھے۔

یہ وہی عمر ہیں جن کے متعلق حضرت علیؓ کا یہ قول

نور اللہ قبر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کما نور اللہ مساجد اللہ بالقرآن

اور یہ وہی ابوبکرؓ ہیں جن کے متعلق شیعہ تفاسیر سے والذی جاء بالصدق
وصدق بہ اور دیگر آیات کے تحت فضائل گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکے
ہیں۔ اور یہ وہی ابوبکر اور عمر اور عثمان ہیں جن کی حضرت علیؓ نے بیعت کی او(ر)
بائیس سال کا طویل زمانہ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔

میر حیدر بخش نائب آفرین علی خان نے اصحاب ثلاثہؓ کے نام لکھ کر فرش
تلے بچھوائے۔ لکھنؤ کی کربلا تال کٹورہ میں یہ بات میں نے خود اپنی آنکھوں سے
دیکھی ہے۔

امجد علی کے زمانہ میں اہلسنت کا شمار ہنود میں تھا (طلسم ہند)

اسامی ملعوناں وملعونات کہ تا قیامت برآنہا لعنت باید کرد (مجموعہ امجدیہ صفحہ ۲۰۲)

مسٹر بالسٹر ایم اے مؤلف شیعان ہند نے لکھا ہے کہ:

۱۔ معرفت امام نام کتابچے میں پہلے دونوں خلفاء کے نام تحقیر وتوہین کی غرض
سے (سیخہ ہوا سگ) یعنی الٹے لکھے ہیں۔

۲۔ عمر کی شہادت کے دن تسبیح کے دانوں پر دیگر وظائف کی طرح سو دفعہ بطور
فرض نفلیہ کی طرح یہ وظیفہ کیا جاتا ہے۔ لعنت ہو ابوبکر پر عمر پر عمر پر عمر پر

۳۔ اصحاب ثلاثہ کے نام پاخانوں کی دیواروں اور قدمچوں پر لکھ دیتے ہیں۔

مولوی مسیح الدین جو بطور وکیل یا سفیر مرزا حامد علی اسکندر حشمت۔ اور واجد علی شاہ کی والدہ کے ہمراہ لندن، ریاست کی بازیافت کے لئے گئے تھے اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ لندن میں مرزا جواد علی سکندر حشمت نہایت بیمار ہو گئے اور ایک مہینہ کے بعد قضا کر گئے۔ ان کا عارضہ عجیب و غریب ہوا۔ ایک دنبل ان کی شہرگ پر نکلا وہ ناسور ہو گیا تھا کبھی اس کا منہ بند ہو جاتا تھا اور کبھی دنبل ہو کے پکتا پھوٹتا تھا۔ پھر جب بہنے لگتا تو تسکین ہو جاتی تھی۔ اب کی دفعہ اس ناسور نے زور پکڑا اور اس کے سبب تپ محرقہ ہو گئی۔ آخرش اسی عارضہ میں انتقال کر گئے۔ مرزا اسکندر حشمت کو مذہب تشیع میں بہت تعصب اور غلو تھا چنانچہ کمال جہالت سے انہوں نے ایک طشت چاندی یا تانبے کا بنوایا تھا اور اس پر خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اور بزرگان دین کے نام کندہ کرائے تھے وہ طشت ہمیشہ پاخانہ کی چوکی میں لگا رہتا تھا ۔۔۔ میرے خیال میں اسی بے ادبی کے انتقام میں ان کے شہرگ پر ناسور پیدا ہوا۔

اقول:۔ اودھ کے تمام حکمران شہزادے غازی الدین حیدر سے ان افسوسون کے جوڑ پر دنبل نکلتے رہے مرتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب اسی فعل کے ارتکاب کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر تڑپ تڑپ کر مرتے رہے۔

شیعوں کی تضاد بیانی قول و فعل میں عدم تطابقت ملاحظہ ہو کر حضرت شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی شان میں اس تبرا بازی کے باوجود ان کی درجہ اول کی کتب میں شیخین رضی اللہ عنہما کی تعریف بھی موجود ہے۔ یہ تمام تفصیل دوسرے مقام پر بیان کی گئی ہے

سعادت خان کے زمانہ سے واجد علی شاہ کے دور تک اس شیعہ سلطنت نے اسلام دشمنی کے تمام حربے بے دریغ استعمال کئے۔ ۷ فروری ۱۸۵۶ء کو واجد علی جلاوطن ہوا۔ مگر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کے ظلم و ستم کے باوجود ان لوگوں کی آنکھیں نہ کھلیں اور ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک متعدد بار شیعہ سنی فسادات ہوئے ۱۹۳۵ء میں مدح صحابہ اور تبرا بازی کے شدید ہنگامے ہوئے۔ انہیں حالات میں

کرتا ہوں۔

آج اخلاقی بے مائیگی، کردار کی پستی اور ذہنی تفاخر نے باستثنائے چند عموماً طبقہ علماء کو علمی مباحث کے معاملہ میں اس سطح پر پہنچا دیا ہے کہ کسی معقول سے معقول سنجیدہ سے سنجیدہ اور ٹھوس موضوع کو بھی فرقہ وارانہ رنگ دے کر بجائے اس کے کہ اس پر عالمانہ طور پر بحث و تمحیص یا تبادلہ خیالات کیا جائے۔ محض الزامی اعتراضات اور لفاظی کے پیچ اور غیر متعلق گوشوں میں اُلجھا اُلجھا کر بات کو اس مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے جہاں سے تگ و بازگشت کے بعد مدعی اور قاری دونوں بھول جاتے ہیں کہ اصل موضوع کیا تھا۔ انہیں امورات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زیرِ قلم سطور سے پہلے یہ گذارش ضروری سمجھی گئی ہے کہ اگر اس موضوع پر کوئی صاحبِ علم و فضل اپنی تحقیقات سے مستفید فرمانا چاہیں تو غیر متعلقہ باتوں سے پرہیز فرماتے ہوئے صرف نفسِ مضمون کے متعلق گفتگو فرمائیں۔ یہاں ذہنی ورزش، مناظرہ یا مباحثہ مطلوب نہیں بلکہ حقیقتِ حال کے انکشاف کی ضرورت ہے۔

شیعیت کی ابتدا کب، کہاں اور کن حالات میں ہوئی۔ تاریخِ اسلامی شیعہ سُنی تنازعات کے دھبّوں سے کس قدر داغدار ہے۔ قطع نظران تمام امورات کے اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اسلام کے یہ دو فرقے ہی اسلامی دنیا میں قدیمی اور اولین ہیں اور یہاں تک فریقین متفق الخیال ہیں کہ خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم گروہ اہلسنت کے اکابر سے تعلق رکھتے تھے اور اہلِ سنت خلیفہ چہارم کو بھی خلفائے ثلاثہ کے مقام پر ہی دیکھتے ہیں مگر شیعہ حقیقی خلافت حضرت علیؓ سے شروع کرتے ہیں بہرحال حضرت اسد اللہ الغالب رضی اللہ تعالےٰ کی خلافت کے بعد موخر الذکر گروہ تاریخ میں اپنا نام درج کراتا ہے لیکن اس وقت سے اس وقت تک غیر ضروری بحث کے علاوہ آج تک یہ فرقہ کتاب اللہ کے متعلق بھی متفق الخیال نہیں ہو سکا چنانچہ کسی اور صدی میں دیکھ کر انتہائی حیرانی ہوتی ہے کہ اکثر تیرہ سو سالہ طویل زمانہ میں یہ قرآن کے متعلق اپنا کوئی ٹھوس نظریہ یا عقیدہ پیش نہیں کر سکا۔

تو اور کس اختلاف میں سے معقول طریقہ پر حقیقت حال کی دریافت کے لئے تبادلہ خیال کی زحمت دی جائے۔

اہل التشیع کی مختلف کتابوں میں قرآن مجید کے متعلق پڑھ کر ایک بہت سمجھدار اور مبتدی سے مبتدی بھی حیرت کے سمندر میں پھنس جاتا ہے کہ الٰہی خیر یہ کیا ماجرا ہے۔ میں تکرار نہیں کرنا چاہتا ہوں کہ ان سطور سے میرا مقصد کسی قسم کی بحث نہیں بلکہ محض ایک علمی مکالمہ اور تحقیقات ہے اور جو بھی علم اصحاب اس مضمون میں کچھ لکھیں اپنے رشحات قلم سے مجھے ضرور نوازیں۔ قرآن کو بظاہر فریقین قرآن ہی مانتے ہیں مگر اہل التشیع حضرات کے علمی ذخائر قرآن کے متعلق متفق الخیال نہیں ہیں چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) قال یا ابا محمد وان عندنا الجامعة وما یدریک ما الجامعة قال قلت جعلت فداک وما الجامعة قال صحیفة طولها سبعون ذراعا۔
(اصول کافی ۱۴۶)

ترجمہ:۔ امام جعفر صادق نے فرمایا اے ابو محمد ہمارے پاس ایک جامعہ ہے تجھے معلوم ہے کہ وہ جامعہ کیا ہے، میں نے کہا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں وہ جامعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ قرآن ہے جو ستر گز لمبا ہے اور اس کی کتاب کے صفحہ ۱۴۶ پر لکھا ہے کہ اس کی ہر تاویل اور تنزیل کی بیان کے پاس ہے۔

(۲) وان عندنا لمصحف فاطمة علیها السلام وما یدریهم ما مصحف فاطمة قال مصحف فیه مثله قرآنکم هذا ثلاث مرات والله ما فیه من قرآنکم حرف واحد (اصول کافی ۱۴۶)

ترجمہ:۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے ہاں ایک مصحف فاطمہ بھی ہے، اور تم جانتے ہو مصحف فاطمہ کیا ہے فرمایا وہ ایک قرآن ہے جس میں تمہارے قرآن سے تگنا زیادتی ہے اور خدا کی قسم اس میں تمہارے اس قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے

(۳) قال ان عندنا الجفر وما یدریهم ما الجفر (اصول کافی ۱۴۶)

ترجمہ:۔ امام علیہ السلام نے فرمایا ہمارے پاس جفر بھی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ جفر

گیا ہے۔ کیا وہ ایک چمڑے کا تھیلہ ہے جس میں انبیاء اور اولیاء کے علوم بھرے ہیں اور اس میں علمائے بنی اسرائیل کے علوم بھی ہیں۔

(۴) جو قرآن کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا وہی ہے جو اب لوگوں کے پاس موجود ہے۔ نہ اس میں کچھ کم ہوا ہے نہ زیادہ (رسالہ عقائد مصنفہ شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بابویہ)

(۵) سید مرتضیٰ کہتے ہیں کہ جو قرآن عہد پیغمبر میں تھا وہی اب بھی ہے بلا تفاوت (تفسیر مجمع البیان زیر تفسیر آیات ذلک الکتاب اور انا لہ لحافظون)

(۶) یہ بات جو شیعہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ وہ قرآن میں تغیر و تبدل کے قائل ہیں، محض غلط ہے محققین شیعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں اور جو کوئی کہے تو اس کا کیا اعتبار ہے (مصائب النواصب مصنفہ قاضی نور اللہ شوستری)

(۷) یہ قرآن اسی طرح امام مہدی تک سالم رہے گا۔ (شرح کلینی مصنفہ ملا صادق)

بات طویل ہوتی جا رہی ہے اب صرف تحریف قرآن کے متعلق چند حوالجات سن لیجئے۔

(۸) ابن بصیر امام صادق سے راوی ہیں کہ آپ نے آیہ و من یطع اللہ میں عبارت فی ولایۃ علی کا اضافہ کر کے کہا کہ یہ آیت ویسی طرح نازل ہوئی ہے (اصول کافی ۲۶۲)

(۹) امام جعفر نے امام باقر سے روایت کر کے کہا کہ آپ نے آیت بئسما اشتروا بہ الخ میں فی علی ایزاد کر کے جبرائیل لے اسی طرح رسول اللہ پر نازل کیا (اصول کافی ۲۶۳)

(۱۰) جابر راوی ہیں کہ مما نزلنا علی عبدنا فی علی اور اسی طرح یہ آیت حضور پر نازل ہوئی (اصول کافی ۲۶۳)

(۱۱) مفضل امام جعفر سے راوی ہے کہ اوتوا الکتاب میں نور مبینا سے پہلے فی علی ہے (اصول کافی ۲۶۴)

علیٰ ہذا القیاس ایسی مثالیں بیسیوں ہیں۔ مقصود صرف نمونہ پیش کرنا تھا۔

(۱۲) امیر المومنین نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ اس وقت شیعہ سنی دونوں کے پاس

نہیں۔ مگر ہے ضرور۔ آخر کچھ لوگوں نے اس کو دیکھا ہے (رسالہ عجالہ نافعہ ملا صد۲۳ مصنفہ مولوی محسن علی شاہ سبزواری شائع کردہ جعفریہ ایسوسی ایشن پنجاب)

(۱۳) سالم بن سلمہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق کے پاس قرآن کے ایسے حروف پڑھے اور سنے جو اس قرآن میں نہیں۔ جو لوگ پڑھا کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے اُسے کہا کہ ابھی اسے بند رکھو بلکہ یہی لوگوں کا قرآن پڑھا کر جب تک امام مہدی کا ظہور نہ ہو۔ جب وہ تشریف لائیں گے تو دوسرا قرآن پڑھیں گے۔ حضرت علی نے جو قرآن لکھا تھا وہ جب لوگوں کے پاس لائے . . . تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس قرآن جامع موجود ہے تمہارے قرآن کی ہمیں ضرورت نہیں۔

آپ نے فرمایا بخدا تم یہ قرآن اس کے بعد نہیں دیکھو گے (اصول کافی صـ۶۷۱)

(۱۴) اسی حوالہ ۱۳ کی قسم کی روایت جلال العیون اردو مطبع جعفری لکھنؤ کے صفحہ ۱۵۰ پر درج ہے۔

(۱۵) ہشام بن سالم نے امام جعفر صادق ؑ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ جو قرآن جبرائیل ؑ رسول پاک کے پاس لے کر آئے وہ ۱۷ ہزار آیت کا ہے (اصول کافی صـ۶۷۱)

(۱۶) حضرت عثمان ؓ کا قرآن کی نقلوں کو پھیلانا مسلم لیکن یہی ترتیب قرآن غفلت از اسلام کو طشت از بام کرتی ہے۔ اگر وہ حضرت علی ؑ کے جمع شدہ قرآن کو رائج کرتے تو ان پر کوئی الزام عائد نہ ہوتا۔ ہم نمونہ کے طور پر اس کی چند غلطیوں کو ظاہر کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ (از الانصاف فی الاستخلاف صد۴۵ مصنفہ مرزا احمد علی)

(۱۷) اسی رسالہ میں مرزا احمد علی اس قرآن کی غلطیاں نکالتے ہوئے بڑے فخریہ کہتا ہے کہ ایسا قرآن تو میں بھی لکھ سکتا ہوں۔

(۱۸) کسی معترض نے حضرت امیر کے سامنے چند اعتراض قرآن مجید کے متعلق کئے

بعینہ وہی اعتراضات مرزا احمد علی اس رسالہ میں دوہراتا ہے۔
اور آپ سے کوئی جواب بن نہ آیا تو کہہ دیا کہ قرآن میں تحریف ہو جانے کی وجہ سے
ایسا ہوا ہے (احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۲)
شب آخر آمد افسانہ از افسانہ مے خیزد
نمبر ۲ میں جو روایت بیان کی گئی ہے ایک کتاب میں چند لفظ اس سے زیادہ
بھی دیکھے ہیں۔

قال حتی اذا لله العلم قال انہ لعلم ماھو بذا لک۔ کہا خدا کی
قسم اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔

میں اس مقام پر نہایت درد مندی، دلسوزی اور رقت قلب سے یہ بیان کئے
بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا کہ مقلدین حضرات بھی اس میدان میں شیعہ حضرات کے
پہلو بہ پہلو رواں دواں ہیں۔ چنانچہ اتقان میں ہے کہ ابن عمر اپنے معتقدین
کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ مجھے پورا قرآن
ملا ہے۔ پورا قرآن کسی کو نہیں ملا۔ اور نہ کوئی جانتا ہے کہ پورا قرآن کس قدر تھا
کیونکہ بہت سا حصہ قرآن کا جاتا رہا ہے۔ البتہ تم یہ کہو کہ قرآن مجید جس قدر ظاہر تھا
وہ ہم کو ملا ہے۔ (نوع ۴۷ اتقان)

معالم التنزیل میں بغوی صاحب دصا نزل من قبلك و المقيمين
الصلوٰة کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ۔ و اختلفوا فی وجہ انتصابہ ـــــ الی
ولا یجیں صر حلال۔

اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آیت اوّل پارہ ۶ رکوع اوّل میں
حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور ابان بن عثمان نے غلط قرار دے کر کاتب
کو بدنام کیا ہے کہ اس نے غلط لکھی ہے یہاں لفظ والمقیمین کی بجائے والمقیمون
ہونا چاہیئے۔

اسی طرح پارہ ۴ رکوع ۱۳ میں و لا تحسبن کو ولا تحسبن پڑھنے کا حکم دیا

پارہ ۱۶ رکوع ۱۱ میں ان ھٰذٰان لساحران کی بجائے ان ھٰذین کو صحیح کہا۔ اور فرمایا حضرت عثمان جامع القرآن نے کہ قرآن مجید میں نحوی غلطیاں ہیں مگر اہل عرب اپنے لہجہ میں انہیں درست کر لیں گے۔ پس کہا گیا عثمان کو کہ آپ ان غلطیوں کو درست نہیں کر سکتے تو آپ نے جواب دیا کہ ان غلطیوں کو رہنے دو کیونکہ یہ غلطیاں حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتیں۔

میرا روئے سخن یہاں صرف شیعہ حضرات سے ہے۔ مقلدین سے نہیں۔

ورنہ ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

چونکہ قبر پرستی اور دیگر متعدد مشرکانہ افعال میں دونوں گروہ تقریباً ہم خیال ہیں اس لئے اس میدان میں بھی دونوں نے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ البتہ یہ تمام اسباق احناف نے شیعوں سے سیکھے ہیں۔ چونکہ پہلا شیعہ فیروز جو حضرت عمر کی شہادت کا سبب بنا اور دوسرا شیعہ عبداللہ بن سبا جو حضرت عثمان کی شہادت کا سبب بنا۔ حضرت ابو حنیفہ کے اجتہاد سے سو سال پہلے گذر چکے تھے۔

ماتم اور تعزیہ داری:۔

۳۲۹ھ میں راضی باللہ کے زمانہ میں علی بن بویہ نے فارس میں اپنی حکومت قائم کی اور اس کے بھائی حسن بویہ نے اصفہان اور جبل پر اپنا تسلط قائم کیا۔

۳۴۲ھ میں معز الدین نے مصر میں فاطمی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

چنانچہ تصویر کربلا صفحہ ۹۶ مطبع یوسفی دہلی میں سید آل محمد لکھتے ہیں کہ

"خدا نے اپنے نور کے اتمام کو بذریعہ دو بادشاہ بزرگ کے دو مملکت وسیع میں حاکم کر کے لغرا غیابی دکھایا اور اس کی عزت دکھائی۔ انکے سبب سے باقامت مراسم شیعہ کامیاب ہوئے"

پہلے بادشاہ معز الدولہ ابو الحسین احمد بن ابی شجاع بویہ بن ابی فنا خرد بادشاہ

ایران تھے شیخ عمر بن الوردی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۳۵۲ھ میں معزالدولہ نے نوحہ کرنے، طمانچے مارنے اور عورتوں کے بال بکھیرنے کا امام حسینؓ کی مصیبت میں حکم دیا۔ اور اہلسنت بہ سبب شیعہ بادشاہ کے اس کے منع کرنے سے عاجز رہے پھر صاحب تمقام فرماتے ہیں کہ ۳۵۲ھ کا حال ایک کتاب میں میری نظر سے گذرا ہے کہ معزالدولہ نے اہل بغداد کو حکم دیا کہ اپنے منہ پر خراش کر کے بال بکھیر کر منہ نوچتے اور پیٹتے کوچہ و بازار میں گریہ کریں۔

دوسرے بادشاہ معزالدین اللہ ابو علیم محمد بن منصور بن قائم بن مہدی عبداللہ فاطمی ۳۴۱ھ میں تخت سلطنت مصر اور مغرب پر زینت بخش ہوئے اور اسماعیلیوں کی خلافت ان کو ملی۔ تقی الدین مقریزی نے کتاب الخطط والاثار میں لکھا ہے کہ ۳۶۳ھ میں معزالدین نے شیعوں کی طرف مشہد کلثوم اور نفیسہ بھیجا اور وہ امام حسین پر نوحہ و بکا کرتے تھے۔ ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ رسم دولت اسماعیلیہ میں تا حکومت آل ایوب جاری رہی (ملخصاً)

معلوم ہوا کہ تعزیہ داری یا ماتم کی رسم چوتھی صدی ہجری کے وسط میں جاری ہوئی۔ مگر ہندوستان کی دکنی شیعہ ریاستوں یا دیگر مقامات پر ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ برصغیر میں یہ رسم آصف الدولہ کے زمانہ میں جاری ہوئی۔

چنانچہ مجاہد اعظم کے شیعہ مؤلف کے الفاظ ہیں کہ:۔

تعزیئے جس طرح ہندوستان میں ہوتے ہیں کہیں بھی نہیں ہوتے یہاں تک کہ ایران جو شیعوں کا خاص گھر ہے وہاں بھی اس کا رواج نہیں۔ ہندوستان کے طول و عرض میں ہر جگہ تعزیئے بنائے جاتے ہیں اور یہ شیعوں پر ہی منحصر نہیں بلکہ سنی (مبارک ہو احناف کو ملمولف)، اور ہندو بھی اس رسم میں شریک ہیں۔ آخر اس کی ابتداء کب ہوئی۔ کس نے اور کیوں کی؟ افسوس کہ اس کے جواب میں تاریخ خاموش ہے۔۔۔

(ص ۳۳۳)

گنبد دار تعزیہ کا رواج غالباً لکھنؤ سے ہوا۔ بعض سن رسیدہ لوگوں سے سنا گیا ہے کہ آغاز زمانہ نواب آصف الدولہ بہادر میں اول ایک سبزی فروش نے بانس اور کاغذ کا تعزیہ بنایا۔ وہ سبزی فروش مرگیا تو وہاں میر باقر نے ایک تعزیہ بنوایا۔ اس کے بعد تعزیوں کا رواج ہوا۔ ۔ ۔ شدہ شدہ تمام ہندوستان میں اس کا رواج ہوگیا (مجاہد اعظم ص ۳۴۳)

"تاریخ خطہ پاک بلگرام" کے مؤلف نے لکھا ہے کہ یہاں کے مشہور تعزیوں میں بنیوں کا تعزیہ، کنجڑوں کا تعزیہ۔ کرم میاں کا تعزیہ۔ رسول بخش، حیدری، پنجہ، قصابوں، گاؤ قصابوں، خیاطوں، معماروں، جوگیوں، نوربافوں، گاذروں کے تعزیئے امام باڑے میں آکر شریک گشت ہوتے۔ ان کے علاوہ

الشیری ساہ بقال ہیرالال بھڑبھونجی۔ سوہن بقال، گوکل تنبولی، لچھن بقال، سوہن نجار بھی تعزیئے بناتے ۔ ۔ ۔ غرضیکہ تمام شہروں اور قصبات میں نچلے طبقے کے لوگ، پیشہ ور نائی، قصائی، تیلی، تنبولی، دھنے، جلاہے، دھوبی، سقے، کنجڑے جو اکثر شیعہ جاگیرداروں کی رعایا ہوتے تھے (جاگیرداروں کو خوش کرنے کے لئے) تعزیئے بناتے۔

صوفی جو پیری مریدی کے پردے میں شیعیت کی تبلیغ کرتے تھے اپنے مریدوں سے تعزیئے بنواتے۔

تعزیئے تو معز الدولہ نے بھی نہ بنوائے نہ گشت کرائے، حالانکہ ماتم حسین منانے کی ابتدا واقعہ کربلا سے تین سو سال بعد اسی نے اپنے زمانہ امیر الامرائی میں بغداد میں جاری کرائی تھی۔ مگر تعزیہ کی گشت کی ابتدا لکھنؤ سے ہوئی (مجاہد اعظم)

شواہد الصادقین میں سید احمد شاہ لکھتے ہیں کہ تعزیہ، علم، ذوالجناح شعائر خدا ہیں (ص ۲۰ سطر ۱۹) — دیگر تین سو سال تک شعائر خدا کہاں روپوش رہے ہوئے تھے فیصلہ کیا۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ:۔ دشمنوں کو معاف کرنا ہمیں آل یعقوب سے

مصیبتوں پر صبر کرنا آلِ ایوب سے ورثہ میں ملا ہے (فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۲۴ مطبع نولکشور)
صبر کا ایمان سے وہی رشتہ ہے جو سر کا جسم سے۔ اگر سر کو جسم سے الگ کر دیا جائے
تو بے جان لاشہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر دامان صبر چھوٹ جائے تو ایمان
نہیں رہتا (نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۱۶۵، اصول کافی باب الصبر)
حضرت زین العابدین فرماتے ہیں جو مصیبت کے وقت صبر نہیں کرتا وہ مومن
نہیں (الصافی شرح اصول کافی حصہ اول جزو دوم صفحہ ۱۷۰)
(مگر جن باتوں سے آئمہ کرام نے منع کیا ان کے خلاف کرنا ہی شاید شیعوں کے
لئے عین عبادت ہے مؤلف)
آج تعزیئے ہیں تو حسینؓ کے۔ ماتم ہے تو حسینؓ کا۔ مجلسیں منعقد ہوتی
ہیں تو حسینؓ کے نام پر۔ مرثیہ خوانی ہے تو حسینؓ کے نام کی۔ حالانکہ حضرت
علیؓ شہید۔ حضرت حسنؓ شہید۔ حضرت موسیٰ رضا شہید۔ حضرت مسلم شہید قاسم
اور محمود شہید۔ مگر جو کچھ ہوتا ہے صرف حسین کے نام پر ہوتا ہے۔
یہاں سید غوث علی شاہ پانی پتی کا ایک لطیفہ یاد آگیا ہے کہ کسی منچلے سنی
نے بار شیعوں کی کسی مجلس میں بیان کیا کہ آج رات کو خواب میں مجھے حضرت
حسینؓ کی زیارت ہوئی ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ایک بہترین گھوڑے پر
سوار ہیں آپ کے ہمرکاب ہزاروں کا قافلہ ہے اور آپ بڑی شان و شوکت
و کروفر سے کہیں تشریف لے جا رہے ہیں شیعوں نے ایک سنی کی زبان سے
ایسے کلمات سن کر سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا شروع کیا۔ ذرا دم لے کر خواب
بیان کرنے والے نے اپنا بیان آگے بڑھایا اور کہا کہ میں نے اس کے بعد دیکھا
کہ ایک اور نہایت خوبصورت نوجوان گھوڑے پر سوار تشریف لا رہے ہیں۔
ان کے جلو میں بھی کچھ آدمی ہیں مگر پہلے جلوس سے کچھ کم پوچھنے پر معلوم ہوا
کہ حضرت حسنؓ ہیں۔ اس کے بعد ایک بزرگ معمولی قسم کے گھوڑے پر سوار نظر آئے
ان کے ہمراہ گنتی کے چند آدمی تھے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ ہیں۔

ان کے بعد ایک اور نورانی صورت بزرگ معمولی سے گھوڑے پر سوار آتے نظر آئے جن کے ساتھ صرف تین آدمی ہیں۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ حضرت محمد الرسول اللہ ہیں۔ ان کے معاً بعد ایک اور پیر مرد ایک مریل سے ٹٹو پر سوار یکہ و تنہا آرہے ہیں ان کے متعلق استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ میاں ہیں۔

گویا جو کچھ ہے صرف حضرت حسینؓ کے لئے ہے۔ کیا حضرت حسینؓ کی شہادت ہی مظلومانہ تھی اور باقی شہدا کی شہادت کھیل کود کے طور پر واقع ہوئی تھی اصل بات یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کو شیعوں نے اپنے نظریات کی اشاعت کے لئے ایک آڑ بنا کر شہرت دی۔ اور اس آڑ میں آگے چل کر بہت کام لئے یہاں تک کہ سب کچھ حسینؓ کی شہادت ہی رہ گیا۔ میدان کربلا کی یاد کتنے انوکھے طریقے سے منائی جا رہی ہے۔ کہیں مہندی بازی ہو رہی ہے۔ کہیں ذوالجناح کا جلوس ہے کہیں ماتم اور مرثیہ خوانی ہے۔ کہیں دیگیں دم پخت ہو رہی ہیں۔ کہیں خوش رنگ خوش ذائقہ اور شیریں تر مفرح اور خوشبو دار شربت اڑائے جا رہے ہیں اور سال بھر سے جو امام باڑے صرف باڑے تھے سجا سجا کر بقعۂ نور بنائے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ ماتم حسینؓ کی یاد میں کیا جا رہا ہے۔ حضرت حسینؓ تو پیاسے شہید ہوں اور ان کے ماتمی مفرح شربت اڑائیں۔ حضرت حسینؓ بھوکے شہید ہوں اور ان کے مرثیہ خوان بریانی متنجن اور قورمے سے کام و دہن کی تواضع کریں حضرت حسینؓ تو سجدہ میں سر کٹائیں اور ان کے ملنگ بھنگ چرس کے نشہ میں مست ہو کر ماتم کے نام پر بھنگڑا اڑائیں۔

یا للعجب۔ مسجدیں ویران۔ امام باڑے پُر آباد۔ نمازیں غتر بود۔ روزے صوم کے لطف سے بھر پور۔ چہرے سنت رسول سے خالی اور پھر ماتم حسینؓ!

یہاں ایک سچا واقعہ بیان کئے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا کہ کسی مقام پر تعزیہ کا جلوس جا رہا تھا اور ساتھ ہزاروں کا گروہ ماتم میں مشغول تھا۔ لب سڑک ایک ہینگ بیچنے والا کابلی اپنا تھیلہ سرہانے رکھ لیٹا ہوا تھا۔ جلوس کو دیکھ کر ہڑ بڑا کر

اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور پوچھنے لگا تم لوگ کیا کر رہا ہے۔ کسی نے مجمع سے جواب دیا ہم لوگ حسینؓ کا ماتم کر رہے ہیں۔ کابلی نے پوچھا حسینؓ کون تھا؟ جواب ملا نبی کا نواسہ۔ کابلی نے پھر پوچھا اُسے کس نے شہید کیا جواب ملا یزید نے کابلی چند منٹ گردن نیچی کرکے سوچتا رہا اور پھر سر اٹھا کر پوچھنے لگا تم لوگ اگر اُس وقت حسین کے ساتھ ہوتا تو کیا کرتا۔ کسی نے جواب دیا ہم ساتھ ہوتے تو امام پاک کے ساتھ شہید ہو جاتے۔ کابلی نے آستین چڑھا کر کہا تو ہم یزید ہے۔ ہم نے حسینؓ کو مارا ہے۔ آؤ ہم کو قتل کرو۔ مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کابلی نے چند بار للکارا مگر کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر کابلی آگے بڑھ کر بولا ہم یزید نہا تم نے ہم کو قتل نہیں۔ اب تم میں سے کوئی یزید نہو۔ اور ہمارا تماشہ دیکھو۔ بولو کون تم میں سے یزید ہے۔ بولو خاموش کیوں ہو گیا۔ کابلی کا یہ نعرہ مستانہ سن کر تمام مجمع کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ آخر کابلی چلا کر کہنے لگا نہ حسین نہتا ہے نہ یزیدی اور خواہ مخواہ ڈھونگ اور فریب کرتا ہے چھوڑو اس ڈھونگ کو اور اللہ اللہ کرو۔

شیعہ اور اذان:

شیعیت اور حنفیت نے جس طرح دوسرے کئی امورات میں رخنہ اندازیاں کیں اسی طرح اذان بھی ان کی دستبرد سے نہ بچ سکی۔ اصل اذان کے کلمات یہ ہیں۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر ـــــ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر

اشہد ان لا الہ الا اللہ ـــــ اشہد ان لا الہ الا اللہ

اشہد ان محمد الرسول اللہ ـــــ اشہد ان محمد الرسول اللہ

اشہد ان لا الہ الا اللہ ـــــ اشہد ان لا الہ الا اللہ

اشہد ان محمد الرسول اللہ ـــــ اشہد ان محمد الرسول اللہ

حی علی الصلوٰۃ ـــــ حی علی الصلوٰۃ

حي علی الفلاح　　　حي علی الفلاح

اللہ اکبر　　　اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ

صبح کی اذان میں حي علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دوبار

اقامت میں اللہ اکبر دو بار

اشہد ان لا الہ الا اللہ ایک بار

اشہد ان محمد الرسول اللہ ایک بار

حي علی الصلواہ ایک بار۔ حي علی الفلاح ایک بار۔ قد قامت الصلوٰۃ ۲ بار

اللہ اکبر دو بار۔ لا الہ الا اللہ ایک بار۔

چنانچہ کتب فقہ میں بھی ترجیع یعنی اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد الرسول اللہ کو چار چار بار کہنا مرقوم ہے۔ دیکھئے (ترجمہ ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۹۲ نولکشور مطبوعہ ۱۸۹۶ء ایکنز صفحہ ۳) چنانچہ متعدد احادیث میں اذان کے انیس کلمات بیان کیے گئے ہیں۔ مگر احناف نے چار کلمات اڑا دئیے۔ اور اس کی بجائے چند سالوں سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ وعلیٰ آلک واصحابک۔ یا حبیب اللہ کہیں اذان سے پہلے متصل اور کہیں بعد میں تین تین بار یا پانچ پانچ بار زیادہ کر لئے۔ مجھے یہ بھی تسلیم ہے کہ ترجیع کے بغیر بھی اذان کے متعلق روایات موجود ہیں مگر ترجیع والی احادیث پر عمل کرنا ہی اولیٰ اور انصب نظر آتا ہے۔ اور شیعہ حضرات نے کہیں تو دو پڑھائے کہیں چار پڑھائے اور کہیں عبارتوں کی عبارتیں ہی بڑھا دیں۔

اذان کی ابتداء مدینہ میں اس وقت ہوئی جب نمازیوں کی تعداد بڑھ گئی اور نماز با جماعت ادا کرنے میں نمازی تکلیف محسوس کرنے لگے۔ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ نماز کے لئے بلانے کے واسطے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ کسی نے کہا آگ جلا کر اطلاع دی جائے۔ کسی نے کہا ناقوس پھونکا جائے۔ علیٰ ہذا القیاس مختلف آراء پیش کی گئیں۔ بعض کہتے ہیں حضرت عمر نے

اذان کا مشورہ دیا۔ بہرحال کچھ بھی ہو اذان کے موجودہ کلمات کی بنا یہ ہے کہ عبداللہ بن زید بن عبداللہ نے اپنے آپ کو خواب میں اذان دیتے دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ کلمات بلال کو سکھا دو۔ وہ بلند آواز ہیں۔ یہ واقعہ اواخر ۱ھ ہجری کا ہے۔ عموماً ابن ام مکتوم اور بلال مسجد نبوی میں، ابو محذورہ مسجد حرام مکہ میں، حضرت سعد القرظ مسجد قبا میں بعہد رسالت اذانیں اسی طرح کہتے رہے ۸ھ فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوکر بلالؓ نے یہی اذان دی پھر تمام خلافت راشدہ میں امویوں اور عباسیوں کی ملوکیت کے دور میں یہی کلمات تواتر سے جاری رہے۔ عباسی دور میں جب تلمذان وزارت اور امیرالامرا کا عہدہ شیعہ آل بویہہ کو ملا تو انہوں نے یہ بدعت ایجاد کی۔ مگر شیعہ سنی فساد ہوگیا۔ آخر بنی بویہ کی وزارت جاتی رہی اور وزارت پر سلجوقی ترکوں نے قبضہ کیا تو شیعوں نے نہ صرف حی علی خیرالعمل ترک کیا بلکہ فجر کی اذانوں میں الصلوٰۃ خیر من النوم بھی کہنے لگے۔

۱۔ شیعہ امامیہ کے مجتہد اعظم ابن بابویہ قمی الصدوق نے اپنی کتاب من لایحضرہ الفقیہ میں بھی یہی اصل اذان لکھی ہے۔

۲۔ ملا باقر مجلسی نے بھی حیات القلوب کے چوبیسویں باب میں معراج کے ذکر کے تحت یہی اصل کلمات حضرت جبرئیل کے ذریعہ بیان کیے ہیں۔

۳۔ حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی گود میں سر رکھ کر آرام فرماتے کہ جبرئیل نے اذان کے کلمات بتائے۔ فرشتے کے جانے کے بعد نبی علیہ السلام نے علی سے پوچھا تم نے اذان سن لی۔ آپ نے کہا ہاں سن لی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا بلاؤ بلال کو اور اسے سکھا دو۔ وہاں بھی اسی اصل اذان کے کلمات بیان کیے گئے ہیں۔ (من لایحضرہ الفقیہ ص۶۲ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)

ان مقامات میں کہیں بھی حی علی خیرالعمل یا اشہد ان علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کا ذکر نہیں۔

۴- اب ابن بابویہ متوفی ۳۸۱ھ کی دوسری روایت سنیے۔ ابوبکر الحضرمی اور کلیب الاسدی سے روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے ہمیں اذان میں حی علی خیر العمل کے کلمات سکھائے تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مضائقہ نہیں اگر صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہہ لیا جائے۔ فرقہ مفوضہ[1] نے کہا کہ اللہ کی ان پر لعنت ہو حدیثیں گھڑ لی ہیں اور اذان میں "محمد و آل محمد خیر البریۃ" دو دفعہ بڑھا دیا ہے اور ان کی بعض روایتوں میں اشہد ان محمد رسول اللہ کے بعد اشہد ان علیاً ولی اللہ دو مرتبہ اور بعض نے اس کی بجائے اشہد ان علیاً امیر المومنین حقاً و ان محمد و آلہ خیر البریہ بڑھایا۔ یہ سب عبارتیں لکھنے کے بعد لکھتے ہیں ولکن ذلک لیس فی الاذان

(من لایحضرہ الفقیہ)

۵- تیسری صدی ہجری کے بعد بعض غالی شیعوں نے بعض کلمات وضع کر کے اذانوں میں شامل کیے۔ عبیدیوں کے سپہ سالار جوہر نے جب مصر پر قبضہ کیا تو حی علی خیر العمل کے الفاظ اذانوں میں کہلوائے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۶۹)

۶- عبیدیوں کے زمانہ میں شام کے زیر تسلط علاقوں میں حی علی خیر العمل جاری ہو گیا (ایضاً ص ۲۷۰) ملک الاقیسس نے وہاں سے رفض کو مٹایا تو اذان پھر اصل الفاظ میں شروع کر دی گئی۔

۷- شیعوں کی اکثر کتب میں ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا جائز نہیں کہ ان کلمات (یعنی معمول بہ اذان) کے علاوہ ۔۔ بدعت اور اپنی طرف سے شریعت لی جائے۔

۸- غرض ابن بابویہ متوفی ۳۸۱ھ تک اذان کے یہی کلمات تھے۔ اگر کوئی زیادتی تھی تو حی علی خیر العمل کی تھی۔ پھر فرقہ مفوضہ نے چند کلمات بڑھائے جنہیں ابن بابویہ نہایت نفرت سے دیکھتے ہیں مگر وصی رسول اللہ وخلیفہ بلا فصل فرقہ مفوضہ نے بھی شامل اذان نہیں کیے۔

---

[1] فرقہ مفوضہ یا تفویضیہ وہ فرقہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے دنیا پیدا کرنے کے بعد تمام امور آنحضرت محمد اور علی بلکہ صرف علی کے سپرد کر دیے ہیں۔ جو چاہیں حلال کریں جو چاہیں حرام کریں۔

۹۔ چوتھی پانچویں صدی ہجری میں عراق اور ایران میں بڑے بڑے انقلابات آئے لیکن حی علی خیر العمل سے زائد کلمات رائج نہ ہوئے۔

۱۰۔ عباسی ملوکیت کے خاتمہ کے چار سو سال بعد ایران میں صفویوں کی حکومت قائم ہوئی۔ تو انہوں نے ایران کا سرکاری مذہب شیعہ قرار دیا۔ اسماعیل صفوی نے کوشش کی کہ اپنا شجرہ علیؓ سے ملائے۔ اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ (ہسٹوریز آف دی مڈل الیسٹ ص۲) اب اس نے ضروری سمجھا کہ ایران سے سُنّی مذہب کا خاتمہ کرے چنانچہ پروفیسر براؤن ادبیات ایران میں لکھتا ہے کہ سُنیوں کے قتل پر شیعہ شاعری اپنے ورغلاتے تھے اس کے زمانہ میں اشہد ان علی ولی اللہ کے کلمات اذان میں بڑھائے گئے۔

۱۱۔ صفویوں کے زمانہ میں جنوبی ہند میں بیجاپور اور گولکنڈہ وغیرہ کی شیعی ریاستوں میں اشہدان علی ولی اللہ کا رواج ہوا۔ مگر یا محمد، یا علی، یا حسین کا رواج نہ تھا۔

۱۲۔ علی شاہ اول بیجاپور کے حکمرانوں نے تنخواہ دار تبرا کہنے والے شیعہ ملازم رکھے اور صفویوں سے تعلقات قائم کر کے ان کا نام خطبہ میں پڑھنا شروع کیا آخر ۱۰۸۰ھ میں اورنگ زیب نے ان ریاستوں کا خاتمہ کر دیا اور تبرا بازی اور اذان کے زائد کلمات ختم ہوئے۔

۱۳۔ ۱۱۱۹ھ میں اورنگ زیب کے بڑے بیٹے معظم نے جو مسلکاً شیعہ تھا اور بہادر شاہ کے نام سے حکمران بنا۔ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کے کلمات اذان میں بڑھانے کا حکم دیا۔ مگر اس کے اس حکم پر عمل کرنے سے لاہور کی جامع مسجد کا خطیب قتل کر دیا گیا (سیر المتاخرین ج۲ ص۱۰۳)

۱۴۔ ایسے ہی حالات دیگر صوبوں میں بھی پیدا ہوئے بادشاہ نے تشدد سے دبانا چاہا مگر مخالفت بڑھ گئی آخر بادشاہ کو یہ حکم واپس لینا پڑا (شیعانِ ہند ص۱۳۹)

۱۵۔ ۱۱۳۵ھ میں برہان الملک سعادت خان کو اودھ کی حکومت ملی مگر اذان حسب دستور

یہی جاری رہی۔ ۱۲۰۰ھ کے قریب آصف الدولہ نے اشہد ان علیاً ولی اللہ و وصی رسول اللہ وخلیفۃ بلافصل کے کلمات شیعہ مجتہد مولوی دیدار علی کے مشورہ سے شروع کئے۔ خلیفۃ بلا فصل کے کلمات سے اصحاب ثلاثہ کو غاصب قرار دینا ظاہر ہوتا تھا اس لئے فساد ہوگیا تو انگریز ریذیڈنٹ نے کلمات بند کرا دیئے۔

۱۶۔ چنانچہ شیعہ مجتہد شمس العلماء نجم الحسن سے شیعان ہند کے انگریز مؤلف نے کہا رسم سمجھے۔ اس نے لکھا ہے کہ علی ولی اللہ تو اذانوں میں کہا جاتا تھا مگر وصی رسول اللہ وخلیفۃ بلا فصل کے الفاظ نہیں کہے جاتے تھے۔

شیعوں کی طرح احناف کا بریلوی گروہ ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہے شیعہ تو اذان میں چند کلمات کہنے پر اکتفا کرتے ہیں مگر بریلوی اذان سے پہلے اور بعد کئی کئی منٹوں تک الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ اور نعتیں اور قوالی شعر اور لے میں پڑھتے رہتے ہیں۔

حالانکہ یہ امر واضح اور بدیہی ہے کہ اذان سے متصل اوّل یا آخر کسی قسم کا کلمہ کہنا ہرگز ہرگز درست نہیں۔

ا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص نے اذان سے بعد نماز، نماز پکارنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا کیا تو پاگل ہے (ابوداؤد باب تثویب)

۲۔ حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ میں عبد اللہ بن عمر کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان کہی جا چکی تھی مؤذن نے تثویب کہی۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر مسجد سے نکل آئے۔ اور فرمایا ہم کو اس بدعتی کے پاس سے لے چلو۔ آپ نے اس مسجد میں نماز نہ پڑھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے اسے مکروہ بتایا (ترمذی شریف)

مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ جس مسجد میں تثویب کہی جاتی ہو اس میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ عبد اللہ بن عمر حالانکہ آخری عمر میں نابینا

ہو گئے تھے مگر پھر بھی اس مسجد میں نماز نہ پڑھی جس میں تثویب کہی گئی تھی
۳۔ حضرت علی رضؓ نے ایک موذن کو دیکھا کہ وہ عشاء کے وقت تثویب کہہ رہا ہے
آپ نے فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

اقول: شیعہ اور بریلوی اس بدعت میں ایک دوسرے کے ہم پہلو بلکہ طابق النعل بالنعل ہیں۔ فلتنا فس المتنا فسون (مزید تفصیل چھٹے باب میں آئے گی)

متعہ:

شیعہ مذہب میں متعہ سے مراد ہے کہ عورت اور مرد آپس میں با رضامند ہوکر ہم بستر ہو جائیں۔ شیعہ اصطلاح میں اسے زنا نہیں بلکہ متعہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ شیعہ مذہب کی معتبر کتب میں آئمہ کرام سے نقل کیا گیا ہے کہ متعہ ایک ایسا نکاح ہے جو تھوڑی دیر کے لئے ہو۔ اس میں نہ گواہوں کی ضرورت ہے اور نہ اس میں عدت ہے اور کم از کم جو اجرت عورت کو ادا کی جائے خواہ وہ ایک درہم (ساڑھے تین آنے) ہی کیا ہو۔ (فروع کافی جزء ۲ صفحہ ۱۸۹) (تہذیب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۸۹۔۱۹۳)

متعہ کی دو قسمیں ہیں دائم اور غیر دائم۔ دائم وہ ہے جس میں مدت مقرر نہ ہو اور غیر دائم وہ ہے جس میں مدت مقرر ہو خواہ وہ ایک ساعت ہو یا ایک سال یا بیشتر (توضیح المسائل ج ؟)

متعہ کرنے کے ثواب کے بارے میں بے حساب روایات معتبر کتب شیعہ میں موجود ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) فرمایا کہ جو ایک دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ امام حسینؓ کے برابر ہے اور جو دو دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ امام حسنؓ کے برابر ہے اور جو تین دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ حضرت علیؓ کے برابر ہے۔ اور جو چار دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ میرے درجے کے برابر ہے (تفسیر منہج الصادقین جزو خامس صفحہ ۴۸۹)

(نا معلوم پانچ یا اس سے زائد بار متعہ کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کے مقام تک پہنچ جاتا ہوگا) (للمولف)

۲۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو متعہ کرنے کے بغیر مر جائے گا قیامت کے دن اس کی ناک کٹی ہوئی ہو گی (تفسیر منہج الصادقین جزو خامس صفحہ ۴۹۳)

۳۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے بھی متعہ کیا تھا (الینابیع باب آلمتعہ حدیث ۳۳ صفحہ ۳۴۲)

۴۔ معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا اے نبی تمہاری امت کی متعہ کرنے والی عورتوں کی مغفرت کر دی گئی (ایضاً حدیث نمبر ۱۸)

۵۔ کوئی مومن اس وقت تک کامل ایمان نہیں ہو سکتا جب تک متعہ نہ کرے (ایضاً حدیث نمبر ۲۱)

۶۔ جب متعہ کے بعد انسان غسل سے فارغ ہوتا ہے تو جتنے بال پانی سے تر ہوتے ہیں اتنے گناہ معاف ہوتے ہیں (من لایحضرہ الفقیہ صفحہ ۱۳۱)

۷۔ ایک رات عمرؓ نے علیؓ مرتضےٰ کو اپنے گھر بلایا۔ جب رات کا کچھ حصہ گذر چکا تو عمرؓ نے علی مرتضےٰ کو وہیں سو رہنے کو کہا۔ پس علی مرتضےٰ نے وہیں آرام کیا۔ صبح کے وقت جب علیؓ عمرؓ کے گھر سے نکلے تو عمرؓ نے بطور تعریض کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مومن کو مناسب نہیں کہ اپنے شہر میں بغیر عورت کے مجرد شب بسر کرے تو علی نے جواب دیا کہ میرے مجرد رہنے کا تمہیں کہاں سے علم ہوا۔ تحقیق میں نے آج رات کو تمہاری فلاں ہمشیرہ سے متعہ کیا (انوار نعمانیہ نور طہارت و صلوٰۃ صفحہ ۔۔)

مشہور تارک الدنیا فقیر اور سیاح سید غوث علی شاہ پانی پتی متعہ کے متعلق اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ لکھنؤ میں ایک امیر زادہ شیعہ ہمارے پاس آیا کرتا تھا۔ اتفاق سے اس کی تاریخ نکاح قرار پائی۔ رات کے وقت خود آیا اور باصرار تمام ایک ہاتھی پر سوار کرا کے ہم کو بھی لے گیا۔ اور حسب وعدہ ہم کو علیحدہ مکان میں اتارا۔ کوئی آدھی رات گذری ہو گی کہ نوشہ کا باپ بزم عقد میں شریک ہونے کے لئے ہم کو لے گیا۔ صیغہ شروع ہونے کو تھا کہ ایک دایہ سر محفل آن کر کہنے لگی کہ اس نیک بخت یا رسا لڑکی کو پانچ مہینے کا حمل بھی ہے۔ مگر حرام کا نہیں بلکہ متعہ

شرعی کا ہے۔ یہ بات سُن کر وہ لپا چونکا۔ اور بے پا کانہ کہہ اُٹھا کہ میں نکاح نہیں کرتا۔ ہر چند لوگوں نے سمجھایا ایک نہ مانی۔ اس کے باپ نے ہم سے کہا کہ صاحب یہ آپ کا بہت معتقد ہے آپ ہی اس کو سمجھایئے ہمارا تو کہنا مانتا نہیں۔ ناچار ہم نے پاس جا کر کہا۔ کہ صاحبزادے وجہ انکار کیا ہے۔ بولا کہ حضرت یہ بچپن کی چاٹ لگی ہوئی آئندہ کب چھوٹے گی۔ ہم نے کہا کہ میاں جب تمہارے مذہب میں یہ امر جائز و درست ہے تو بُرا کیوں سمجھتے ہو۔ کہا بس صاحب ایسے مذہب کو میرا سلام اُس کے باپ نے کہا کہ ہیں کیا تو سُنی ہو گیا۔ بولا کہ ہاں پہلے تو نہ تھا مگر اب ہو گیا۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور محفل درہم برہم ہو گئی ۔ ۔ ۔ آخر اس نے باصرار ہمارے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (تذکرہ غوثیہ)

کتب شیعہ میں اس قسم کی روایات اور احادیث بھی ہیں جن میں متعہ کے متعلق ترغیب و تحریص ہی نہیں بلکہ متعہ نہ کرنے والے کے متعلق وعیدیں بھی آئی ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ متعہ نہ کرنے سے بہت بڑا عذاب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم کرے مقلدین کا کوئی نہ کوئی گروہ کسی نہ کسی بات میں شیعوں کے کسی نہ کسی امر میں ضرور متفق پایا جائے گا۔ احناف نے اگر مشرکانہ افعال میں شیعوں کا ساتھ دیا تو مالکیوں نے متعہ میں شیعوں کا ساتھ دیا۔

تقلید نے آخر کچھ نہ کچھ رنگ تو لانا تھا۔ چنانچہ اکبر کے زمانہ میں اسی عیاشی کے پیش نظر حنفی قاضی کو جواب مل گیا اور مالکی قاضی کو قاضی القضاہ بنا دیا گیا اور باقی حنفی علماء نے فتوےٰ دیدیا کہ اگر کسی مسلک کا کوئی قاضی کسی متنازعہ امر میں اپنا فتویٰ صادر کرنے تو وہ امر سب کے لئے جائز ہو جاتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف بیچ اس مسئلہ کے ؟

(رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی)

اکبر کے زمانہ میں ہی قاضی القضاۃ قاضی یعقوب مانکپوری کو متعہ کے خلاف

فتو بڑے منبے پر قتل کرا دیا گیا (اردو دکوثر صفحہ ۱۰۲)

قیصر نمبر ۷ : متعہ دراصل مزدک ایرانی کی خباثت طبع کی ایجاد ہے۔ اس نے نوشیروان کے زمانہ میں یہ ڈھونگ رچایا اور کچھ عرصہ خوب داد عیش دیتا رہا۔ آخر نوشیروان کی ماں یا اس کی کسی قریبی رشتہ دار عورت پر طبیعت للچائی اور اس نے مطالبہ کیا تو نوشیروان نے اسے قتل کرا دیا۔ اموی دور میں جب غلوی داعی ایران میں پہنچے اور انہوں نے ایرانی حسن دیکھا تو ان کی طبیعتیں للچا اٹھیں۔ مزدک کے زمانہ کو بھی بمشکل پون صدی گذری تھی اور ایرانی نومسلم جو اس چاٹ کے عادی رہ چکے تھے ان کی زبانی ان داعیوں کو اس "کار ثواب" کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً چند من گھڑت حدیثوں کی آڑ میں متعہ کے جواز بلکہ ثواب اور ثواب عظیم کی خوشخبریوں سے انہیں شاد کام کیا۔ یہ خبریں جب علوی داعیوں کے ذریعے واپس جزیرہ نما عرب تک پہنچیں تو اور من چلوں نے بھی ایران کی راہ لی۔ لیکن پھر کیا تھا ہر طرف متعہ کی گرم بازاری شروع ہو گئی۔ یہاں اور جس کو جو عورت نظر آئی آنکھ لڑائی دو نو فدا آڑ میں ہوئے اور شیطان دفع کر لیا۔ ابو مسلم خراسانی کے دور میں جب شیعیت کو عراق کے خطہ میں ذرا عروج حاصل ہوا تو یہاں بھی اس کریہہ اور قبیح فعل کے حق میں پرچار شروع ہو گیا۔ مگر عراق کی غیرت مندانہ بدوی فضا میں یہ لعنت پنپ نہ سکی۔ البتہ شہروں میں ایک طبقہ ضرور داد عیش دیتا رہا جس کے نتیجہ میں امتداد زمانہ نے رنڈیوں کے وجود کو جنم دیکر انسانی ملت میں گویا ایک نہ مندمل ہونے والا ناسور پیدا کر دیا۔

فروغ شیعیت کے لئے یہ حربہ خوب کامیاب ثابت ہوا۔ ہر ایرا غیرا جسے اس بھری دنیا میں کہیں بھی سوائے دھتکار کے کچھ نہ ملا فوراً شیعہ ہو کر داد عیش دینے لگا۔ اور سب سے آخر میں نوابان اودھ نے تو تمام پچھلے ریکارڈ توڑ دیئے۔ خاکم بدہن ——— کیا کوئی بڑے سے بڑا مومن بھی اپنی بیٹی بہن یا ماں کے لئے متعہ کا یہ ثواب حاصل کرنے کی اپنے اندر

سکت رکھتا ہے؟ بشرطیکہ اس کے دل میں ذرّہ بھر بھی غیرت کا حصہ ہو۔

ہاں وہ دوسروں کے گھروں کی طرف ضرور تاکے گا۔ اور جب اپنے جیسے کسی ذی عزت گھرانہ سے مطلب برآری نظر نہ آئے گی تو ذلیل اور رذیل طبقہ کی طرف لپکے گا اور ان گھٹیا، رذیل، کمینے اور پست سطح کے لوگوں کے گھروں کی گندی نالیوں میں اپنی خاندانی شرافت اور نجابت کا جنازہ نکالے گا۔

آگے پڑھنے سے پہلے دوبارہ اس لطیفہ پر غور کیجئے یعنی مقلدین حضرات میں سے امام مالک کے مقلد بھی جواز متعہ کے قائل ہیں۔ اس تقلید نے کروڑوں بندگان خدا کی گردنیں شرک و بدعت کے پھندوں میں جکڑ کر رکھ دی ہیں

استاد اللہ مودودی صاحب بھی متعہ کے قائل ہیں۔

ندائے لغیر اللہ اور قبر پرستی میں احناف اور شیعہ ہم مسلک ہیں

ندا لغیر اللہ میں اور شرک و بدعت کے تمام ابواب میں بریلوی حنفی اور شیعہ حضرات پہلو بہ پہلو چلتے نظر آتے ہیں۔

"یا" حرفِ ندا ہے۔ اس کے معنی آواز اور پکار کے ہیں۔ آواز اس کو دی جاتی ہے، پکارا اس کو جاتا ہے، بلایا اُسے جاتا ہے، مخاطب اُسے کیا جاتا ہے جو حاضر ہو۔ موجود ہو اور سامنے ہو۔ اسلامی عقیدے میں صرف اللہ تعالے ہی ہر وقت، ہر حال میں، ہر جگہ اور ہر مقام پر حاضر و ناظر ہے۔ وہی خالق کائنات ہے۔ وہی زندگی، موت اور نفع و ضرر کا مالک ہے۔ واتخذوا من دونہ الٰھۃً لّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا ○

"اور انہوں نے سوائے اللہ تعالےٰ کے دوسروں کو معبود (حاجت روا) بنایا وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود مخلوق ہیں۔ وہ اپنے نفس کے لئے بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں۔ اور نہ زندگی اور موت کے اور نہ دوبارہ پیدائش پر قادر ہیں۔"

باقی ہر چیز ہر ذی روح مخلوق ہے۔ مخلوق میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی وقت ہر جگہ

موجود ہو۔ خدا لایزال ہے اُس کے سوا سب ہلاک ہونے والے ہیں۔ اُس کی ابتدا و انتہا نہیں باقی سب کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ ہر جی فانی ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ اس کے سوا سب کو فنا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اس کائنات کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے اور باقی رہنے والا وہی جلال و اکرام کا مالک ہے

ہر شخص، ہر فرشتہ، ہر جن اور ہر ذی روح کو مرنا ہے، یہاں تک کہ افضل البشر کو بھی إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ (اے محمد) بے آپ کو بھی مرنا ہے اور وہ بھی مر جائیں گے۔ موت کا ذائقہ چکھنا پڑا۔ اس آیت کی کتنی بہترین تفسیر کا موقع اللہ تعالےٰ نے خود ہی پیدا فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو صحابہ دم بخود رہ جاتے ہیں۔ عمر رضی اللہ تلوار ننگی کر کے مسجد میں گھوم رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ محمدؐ کو جو مردہ کہے گا میں اس کی گردن مار دوں گا۔ اس موقع پر صحابہ میں سب سے بزرگ شخصیت کو گویا الہام ہوا۔ آپ نے بآواز بلند سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے لوگو جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ مر گئے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ کی بندگی کرتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ زندہ ہے اُسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

" اور محمدؐ اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گذر چکے ہیں پھر اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم راہِ حق سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے "

حضرت ابوبکرؓ کی اس پکار پر عمرؓ ہوش میں آ گئے۔ صحابہ کرام کو معلوم ہو گیا کہ محمد رسول اللہ وفات پا چکے ہیں اور ہم سب کو بھی مرنا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔ (اے رسول) جب تجھ سے میرے بندے

میرے متعلق استفسار کرتے ہیں تو میں یقیناً نزدیک ہوتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو جب وہ پکارے قبول کرتا ہوں۔"

سورۃ المجادلہ کی پہلی آیات پر غور کیجیے۔

خولہ بنت ثعلبہ یا خویلد کی اپنے خاوند اوس بن صامت کے ساتھ ناچاقی رہتی تھی۔ ایک بار اوس نے خولہ کو غصہ کی حالت میں کہہ دیا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ خولہ یہ مسئلہ پوچھنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی ذات حمد و ثنا کے لائق ہے جس کے سننے نے تمام آوازوں کو گھیر رکھا ہے۔ یہ بی بی صاحبہ آپؐ سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں کہ باوجود اس گھر میں موجود ہونے کے میں مطلقاً نہ سمجھ سکی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اللہ تعالےٰ نے اس پوشیدہ آواز کو بھی سن لیا۔

خولہ نے حضرت نبی اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب کیا کروں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر اس کو دیدوں تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اپنے پاس رکھوں تو کھلاؤں کہاں سے اس طرح روتی پیٹتی کہتی رہی آپ خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ اور آخر رواج رسم کے مطابق فرمایا کہ خدا کا خاص حکم اس معاملہ میں مجھے نہیں پہنچا میرے خیال میں تو اس پر حرام ہو گئی ہے۔ وہ فریاد کرنے لگی کہ اے اللہ تو اپنے نبی کی زبان سے میری مشکل حل کر دے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی فریاد سنی اور سورۃ المجادلہ کی پہلی آیات نازل ہو گئیں۔

ان آیات میں غور کیجئے تو صاف نظر آتا ہے کہ سرور عالمؐ، عالمیاں، خیر البشر کے سامنے دعاؤں اور التجاؤں کا سننے والا اور مشکلات کے حل کرنے والے اللہ تعالےٰ نے ہی خولہ کی مشکل حل فرمائی۔

ایک اور جگہ پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو اور ہم جانتے ہیں کہ اس کے جی میں آتی ہے اور ہم نزدیک ہیں اس کے اس کی پھڑکنے والی رگ سے زیادہ" (قرآن)

خالقِ کائنات ہی انسان کی رگِ جان سے قریب ہے، وہی فریاد رس اور مشکل کشا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کا یہی مفہوم و مطلب ہے۔ یا اللہ کہہ کر پکارنا اس کی ذات کے لئے سزاوار ہے۔ مگر یہاں یا محمد، یا علی یا مشکلکشا، یا شاہ نقشبند، یا غوث اعظم، یا خواجہ خضر جس کو چاہو اور جس لفظ میں چاہو پکار رہے ہیں۔

سورۂ آلِ عمران میں نبی کو حکم ہوتا ہے۔

"کسی انسان کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ اللہ اُسے کتاب، حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں کو کہے میرے بندے بن جاؤ"

سورۂ الکہف اور سورہ حٰم میں ہے۔

"اے رسول کہدو میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ البتہ اللہ نے مجھ پر وحی کی کہ تمہارا معبود وہی ایک اللہ ہے"

موعظت:۔

بنی نوع انسان کے متعلق ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو احسنِ تقویم میں پیدا کیا۔ اور یہ بھی ظاہر و باہر ہے کہ فرشتے، جن اور تمام دیگر ذی روح مخلوق سے انسان کا مرتبہ بلند ہے۔ اسے مخدوم بنایا اور باقی سب حیوانات، جمادات، نباتات کو اس کا خادم بنایا پھر انسانوں میں پیغمبروں کو برگزیدہ کیا اور تمام پیغمبروں میں سے نبی علیہ کو خاتم النبیین اور سید المرسلین کے مقام پر فائز کیا۔ اب کیا کہا جائے ان محبانِ رسول کو جنہوں نے اپنے جوشِ محبت میں مخدوم کے مقام سے اُتار کر نبی کو خادم کے مقام پر پہنچا دیا۔ اور پھر اس پر ایسے بضد ہوئے کہ مباحثوں، مناظروں اور مجادلوں سے نبی کی تنقیص پر اُتر آئے۔ فرشتے نوری ہیں مگر ان کی پیدائش کی غرض یہی بنی نوع انسان کی خدمت ہے۔ اور انسان اشرف المخلوقات اور مخدوم ہے۔ مگر محبانِ رسول نے انسان کو ہی نہیں بلکہ محسنِ انسانیت کو انسانی مرتبہ سے گرا کر فرشتوں جیسی مخلوق بنا دیا۔ شیعوں نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر ایک کی بجائے بارہ کو اس مقام پر فائز

اللہ تعالیٰ ہدایت دے ان عقل کے اندھوں کو — کہ تم محبت رسول میں جس بات کو نبی کی تعریف سمجھتے ہو وہ نبی کی تعریف نہیں بلکہ آپ کی شان کی تنقیص ہے۔ عہدِ رسالت، زمانہ صحابہ اور دورِ تابعین اور تبع تابعین میں اسلامی عقیدۂ توحید بالکل ان مشرکانہ عقائد سے پاک تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہ گزرا ہو گا کہ ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ یا اللہ کے ہم پہلو اسی کی مخلوق کو بھی یا کہہ کر پکاریں گے نہیں بلکہ نعرے لگائیں گے۔ مسجدوں کی دیواروں پر لکھیں گے۔ ہزاروں برس کے مدفون بندوں سے استعانت طلب کریں گے۔ ان کے نام کے وظائف پڑھیں گے۔ ان کے مکار صوفی ان کے عیار ملا ان کے چالاک پیر جلب منفعت کے لئے اپنے اوہام پرست معتقدوں، جاہل مقلدوں اور ان پڑھ مریدوں کو مزاروں پر چادریں چڑھانے، سجدے کرنے اور قبروں پر طواف کرنے پر اکسائیں گے۔ کیا خوب کہا تھا مولوی روحی نے۔ ایک گدھا بھی دوسرے گدھے کے سامنے نہیں جھکتا۔ اور کیا خوبصورت بات کہی تھی اقبال نے:- "من نہ بدیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد"

شیعہ اصحاب نے آئمہ کی بندگی، ان کے فرضی مدفنوں پر شاندار تعمیرات اور ان کی فرضی قبروں کی زیارت کی مذہبی اہمیت کو فروغ دے کر شخصیت پرستی، قبر پرستی کا جو نمونہ پیش کیا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ پھر لطف یہ کہ ہر ڈاکو، بدمعاش، راہزن، ستمگر، چور "یا علی" کے نعروں سے استمداد و استعانت کرتا نظر آتا ہے۔ اور بعض من چلوں نے اس قسم کی بدعات کو اس حد تک فروغ دیا کہ حج تک کا انکار کر کے اپنے ہاں حج مروّج کر لیا۔

سندھ میں نواری کا حج بھی انہیں خرافات کے باقیات السیئات میں سے تھا۔ اور باوجود ہزاروں پند و نصائح کے وہ لوگ کسی کی کوئی بات سننے کے روادار نہ تھے۔ آخر ۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو خاکساروں کے ایک وفد نے سندھ کے وزیر اعظم سے ملاقات کر کے اسے ختم کرایا۔

شیعہ مذہب میں تو اس ندا سے بغیر اللہ کا جواز موجود ہی ہے۔ مگر حنفیوں کے مذہب

میں ایسے شرک عظیم قرار دیا گیا ہے۔ جلد اول میں فقہ حنفی کے متعدد حوالوں سے اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ یہاں امام ابوحنیفہ کا ایک واقعہ سُن لیجیے۔

آپ نے یعنی امام ابوحنیفہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بعض بزرگوں کی قبروں میں ان بزرگوں پر سلام کر کے ان کو مخاطب کرتا تھا (اس کلام کے ساتھ) کہ اے قبرستان والو تمہارے پاس کچھ بھلائی ہے۔ میں تمہارے پاس کئی مہینوں سے آتا ہوں۔ تم کو پکارتا ہوں۔ اور میرا سوال تم سے صرف دعا کا ہے۔ سو تم کو میرے سوال کی کچھ خبر ہوئی یا بے خبر ہے؟ امام ابوحنیفہ نے اس کا یہ کلام سن کر اُس سے کہا کہ تجھ کو کچھ جواب بھی اس نے کہا کچھ نہیں ملا۔ امام صاحب نے فرمایا لعنت ہو تجھ پر اور خاک آلود ہیں تیرے ہاتھ کیونکہ کلام کرتا ہے تو ایسے جسموں سے جو نہ جواب دے سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کا اختیار رکھتے ہیں۔ اور نہ آواز سنتے ہیں پھر امام صاحب نے آیت پڑھی وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (تفہیم المسائل بحوالہ غرائب فی تحقیق المذاہب)

تفسیر کبیر چھاپہ مصر جلد ۵ ص ۳۳ میں مرقوم ہے کہ یعنی اگر تو نے سوائے اللہ کے کسی سے نفع یا نقصان چاہا پس تو ظالموں سے ہوگا۔

امام ابوحنیفہ سے لے کر عامی حنفیوں کے مجدد مائۃ حاضرہ تک ان کی تمام معتبر کتابوں میں قبروں کا طواف، بوسہ قبر اور سجدہ حرام بیان کیا گیا ہے۔ مگر شیعیت کے تصوّر معصومیت دوازدہ ائمہ نے اس شرک کو ایسی وسعت دی کہ اس میدان میں نامی بریلوی ان سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ گئے۔ امام ابوحنیفہ کا قول دیکھ لیا اب مجدد مائۃ حاضرہ کا ارشاد بھی سُن لیجیے۔

سوال:- بوسہ دینا قبر اولیائے کرام اور طواف کرنا گرد قبر اور سجدہ کرنا تعظیماً از روئے شرع شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- بلاشبہ غیر کعبہ معظمہ کے طواف تعظیمی ناجائز ہے۔ اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے۔ اور بوسہ قبر میں اختلاف ہے اور احوط زیادہ منع ہے۔ خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی

کم از کم چار ہاتھ فاصلے سے کھڑا ہو یہی ادب ہے (ماخوذ احکام شریعت ص۲۵۹ از اعلیٰحضرت)
"نقل کتبہ مزار مولوی سردار احمد لائلپور"

امام ابو حنیفہ سے لے کر مولوی احمد رضا تک کے اس قسم کے اقوال کے باوجود ہم سینکڑوں بریلوی مولویوں کو سجدہ تعظیمی اور طواف قبر کے جواز پر مُصر اور عامل پاتے ہیں۔ بلکہ ننانوے فیصدی کو اپنی ان گنہگار آنکھوں نے قبروں پر سجدہ ریز پایا۔ اور جب حکم شریعت سنانے کی جرأت کی تو وہابی کے لقب سے ملقب ہو کر رہ گیا اور یا تعظیمی سجدہ کے جواز میں قرآن وحدیث کے غلط معنی اور مفہوم سے شور مچا کر اصل مسئلہ سے ہی فرار کی راہیں تلاش کرتے نظر آئے۔

آتش پرستی سے مُورث نسلی عصبیت نے شیعوں کو قبروں پر چراغ جلانے کا راستہ دکھایا۔ اور شیعوں سے بریلوی مکتبۂ فکر کے حنفیوں نے اخذ کر کے اسے ایک اہم موضوع بنا کر بڑی باقاعدگی بلکہ نظم وضبط سے اس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ازاں اس ڈھونگ نے ان لوگوں کو اہلِ قبور سے استمداد کا گُر سکھا کر جُہلا کی جیبیں خالی کرانے کی تدابیر سکھائیں اور جب دیکھا کہ فریب کاری کا یہ دام ہم رنگ آشیانہ ہو چکا ہے تو اُسے دو آتشہ کرنے کے لئے اس بدعت سئیہ بلکہ مشرکانہ فعل کا جواز ثابت کرنے کے لئے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ گویا آتے جاؤ اور پھانستے جاؤ کے لئے ایک کامیاب پھندا تھا۔ جس میں لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کی گردنیں پھنستی چلی گئیں اور پھنستی جا رہی ہیں۔ آج اگر کوئی مردِ مومن کسی وقت عوام کی گردنیں ان پھندوں سے آزاد کرانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ چالاک صیّاد اپنے صید کی گردن میں بڑی چابکدستی سے دو چار گانٹھیں اور لگا دیتے ہیں۔

اس باب میں فقہ حنفی کیا کہتی ہے۔

اخراج الشموع الی المقابر بدعۃ لا اصل لہ (عالمگیری تمام)

یعنی قبروں پر چراغ جلانا ایک بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں (در مختار)

لاالہ الا اللہ ایسے ہی کلمات ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں آخر ایسا کیوں نہ لکھا جاتا

جبکہ رسول کریم کا صاف ارشاد موجود ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج (رواہ الترمذی والنسائی۔ مشکوٰۃ شریف)

لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائرین القبور پر۔ اور جو بکڑیں قبروں پر مسجدیں (یعنی قبروں کی طرف سجدہ کریں) اور قبروں پر چراغ روشن کریں۔

شاہ رفیع الدین کے فتاوے میں ہے کہ ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغہا وملبوس ساختن قبورہا ونواختن معارف بدعات شنیعہ اند۔ حضور چنیں مجالس ممنوع است۔ اگر مقدور باشد محل این حدیث عن رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ وان لم یستطع بلسانہ وان لم یستطع بقلبہ وذالک اضعف الایمان۔

ایسے محرمات کا ارتکاب یعنی قبروں پر چراغ جلانا اور ان پر کپڑے پہنانا اور سرود وساز بدترین بدعتیں ہیں اور ایسی مجالس میں شامل ہونا منع ہے اور اگر مقدور ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ جب تم میں سے کوئی کسی کو منکر کام میں مشغول پائے تو ہاتھ سے کام لے یعنی اسے مار کر منع کرے۔ اور اگر سزا دہی کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے سمجھائے ایسے لیکن سے خطرہ ہو تو انہیں دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ چراغاں کرنا بدعت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے نزدیک چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ منت مانتے ہیں اور اس کا ایفا کرتے ہیں اور اہل اللہ کے مزار پر چراغاں کرتے ہیں۔ معمولی آدمی کی قبر پر نہیں کرتے۔ اس طرح پھر جب کتب فقہ وحدیث اور تحریرات علماء میں نکلا تو بیت بلا خوف و خطر اس کو ترک کر دیا (ارشاد الطالبین ص۱)

عجیب حیرت کا مقام ہے تیس تیس سال کی لڑکیاں گھر بٹھائے رکھو اور ان کا

نکاح نہ کرو داڑھی منڈاؤ اور تاش کھیلو بھنگ چرس اور شراب پیو اور سینما دیکھو۔ جھوٹی گواہیاں دو اور نکاح پر نکاح پڑھاؤ۔ جھوٹ سچ کے پلندے جمع کر کے جاہل عوام کے سامنے اپنی ولایت کا ڈھونگ اور غیب دانی کا سوانگ بھرو مگر مسلمانی میں فرق نہ آئے۔ اور ہاں اگر کوئی اللہ کا بندہ ان محرمات اور امورات شنیعہ سے اپنے دکھی دل کے ساتھ لوجہ اللہ باز رہنے کی تلقین کرے تو اس پر وہابیت کی چھاپ لگا کر کفر کا فتویٰ جڑ دیا جائے۔ خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد۔

بعض کوردن طبع یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدس پر روشنی ہوتی ہے۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے کب آنحضرت کی قبر شریف پر روشنی ہوتی دیکھی ہے۔ روشنی مسجد نبوی میں ہوتی ہے

مسجد نبوی اور مقصورۃ النبویہ الشریفہ

مقصورۃ النبویہ الشریفہ مسجد نبوی کے قبلہ رُخ انسان کے دست چپ اور جانب شرق واقع ہے مسجد چاروں طرف سے بڑھائی گئی مگر اس طرف سے اس وجہ سے نہ بڑھائی گئی کہ اس صورت میں مقصورہ مبارک مسجد کے وسط میں آ جائے گا اور چاروں طرف سے کھلا ہونے کی حالت میں طواف کی شکل پیدا ہو جائے گی۔ مقصورہ مبارک کا اندرونی حجرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسکونہ مکان ہے جس کی بنیاد ہجرت کے بعد پہلے سال رکھی گئی جس کی دیوار آج تک اپنی اصلی حالت میں کچی اینٹوں کی ہیں۔ اور تربت شریف بھی کچی حالت میں ہے۔ مقصورہ مبارک سب سے پہلے ۶۶۷ھ میں شاہ مصر سلطان الظاہر رکن الدین بیبرس نے تعمیر کرایا۔ اس سے پہلے اندر کا چوبی جنگلا تھا جس میں سے پردے کے پار دور صاف نظر آتا تھا۔ چوبی جنگلا کے نیچے اس سے پہلے ۵۵۷ھ میں نور الدین زنگی نے گہری خندق کھود کر ایک خواب کے تحت رصاص سے بھروا دیا تھا۔[1]

---

[1] تاریخ کی تمام کتابوں میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ سلطان نور الدین

سنہ ۶۱۴ھ میں رکن الدین نے جنگلا تبدیل کر دیا۔ جو آدم قد تھا اور اس میں تین دروازے رکھے۔ زین الدین عادل نے ۷۵۲ھ میں اسے مسقف کر دیا۔ جب اُسے آتش زدگی نے تباہ کر دیا تو ۸۸۶ھ میں موجودہ مقصورہ سنگ رخام کے ستونوں اور محرابوں سے تیار کیا گیا۔ گنبد عالی جسے اب قبہ خضرا سے موسوم کیا جاتا ہے اسی مقصورہ کی دیواروں پر ہے۔

مقصورہ کی عمارت مربع ہے اس کی جالیوں سے اندر دیکھا جائے تو اندر کی عمارت جو مخمس یا مسدس شکل کی ہے اور قیمتی احجار سے بنائی گئی ہے نظر آتی ہے

اس حظار کو ۸۸ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بنوایا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے مربع کی شکل میں اس لئے نہ بنوایا کہ لوگ اسے مثیل کعبہ سمجھ کر کہیں اس کا طواف ہی ذکر نے لگ جائیں۔ اب تمام عمارت ملبوس ہے۔

مقصورہ اور حظار کا درمیانی فاصلہ ۲ فٹ ہے۔ وقف تکسب ہے۔ ۱۷ رمضان سنہ ۵۷ھ کو حضرت سیدہ عائشہ کی وفات کے بعد حجرہ شریف کا دروازہ بند کر دیا گیا

زنگی کو خواب میں تین شب متواتر نبی علیہ السلام دو گربہ چشم آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں۔

انجدنی انقذنی من ھذین

سلطان نے تیز رو سانڈنیاں منگوا کر بیس آدمی ساتھ لئے اور مصر سے سولہ روز میں مدینہ پہنچ گیا۔ تمام اہل شہر کو اکٹھا کیا اور دیکھا مگر وہ دو گربہ چشم نظر نہ آئے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ صرف دو درویش طبع بزرگ مسجد نبوی میں باقی ہیں۔ جو مسجد سے نکلتے ہی نہیں سلطان نے اُنہیں طلب کیا اور دیکھتے ہی پہچان لیا دونوں نے دریافت پر بیان کیا کہ ہم عیسائی ہیں اور ہمیں فلاں بادشاہ نے نبی علیہ السلام کی نعش مبارک نکال کر لانے کے لئے بھیجا ہے ہم رات کو ساتھ والے مکان سے جو دانش گاہ کے لئے رکھا ہے سرنگ کھودتے جاتے ہیں اور مٹی چرمی تھیلیوں میں بند کر کے رات کو بقیع کی طرف زیارت کے بہانے پھینک آتے۔ سلطان نے دونوں کو قتل کرا دیا۔ ان حالات کو سنکر سلطان زار زار روتا تھا اور بے صبر آتا تھا اسی وقت اس نے چاروں طرف خندق کھدوا کر اسے رصاص سے بھروا دیا

اور اس وقت سے آج تک صرف دو آدمیوں کو اندر داخل ہونے کی سعادت ملی ہے
۵۴۸ھ میں اندر دھماکا کی آواز پیدا ہوئی تو خلیفہ کی منظوری سے عمر النشائی موصلی
کو خطار مروز کی چھت سے اندر پہنچایا گیا۔

معلوم ہوا کہ دیوار سے ایک اینٹ گری ہوئی ہے۔ مسجد نبوی کی مٹی سے اینٹ
بنا کر اندر بھیجی گئی اور انہوں نے دیوار درست کردی۔ قبور پر جو مٹی پڑ گئی تھی اسے
انہوں نے اپنی جاروب ریش سفید سے صاف کیا۔

۹۱۱ھ میں ابو الحسن علی نور الدین مصنف خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ کو
حجرہ منورہ کی ارض مقدسہ کی زیارت کی دولت جاوید کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب
صفائی کرتے ہوئے حجرہ منورہ کی اصل زمین نظر آئی تو ایسی روائحہ طیبہ سے
دماغ مشام معطر ہوا کہ آج تک کسی عطر میں ایسی خوشبو نہ پائی گئی۔ ان تصریحات
سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۵ھ کے بعد صرف دو آدمی حجرہ شریف میں داخل ہوئے تو
کب؟ کیسے؟ کس نے اور کہاں؟ ان مبارک و مقدس لحدوں پر چراغ جلا رکھے
ہیں۔ تین دیواروں کے اندر پوشیدہ قبور مبارکہ کو کسی شیعہ یا بریلوی بزرگ
نے اپنے زور باطن سے دیکھا ہوگا اور ان سے یہ سب کچھ بعید بھی نہیں مگر عام انسانوں
کی آنکھیں تیرہ سو سال سے اس نعمت سے محروم ہیں۔

منبر

روضۃ من ریاض الجنۃ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت

ابوبکر رض کی تربت

عمر فاروق رض کی تربت آپ کے پاؤں دیوار نیچے تک گئے
ہیں۔ ۵۴۸ھ میں صاف کرتے ہوئے مٹی ادھر ادھر ہوئی
تو آپ کا ایک پاؤں ننگا ہوگیا۔ جو بالکل زندہ انسانوں کی
طرح تھا۔ جس طرح نبی کا جسم مٹی نہیں کھا سکتی اسی طرح
نبی کے ساتھیوں کے جسم بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھے ہیں۔

تبصرہ :-

یا علی اور یا عباس علمدار وغیرہ کے نعروں سے متاثر ہو کر حنفیوں کے غالی فرقہ نے یا غوث اعظم یا پیر دستگیر کے نعرے لگانے شروع کئے۔ اور ان کے مزعومہ مجددمایۃ حاضرہ نے اس شرک عظیم کو دین کا ایک جزو قرار دے کر اس پر ہزارہا صفحات پر مشتمل لٹریچر اپنے معتقدوں کے ہاں پہنچایا۔ بیکار، مگر عیار، جاہل مگر ہشیار، کام نہ کر کے کھانے والے مکر مکار قسم کے لوگوں نے صوفیوں، پیروں، درویشوں اور فقیروں کے لباس میں جلب منفعت کے لئے اس مشرکانہ فعل کو خوب شہرت دی حضرت خواجہ احمد فاروق سرہندی نے بھی قیومیت کا تصور پیدا کر کے اس عقیدہ مشرکانہ کو تقویت پہنچائی۔ تفصیل آگے آئے گی۔

غالی حنفی تو درکنار شیعوں میں بھی اس مشرکانہ فعل کا آٹھویں صدی ہجری کے آخر تک کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ شیعوں کے ہاں تبرا بازی تو درکنار اصحاب ثلاثہ کی عزت و تکریم کا ثبوت ملتا ہے۔

۷۴۸ھ میں حسن خان گنگو نے دکن میں بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی بارہ سال حکومت کرنے کے بعد حسن کے مرنے پر محمد شاہ اول اس کا جانشین بنا۔ تخت نشینی سے چند سال بعد گلبرگہ میں اس نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی۔ اس کے محراب و منبر پر اس نے تین کتبے تیار کرائے جو ۱۹۳۹ء تک موجود تھے اور راقم نے خود پڑھے تھے ان کی شکل کچھ اس قسم کی تھی۔
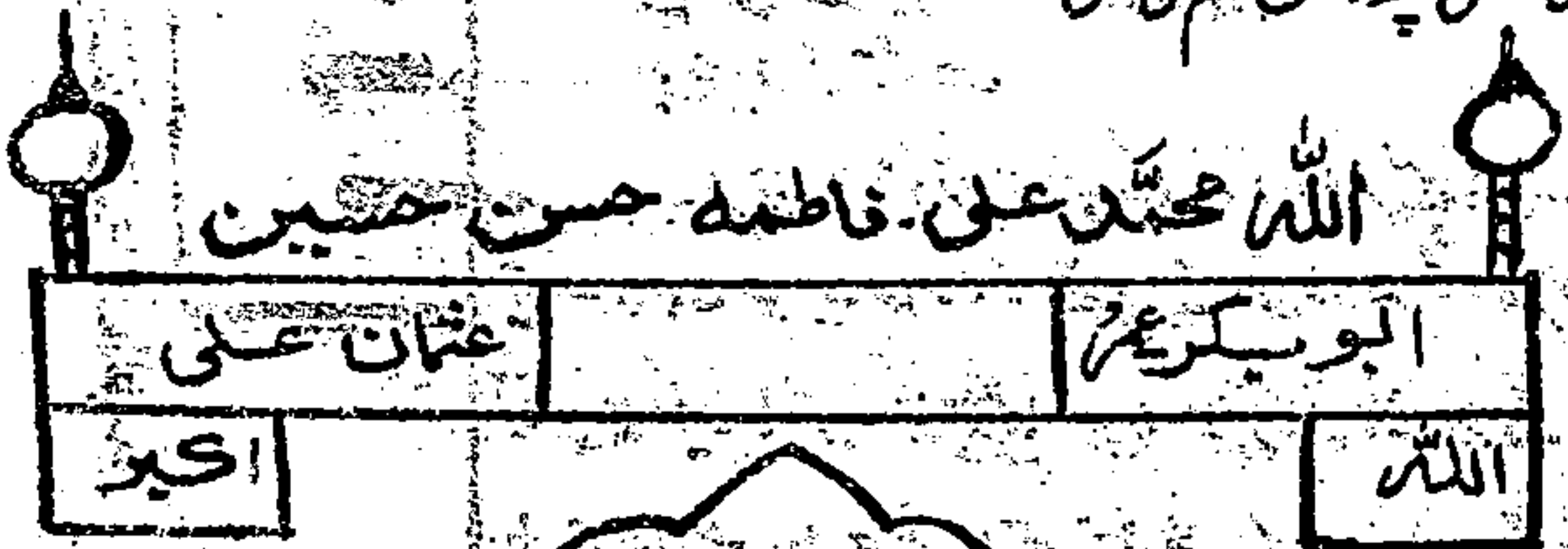
یہاں کسی نام کے ساتھ "یا" کا اضافہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے

بہت بعد بلکہ درست یہ ہے کہ نوابانِ اودھ کے زمانہ میں اس کا رواج ہوا۔

مصنف بیگماتِ اودھ نے بھی اپنی کتاب میں اسی قسم کا ایک نقشہ دیا ہے

۴۔ نبی علیہ السلام اور حضرات شیخین کی قبریں آج تک معجزہ اپنی اصلی کچی حالت میں موجود ہیں۔ مگر ان محبانِ رسولؐ کا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ کے متعلق کیا خیال ہے جنہوں نے آج ہر گھوڑے شاہ ککڑ شاہ، بوٹی شاہ اور خاکی شاہ کے مفروضہ مزاروں پر ہزارہا روپے کے بیجا اسراف سے بڑی بڑی عمارتیں بنا رکھی ہیں۔ نبی کا ادب اور تعظیم کوئی ان سے سیکھے! یا للعجب

باغِ فدک۔

حضرات شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے متعلق شیعہ حضرات کا سب سے بڑا اعتراض باغِ فدک کے متعلق ہے ان کا موقف ہے کہ باغِ فدک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی جائداد تھی۔ اور آپ کے وصال کے بعد باغِ فدک بطور وراثت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو ملنا چاہیئے تھا۔ مگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ نے غصب کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا۔

اس بات پر فریقین متفق ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمدنی کی مدات ہدایا کے علاوہ غنیمت، فی اور زکوٰۃ پر مشتمل تھی۔ غنیمت اور زکوٰۃ کی تقسیم کا فیصلہ قرآن میں واضح فرما دیا گیا ہے۔ فی کے معاملہ میں سورہ حشر میں ارشاد ہے ما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللّٰہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔

یعنی جو کچھ دلوا دے اللہ تعالےٰ اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو وہ واسطے خدا کے اور رسول کے اور واسطے قرابت والوں کے اور یتیموں کے

اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تاکہ نہ آوے لینے دینے میں دولتمندوں کے تم میں سے"

شیعوں کی مشہور اور معتبر کتاب :-

صافی شرح اصول کافی۔ میں ہے کہ یہ آیت اُتری ہی باغ فدک کے بارے میں تھی اس لحاظ سے فدک بیت المال کا مال تھا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں تصرف متولیانہ تھا۔ مالکانہ نہیں تھا۔ اور جس مال میں متولیانہ تصرّف کا حق ہو اس میں ملکیت نہیں ہوتی۔ نہ وہ مال متولی کسی دوسرے کو ہبہ کر سکتا ہے۔ نہ متولی کی وفات کے بعد اس میں وراثت کا قانون جاری کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب تفسیر خلاصۃ المنہج میں فی کی تعریف کی گئی ہے کہ :-

فی آں مالیست کہ از کفار بمسلمانان منتقل شود بدوں قتال وآں رسول راباشد درحیات وے۔ وبعد از دگیے راکہ قائم مقام او باشد۔

"یعنی فی وہ مال ہوتا ہے جو مسلمانوں کو بغیر لڑے کفار سے ملے اور رسول اللہؐ کی حیات میں اُنہیں کو تصرف کا حق ہوتا ہے۔ اور بعد میں جو ان کا قائم مقام ہو"

اس کی تفسیر میں امام جعفر صادق کی ایک روایت تفسیر صافی میں ملتی ہے یعنی جب اللہ تعالےٰ نے وَاٰتِ ذِی القربےٰ حَقَّهٗ وَالمِسکِین نازل فرمائی تو رسول اللہ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ مسکین تو میں نے پہچان لئے بتائیے ذوی القربیٰ کون ہیں؟ جبرئیل نے جواب میں عرض کیا کہ وہ آپ کے رشتہ دار ہیں۔ جو زیادہ قریبی ہیں۔ پس حضور نے حسنؓ حسینؓ اور فاطمہؓ کو بلایا اور کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ مال فی میں سے میں تم کو عطا کروں۔

اسی قسم کی ایک اور روایت معمولی سے تغیر لفظی کے ساتھ اصول کافی باب الفیٔ والانفال صـ۱۵۱ مطبوعہ طہران میں ملتی ہے۔

پھر لطف یہ کہ اٰتِ ذی القربٰی حقّہٗ بالاتفاق فریقین مکّی ہے۔ کیونکہ یہ سورت بنی اسرائیل میں ہے جو مکّی ہے۔ اور فدک کے متعلق ہجرت کے ساتویں سال فتح خیبر کے بعد حکم ملتا ہے پھر آپ نے "فدک میں سے تم کو عنایت کردوں" اول تو روایت کے لفظ ہیں "فدک میں سے"۔ یعنی کچھ حصہ۔ اور دوسری بات یہ کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش ۲ھ میں اور حضرت حسینؓ کی پیدائش ۳ھ میں ہوئی۔ گویا امامینؓ کے پیدا ہونے سے تو دس سال پہلے ہی نبی علیہ السلام نے بلا کر فدک میں سے کچھ حصہ انہیں دے دیا۔ شانِ نزول کے لحاظ سے یہ روایت قطعاً موضوع ہے۔ اب اصولِ کافی کی روایت بھی سُن لیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم پر مکہ معظمہ میں سورۂ بنی اسرائیل میں وَقَضٰی رَبُّکَ سے لے کر تَبْذِیْرًا تک نازل فرمائی (باب الکفر والایمان ص۲۰) اور آیت اٰتِ ذِی الْقُرْبٰی بھی انہیں آیات میں سے ہے۔

اب اگر ہبہ فدک کی روایات پر اور کوئی بحث نہ کی جائے اور نہ کوئی دلیل پیش کی جائے تو بھی یہ دلیل کافی ہے۔

اب پہلی آیت پر غور کیجیے وہاں بھی ذوالقربٰی کے ساتھ مساکین وغیرہ کی قید موجود ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ فدک پر صرف سیدہ فاطمہؓ کا حق نہیں تھا۔ اور پھر قانونِ وراثت کے تحت بھی اگر اسے تقسیم کیا جاتا تو اُمہات المؤمنینؓ بھی حصہ دار تھیں۔ مگر آج تک کسی کتاب میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ اُمہات المؤمنینؓ نے کسی وقت بھی اس بات کا دعویٰ کیا ہو۔

پس قرآنی آیات کے واضح دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی مِلک ہی نہ تھا۔ اس لیے آپ نہ ہبہ کر سکتے تھے اور نہ آپ نے ایسا کیا۔ جن روایات میں ایسا کرنا مذکور ہے وہ سب باطل اور من گھڑت ہیں۔

شیعوں کی مشہور کتاب شرح مواقف مقصد رابع ص۳۵۷ کی روایت پر غور کیجیے

اگر کہا جائے کہ حضرت فاطمہؓ نے یہ دعویٰ کیا کہ فدک انہیں ملا تھا اور حضرت

علیؓ اور حسینؓ نے اور اُم کلثومؓ نے گواہی دی تھی . . . اگر کہا جائے اس سے صاف عیاں ہے کہ ایسا وقوع میں آیا نہیں بلکہ فرض کیا گیا ہے کہ اگر ایسا کہا جائے۔ فافہم

بعض کتب اہلسنت میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ہبۂ فدک کے دعوے کو تسلیم کر کے ایک وثیقہ لکھدیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے وہ وثیقہ لے کر پھاڑ دیا (تفسیر در منثور) مگر اس روایت کے تمام راوی شیعہ ہیں۔ ابویحییٰ تمیمی شیعہ تھا (تہذیب التہذیب جلد ا صہ ۲۸۱) عباد بن یعقوب شیعہ تھا اور صحابہ کرام کو بہت بُرا جانتا تھا (میزان الاعتدال جلد ۲ صہ ۱۹) فضیل بن مرزوق غالی شیعہ اور موضوعات کا عادی تھا (میزان الاعتدال جلد ۲ صہ ۳۳۵) عطیہ عوفی کوفی شیعہ اور کذاب تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صہ ۲۲۶)

امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے ڈرانے والا ہو کہ ان دونوں یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ نے ہمارے حق میں رائی کے دانہ برابر بھی کم نہ کیا (وفاء الوفا جلد ۲ صہ ۱۶۱)

کتب شیعہ کی تمام روایات اخبار احاد ہیں۔ اور پھر کسی روایت کا سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا مگر نحن معشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقۃ ہم انبیاء ہیں ہم نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے ہمارا ترکہ صدقہ بن جاتا ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت علی۔ حضرت حذیفہ۔ حضرت زبیر بن عوام۔ حضرت ابو دردا۔ حضرت ابوہریرہ۔ حضرت عثمان حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت سعد بن وقاص۔ حضرت عباس اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور حضرت عباس خود بھی قانون وراثت کے لحاظ سے فدک کے حصہ دار تھے۔

غرضیکہ یہ روایت متواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

حقیقت میں شیعہ خود بھی وراثت کے قائل نہیں۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت

کے بعد جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو فدک کے متولیانہ حقوق پر قابض ہوئے اور شہادت کے بعد بھی فدک پر وراثت کا قانون جاری نہ ہوا بلکہ حضرت حسنؓ متولی ہوئے اگر وراثت کا قانون جاری ہوتا تو فدک آپ کے تمام بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم ہوتا اگر حضرت علیؓ کے بارے میں یہ اصول قائم رہا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیوں برقرار نہیں رہ سکتا۔

انبیاء علیہم السلام کی وراثت نہ ہونے کے شیعہ خود بھی قائل ہیں چنانچہ شیعوں کی اصح الکتاب اصول کافی اور دوسری بڑی بڑی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا انما ورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیئ منھا فقد اخذ حظا وافرا

"حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ علماء دین ہی پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں اور یہ اس لئے کہ پیغمبروں نے کسی کو سونے چاندی کا وارث نہیں بنایا۔ انہوں نے تو صرف شریعت کی باتوں کا وارث بنایا ہے۔ جس شخص نے ان بزرگوں کی حدیثوں میں سے کچھ بھی حاصل کر لیا اس نے بڑا بھاری منفعہ حاصل کر لیا" (اصول کافی باب صفۃ العلم وفضلہ ص۲)

اس حدیث میں لفظ اِنَّمَا آیا ہے اور کلام عرب میں انما کا لفظ کلمہ حصر کہلاتا ہے اس لحاظ سے اس حدیث میں پیغمبروں کی وراثت کو صرف ان کی احادیث اور روایات میں محدود کر دیا گیا ہے۔

سونا چاندی، مویشی، اراضیات، باغات، مکانات تمام دولت ہیں۔ اور دولت ہی سونا چاندی ہے۔

اسی حدیث کی شرح میں شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ:-

بل المراد ما او ما انا الیہ من عمدۃ امو الھم وما کانوا یتقون بہ ویورثونہ ھو العلم دون المال (مراۃ العقول شرح اصول کافی جلد ا ص۲۳)

بلکہ اس سے مراد وہ ہے جس کا ہم نے اشارہ کیا ہے کہ انبیاء عمدہ اموال میں اور اس چیز میں سے جس کے ساتھ اعتنا کرتے ہیں اور اپنا وارث بناتے ہیں علم ہے مال نہیں۔ کتنے صاف الفاظ میں ملا باقر صاحب نے بیان کیا ہے کہ مال خواہ کسی قسم کا ہو اس میں انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف علم میں وراثت ہوتی ہے پھر یہ باغِ فدک میں وراثت کی لم کیسی ؟

محقق قزوینی لکھتے ہیں کہ نبی اور ولی کے مال میں زکواۃ نہیں (الصافی شرح اصول الکافی جزو سوم حصہ دوم) پس زکواۃ نہ ہوئی تو ملک ذاتی نہ ہوا جب ملک ذاتی نہیں تو سلسلہ وراثت مالی نہ رہا۔ اصول کافی میں ایک اور روایت ہے۔

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ خدا کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ علماء دین پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ خدا کے پیغمبر سونے چاندی کا کسی کو وارث نہیں بناتے لیکن وہ علم دین کا وارث بناتے ہیں (اصول کافی جلد ا کتاب فضل العلم صـ۳۴)

فقہا ہی انبیاء کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء درہم و دینار کی وراثت جاری نہیں کرتے بلکہ ان کی وراثت علم ہوتا ہے (من لایحضرہ الفقیہ باب نوادر المواخیرہ صـ۵۸۱)

سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے اور محمدؐ سلیمانؑ کے۔ اور ہم محمدؐ کے وارث ہیں (اصول کافی جلد ا صـ۱۳۷)

نبی علیہ السلام حضرت سلیمان کی کس جائیداد کے وارث ہوئے۔ وہ وراثت مال و دولت کی تھی یا صرف علم کی۔

اصول کافی کے متعلق امام مہدی علیہ السلام "امام غائب عالم علم ما کان و یکون" نے فرمایا ہے کہ ھذا الکافی لشیعتنا۔ یہ ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے قرآن مجید میں جہاں جہاں پیغمبروں کی زبان سے وراثت کا لفظ ادا ہوا ہے وہاں وراثت سے مراد علم ہی ہے۔

اگر فدک نبی کی ذاتی جائیداد تھی تو سیدہ فاطمہؑ کی التجا پر نبی اکرمؐ ضرور کچھ عنایت فرماتے۔ اور تسبیح و تحمید و تہلیل و تکبیر کی تلاوت کی ہدایت فرما کر نہ فرماتے۔

تمہارے لیے یہ کافی ہے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔ اللہ تقسیم کی اور کتنی بہتر ہیں۔

میرا مقصد اس وضاحت سے بطور بحث کے کچھ بیان کرنا نہیں بلکہ صرف حقیقت حال کی وضاحت کرنا ہے اور معتبر کتب شیعہ سے جو کچھ واضح طور پر لکھا جا سکتا ہے۔ اب مختصراً شیعوں کی زبان سے فدک کی کیفیت بھی سن لیجئے۔

مہدی عباسی کے لیے حضرت امام موسیٰ کاظم سے عرض کیا کہ آپ فدک کی حدود بیان فرما دیں تو آپ نے فرمایا کہ ایک حد اس کی کوہ احد ہے۔ دوسری حد اس کی عریش مصر ہے۔ تیسری حد اس کی سمندر کا کنارہ ہے اور چوتھی حد اس کی دومۃ الجندل ہے (صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ ص۴۳۲)

ہارون الرشید نے امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ فدک لے لیں میں آپ کو واپس دیتا ہوں تو حضرت نے انکار فرمایا۔ جب ہارون الرشید نے اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ خواہ مخواہ تم مجھے فدک دینا چاہتے ہو تو اس کے پورے حدود مجھے دو پھر میں لینے کے لئے تیار ہوں۔ ہارون نے پوچھا کہ اس کے حدود کیا ہیں۔ پس حضرت نے فرمایا کہ اس کی حد اول عدن ہے پس ہارون کا رنگ فق ہو گیا۔ دوسری حد سمرقند یہ سنکر ہارون کا رنگ زرد ہو گیا۔ تیسری حد افریقہ ہے پس ہارون کا رنگ سیاہ ہو گیا اور چوتھی حد سیف البحر ہے جو جزائر آرمینیہ سے متصل ہے تب ہارون نے کہا کہ پھر ہمارے لئے کیا رہ گیا ہے۔ پس حضرت نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی تمہیں کہہ دیا تھا کہ جب فدک کی حدود متعین کر کے بتاؤنگا تو تم نہ دے سکو گے۔ (انوار نعمانیہ ص۱۲۵)

اس امر سے یہ بحث نہیں کہ دونوں روایتیں امام موسیٰ کاظم سے مروی ہیں اور دونوں روایتیں شیعوں کی دو معتبر کتابوں میں مرقوم ہیں۔ اور دونوں میں بیّن تضاد موجود ہے۔ وضاحت صرف اس امر کی مقصود ہے کہ آیا واقعی فدک اس قدر وسیع تھا۔ اور وہ علاقے بھی فدک میں شامل تھے جن میں نبی علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام بھی نہیں پہنچا تھا۔

شیعہ حضرات۔ اصحاب ثلاثہ کی دشمنی میں بے خود ہو کر اپنے آئمہ کرام پر بھی

بہتان باندھنے اور افترا کرنے سے بھی نہ چوکے۔

فدک کا رقبہ کتنا تھا؟

فَدَک بفتحتین خیبر کا ایک گاؤں ہے (صراح)

فدک ایک بستی کا نام تھا جو مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر تھی (قاموس، منتخب مصباح اللغتہ۔ معجم البلدان حموی وغیرہ)

یہ ایک بستی ہے جو مدینہ منورہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے (فتح الباری جلد ۶ ص۱۵۱ مطبوعہ مصر)

الغرض اُمت میں اختلاف پیدا کرنے کے لیئے یہودیوں نے جو سازش تیار کی تھی فدک بھی اس سازش کا ایک جزو تھا۔ فدک کا معاملہ بالکل صاف اور واضح تھا اور آج تک صاف اور واضح ہے۔ جس حدیث میں غضب والا اضافہ ہے وہ ابن شہاب زہری کا ایک قیاس ہے۔ شیعہ کتب میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔

ابن شہاب پہلے سُنّی تھا پھر شیعہ ہو گیا (شیخ عباس قمی تتمتہ المنتہی ص۱۲۸)

عین الغزال فی اسماء الرجال میں بھی اس کو شیعہ کہا گیا ہے۔

یہاں محدثین کی چھان بین کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاتا۔ جنہوں نے اپنی علمی کاوشوں سے تقیہ میں مستور شیعوں کو بھی گھسیٹ کر باہر نکالا اور اُمت کو ان سے آگاہ کیا۔

شیعہ خود تسلیم کرتے ہیں صدیق اکبرؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے درمیان کسی قسم کی ناچاقی یا شکر رنجی نہ تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن نمیر اسماعیل سے وہ عامر سے اور وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ جب سیدہ فاطمہؓ بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کے لیئے تشریف لے گئے اور اجازت مانگی۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ ابوبکرؓ صدیق یہ ہیں اگر آپ چاہیں تو انہیں اجازت دوں۔ سیّدہ فاطمہؓ نے کہا کیا یہ آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا ہاں۔ پس حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے کلام کیا۔ اور وہ حضرت ابوبکر رضہ پر راضی تھیں۔ اور راضی کیوں نہ ہوتیں وہ تو انہیں خلیفہ برحق تسلیم کرتی تھیں اسی لئے ان کے پاس اپنا مقدمہ لے گئی تھیں۔ ورنہ امام جعفر صادق کا قول ہے حکام جور کے ہاں مقدمے لے جانا حرام ہے (فروع کافی جلد ۳ ص۲۵۴)

اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ برحق نہیں تھے تو حضرت فاطمہؓ کا ان کے پاس مقدمہ لے جانا حضرت فاطمہؓ کی معصومیت کے خلاف ہے۔ اب قابل غور امر یہ ہے کہ انہوں نے دعوے کرنے کے بعد خلیفہ برحق کا فیصلہ تسلیم کیا یا نہیں اگر فیصلہ تسلیم کیا تو پھر شیعوں کو صدیق اکبرؓ پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اور اگر فیصلہ تسلیم نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ حق تسلیم نہیں کیا۔ اس صورت میں انہوں نے بقول حضرت جعفر صادق ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا۔ ع ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

گزشتہ صفحات میں امام محمد باقر کی ایک روایت بیان کی گئی جس میں انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ ابوبکر رضہ اور عمرؓ نے ہمارے حق میں رائی برابر کمی نہ کی چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب حضرت سیدہ فاطمہؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا کے رسول فدک کی آمدنی سے تمہارا (یعنی اہلبیت کا) حق علیحدہ کر لیا کرتے تھے۔ اور جو کچھ باقی بچ جاتا وہ مسکینوں میں تقسیم کر دیتے۔ اور اس میں سے جہاد کے لئے سواریاں باندھتے تھے۔ خدا کی رضامندی کے لئے مجھ پر تمہارا حق ہے۔ کہ فدک کے معاملے میں وہی کارروائی کروں جو رسول خدا اپنی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ (رضیت بذالک) پس جناب زہرا اس بات پر راضی ہو گئیں اور حضرت ابوبکر رضہ سے عہد لے لیا پھر آپ فدک کی آمدنی سے اہل بیت کو اس قدر دیتے تھے کہ سال بھر کے اخراجات کے لئے کافی ہوتا۔ پھر باقی خلفاء نے بھی اسی طرح کارروائی جاری رکھی (شرح نہج البلاغۃ از علامہ ابن ہیثم البحرانی ص۵۴۳ مطبوعہ ایران)

چونکہ فدک کی آمدنی سے انہیں اخراجات کے لئے کافی مال مل جاتا تھا اسی لئے

ابوبکرؓ کے بعد امیر معاویہؓ کی حکومت تک تمام خلفاء نے یہی عمل جاری رکھا گویا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سے حضرت معاویہؓ کے زمانے تک یہی عمل رہا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بقول شیعہ مصنفین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت اور حضرت حسنؓ کے عہد خلافت میں بھی اسی طرح عمل ہوتا رہا۔

پھر اب فدک فدک کی رٹ چہ معنے دارد ؟

اقول شیعہ مصنفین ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان کسی قسم کی شکر رنجی نہ تھی وہ خرچ دیتے تھے۔ آپ بخوشی سے کر اپنے تصرف میں لاتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ اسماء بنت عمیس اکثر آپ کی خدمت میں رہتی۔ حضرت سیدہؓ کی بیماری کے دنوں میں حضرت اسماء نے ہی تیمارداری کی۔ وفات کے بعد غسل بھی آپ نے دیا۔ (جلاء العیون ص۳)

خاتون جنت محلہ کی عورتوں سے میل جول نہیں رکھتی تھیں۔ ان کی بہنیں ہمسایوں کے گھروں میں جاتی رہتی تھیں (الزہراء ص۱۲) ایسی گوشہ نشین خاتون کو بازاروں میں گھمانا شیعوں کا ہی کام ہے اور بہنوں کے تذکرے پر بھی وہ شیعہ غور کریں جو نبیؐ کی دوسری صاحبزادیوں کے منکر ہیں۔

اقول:۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق جو خلیفہ اول تھے اور حضرت فاطمہؓ جو نبی علیہ السلام کی بیٹی اور حضرت علیؓ کی زوجہ تھیں ان کے درمیان تو شیعوں کی معتبر کتب میں کسی قسم کی شکر رنجی یا ناراضگی کا وجود نہیں ملتا۔ البتہ جن گھٹیا قسم کے شیعہ مصنفین نے جس ابوبکرؓ اور جس فاطمہؓ کے درمیان لڑائی اور دشمنی کا ذکر کیا ہے نامعلوم وہ ابوبکر اور وہ فاطمہ کون ہیں ؟ تاریخ ان کی طرف رہنمائی کرنے سے قاصر ہے۔

چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے حافظ ابوبکر بیہقی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور وہ ان کی علالت کے دن تھے حضرت فاطمہؓ نے ان کو اندر بلا لیا۔ دونوں میں راضی خوشی گفتگو ہوئی حافظ ابن کثیر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی سند جید اور قوی ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص۲۸۹) علاوہ ازیں یہی روایت شیعوں کی کتاب وفاءالوفا جلد ۲ ص۱۵۹ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص۱۷ اور ریاض النضرہ میں بھی نہایت بسط کے ساتھ آئی ہے۔

یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رض کا جنازہ بھی حضرت ابوبکر نے پڑھایا۔ خبر دی مجھ کو محمد بن عمر نے کہ حدیث بیان کی ہم سے قیس بن ربیع نے مجاہد سے اور مجاہد نے شعبی سے۔ کہا شعبی نے کہ حضرت زہرا پر نماز پڑھی حضرت ابوبکر رض نے ہم کو خبر دی شبابہ بن سوار نے کہ حدیث بیان کی ہم سے عبدالاعلیٰ بن مسار نے حماد سے حماد نے ابراہیم سے۔ کہا ابراہیم نے کہ نماز پڑھی حضرت ابوبکر رض نے فاطمہ رض بنت رسول اللہ پر پس آپ نے ان پر چار تکبیریں کہیں۔

شیعہ کتب میں مسطور ہے کہ حضرت فاطمہ رض کا جہیز حضرت ابوبکر رض نے خریدا۔ حضرت بلال رض اور عمار رض اٹھا کر لائے۔ نیز حضرت علی رض کی طرف سے حضرت فاطمہ رض کا حق مہر حضرت عثمان رض نے ادا کیا (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۳۵)

حضرت فاطمہ رض کو ام رومان زوجہ حضرت ابوبکر رض نے غسل دیا (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۵۶) اب فدک کے بارہ میں حضرت علی کا رویہ ملاحظہ کیجئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ نہیں ہے امام کے ذمے مگر وہی پروردگار کا حکم جس کو امام نے خود برداشت کیا ہے اور وہ پانچ امر ہیں۔ پہلا لوگوں کو خوب وعظ کہنا دوسرا لوگوں کی خیر خواہی میں خوب طاقت صرف کرنا تیسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ کی سنت کو زندہ کرنا۔ چوتھا سزاؤں کے حقداروں پر سزائیں قائم کرنا۔ پانچواں حقداروں کو ان کے حقوق واپس دلانا (نہج البلاغۃ جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۰۲)

صاف ظاہر ہے کہ ان پانچ امورات میں سے دو امر فدک کے بارے میں حضرت علی رض پر عائد ہوتے تھے یعنی پیغمبر کی سنت کو زندہ کرنا جو بقول شیعہ خلفائے ثلاثہ نے مردہ کر دی تھی۔ چونکہ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں کوئی سنت مردہ نہیں ہوتی تھی اور اگر آپ نے کسی وجہ سے تقیہ کرکے

ایسا نہیں کیا تو امام قائم اور معصوم کا یہ فعل ان کی معصومیت کا نقیض ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے فدک کو حقداروں کے سپرد نہ کیا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ نے جو کچھ کیا وہ عین ارشاد نبویؐ کے مطابق تھا۔ اور اگر اس معاملہ میں بھی آپ نے لوگوں کے خوف سے ایسا نہیں کیا تو ذرا تقیہ کی شرائط پر بھی غور ضروری ہے۔

۱۔ بھاری ضرر کو دفع کرنے کے لئے منافع حاصل کرنے کے لئے نہیں۔
۲۔ تقیہ کی وجہ سے کسی کا قتل ہونا لازم نہ آئے
۳۔ تقیہ کے وقت عادل بادشاہ موجود نہ ہو۔
۴۔ تقیہ کسی جماعت کی گمراہی کا سبب نہ بنے رصافی شرح اصول کافی کتاب کفر والایمان جزو پنجم ص۲۹۳)

آپ امام عادل خود تھے پھر فدک کا معاملہ ایک جہان کی گمراہی کا سبب بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ تمام اہلسنت نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو حق سمجھا ہوا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے فدک وارثوں کے حوالے نہ کر کے ایسے بھیانک جرم (نعوذ باللہ) کا ارتکاب کیا۔

حالانکہ مٹھی بھر ساتھیوں کی موجودگی میں حضرت حسینؓ نے تقیہ نہ کیا کہ کہیں کوئی کسی "فاسق یا فاجر" کی حکومت کو صحیح نہ تسلیم کرے۔

مگر بقول مصنف احتجاج طبرسی پھر پکڑا حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ اور بیعت کر لی (ص۵۴)

نامعلوم یہ فدک کا ایک معمولی سا گاؤں کیوں شیعوں پر بُری طرح سوار ہے۔ وہ فدک کے معاملے میں اپنا موقف صحیح ثابت کرنے کے لئے جو ظلم بھی تراشتے ہیں اس کا تان آخر حضرات شیخین پر جا کر ٹوٹتی ہے مگر اپنی ہٹ کے پکے ضد کے پورے پھر بھی ہیں وہ مالکی کی رٹ لگانے سے باز نہیں آتے۔ کوئی صاحب فلک النجات نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ وہ اس معاملہ میں بڑے دور کی کوڑی لائے ہیں۔

کہ حضرت علی رضؓ نے فدک کے معاملہ میں صحیح روش اس لئے اختیار نہ کیا کیونکہ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے دور خلافت میں فدک مروان کے قبضہ میں دے دیا تھا اور حضرت علی رضؓ کو خلافت کے چار برس کے وقت وہ قبضہ میں نہیں ملا تھا (فلک النجات جلد اول ص طبع اول)

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی کے قلب و نظر پر ضد اور عناد کی دبیز پٹیاں چڑھ جائیں تو وہ حواس باختہ ہو کر واہی تباہی بکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حضرت علی رضؓ وقت کے امام اور اولوالامر ہیں پھر حقدار کو حق پہنچانا بھی خود ہی فرض فرماتے ہیں اولاً اس کے باوجود کہ مروان مدینہ میں موجود بھی نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ بعد بھاگ کر دمشق چلا جاتا ہے آپ اپنے آپ کو اس پوزیشن میں نہیں پاتے کہ وہ قطعہ اراضی جس کا اس وقت کوئی مالک نہیں حقداروں کے حوالے کر دیتے

صاحب فلک النجات کی غلط بیانی، دروغ گوئی اور اس بہتان عظیم کا کیا علاج جبکہ اہل تشیع کا ایک مایہ ناز مصنف عبید علی نقوی فیض الاسلام لکھتا ہے۔

خلاصہ ابوبکر رضؓ غلہ وسود آنرا گرفتہ بقدر کفایت با اہل بیت میداد و خلفائے بعد از اوہم برآں اسلوب رفتار نمودند تا زمان معاویہ کہ ثلث آنرا بعد از امام حسن ع بمروان داد (شرح نہج البلاغۃ جلد ۵ ص ۹۶۰)

فدک کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر رضؓ فدک کی آمدنی سے اہل بیت کو ضرورت کے مطابق دے دیا کرتے تھے۔ اور دوسرے خلیفوں یعنی حضرات عمر، عثمان اور علی نے بھی اسی طریق پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ معاویہ کی حکومت کا زمانہ آگیا تو اس نے حضرت حسن رضؓ کی وفات کے بعد فدک میں سے ایک تہائی مروان کو دے دیا۔

یہی عبارت بالکل معمولی سے لفظی تغیر کے ساتھ نہج البلاغۃ کی شرح جلد ۲ جزو ۱۶ ص ۲۹۶ پر مرقوم ہے۔ بعض شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنی چھینی ہوئی وراثت دوبارہ واپس نہیں لینا چاہتے تھے تو پھر چھینی ہوئی خلافت کیوں قبول کی۔ اور قبول کرنے کے بعد جنگیں کیں۔ اور اس کے بعد پھر حصول خلافت کے لئے بار بار خروج کرتے رہے اور گردنیں کٹاتے رہے؟

باوجود انتہائی اختصار کے مضمون کچھ طویل ہو گیا۔ اب میں اصحاب شیعہ کی خدمت میں التماس کروں گا کہ وہ اپنے ایمان، ایقان اور وجدان کو سامنے رکھ کر خود ہی انصاف کریں کہ فدک کے متعلق ان کی معتبر کتابیں کیا کہتی ہیں اور ان کے علماء کرام منبروں پر کھڑے ہو کر اپنے کلام کو ذکر آئمہ کرام سے مزین کرنے کے لیے کس قدر غلط بیانیوں سے عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور عوام کالانعام ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر غلط نظریات کو اپنے ذہنوں میں جگہ دے کر جانشینانِ رسالت کی شان میں دریدہ دہنی سے کام لے کر اپنے دین و ایمان سے دستبردار ہونے کا سامان کرتے ہیں۔

چوتھا باب

اہل التشیع کا عقیدۂ امامت

اہلسنّت والجماعت کے ارکان دین توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ ہیں جو دین کے ارکان خمسہ کہلاتے ہیں۔ مگر اہل التشیع کا عقیدہ ہے کہ اصولاتِ دین توحید۔ رسالت۔ امامت۔ عدالت۔ قیامت تولّا و تبرّا ہیں۔

اہل التشیع کے نزدیک نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ فروعاتِ دین میں سے ہیں ان کے ہاں توحید اور رسالت کے بعد امامت پر ایمان لانا اصولاتِ دین میں سے ہے۔ امامت کے متعلق ان کا تصوّر یہ ہے کہ امام جب ظاہر ہو تو وہ اپنی زندگی میں آئندہ ہونے والے امام کے متعلق بحکم الٰہی نص کرتا ہے منصوص امام کی امامت سے انحراف کفر ہے۔

امامِ اوّل حضرت علی کرم اللہ وجہٗ تھے۔ یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھیئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے اسم مقدّس کے ساتھ باقی آئمہ کی طرح امام لکھا یا بولا نہیں جاتا یعنی آج تک "امام حسن" یا "امام حسین" کی طرح "امام علی" نے تحریری یا تقریری طور پر رواج نہیں پایا۔ بلکہ شیعہ کتب میں انہیں امام علی کی

بجائے حضرت امیر یا حضرت علی لکھا گیا ہے۔ اور یہی لفظ امیر کتب شیعہ میں عراق کے شاطر مختار ثقفی کے نام کا جزو ہے۔ گذشتہ صفحات میں واضح کیا گیا ہے کہ شیعہ مذہب مذہبی طور پر فقہی مجتہدین کی طرح دوسری صدی ہجری میں بطور مذہب نمودار ہوا۔ شروع میں یہ ایک اسلام دشمن مجوسی اور یہودی تحریک تھی جس کی بنیاد سیاسی طور پر رکھی گئی تھی نہ کہ دینی طور پر۔ اسی لئے یہ لوگ جوں جوں وقت کی ضرورت دیکھتے رہے اپنے تصورات و عقائد کو اسی طرح توڑ مروڑ کر پیش کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے رہے۔ یہاں تک کہ مصحف فاطمہ، مصحف علی اور سونے کی مہروں والے فرمانوں کی اصطلاحیں وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یعنی جب کسی نئے شیعہ نے اپنے اطمینان قلب کے لئے کسی نئی بات کو پہلی بات کے خلاف پاکر دریافت کیا تو فوراً یہ آڑ لی گئی کہ یہ بات تو مصحف فاطمہ میں تھی اور یہ حکم مصحف علی میں درج تھا۔ اس امام کے متعلق نص فلاں تھیلے میں بند تھی۔ ولو فرضنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ امام منصوص اور معصوم عن الخطا تھے اور آپ نے اپنی شہادت کے وقت حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے لئے نص کی۔ مگر آپ نے حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے گویا امامت ان کے سپرد کر دی تو پھر یہ جھگڑا کہاں ہے کا؟ اور اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے لئے نص کس نے کی؟ اور اگر حضرت حسن رضؓ نے اس باب میں تقیہ سے کام لیا تو حضرت علی اور حضرت حسینؓ نے تقیہ کیوں نہ کیا۔ پھر یہ دور امام وقت کی غیبوبت کا نہیں بلکہ شہود کا ہے۔

حضرت علی اور ان کی اولاد حسن کے بارے میں شیعہ اصحاب نے غلو کر کے ان کی اصل تصویر ہی بدل کر رکھ دی ہیں۔ سبیہ کے اعمال و عقائد سے یہ ہری دنیا واقف ہے۔ ان کے سیاسی موقف کے متعلق صفحات گذشتہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اہلسنت صمیم قلب سے ان کے رفیع المنزلت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ انہیں فسق و فجور کے شوائب تک سے مبرا مانتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض سے سیاسی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ بعض کی صحیح تدبیریں بھی ناکام رہیں۔ بعض نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی۔ بعض اپنی بشری کمزوریوں کا شکار ہو گئے۔ لیکن من حیث المجموع ان کی جلیل القدر ہستیوں میں سوء اعتقادی با دعوت اسلام کے ساتھ بے وفائی کا شائبہ تک کبھی کسی کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔

وقت گذرتا رہا ان مقدس ہستیوں کے متعلق خوش اعتقادی کے انبار تیار ہوتے رہے جو حقیقت میں بظاہر ان کی تعریفوں پر مشتمل سہی مگر بباطن ان کی رفیع الشان دینی خدمات کی تنقیص پہ مبنی ہوتے گئے۔ اس تصور امامت کا وجود بعض شیعوں کے نزدیک رسالت سے افضل، بعض کے نزدیک رسالت کے برابر اور بعض کے نزدیک رسالت سے کم ہے۔ ہمیں یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا کسی پیغمبر نے اپنے سے پہلے کسی پیغمبر کی تکذیب کی ہے۔ یا ہر پیغمبر دوسرے پیغمبروں کا مصدق ہوا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ امامت کا منصب بھی منصوص ہونے کے باوجود سراسر ایک دوسرے کا مکذب ہے۔ ایک امام یہ جانتا ہی نہیں کہ اس نے پہلے بیٹے کے لئے نص کی ہے یا دوسرے کے لئے۔ پھر یہاں ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ کسی ایک کے پیغمبر کے بعد جب بھی دوسرا پیغمبر آیا تو وہ اپنے پیشرو کی نسبت زیادہ بہتر نظام حیات اور وسیع تر دائرہ عمل لے کر آیا۔ مگر آئمہ کے لائحہ عمل اور طریق کار میں ہمیں کسی مقام پر بھی کوئی ارتقائی شان نظر نہیں آتی۔ اب پھر سطور بالا کی طرف توجہ کیجئے۔ حضرت حسنؓ نے حق امامت حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دیا۔ تو پھر حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے لئے کس نے نص کی۔ آپ نے شہادت کے وقت حضرت علی زین العابدین کے حق میں نص کی تو محمد بن حنیفہ کے لئے کس نے نص کی۔ شاید یہاں یہ کہا جائے کہ اصل امام حضرت علی زین العابدین تھے اور محمد بن حنیفہ صرف داعی تھے۔ مگر یہ قطعاً غلط ہے۔ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے کہ محمد ابن حنیفہ خود امام تھے اور ان کو امام ماننے والے کیسانیہ کے نام سے آج بھی دنیا میں موجود ہیں

اب ہم کیا جانیں کہ سچا امام کون ہے اور بناوٹی کون ـــ یہ تو شیعہ اصحاب کے خود فیصلہ کرنے والی چیز ہے۔

اس نظری استدلال کے بعد عدل و انصاف کا تقاضا سلیم المزاج اذہان کو ضرور اس طرف متوجہ کرے گا کہ آیا علویوں کی مختلف شاخوں میں اور ایک ہی شاخ کے مختلف اصحاب میں کوئی رابطہ تھا یا نہیں اگر تھا تو وہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف تھے یا نہیں۔ اگر واقف تھے اور امام وقت کے لئے جو عالم الغیب ہوتا ہے واقف ہونا ضروری ہے تو محمد بن الحنیفہ کا امام معصوم کہلوانا اور اس بات کا دعوے کرنا کہ میں قیامت تک زندہ رہوں گا اور قیامت تک کے لئے میں امام قائم ہوں کیوں علی بن الحسین کو نظر نہ آیا۔ پھر اس کے بعد آگے چلئے انہیں محمد بن الحنیفہ کے پوتے ابو ہاشم بن عبداللہ اپنے باپ کے دادا کی قیامت تک کی امامت کے باوجود خود مدعی امامت ہو گئے۔ پھر حضرت جعفر (الصادق) جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اپنے زندہ فرزند موسےٰ (الکاظم) کو امامت سپرد کی تو انہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ ان کے دوسرے بیٹے اسماعیل کی امامت کی دعوت بھی جاری ہو گئی ہے اور اسماعیل کا بیٹا محمد اپنے چچا موسےٰ الکاظم کی امامت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور پھر لطف یہ کہ اپنے چچا کی امامت کی دشمنی انہیں خلیفہ عباسی تک لے گئی اور اپنے چچا کی مخبری اور جاسوسی کرتے رہے۔ پھر چچا اگر معصوم امام تھے تو انہوں نے بھتیجے کے خلاف کیا کارروائی کی۔ پھر یہ بات بھی کسی دوسری جگہ بیان کی جا چکی ہے کہ ابو ہاشم نے حق امامت کسے ہی سفاح کے حوالے کر دیا تھا۔

مگر اس موقع پر کسی طرف سے احتجاج ہوا نہ تصدیق اور نہ تردید کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ اس وقت تک کی امامت کا یہ تصور جو اب موجود ہے اس کا وجود بھی نہیں تھا۔

سطور بالا میں جن بزرگ ہستیوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ کوئی معمولی ہستیاں نہیں۔

ان بزرگوں کی زندگیوں کے معمولی واقعات بھی تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان میں باہم رشتہ داریاں اور تعلقات موجود تھے۔ مگر آج امامت کے تصور پر شیعہ اور غالی حنفی اپنی مجلسوں، مولودوں اور محرموں پر جو کچھ کرتے ہیں ان کا کہیں وجود نہیں۔ ان محبان اہلبیت کی ان تعریفوں سے تو نعوذ باللہ من ذالک ان بزرگوں کی تفصیل تکذیب کا ذکر ثابت ہوتا ہے نہ کہ تعریف کا۔

آگے چلیے حسن العسکری کے بھائی جعفر کہتے ہیں کہ میرے بھائی کے گھر کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا اور اگر ہوا تھا تو بچپن میں مر گیا۔ اور ان کے متعلق یہ پروپیگنڈہ غلط ہے کہ وہ غار میں چلے گئے۔ یا جزیرہ خضرا میں مقیم ہیں اور قرب قیامت میں بحیثیت مہدی ظہور کریں گے۔ جعفر کے اس قول نے اتنا ہنگامہ پیدا کیا کہ گیارہویں امام کے اس بھائی کا نام ہی جعفر کذاب مشہور ہو گیا مگر آگے چل کر اُنہیں جعفر تواب کہا جانے لگا۔

پھر اس امامت کے عقیدہ نے سینکڑوں مجہول النسب لوگوں کو حصولِ اقتدار اور حلب زر کے لئے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ فاطمی النسل ہونے کے مدعی ہو کر اپنی اور اپنی اولاد کے لیے عیش و عشرت کا سامان بہم پہنچانے کی کوشش کریں مصر کا فاطمی خاندان اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

المعز کے زمانہ میں ان لوگوں کو حکومت کرتے کئی پشتیں گزر چکی تھیں۔ مگر اس کے باوجود جب المعز کے محل میں کسی نے ایک منظوم رقعہ بدیں مضمون رکھا کہ ہم تب جانیں کہ تم بنی طاہر کے ہاں اپنا کوئی رشتہ کر کے دکھاؤ۔ رقعہ پڑھ کر المعز اتنا متاثر ہوا کہ ابو جعفر علوی کے ہاں پیغام بھیج دیا۔ مگر انہوں نے منظور نہ کیا۔ اور ان کے اس انکار پر انہیں قید و بند کی تکلیفیں جھیلنی پڑیں ان کے اموال ضبط کر لئے گئے۔ اور آخر وہ بھاگ کر حجاز چلے گئے۔ یہاں یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ بنو فاطمہ کی درجنوں لڑکیاں امویوں اور عباسیوں سے بیاہی گئی تھیں۔ اس میں اُن لوگوں کو اس وجہ سے کوئی انکار

نہیں تھا کہ وہ لوگ امویوں اور عباسیوں کو اپنا ہم کفو جانتے اور سمجھتے تھے ۔ مگر مصر کے فاطمی خلفاء کو کسی علوی نے کسی دور میں علوی تو درکنار قریشی بھی نہیں مانا ورنہ ابوجعفر علوی المعز کو ضرور لڑکی کا رشتہ دے دیتے چونکہ اس سے پہلے بیسیوں فاطمی لڑکیاں عباسیوں اور امویوں سے بیاہی جا چکی تھیں ۔ پھر امامت کے معاملہ میں عبداللہ مہدی تولا ۔ ۳۶۰ھ کے لئے کس نے امامت کی نص کی ۔ پھر المستنصر کے دو بیٹوں نزار اور مستعلی میں سے منصوص امام کون تھا ؟

اگر نزار امام منصوص تھا تو مستعلی باغیِ امامت ہونے کے باوجود لاکھوں متبعین کا امام کیسے بن گیا ۔ اور اگر مستعلی امام تھا تو نزار کے باغیِ امامت ہونے کے باوجود آغا خانی امامت آج تک کے لئے کیسے چلی آ رہی ہے آگے چل کر طیب الگ امام بن کر یمن میں جا کر روپوش ہو گیا ۔ اور ذافر مصر میں امام رہا اور ذافر کے بعد العاضد امام بنا تو اس نے اپنے بعد کسے امام بنایا ؟ ۔

اسماعیلی مصنف کی مندرجہ ذیل سطور پڑھنے کے بعد امامت کا خود ساختہ تصور آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے ۔ عبداللہ بن میمون کے متعلق لکھتا ہے کہ :۔

"سیدنا عبداللہ نے اسماعیلی دعوت قائم کی ۔ جس سے آپ کا مقصد ایک مذہبی تحریک پیدا کرنا تھا جو خلافت عباسیہ کا مقابلہ کر سکے جو اس زمانہ میں برسرِ اقتدار حکومت تھی ۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک انجمن بنائی جس میں ایسے افراد شریک کئے جو بالطبع معتزلیوں کے خیالات اور فلسفیوں کی رایوں کی طرف مائل تھے ۔ اس تحریک کی کامیابی کے لئے اہل بیت کی مدد لینا پڑی تاکہ وہ شیعہ جن کو اہل بیت سے محبت تھی اسے جلد قبول کریں ۔ تاریخ میں اس قسم کی تحریکوں کی متعدد نظیریں ملیں گی ۔ شیعہ جو اس زمانے میں موجود حکومتوں یعنی حکومت عباسیہ اور حکومت اندلسیہ امویہ سے ناراض تھے اہل بیت کے کسی نہ کسی فرد

کو اپنا حق لینے کے لئے اُبھارتے ۔ اور اُسے حکومت کی ترغیب دلا کر اپنا امام بنانے اور اس کی قیادت میں عباسیوں اور امویوں کا مقابلہ کرتے ۔ بعض وقت تو اُس کے نام سے فائدے بھی اُٹھاتے تھے حالانکہ وہ ایسی تحریک پسند نہ کرتا تھا ۔۔۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن میمون القداح نے ایک ایسی دعوت قائم کی جو مولانا جعفر صادق کے حکم کے خلاف تھی" (ص۶۱۲)

حق بات تو وہی ہے جو عمر بن علی بن الحسین نے کہی جب ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ کے خاندان میں ایسے فرد ہوتے ہیں جن کی اطاعت فرض ہو تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں ایسا کوئی فرد نہیں اور جو ایسا کہتا ہے وہ کذاب ہے ۔ اور میرے والد نے مرتے وقت ایسی کوئی وصیت نہیں کی ۔
(طبقات ابن سعد ج ۵ ص۲۳۴ ۔ کتاب نسب قریش ص۶۶)

پہلی صدی ہجری میں علم وفضل، زہد و اتقا، تبلیغ وارشاد میں صدیقی، فاروقی ہاشمی، اسدی، زبیری اور انصار کے خاندان کے ہزاروں اصحاب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نظر آتے ہیں ۔ تواریخ وسیرت کی کتابیں ان کے حالات وواقعات سے بھری پڑی ہیں ۔ مگر مجوسیوں اور یہودیوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے حضرت حسین کے تقریباً نوا خلاف میں سے صرف آٹھ اشخاص کو امام معصوم قرار دے کر ان کی امامت کا ڈھنڈورہ پیٹ کر امویوں کے خلاف اس شدت سے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اہلِ تشیع کے علاوہ ہزاروں بلکہ لاکھوں اہلسنت بھی غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر "امام" اور "علیہ السلام" کی لپیٹ میں آ گئے ۔ اور وہ قطعاً اس بات کو بھول گئے کہ یہ پروپیگنڈہ امویوں کے خلاف نہیں بلکہ اسلامی ریاست کے خلاف ہے ۔ مجوسیوں اور یہودیوں کا اصل مقصد علویوں کو آلہ کار بنا کر اسلامی سٹیٹ کو تباہ و برباد کرنا تھا ۔ اور چونکہ وقتی طور پر سربراہِ مملکت اموی تھے اس لیے وہ نشانہ بن گئے ۔

پھر جب اسلامی سٹیٹ کی سربراہی عباسیوں کے ہاتھ آئی تو یہ رُخ اُن کی طرف پلٹ گیا۔ حالانکہ عباسیوں کو علویوں کی بڑی پاس خاطر مطلوب تھی۔ عباسی خلیفہ نے علویوں کی شکائیتوں پر بھی موسیٰ کاظم کو نظر بند کیا۔ مگر ان کی خاندانی وجاہت اور وقار کو پورے طور پر ملحوظ رکھا۔ علی موسیٰ رضا کو شرف دامادی بخشا۔ یہاں تک کہ شیعہ عباسی خلیفہ کو بھی شیعہ کہنے لگے۔ مگر جب موسیٰ رضا مرگئے تو چنڈو خانہ سے ایک گپ اُڑادی کہ خلیفہ نے اُنہیں زہر دے دیا ہے۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ آخر اتنے بڑے شہنشاہ کو چوروں کی طرح ایک معمولی سی حیثیت کے آدمی کو زہر دینے کی کیا ضرورت تھی۔ پہلے لڑکی دیتا ہے اور پھر زہر دے کر مار دیتا ہے اُسے اس قدر کس کا ڈر تھا۔ حالانکہ موسیٰ رضا سے بڑی بڑی جلیل القدر ہستیوں کو جن کے پیچھے ہزارہا آدمی تھے معمولی معمولی سے اختلافات کی بنا پر کوڑے لگائے گئے جیلوں میں بند کیا گیا۔ ان کی تشہیر کی گئی۔ مگر موسیٰ رضا کو چوروں کی طرح زہر دے کر مارا گیا۔ آخر عباسی خلیفہ کو کیا مجبوری تھی کہ وہ اپنے دشمن کو پہلے بیٹی کا رشتہ دے اور پھر زہر دے کر مار ڈالے۔

دراصل یہ سب کچھ عقیدۂ امامت کے بچاؤ کے لئے قلابازیاں کھائی جاتی رہیں۔ اثنا عشریوں کے بارہ امام نزاریوں کے انچاس اسمٰعیلیوں اور طیبیوں کی تعداد معلوم نہیں اور ان کے علاوہ وقتاً فوقتاً خروج کرنے والے بھی سو سے متجاوز ہیں۔ اب خود ہی غور کر کے فیصلہ کیجئے کہ یہ عقیدہ امامت ہے کیا چیز؟ اور اس کا مالہٗ وما علیہ کیا ہے۔ ان ہزاروں میں سے سچا امام کون ہے اور کذاب کون؟

حضرت سید عبدالقادر جیلانی حسنی الحسینی نے اپنی مشہور تصنیف غنیۃ الطالبین میں اور علامہ عبدالکریم شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں شیعوں کے فرقے بیان کئے ہیں۔ اور متعدد دیگر تاریخی کتابوں میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض اس وقت ہم میں موجود ہیں۔ چند ایک مشہور فرقے۔

۱۔۔۔۔۔ البنانیہ :۔ اس فرقے کا بانی بنان بن شمعان تھا۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالے شکل و صورت میں انسان کی مانند ہے۔

۲۔۔۔۔۔ الطیاریہ :۔ اس فرقے کا بانی عبداللہ بن معاویہ[له] بن عبداللہ بن جعفر طیار تھا۔ اس کا عقیدہ ہے آدم کی روح درحقیقت خدا کی روح ہے جس نے تناسخ کیا۔

۳۔۔۔۔۔ المنصوریہ :۔ اس فرقہ کا بانی ابو منصور العجلی تھا۔ اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی ایک ٹکڑا ہے جو آسمان سے نازل ہوا اور وہ خدا ہے امام ابی منصور نے آسمان پر جاکر خدا سے کلام کیا۔ خدا نے ان کو بیٹا کہا اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ بھی آسمان سے نازل ہوا ہے۔ جنت دوزخ کچھ نہیں ہیں۔

۴۔۔۔۔۔ المغیریّہ :۔ اس فرقہ کا بانی مغیرہ بن سعید العجلی ہے۔ اس نے پہلے محمد بن عبداللہ بن حسن کے زمانہ میں اپنی خلافت کا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد حضرت علی کے بارے میں بہت غلو کیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ خدا نور ہے اور معہ جمیع اعضا کے انسان کی صورت کی مانند ہے جس کے سر پر نورانی تاج ہے۔ امام برحق محمد بن عبداللہ بن حسن ہیں جنہوں نے مدینہ میں خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ زندہ ہیں اور ان کے لوٹ کر آنے کا انتظار ہے ان سے جبرئیل اور میکائیل بیعت کریں گے۔

۵۔۔۔۔۔ الخطابیہ :۔ اس فرقہ کا بانی ابوالخطاب محمد بن ابی زینب الاسدی تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ امام برحق یعنی خلیفہ وقت پیغمبر ہوتا ہے اور ہر زمانہ میں ایک پیغمبر ناطق موجود رہتا ہے۔ اور ایک خاموش۔ اس فرقہ کا ایک گروہ امام وقت کی الوہیت کا قائل ہے۔ ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ دنیا کو فنا

له معاویہ کو گالیاں دینے والے ذرا غور کریں کہ دیکھیں کہ جعفر طیار کے بیٹے عبداللہ نے اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھا اس سے ثابت ہوتا کہ ان لوگوں میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اور وہ لوگ تبرّے کے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔

نہیں۔یہی دنیا دوزخ اور جنت ہے۔

(منکرین حدیث کا بھی یہی عقیدہ ہے تفصیل کے لئے اس کتاب کی پہلی جلد دیکھئے)

۶ـــــــ العجلیہ اور المعمریہ :۔ فرقہ خطابیہ کی ایک شاخ عجلیہ اور دوسری شاخ معمریہ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ترک نماز سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا (یہ عقیدہ تقریباً تقریباً شیعہ مذہب کے تمام فرقوں کا ہے۔ چونکہ سب کے نزدیک نماز فروعات دین سے ہے۔ اور ایک فرع کے ترک سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا) شراب اور زنا تمام محرمات حلال ہیں (شیعوں کے تمام فرقے متعہ کے قائل ہیں۔ متعہ اور زنا میں کوئی فرق نہیں۔ اور حنفیوں کے امام ابویوسف نے بھی اس کا گناہ میری گردن پر کہہ کر خلیفہ وقت کو زنا کی رخصت عنایت فرمائی تھی۔) مقلدین میں مالکی بھی متعہ کے قائل ہیں اور مودودی صاحب بھی۔

۷ـــــــ البزیعیہ :۔ اس فرقہ کا بانی بزیع ہوا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ امام جعفر صادق دراصل خدا تھے ہر مومن کی طرف وحی نازل ہوتی ہے۔ وہ مرتا نہیں بلکہ ملکوت کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

۸ـــــــ المفضلیہ :۔ اس فرقہ کا بانی مفضل صیرفی ہوا ہے۔ یہ فرقہ تمام آئمہ کی الوہیت کا قائل ہے۔

۹ـــــــ الشریعیہ :۔ اس فرقہ کا بانی شریع تھا۔ یہ لوگ نبی علیہ السلام عباس، علی، جعفر اور عقیل کی امامت کے قائل ہیں۔

۱۰ـــــــ السبائیہ :۔ اس فرقہ کا بانی وہی مکار یہودی نومسلم ہوا ہے جس نے سب سے پہلے اسلام میں تشتت وافتراق کا بیج بویا۔ اس نے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے یہ مشہور کیا کہ علی جزو خدا ہیں۔ وہ زندہ ہیں۔ مقام ان کا بادل ہے کڑک گرج ان کی آواز ہے بجلی ان کا کوڑا ہے۔ پھر زمین پر نزول کریں گے۔ علی کا جزو الوہیت ان کے بعد اماموں میں تناسخ کرتا ہے۔ حضرت علی نے اسے اس کے عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ کی وجہ سے مدائن کی طرف بدر کر دیا تھا۔ اس کے مکمل حالات

دوسرے مقام پر لکھے گئے ہیں)

۱۱ — **المعوضیہ یا تفویضیہ**:۔ اس فرقہ کا بانی کوئی مجہول النسب شخص ہوا ہے۔ اس نے ان خیالات فاسدہ کی اشاعت کی کہ اللہ تعالےٰ نے تدبیر خلقت کے تمام اختیارات آئمہ کے سپرد کر رکھے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت کاملہ عطا فرما دی۔ تفویضیہ کے اس عقیدہ میں غالی حنفی بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ تفویضیہ نے تو یہ حقوق صرف اماموں کو تفویض کئے ہیں مگر غالی حنفیوں نے اس معاملہ میں زیادہ فراخ حوصلگی اور سخاوت کا مظاہرہ کیا ہے۔

مولوی رومی جیسا صوفی بھی اس کا قائل تھا۔

اولیا را ہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گردانند ز راہ
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اور خواجہ احمد فاروق سرہندی نے ان سب سے بڑھ کر قیومیت کا دعویٰ کر کے ان سے سب اختیار چھین لئے۔ تفصیل آخری باب میں آئے گی۔

میاں محمد مصنف سیف الملوک جس سے "وہابیوں" کے خلاف انگریزوں نے پنجابی اشعار میں ایک کتاب لکھوائی تھی۔ اپنی اس مایہ ناز تصنیف میں رقمطراز ہے۔

قلم خدا دی ہتھ ولی دے جو چاہے سو کردا

۱۲ — شیعوں کا ایک فرقہ یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ امامت مفضول کی فاضل کی موجودگی میں مصلحتاً جائز ہے۔ پس خلافت خلفائے ثلاثہ کی مصلحتاً جائز ہے۔

۱۳ — **جارودیہ**:۔ اس فرقہ کا بانی ابو الجارود ہوا ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی خلیفہ برحق ہیں۔ ان کے بعد حسن۔ ان کے بعد حسین پھر زین العابدین پھر زید بن علی پھر محمد بن عبد اللہ بن حسن ۔۔۔

ؔ تفصیل حصہ اول میں گذر چکی ہے۔

نفس ذکیہ کے نام سے مشہور ہوئے ۔ امام ابوحنیفہ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت
کی تھی۔ اس وجہ سے خلیفہ منصور عباسی کے معتوب ہو کر قید ہوئے اور آپ
کو کوڑے لگائے گئے اور آپ جیل میں ہی مرگئے (تاریخ الخلفا سیوطی کتاب
الملل والنحل ص۲) مگر تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ حضرت ابوحنیفہؒ نے محمد کے ہاتھ پر بیعت

تبصرہ :-

جلد اول میں بیان کیا جا چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ بعض عقائد میں مرجیئہ کے
ہمنوا تھے۔ یہاں بقول سیوطی اور علامہ شہرستانی آپ کا محمد بن حسن کے ہاتھ
پر بیعت کرنے کا ذکر ہے اور اسی جرم "بے گناہی" میں آپ کو گرفتار کر کے سزا
دی گئی جس سے آپ کی موت واقع ہوئی شاید یہ امام ابوحنیفہ کوئی اور ہوں
گے اور حنفیوں کے امام ابوحنیفہ کوئی اور ہوں گے۔ اس کی وضاحت احناف ہی
کر سکتے ہیں۔ جو خلافت عباسیہ کے بھی قائل ہیں اور ان کے خلاف خروج کرنے
والوں کے بھی جو عباسیوں کے خلیفہ برحق ہونے کی صورت میں خلافت کے باغی
تھے ۔ اور باغی واجب القتل ہوتا ہے ۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

۱۲۔ سلیمانیہ :- اس فرقہ کا بانی سلیمان بن کثیر ہوا ہے یہ
شخص شیخین کی خلافت کو صرف اجتہادی غلطی سمجھتا تھا۔ مگر حضرت عثمانؓ
ام المؤمنین عائشہؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کو کافر کہتا تھا (معاذ اللہ)
سلیمانیہ کی ایک شاخ تبتریہ کہلاتی ۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے
بارے میں توقف کیا۔ ان میں سے بعض اصول میں اعتزال کی طرف
رغبت رکھتے تھے ۔ اور بعض نے فروع میں ابوحنیفہ کی تقلید کی۔ چونکہ
ابوحنیفہ محمد نفس ذکیہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے ۔ اسی فرقہ کی ایک
شاخ نعیم بن الیمان کے نام پر نعیمیہ کہلائی ۔ باقی عقائد میں یہ سلیمانیہ
اور تبتریہ کے ہمنوا ہیں ۔ مگر حضرت عثمانؓ کے کفر کے قائل ہیں ۔

۱۵ــــــ **یعقوبیہ**:۔ یعقوب نامی ایک شخص کے پیرو تھے۔ ان میں سے بعض شیخین کی خلافت کے قائل ہیں۔ بعض مسئلہ رجعت کے منکر ہیں اور بعض قائل۔ اور بعض شیخین کے بھی منکر ہیں۔

۱۶ــــــ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ بن جعفر امام برحق ہیں۔ ان کے بعد محمد بن حنفیہ امام حق ہوئے۔ [۱]

۱۷ــــــ **عمیریہ**:۔ کسی عمیر نامی شخص کی امامت کے تاخروج امام مہدی قائل ہیں۔

۱۸ــــــ **محمدیہ**:۔ یہ بھی محمد بن عبداللہ بن حسن کی امامت کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں آپ نے منصور عباسی کی طرف امامت لوٹا دی۔

۱۹ــــــ **حسینیہ**:۔ ابی منصور کی وصیت کے مطابق حسین بن ابی منصور کی امامت کے قائل ہیں۔

۲۰ــــــ **ناؤسیہ**:۔ ناؤس بصری اس عقیدہ کا بانی ہوا ہے اس کا عقیدہ تھا کہ امام جعفر صادق اب تک زندہ ہیں وہ اس وقت غائب ہیں اور دوبارہ امام مہدی کے نام سے ظہور کریں گے۔

۲۱ــــــ **قرامطیہ**:۔ ان کا پیشوا مبارک نامی کوئی شخص ہوا ہے جعفر صادق تک سب خلیفہ برحق تھے۔ جعفر نے تمام حقوق محمد بن اسماعیل کے حوالے کئے۔ وہ اس وقت غائب ہیں اور آخری زمانہ میں وہی امام مہدی کے نام سے ظاہر ہوں گے۔

۲۲ــــــ **مبارکیہ**:۔ محمد بن اسماعیل کی امامت اور ان کے بعد ان کی اولاد کی امامت کے قائل ہیں۔

۲۳ــــــ **شمطیہ**:۔ یحییٰ بن ابو شمیط اس فرقہ کا بانی ہوا ہے۔ یہ کہتے ہیں امام جعفر صادق کے بعد امام محمد امام ہوئے اور امامت آج تک ان کی اولاد میں موجود ہے۔

---

[۱] نہ معلوم یہ محمد بن الحنفیہ کون تھے اگر ان سے مراد علیؓ کے بیٹے سے ہے تو وہ بہت فاضل اور متقی قسم کے آدمی تھے۔ جنہوں نے امیر یزید سے گہرے مراسم تھے اور متعدد روایات میں امیر یزیدؒ کی پرہیزگارانہ زندگی کے متعلق ان کے چشم دید واقعات مذکور ہیں۔

Marfat.com

۲۴۔۔۔۔۔ **عمادیہ:** یہ لوگ کسی بڑے ملنے چوڑے پاؤں والے عبداللہ بن جعفر کے پیرو ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے امام جعفر صادق کے بعد امامت ان کے بیٹے عبداللہ کو ملی۔

۲۵۔۔۔۔۔ **محظودیہ:** امام جعفر صادق کے بعد ان کے فرزند موسیٰ کی امامت کے قائل ہیں اور ان کی موت پر توقف کرتے ہیں۔

۲۶۔۔۔۔۔ امامیہ کسی محمد بن حسین کو امام برحق مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ استطار کیا گیا ہے۔ بعد میں ظہور کرے گا اور زمین کو عدل سے بھر دے گا۔

۲۷۔۔۔۔۔ **امامیہ اثنا عشریہ:** جو بارہ اماموں کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں بارہویں امام ایام طفلی میں ہی غار سر من رائے میں قرآن لے کر پوشیدہ ہو گئے۔ آخری زمانہ میں ظہور کریں گے۔ ان میں سے بعض کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ زندہ ہو کر امام وقت کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اس فرقے کے تفصیلی حالات دوسرے مقام پر موجود ہیں۔ نوابانِ اودھ اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

۲۸۔۔۔۔۔ **کسانیہ:** اس فرقہ کا بانی حضرت علی کا غلام نومسلم مجوسی کیسان تھا۔ اس کے پیرو محمد بن حنفیہ کی شان میں بہت مبالغہ کرتے ہیں کہتے ہیں کہ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی نیز تمام اسرار اور علوم آفاق کے رازدان تھے۔ ان میں سے بعض تناسخ، حلول اور رجعت کے قائل ہیں۔

اقول: ان لوگوں نے آگے چل کر تاریخ اسلام میں قرامطیوں باطنیوں، نزاریوں اور مستعلیوں کی طرح بڑے بڑے فتنے پیدا کئے چنانچہ پروفیسر براؤن بارشہ ڈوزی کیسانیہ کے متعلق لکھتا ہے کہ: اس کا عقیدہ تھا کہ بلا عذر اطاعت اور لا کلام حکمبرداری ایک ایسے آدمی کی کی جائے جو خدا بھی ہو۔ یہ عقیدہ امت زردشت کا تھا

اور کسان چونکہ ایک زیر زمین نومسلم مجوسیوں کے گروہ کا سرغنہ تھا اس لئے عرب کے اَن پڑھ نو مسلموں میں اس خیال کو پختہ کرنے میں ان لوگوں کو دیر نہ لگی۔ پھر علیؓ اور معاویہؓ کی چپقلش نے بڑے بڑے جلیل القدر مسلمانوں کے اذہان کو پریشان کر کے رکھدیا تھا چونکہ ان لوگوں کا حقیقی مقصد صرف اسلام دشمنی تھا اس لئے انہوں نے شیعیّت کو ہی اپنی مقصد برآری کا ذریعہ بنایا اور من حیث المجموع شیعہ گروہ میں ہی شمار ہونے لگے۔ ان لوگوں نے شام اور اُردن کی سرحد پر جبل الاروز کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اس وقت بھی اُن لوگوں کی آبادی ایک لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد کی بنا پر ہمیشہ دمشق کے جو اہل سنت کی قوت کا مرکز ہے، مخالف رہے ہیں شام میں ہونے والی تخریبی کاروائیوں میں ہمیشہ ان کا ہاتھ رہا۔ فرانسیسی استعمار نے اُنہیں استعمال کیا۔ اُردن کے برطانوی انقلاب نے ان سے کام لیا۔ شام کی پہلی آزاد قومی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں یہی لوگ حسنی الزعیم کا دست و بازو تھے بعث پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی بھی یہی ہیں۔ فرانسیسی استعمار نے جو شامی فوج بنائی اس میں انہیں کی اکثریت تھی۔ بعد ازاں اس فوج میں جب بھی اضافہ ہوا انہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا آج تمام عالم اسلام میں شام کے آئے دن کے انقلابات پر مسلمان حیران ہیں۔ مگر بہت کم کسی کو معلوم نہیں کہ ان انقلابات کے پیچھے کون سے جذبات کارفرما ہیں شام میں کیسانی شیعوں کے علاوہ باطنیوں کی بھی اکثریت ہے۔ یہ باطنی آج کل حموی نصیری اور علوی کہلاتے ہیں۔ دروزیوں کے بعد یہی نصیری بعث پارٹی کا مضبوط عنصر ہیں۔ اور آج کل تو یہی لوگ برسرِ اقتدار ہیں۔ اکرام حورانی، مصطفیٰ حمدون، کرنل الوعسان

میجر عبدالجواد بھی کسانی اور نصیری ذہنیت کے ہیں۔ ان لوگوں نے محض اسلام دشمنی کی بنا پر بعث پارٹی کا ساتھ دیا۔ شام میں چونکہ علوی اکثریت اہلسنت والجماعت کی ہے اس لئے یہ لوگ بار بار پٹتے ہیں۔ مگر پھر سر نکال کر میدان میں آجاتے ہیں ان لوگوں نے ایک عیسائی مشیل عفلق کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اس کی بعث پارٹی کو تقویت پہنچا کر اخوانوں کی طاقت کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ شام میں کوئی پائیدار حکومت قائم نہیں ہو سکی۔ عقائد کے لحاظ سے چونکہ کرد بھی اہل سنت والجماعت نہیں بلکہ انہیں کے ہم خیال ہیں اس لئے کفر ملت واحد کے مصداق وہ بھی ضرورت کے وقت ان کا ساتھ دے کر مرکز کو کمزور رکھنے میں ہی اپنی بہتری سمجھتے ہیں۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

۲۹ ——— تجسیمہ:۔ انہیں تشبیہہ بھی کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دوازدہ آئمہ اور حضرت فاطمہؓ معصوم عن الخطا ہیں۔ اور یہ ما فوق البشر ہیں اور منصوص و مظہر صفات الہیہ ہیں۔ ان کے ما فوق البشر عقیدہ میں کسی حد تک بریلوی حنفی بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ اور اثنا عشری بھی۔ یہ بعینہ وہی اصطلاح ہے جسے انگریزی میں (ANTHESPOMOSPHISM) کہتے ہیں (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴ صفحہ ۳۵۵)

سید عبدالقادر جیلانی کے بعد امام حافظ جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی البغدادی حنبلی متولد ۵۰۸ متوفی ۵۹۷ھ نے اپنی مشہور تالیف تلبیس ابلیس میں جہاں احناف کے "تصور پیری" میں گرفتار عالموں، عابدوں، زاہدوں اور صوفیوں کی من گھڑت اور مفروضہ کرامات کا پول فاش کیا ہے وہاں مذہب شیعہ کے مختلف فرقوں کے عقائد و اعمال پر بھی بحث کی ہے۔

فرقہ رافضیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی بارہ شاخیں ہیں۔

۳۰ـــــــ علویہ :- جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے جبرئیل کو علیؓ کی طرف بھیجا تھا مگر وہ غلطی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا گیا۔ جس طرح یہودی کہتے ہیں کہ جبرئیل نے ہماری دشمنی سے نبوت بنی اسرائیل کی بجائے بنو اسماعیل کی اولاد میں محمدؐ کو دے دی ۔ یہ لوگ کافر ہیں ۔

۳۱ـــــــ امریہ :- ان کا عقیدہ ہے کہ محمدؐ کے ساتھ نبوت میں علیؓ بھی شریک ہیں ۔ یہ لوگ بھی کافر ہیں ۔

۳۲ـــــــ شیعیہ :- اسی فرقہ کے نام پر بعد میں تمام گروہ پکارے جانے لگے ۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ علیؓ عثمانؓ سے افضل ہیں ۔ ان کو خلافت سب سے بعد میں اس لئے ملی کہ خلافت کا خاتمہ علیؓ پر ہو ۔ اور بعد میں قیامت تک علی کی اولاد میں رہے ۔

۳۳ـــــــ اسماقیہ :- کہتے ہیں کہ نبوت تا قیامت جاری رہے گی ۔ اور جو کوئی اہل بیت کا علم جانے وہ نبی ہوتا رہے گا ۔

۳۴ـــــــ ناووسیہ :- یہ لوگ کہتے ہیں کہ علی سب سے افضل ہیں کسی دوسرے صحابی کو فضیلت دینے والا کافر ہے ۔

۳۵ـــــــ امامیہ :- یہ کہتے ہیں کہ دنیا کبھی امامت سے خالی نہیں رہتی اور وہ امام حسینؓ کی اولاد سے ہوگا اور جبرئیل اُسے تعلیم کرتے رہیں گے ۔ اس زمانہ میں جو لوگ امامیہ کہلاتے ہیں وہ ناووسیہ اور رافضیہ کا مرکب ہیں ۔

۳۶ـــــــ زیدیہ :- ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ غیر حسینی کے پیچھے نماز جائز نہیں حسینی خواہ کسی فعل کا مرتکب ہو نماز صرف اسی کے پیچھے جائز ہے ۔

۳۷ـــــــ عباسیہ :- یہ لوگ عباس بن عبدالمطلب اولاد کی

اولاد کو خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں۔

۳۸ ——— متناسخیہ:۔ یہ ہندوؤں کی طرح تناسخ کے قائل ہیں۔

۳۹ ——— رجعیہ:۔ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کے اصحاب دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اپنے دشمنوں سے بدلہ لیں گے۔

۴۰ ——— لاعنیہ:۔ یہ لوگ عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، معاویہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لعنت بھیجتے ہیں

۴۱ ——— متربصیہ:۔ ہر وقت ایک شخص کو صاحب الامر مانتے ہیں۔ وہ مرے تو دوسرے کو مقرر کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد امام موصوف فرقہ باطنیہ کی شاخیں گنواتے ہیں۔ ان کے عقیدے کی بنیاد اس بات کو قرار دیتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے ظاہر کی طرح باطنی معنی بھی ہیں۔ جس نے ظاہری معنوں پر عمل کیا وہ ظاہری شرع کی تکلفات میں گرفتار ہو گیا اور جو باطنی معنوں پر آگاہ ہو گیا۔ اس سے شرعی تکلفات ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس کے ثبوت میں وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ۔ اور رسول ان سے بوجھ اور قیدیں اتارتا ہے پیش کرتے ہیں۔

۴۲ ——— اسماعیلیہ:۔ یہ امامت کو محمد بن اسماعیل بن جعفر پر ختم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ شخص ساتواں ہے۔ آسمان بھی سات، زمینیں بھی سات، دن بھی سات اور امامت کا دورہ بھی سات پر ختم۔

ابوجعفر طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ علی بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ راوندیہ میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور زعم کیا کہ تو ہی وہ روح ہے جو عیسیٰ سے متعلق ہوئی۔ وہ شخص ہبرص تھا۔ اس کے بعد یہ شخص اپنے علاقہ میں لوٹ گیا۔ اور کہنے لگا کہ جو روح عیسیٰ بن مریم میں

تھی وہ اس کے بعد علی بن ابی طالب میں آئی سات شہر تک بعد دیگرے اماموں میں۔ یہاں تک کہ ابراہیم بن محمد میں پہنچی۔ انہوں نے محرمات کو بھی حلال قرار دیا۔ یہ خبر اسد بن عبداللہ کو پہنچی اور اس نے سب کو سولی پر لٹکا دیا۔

۴۳ ——— سبعیہ:۔ یہ بھی امامت کو سات پر ختم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم ارضی کی تدبیر زحل، مشتری، مریخ، آفتاب، زہرہ عطارد اور قمر کے حوالے ہے۔

اقول:۔ آج پیروں کا جو گروہ کتابوں سے فالیں نکالتا اور لوگوں کو ان کے ستارے بتا کر ان کی قسمتیں بتاتا اور غیب بکتا ہے اس نے یہ تصور سبعیہ سے ہی اخذ کیا ہے۔ بریلوی، حنفیوں میں اس فن پر باقاعدہ لکھی ہوئی کتابوں پر عمل کیا جاتا ہے۔

۴۴ ——— بابکیہ:۔ ان لوگوں کا روحانی باپ وہی بابک خرمی ہے جو ۲۰۱ھ میں آذربائیجان میں نمودار ہوا۔ اس نے محرمات کو حلال کیا۔ جبراً لوگوں کی خوبصورت لڑکیوں اور عورتوں کو چھین لیتا تھا اس نے اڑھائی لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا معتصم عباسی کے حکم سے افشین نے ۲۲۳ھ میں اسے گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا۔ اس کے بالترتیب ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور آخر میں قتل کیا گیا مگر اس نے اُف تک نہ

۴۵ ——— محمرہ:۔ یہ سرخ رنگ کے کپڑے پہنتے تھے اور بابک کے پیرو تھے۔

۴۶ ——— قرامطہ:۔ ابتداء میں باطنیہ کا داعی تھا۔ ظاہر میں زاہد اور عابد تھا۔ کسی دوسرے مقام پر اس کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ہی ابوسعید قرمطی ۲۸۶ھ میں ظاہر ہوا اس نے بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا بے شمار مسجدیں منہدم کیں۔ ہزا

قرآن مجید جلائے اس کا بیٹا ابوطاہر حجر اسود اکھیڑ کر اپنے دارالحکومت میں لے گیا تھا۔

۴۷ــــــ خرمیہ:- یہ لوگ حقیقتاً مجوسی مزدکیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور تقیہ کر کے مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے فواحش کو جائز قرار دیا۔ اور دنیا کی سب عورتیں ہر شخص کے لئے مباح قرار دیں

۴۸ــــــ تعلیمیہ:- یہ کہتے ہیں کہ عقل کو بالائے طاق رکھ دیجیئے۔ جو کچھ امام معصوم کہے اس پر عمل کرو۔ اور علم بغیر امام کی تعلیم کے حاصل نہیں ہوتا

۴۹ــــــ باطنیہ:- ان کی تفصیل آگے چل کر بیان ہوگی۔

یہ لوگ بھی منہ سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر دوسرے شیعوں کی طرح ان کے عقائد و اعمال بھی اسلام کے مخالف ہیں۔ ان کے عقائد ایک عجیب چیستان اور بھول بھلیاں کی دنیا اپنے اندر رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں جو سابق ہے اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وجود ہے یا عدم ہے، موجود ہے یا معدوم ہے مجہول ہے یا معلوم ہے موصوف ہے یا غیر موصوف اور اسی سابق سے دوسرا کلیہ پیدا ہوا کہ اول موجود ہے پھر نفس کلیہ کا وجود ہوا۔ اس سے نبوت پیدا ہوئی جس پر خدا نے ازل سے قوت قدسیہ فائض ہوئی اس قوت قدسیہ کا نام جبرئیل ہے۔ علی محمد باب اور بہاء اللہ اسی عقیدہ کی پیداوار ہیں (تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) اور کہتے ہیں کہ نبی کی طرح ہر زمانے میں ایک امام معصوم ہوتا ہے۔

ابن عقیل نے کہا کہ اسلام میں باطنیہ اور ظاہریہ دو فرقوں نے خرابی پیدا کی چنانچہ فرقہ باطنیہ نے اسلام کا نام رکھ کر شرح کو متروک کیا اور بزعم خویش اپنا باطنی مذہب باطل اور بے ہودہ تفسیروں سے پھیلا کو ورغلایا۔ یہاں تک کہ ان اسلام دشمنوں نے شریعت کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دی۔

مشتے نمونہ از خروارے ان کے عقائد ملاحظہ ہوں۔

کعبہ نبی ہیں اور باب علی ہیں۔ جنابت جس سے غسل لازم آتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ قبول کرتے والا بھید ظاہر کرتے۔ غسل سے مراد از سر نو توبہ کرنے کے ہیں۔ زناۃ کے معنی یہ ہیں کہ علم باطن کا نطفہ ایسے شخص کے پیٹ میں ڈالے جس سے سابق میں عہد یا گیا ہو۔
روزہ کے معنی بھید کھولنے سے جی کو روک رکھنے کے ہیں۔ طوفان سے مراد طوفان علم ہے۔ نار ابراہیم سے مراد نمرود کے غصے کی آگ تھی اسحاق کو ذبح کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے جدید عہد لیا گیا (حضرت اسحاق ذبیح اللہ نہیں بلکہ اسماعیل ذبیح اللہ ہیں یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی سے حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ قرار دیا اور یہود مجوس کے گٹھ جوڑ نے باطنیوں میں یہ عقیدہ راسخ کیا۔ للمؤلف)
عصائے موسیٰ سے مراد موسیٰ کی دلیل اور حجت کے ہیں۔
(منکرین حدیث، یعنی چکڑالوی، پرویزی جو حقیقت میں منکرین قرآن ہیں انہوں نے معجزات کے انکار کا سبق باطنیوں سے ہی حاصل کیا ہے۔
ان عقائد میں پرویزی ٹولہ باطنیوں کا طابق النعل بالنعل ہے للمؤلف)
۵۰۔ **ظاہریہ**:۔ فرقہ ظاہریہ نے ہر امر میں ظاہر کو ہی ملحوظ رکھا۔ اسمائے صفات میں بھی انہوں نے وہ معنی لئے جو حواس سے ان کی سمجھ میں آئے۔
امام موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ باطنیہ کے فساد کی چنگاری ۴۹۴ھ میں بھڑکی تو سلطان برکیارق نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور ان کے اموال لوٹ لئے۔
پھر سلطان جلال الدولہ ملک شاہ کے زمانے میں ان لوگوں کا حال کھلا انہوں نے ساوہ میں عید کی نماز پڑھی اور ایک مؤذن کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی اس نے انکار کیا تو یہ لوگ ڈرے کہ کہیں ہمارا راز فاش

نہ ہو جائے۔ اس خوف سے اُسے قتل کر دیا۔ یہ خبر نظام الملک وزیر کو
پہنچی چنانچہ اُس نے تلاش جستجو سے ان لوگوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کرنا شروع
کیا آخر وہ خود ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہو گیا۔

آگے چل کر قرامطہ اور باطنیہ فرقے کے لوگ حسن بن صباح کے جھنڈے
تلے جمع ہو گئے۔ الغرض بہت سے زندیق جن کے دل میں اسلام دشمنی تھی
وہ اس قوم میں داخل ہو گئے۔ انہیں لوگوں میں ابن راوندی مصنف دامغ
اور ابوالعلا معری مشہور عربی کا شاعر ہوا ہے۔ جو معز والدولہ رافضی کا
مداح تھا۔ اس کے اشعار میں کھلا ہوا الحاد ہے۔ یہ شخص نابینا تھا تمام
عمر شادی نہ کی نہ گوشت کھایا نہایت بدشکل تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ
دشمنی میں مبالغہ کرتا تھا۔ ہر وقت خائف رہتا تھا کہ قتل نہ کیا جاؤں آخر وہ حمص میں مر گیا
اس کی تصانیف۔ لزوم ما لا یلزم۔ سقط الزند۔ ضوء السقط۔ الایک والغصون
لامع عزیزی۔ ذکری حبیب جو ابو تمام کے دیوان کی شرح ہے۔ انتخاب
دیوان بحتری۔ دیوان متنبی کے انتخاب میں اس کا الحاد ہر مقام پر جھلکتا
بلکہ ٹپکتا نظر آتا ہے۔[1]

راوندیہ:۔ یہ فرقہ بھی شیعوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ دراصل
ایران اور خراسان کے جاہل لوگوں کا گروہ تھا۔ جو علاقہ راوند میں رہتا تھا۔
اور اُسے ابومسلم خراسانی نے اپنے ساتھ شامل کیا تھا۔ ابومسلم کو یا اس کی
جماعت کو اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ابومسلم نے مامون کا ساتھ محض اس
لئے دیا تھا۔ کہ وہ اس آڑ میں مسلمانوں کا قتل عام آسانی سے کر سکے۔ راوندیہ
تناسخ اور حلول کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ خدائے تعالےٰ نے منصور میں
حلول کیا ہے۔ منصور کو خدا سمجھ کر اس کی زیارت کرتے تھے۔ اور اس کے

---

[1] نزاریوں، دروزیوں، اسماعیلیوں، طیبیوں اور بوہروں کا چونکہ فاطمیین مصر سے تعلق ہے
اس لئے ان کے تفصیلی حالات خلافت فاطمیین مصر کے ضمن میں دیکھئے۔

درشن کو عبادت جانتے تھے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ آدم کی روح نے عثمان بن نہیک اور جبرئیل نے ہشیم بن معاویہ میں حلول کیا ہے۔ منصور نے ان کے چند لوگوں کو قید کر دیا مگر باقیوں نے حملہ کر کے سب کو آزاد کرا لیا اور محل شاہی پر حملہ کر دیا۔ منصور ان کا خدا اور وہ خدا کے پجاری۔ مگر اسی کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ قریب تھا کہ یہ لوگ عباسی حکومت کو ختم کر دیتے مگر عین وقت پر محمد بن زیدہ نے حالات کو سنبھال کر عباسی سلطنت کو بچا لیا۔

شیعوں کے فرقوں پر تبصرہ

مجھے اس باب میں اپنی علمی بے بضاعتی کا بھرپور اعتراف ہے کہ میں شیعہ مذہب کے فرقوں کا احتساب نہیں کر سکا۔ یزیدی۔ دروزی۔ نصیری۔ نزاری، طیبی اور ان کے علاوہ اور کئی فرقوں کے نام کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ضمناً بعض کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے اور بعض بالکل آنکھوں سے اوجھل رہے ہیں۔

ان لوگوں کے عقائد میں تنہا ہر بعید المشرقین ہے :-

اللہ تعالےٰ کو انسانی شکل میں ماننے والے ہنود کی طرح تناسخ کے قائل۔ عیسائیوں کی طرح منصور کو خدا کا بیٹا کہنے والے۔ محمد بن عبداللہ بن حسن کو زندہ جاوید ماننے والے امام برحق کا کلمہ قائم کر کے اسے پیغمبر کہنے والے ترک نماز سے کوئی گناہ نہیں کے قائل حضرت جعفر (الصادق) کو خدا ماننے والے تمام مفروضہ آئمہ کو الٰہ ماننے والے حضرت علی کو جزو خدا کہنے والے۔ امام جعفر کو زندہ جاوید سمجھنے والے حلول اور رجعت کے قائل۔ چہاردہ معصوم کی اصطلاح کے قائل۔ نبوت علی کا حق تھا مگر جبرئیل بھول کر نبوت محمد کے حوالے کر گیا۔ پر ایمان رکھنے والے۔ علی کو نبوت میں شریک جاننے والے۔ اہلبیت کا علم جاننے والا نبی ہو سکتا ہے کے قائل۔ قرآن کو ستر گز لمبا کہنے والے

قرآن کے چالیس پاروں کے قائل۔ قرآن کی سات ہزار سے زائد آیتیں
ماننے والے "اصل قرآن علی نے پوشیدہ کر دیا تھا" کے قائل۔ حضرت ابوبکرؓ[16]
عمرؓ۔ عثمانؓ۔ عائشہؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ معاویہؓ اور ابو موسیٰ اشعری پر لعنت کرنے
والے انہیں[17] صریحاً خطا کار کہنے والے۔ محرمات[18] کو حلال کہنے والے
سب عورتوں[19] کو ہر شخص کے لئے مباح قرار دینے والے۔ اسی دنیا[20] کو
دوزخ اور جنت سمجھنے والے۔ شراب[21] اور زنا کو حلال جاننے والے
نبی[22]۔ عباس۔ علی۔ جعفر اور اسمٰعیل کی امامت کے علاوہ کسی اور کی
امامت کے قائل کو کافر کہنے والے۔ فاضل[23] کی موجودگی میں مفضول
کی امامت کے قائل۔ امامت[24] کو محمد بن عبداللہ بن حسن المعروف
نفس ذکیہ کا حق سمجھ کر امامت کو آپ پر ختم جاننے والے ابوبکرؓ[25]
اور عمرؓ کو اجتہادی غلطی کا مرتکب جاننے اور باقی سب کو کافر کہنے
والے۔ منصور[26] عباسی کی طرف امامت لوٹ جانے کے قائل۔ جعفر[27]
الصادق کے بعد امام محمد کی امامت کے قائل۔ جعفر صادق[28] کے بعد
عبداللہ کی امامت کے قائل۔ اسمٰعیل[29] کو امام برحق ماننے والے۔ دوازدہ
آئمہ کے قائل۔ امام مہدی[30] کی پوشیدگی پر ایمان رکھنے والے۔
اصحاب ثلاثہ[31] کو علی منہاج الخلافۃ صحابی سمجھنے والے اور ان پر تبرا کرنے
والے۔ ابن زیاد[32]، شمر اور ابن سعد کو شیعہ ماننے والے اور ان[33] کو کافر
کہنے والے۔ مختار[34] کو امیر مختار رضی اللہ تعالیٰ کہنے والے اور اسے[35]
زمانہ کا مکار ترین فریب کار کا خطاب دینے والے۔ اذان[36] میں حی
علیٰ خیر العمل اور علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کے
قائل اور ان[37] کا اثبات کرنے کے منکر و منفور[38]۔ ہارون، مامون عباسی کو شیعہ
سمجھنے والے اور انہیں[39] کافر فاسق اور فاجر کہنے والے۔ یزید[40] کو
ناجیوں اور غازیوں کا محسن سمجھنے والے اور اس کا نام گالی کے

کرکے حکومت پر باختصاص کیا جائے گا۔ مگر یہاں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا آخر مختار ثقفی کو یہ لوگ سٹیج پر لائے۔ مگر وہ بھی اپنی پوری شاطرانہ، عیارانہ مکارانہ اور فریب کارانہ چالوں کے باوجود خائب و خاسر ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس تمام طویل ہنگامہ رستہ خیز میں یہودی قیادت خود ہی بے اہمیت ہوگئی۔ اور اب یہ مختلف الخیال مختلف العقائد گروہ اپنی اپنی جگہ تو گو مضبوط طاقتوں کے مالک تھے۔ مگر ان کے درمیان آپس میں کوئی رابطہ نہ تھا۔ ان لوگوں کے لیڈر، قائد، داعی اکثر کسی نہ کسی مقام پر آپس میں ملتے رہتے تھے۔ سبائی نظریات نے جو لوگ پیدا کیے تھے وہ عربی النسل تھے۔ ان کے اکثر لیڈر ختم ہو چکے تھے۔ مگر عوام میں "حبِ علی" کے متوالوں کی تعداد ابھی تک کافی تھی۔ وقتی کو متوں نے اکثر "محبانِ علی" کے ان نظریات اور ان کے باغی ذہنوں کے پیشِ نظر سیاسی شکنجہ کسا کہ ان میں سے بہت سے مرکز سے دور ایران میں پہنچ گئے۔ ایران کے مجوسی ایک زیرِ زمین حملہ تو سبائی تحریک کی قیادت میں کر چکے تھے۔ اب انہیں نظر آیا کہ قیادت بھی ہمارے ہاتھ میں آرہی ہے۔ وہ آگے بڑھے اور جزیرہ نما عرب میں پھیل گئے۔ سبائیت پہلے ہی یہاں . . . عقل سے بدنصیب والے میں بودا محالات کو قبول کرنے والا گروہ پیدا کر چکی تھی۔ ان مختلف الخیال مختلف العقائد اور بظاہر ایک دوسرے کے متغائر، مخالف اور متضاد نظریات کے حامل جو بہ باطن ایک دوسرے سے بڑھ کر اسلام کے دشمن تھے اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کیا۔ سبائی یہودیت اور ایرانی مجوسیت شیعیت کے وجود میں ایک ہیولیٰ تیار کر چکی تھی لہٰذا ان وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے تمام فرقوں، گروہوں، مذہبوں یا سیاسی تحریکوں کو شیعیت نے فراخدلی سے اپنے دامن میں پناہ دی۔ یہ لوگ ظاہر میں شیعیت کے عقیدہ میں شامل ہوتے چلے گئے تاکہ قتلِ عام سے بچ جائیں۔ شیعیت سے دوستی پیدا کرنے کے لئے آگے بڑھتے رہے

اور شیعیت انہیں اپنے اندر سموتی رہی اور عقائد کا ملغوبہ تیار ہوتا رہا۔ غم، گریہ اور ماتم کے اعمال اپنا کر انہوں نے اپنے آپ کو محبانِ اہلِ بیت میں شامل کر لیا اور آتش پرستی مزدکی اثنویت اور مجوسی نظریات ان میں پھیلانے شروع کئے۔ اس سے انہیں بزرگانِ سلف کو لعن طعن کرنے کا موقع آسانی سے مل گیا۔ پہلے دور میں شیعیت باوجود بغضِ صحابہ کرام کے قرآن اور وحی کی منکر نہ تھی، مگر ان نوواردوں نے ان کو بڑی آسانی سے حبِّ اہلبیت کی آڑ میں اسلامی عقائد سے بہت دور پہنچا دیا۔ یہ تمام حربے آہستہ آہستہ پھینکے جاتے رہے اور سب سے آخری اور کارگر حربہ یہ پھینکا کہ ان شرائع کے ظاہری اعمال کی طرح ان کا باطن بھی ہے صرف ظاہر پر فریفتہ ہونا حماقت ہے اور دانائی اور فلسفہ یہ ہے کہ ان کے اسرار پر عمل ہو۔

اور کعبہ نبی ہے۔ علی باب ہے۔ غسل سے مراد از سرِ نو توبہ ہے۔ نا علم بال کو کسی نا اہل پر ظاہر کرنا ہے۔ جنابت بھید کو ظاہر کرنا ہے اس قسم کے خرافات شیعیت کی ایک اکثریت کے اصولات دین بن گئے۔

ظاہری مجالس میں یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ تمام امت پر علی کی متابعت واجب ہے۔ کیونکہ وہ خلیفہ بلافصل اور معصوم عن الخطا ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تمام پیغمبروں کی طرح انہیں معصوم پیدا کیا ہے۔

چونکہ ان طالع آزماؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جذبات کے طوفان بھرے ہوئے تھے اور وہ اسی بات کے لئے بیقرار تھے کہ جس طرح ان مسلمانوں نے ہمارے آباؤ اجداد سے حکومتیں چھینی ہیں ہم ان مسلمانوں سے جس قدر ہو سکے بدلہ لیں۔ یہ ان لوگوں کی ابتداء اور ان کے مقصود کی انتہا تھی۔ غرضیکہ یہ تمام فرقے ماسوائے چند ایک کے ایران کی پیداوار تھے۔

(تفصیل کے لئے دیکھیے غیرت نامہ اندلس مصنفہ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی)

الغرض اس قسم کے بے سروپا نظریات کی بالیدگی میں شیعیت پروان چڑھتی۔ یہاں اس بات کو پیشِ نظر رکھیے کہ گو مختلف فرقے مختلف عقائد کے حامل

شعیت کے دامن میں پناہ لیتے رہے۔ مگر اس معجون مرکب کے بحر ذخار میں و پنچ کر دہ کہیں اپنی انفرادیت کو کھو دیتے رہے اور کہیں اپنے چند نظریات کو پیدا کرتے ہیں تو دب جاتے رہے۔

چونکہ شیعیت کی ابتداء وصایت خلافت اور امامت کے نظریہ کی آڑ میں ہوئی تھی اس لئے عوام کے دلوں میں یہ بات راسخ ہو گئی تھی کہ خلافت صرف علویوں کا حق ہے۔ لہٰذا یہ لوگ سادہ لوح علویوں کو گھیر گھیر کر خروج پر آمادہ کرتے رہے اور جب کوئی ایک خروج کنندہ قتل ہو جاتا تو یہ دوسرے کو گھیر کر سامنے لے آتے رہے۔

مختلف وقتوں میں خروج کرنے والے علوی

۱۔ حضرت حسینؓ بن علیؓ۔ سنہ ۶۱ھ کربلا میں۔۔۔ یزید کے خلاف

۲۔ زید بن علی (زین العابدین) بن الحسین۔ سنہ ۱۲۲ھ کوفہ میں۔ ہشام بن عبدالملک اموی کے خلاف

حنفیوں کے امام ابوحنیفہ بھی زید بن علی کے حامیوں میں سے تھے (تاریخ اسلام جلد دوم ص ۲۲۲ اکبر شاہ خان)

۳۔ یحییٰ بن زید بن علی بن حسین۔۔۔ سنہ ۱۲۶ھ خراسان میں۔۔ ولید بن عبدالملک کے خلاف

۴۔ عبداللہ بن معاویہؓ بن عبداللہ بن جعفر طیار۔ سنہ ۱۲۷ھ کوفہ میں۔۔ مروان بن محمد اموی کے خلاف

۵۔۔۔ عیسیٰ بن زید بن علی (زین العابدینؒ) سنہ ۱۳۸ھ۔ کوفہ میں۔۔ ابوجعفر منصور عباسی کے خلاف

نوٹ: معاویہ کے نام پر نام رکھنا توجہ طلب ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دوسری صدیؒ کے شروع تک معاویہ کی شخصیت ان لوگوں کے نزدیک ایک بزرگ شخصیت تھی اور وہ اس نام سے تبرک حاصل کرتے تھے علوی خود مختار ثقفی کے خروج کے خلاف تھے چنانچہ عبیداللہ بن علی بن الاصغر بن علی بن حسین ان کے سخت خلاف تھے اس پر مختار ثقفی نے قسم کھائی تھی کہ عبیداللہ جہاں ملے گا مجھے قتل کر دینا (شیعوں کی کتاب عمدۃ الطالب ص ۳۰۵)

اسی ابن السرایا نے ابن طباطبا کو زہر دینے کے بعد محمد الاکبر کو خروج کے لئے ورغلایا۔ کوفہ اور بصرہ پر قابض ہو گیا۔ ان لوگوں نے اپنی چند روزہ حکومت میں نہایت ظلم اور بربریت کا ثبوت دیا۔ موسیٰ کاظم کے بیٹے زید نے بصرہ میں قیامت برپا کر دی ہزاروں مکان جلا دیئے سینکڑوں خاندان تباہ کئے۔ حسین بن حسن بن علی حسینی نے مکہ کا دفینہ شدہ خزانہ کعبہ لوٹ لیا۔ لوگوں کے ننگ و ناموس سرِ راہ لوٹے گئے۔ موسیٰ کاظم کے دوسرے بیٹے ابراہیم نے یمن میں قتل و غارت گری کی کہ آج تک تاریخوں میں ابراہیم قصاب کے نام سے مشہور ہے مامون نے سب کے بل نکال دیئے۔

۱۵۔ (۱) حسین الافطس (یعنی چپٹی ناک والا) ۱۹۹ھ مکہ میں مامون الرشید کے خلاف
بن حسن بن زین العابدین
(۲) علی بن حسین الافطس
(۳) محمد بن جعفر صادق بن محمد باقر
بن زین العابدین

یہ تینوں باپ بیٹے اپنے آباء کے خلاف نہایت بدکردار تھے۔ حسین کو سید المفسدین (فسادی) (عمدۃ الانساب ص) کہا جاتا ہے۔ مکہ کی معتبر تاریخ جامع اللطیف میں انہیں قبیح سیرت لکھا گیا ہے (ص ۲۹۶) وقس علیٰ ہذا مکہ میں انہوں نے وہ اودھم مچایا کہ لوگ تنگ آ گئے اور مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ الافطس نے کعبہ کے غلاف کے ستونوں سے سونا تک اتار لیا (ص ۱۰۱)۔ شیعہ مورخ ابن عنبہ نے عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب (ص ۳۳۸) لکھ کر ان کی بداعمالیوں کی تصدیق کی ہے۔
یہ لوگ بھی ابو السرایا کے چکمے میں آ کر بغاوت پر آمادہ ہوئے تھے۔ ابو السرایا مارا گیا تو محمد بن جعفر الصادق کے پاس پہنچے۔ انہوں نے

دھتکار دیا۔ مگر یہ ڈھیٹ بن کر لپٹ گئے اور انہیں امیر المؤمنین کہہ کر
پکارنے لگے۔ محمد کا بیٹا علی ان کے ساتھ مل گیا۔ انہوں نے اس حد تک
بے حیائی کا مظاہرہ کیا کہ جہاں کوئی خوبصورت عورت مل گئی جبراً اٹھا کر لے
گئے۔ یہاں تک کہ اسحاق نامی ایک خوش شکل لڑکے کو پکڑ کر جبراً اپنے
مکان میں لے گئے اور اپنا منہ کالا کر لیا۔ (تاریخ ابن خلدون بحوالہ تاریخ
کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۰) لوگ شور مچاتے ہوئے علی کے مکان پر پہنچے
علی کا باپ محمد بھی پہنچ گیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے لڑکا آزاد کرا کے
ان لوگوں کے حوالے کر کے اپنی جان بچائی۔ (ترجمہ ابن خلدون جلد ۷
صفحہ ۱۰۲ کتاب ثانی مطبوعہ قیصر ہند الہ آباد پریس ۱۹۰۶ء) اس کے بعد
کافی عرصہ تک فتنہ فساد پھیلاتے رہا۔ مگر مامون کی فوج نے گھیر کر
تنگ کیا تو مکہ پہنچ کر مجمع عام میں معافی کا خواستگار ہوا۔ مامون نے
معاف کر دیا۔ شیعہ اسے الدیباج کے نام سے پکارتے ہیں۔
جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۵۳) حسین افطس کے لڑکے گرفتار
ہو کر قتل ہوئے اور ان مفسدین کے خاتمہ سے مکہ اور مدینہ کے
لوگوں کو ان کے ظلم سے نجات ملی۔

۱۶۔ علی بن جعفر صادق بن محمد باقر ۱۹۹ھ بصرہ میں مامون الرشید کے خلاف
خروج کیا۔

گرفتار ہو کر مامون کے پیش ہوئے۔ اعتراف قصور کے بعد مامون
نے معاف کر دیا۔ ان کے بھائی عبداللہ بن جعفر صادق کی اکلوتی بیٹی
فاطمہ کا نکاح عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد الامام بن علی بن عبداللہ
بن عباس سے ہوا۔ عباس کے مرنے کے بعد فاطمہ نے علی بن اسماعیل
بن جعفر صادق سے نکاح کیا۔ اسماعیلی فرقہ کے بانی نے پہلے فاطمہ
کے باپ عبداللہ سے اپنا شجرہ نسب ملایا مگر جب معلوم ہوا کہ

عبداللہ کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ پھر اسماعیل بن جعفر سے اپنے باپ کو منسوب کیا (جمہرۃ الانساب ص۵۳) اسی زمانہ میں ابن السرایا کی طرف سے زید بن موسیٰ بن جعفر صادق (جسے زید النار کہا جاتا ہے) اہواز کی گورنری ملی۔ آگے مشہور شیعہ مولف صاحب عمدۃ المطالب کی زبان سے سنیئے۔ عباسیوں کے مکانوں کو آگ سے جلا ڈالا ان کے باغات اور کل مال واسباب کو نذرِ آتش کر دیا اسی وجہ سے اُسے زید النار کہتے ہیں (ص۲۰۰ طبع لکھنو) جب یہ زید النار گرفتار ہو کر مامون کے دربار میں پہنچا تو مامون نے علی رضا کے پاس بھیج دیا۔ مگر علی رضا نے تمام زندگی اُس سے بات نہ کی۔ (عمدۃ المطالب)

۱۷۔ عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم بن جعفر بن حسن بن الحسن — ۲۰۲ھ فارس میں۔ مامون الرشید کے خلاف خروج کیا۔

ان کے دادا جعفر کی بہن اُم حسن سلیمان بن علی عباسی کی زوجہ تھیں جس سے دو بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے فارس میں خروج کیا آخر میں معافی مانگ لی (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص۱۲۶ مقاتل الطالبین ص۵۶۰)

۱۸۔ جعفر بن ابراہیم الجزار بن موسیٰ کاظم — ۲۰۲ھ یمن میں۔ مامون الرشید کے خلاف خروج کیا

۱۹۔ محمد بن قاسم بن علی بن عمر[۱] بن زین العابدین — ۲۰۷ھ یمن میں۔ مامون الرشید کے عہد میں خروج کیا

محمد بن قاسم نہایت عالم فاضل تھے۔ عباسیوں کے ساتھ مناکحت اور مصاہرت کے تعلقات قائم تھے۔ عمر بن علی کی دختر خدیجہ یعنی

---

[۱]۔ علی (زین العابدین) نے بھی اپنے بیٹے کا نام عمر رکھا۔

حضرت زین العابدین کی حقیقی پوتی محمد بن ابراہیم الامام بن محمد الامام عباسی کے نکاح میں تھیں۔ چند ایرانیوں کے چلنے میں آکر طالقان چلے گئے وہاں خروج کیا مگر شیعوں نے عین معرکہ جنگ میں اپنی فطری خصائل کے مطابق دغا دی اور بھاگ گئے اور تمام عمر چھپتے پھرے (جمہرۃ الانساب ص۵۹)

۲۰۔ عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسن ۲۳۳ھ حجاز میں ۔ المتوکل علی اللہ عباسی کے خلاف سوقیہ نزد مدینہ سے خروج کیا۔ مگر حقیقی چچا نے گرفتار کیا۔ مدتوں جیل میں رہے۔ اور المتوکل کی تعریف میں اشعار کہتے رہے آخر آزاد ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ آغانی نے ان کے کئی اشعار نقل کئے ہیں۔ مقاتل الطالبین ص۴۰۶ پر ان کے حالات ملتے ہیں۔

۲۱۔ یحییٰ بن عمر[1] بن زید بن زین العابدین ۲۳۵ھ بصرہ میں ۔ المتوکل علی اللہ عباسی کے خلاف انہیں بھی شیعوں نے خروج پر آمادہ کیا۔ آخر گرفتار ہوئے اٹھارہ کوڑے لگے۔ پھر قید کر دیئے گئے۔ (مروج ج۴)

۲۲۔ یحییٰ بن عمر[2] بن یحییٰ بن حسین ۲۵۰ھ کوفہ میں ۔۔۔ المستعین باللہ کے خلاف خروج کیا۔
بن زین العابدین
عالم فاضل اور مسلکاً مالکی تھے۔ ان کے خلاف بھی اہلسنت کے مسلک پر قائم رہے۔ ابوالبرکات ابراہیم متوفی ۵۳۸ھ جو آٹھ واسطوں سے یحییٰ بن حسین کی اولاد سے تھے ایک جیّد سُنّی عالم تھے یحییٰ بن حسین کی حقیقی بہن یعنی زین العابدین کی حقیقی پوتی مہدی باللہ عباسی کے نکاح میں تھیں۔ یحییٰ مذکور نے جمعیت فراہم کر کے قیدیوں کو آزاد کرا کر خروج کیا چند روز خوب لوٹ مار کی آخر شکست کھائی اور ہلاک ہوئے۔ اولاد نہیں تھی (عمدۃ المطالب ص۲۶۱ البدایہ جلد ۱۲ ص۲۱۹) (مروج الذہب ج۴ ص۱۵۸)

---

[1] یہ عمر زین العابدین کے پوتے ہیں [2] یہ عمر زین العابدین کے پڑپوتے ہیں

۲۳- حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل ۲۵۰ھ دیلم میں - المستعین باللہ عباسی کے
بن حسن بن زید بن الحسن زمانہ میں

مدینہ میں عباسیوں کی طرف سے عامل تھے اپنے چچا زاد حسن مثنے کے بیٹے عباسیوں کے پاس (جاسوسی) کرتے تھے۔ سب سے پہلے عباسیوں کا شعار سیاہ لباس انہوں نے استعمال کیا۔ ان کی ایک بیٹی اور آٹھ بیٹے تھے۔ بیٹی کا نام اُم کلثوم تھا۔ وہ پہلے خلیفہ عباسی عبداللہ کی زوجہ تھیں۔ ۲۵۰ھ میں طبرستان سے خروج کیا۔ شیعوں میں الداعی الکبیر کہلایا انیس برس آٹھ ماہ حکومت کی۔ سب سے پہلے حسن اور محمد بن زید ان دو بھائیوں نے ہی خاندانی اور نسبی عصبیت کا زہریلا بیج بویا اور "داعی" کی لم تراشی شیعی عقائد کی تبلیغ کی اور سیاسی تحریک سے اسے مذہبی شکل دی۔ ایرانی سرزمین سے اتنے متاثر ہوئے کہ خاندانی نام ترک کر کے کار کیا۔ ابو لکا قسم کے نام رکھنے لگے شخصیت پرستی سب صحابہ وسلف۔ میں اس قدر غلو کیا کہ اسلامی تعلیمات کی شکل ہی مسخ کر کے رکھ دی۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ دونوں سخت فاجر و فاسق تھے۔ اور انہیں کی کوششوں نے دیلمیوں کو عالم اسلام میں غارت گری کی راہ دکھائی (جمہرۃ الانساب ص۳۵ عمدۃ المطالب، مقاتل الطالبین ص۱۱۹) آخر اپنے انجام کو پہنچے۔

۲۴- محمد بن جعفر بن حسن بن عمر ۲۵۰ھ فارس میں - المستعین باللہ کے
بن علی (زین العابدین) زمانے میں

عساکر خلافت کے ہاتھوں اسیر ہو کر سزایاب ہوئے۔

۲۵- احمد بن عیسیٰ بن حسین ۲۵۰ھ - المستعین کے زمانہ میں
الصغیر بن علی (زین العابدین)

اپنے بنو عم ادریس بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنے کے ساتھ مل کر

الرضا من آل محمد کے نعرے لگاتے ہوئے نماز عید کے بعد خروج کیا گرفتار ہوئے اور نیشاپور کی طرف جلا وطن کر دیئے گئے (طبری ۱۵۲/۱۱)

۲۶- ادریس بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ نے ۲۵۰ھ میں مکہ میں اور

۲۷- عبداللہ بن اسماعیل بن ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار نے ۲۵۰ھ میں زنجان میں

۲۸- حسین کوکبی بن احمد بن اسماعیل بن محمد بن اسماعیل الارقط نے ۲۵۱ھ میں قزوین میں

۲۹- ابراہیم بن محمد بن عبداللہ حسن بن عبیداللہ بن حسن بن عباس بن علی نے ۲۵۱ھ میں قزوین میں۔

۳۰- حسین الحرون بن محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن حسین بن زین العابدین نے ۲۵۱ھ میں کوفہ میں۔

۳۱- ابو احمد محمد بن جعفر بن حسن بن جعفر بن حسن بن الحسن بن علی نے ۲۵۱ھ میں کوفہ میں۔ المستعین باللہ عباسی کے دور میں خروج کیے۔

یہ نہایت حیران کن امر ہے کہ بار بار یہ لوگ خروج کرتے ہیں، کبھی قتل ہوتے ہیں کبھی بچ نکلتے ہیں۔ کیا اس بات کی طرف بھی کبھی کسی شیعہ مؤرخ نے توجہ دی ہے کہ جب کوئی آدمی کسی حکومت کے خلاف خروج یا بغاوت کرتا ہے تو یہ تاریخ کے بالکل منفرد واقعات ہیں کہ باپ خروج کرتا ہے اور اس کے چند سال بعد اس کے بیٹے میں بھی خروج کرنے کی سکت پیدا ہو جاتی ہے، پھر کسی حکومت کے خلاف خروج کرنے کے لئے بے حساب دولت کی ضرورت ہوتی ہے حکامِ وقت کے خلاف بار بار خروج کرنے والے یہ لوگ اتنی دولت کہاں سے لاتے تھے۔؟

آج تک ان باتوں کے نفس الامر کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان خروج کرنے والوں کے وہی لوگ جو میدان جنگ میں تلوار کے سامنے آئے قتل ہو گئے تھے، بچ جانے والوں کو

خلفائے وقت صرف معاف ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کی حالت پر رحم کرکے انہیں مال و دولت سے بھی سرفراز کرتے تھے۔

اور ان کی اس عزت و تکریم کی وجہ خلفائے وقت کی فیاضی رحمدلی یا ایک ہی خاندان سے ہونا وغیرہ کے علاوہ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ درجنوں فاطمی شہزادیاں حریم خلافت کی زینت ہوتی تھیں۔ اب اندازہ لگائیے کہ کسی خروج کرنے والے کی پھوپھی، کسی کی خالہ، کسی کی بہن، کسی کی بھتیجی، کسی کی بیٹی کسی نہ کسی عباسی نوجوان کے نکاح میں ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ لوگ اپنی حقیقی رشتہ دار خواتین کی وجہ سے بچ جاتے رہے۔ چنانچہ ام موسیٰ یا ام الحسن بنت علی زین العابدین بن الحسین داؤد بن علی بن عبداللہ بن العباس عباسی کی زوجیت میں تھیں ان کے بطن سے ایک بیٹی کلثوم اور ایک بیٹے موسیٰ بن داؤد پیدا ہوئے جو آگے چل کر بہت بڑے محدث ہوئے ان کے ایک پوتے صالح بن محمد بن موسیٰ ہارون کے زمانہ میں بصرہ کے گورنر تھے۔

حضرت زین العابدین کی ایک بیٹی فاطمہ موسیٰ کے انتقال کے بعد اپنے بہنوئی داؤد کی زوجیت میں آئیں آپ کی تیسری صاحبزادی ام الحسین، ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ العباس کے نکاح میں تھیں کلثوم بنت عبداللہ الارقط بن علی بن الحسین، اسماعیل بن علی بن عبداللہ بن العباس کی زوجہ تھیں۔

(ملخص کتاب نسب قریش ص۶۴)

پھر یہاں یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان خروج کرنے والوں کے خاندان کی اکثر مستورات خلفائے وقت کے خاندان کے افراد کی زوجیت میں تھیں تو ان کی اولاد میں سے وہ لوگ جو آگے چل کر

دیگر بڑے بڑے محدث، عالم اور اہم عہدوں پر فائز تھے وہ کیسے اپنے ننھیال والوں کو کسی مصیبت میں گرفتار دیکھ کر خاموش رہ سکتے تھے اور یہاں اس بات سے بھی انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ لگاتار اور ایک ایک سال میں کئی مدعیان خلافت کا خروج کیا بنو فاطمہ کی اپنی ذہنی افتاد یا نسلی عصبیت کی وجہ سے تھا یا اس کے پس منظر میں کچھ اور جذبات بھی کارفرما ہوا کرتے تھے۔

یہ سب مجوسی اور یہودی انگیخت کا نتیجہ تھا۔ بنو فاطمہ اکثر سیاست سے کورے ملکی معاملات کو سمجھنے سے عاری اور زمانہ کے نشیب و فراز کی گہرائیوں سے نابلد تھے جہاں کسی شیطانی آواز نے انہیں یہ کہہ کر اپنی طرف راغب کیا کہ خلافت تو آپ کا حق ہے جو خواہ مخواہ پہلے اموی دبائے رہے اور اب عباسی دبائے ہوئے ہیں۔ اُٹھیے اور نعرۂ جہاد بلند کیجئے ارض و سما کی تمام طاقتیں آپ کے ساتھ ہیں بس نہ سمجھا نہ سوچا چند منچلوں کے چکمے میں آکر خروج کر دیا پھر یا مر گئے اور یا گرفتار ہو کر نظر بند ہو گئے اور تائب ہونے کے بعد کچھ رقم مل گئی اور نے کر گوشہ نشین ہو گئے اور فتنہ کی آگ جلانے والے وہاں سے ایسے روپوش ہوئے کہ اس خطہ میں پھر ان کی شکل نظر نہ آئی۔ البتہ کچھ مدت کے بعد یک لخت یہ آواز کانوں سے ٹکرائی کہ فلاں فاطمی نے خروج کیا ہے۔ خلفائے وقت ان تمام تحرکات کو سمجھتے اور جانتے تھے۔ اور وہ ان فتنوں کے سرغنوں کو بڑی سختی سے کچلتے تھے۔ مگر جہاں ملک کے ہر گوشہ، ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں مجوسی اور یہودی اس طرح مسلمانوں میں ضم ہو چکے تھے جیسے ناخنوں کے ساتھ گوشت ـــــ تو ان کا پورے طور پر قلع قمع ناممکن نہ سہی مشکل ضرور تھا۔ پھر ان نو مسلم یہودیوں

اور مجوسیوں کے مصاہرت کے تعلقات بھی بڑے بڑے خاندانوں میں پیدا ہو چکے تھے۔ برامکہ کے عروج وزوال کی داستان اسی المیہ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ان لوگوں نے اپنی منافقانہ عیاریوں کو اپنی دادو دہش، جود وعطا، کرم وبخشش کی ان زرتار عباؤں میں سالہا سال مستور رکھا کہ زمام حکومت ہی گویا برامکہ کے ہاتھ میں تھی۔

اگر چند سے اور مامون انہیں ڈھیل دیتا تو آج صفحۂ ہستی پر ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کا وجود اس سے چوتھائی بھی نہ ہوتا۔

۳۲۔ اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ ۵۱ کا ھ مکہ میں۔ المستعین کے زمانہ میں مکہ میں خروج کیا۔

مدینہ اور جدّہ بھی اس کے قبضہ میں آگئے۔ لوگوں کو لوٹنے کے علاوہ اس نے کعبہ کا وقفی خزانہ اور جو سونا چاندی اس میں تھا وہ بھی لوٹ لیا۔ اور کعبہ کا غلاف تک اُتار دیا۔ صرف ۷۵ دن اس کا تسلط رہا۔ مگر مکہ، مدینہ اور جدّہ کے لوگ اس کے مظالم سے چلا اُٹھے۔ یہ زمانہ حج کا تھا۔ پانی کی صراحی کی قیمت تین دینار سے بڑھ گئی۔ حاجیوں کو قتل کیا۔ ان کا مال واسباب لوٹ لیا اس کے مظالم سے پریشان ہو کر لوگ مسجد نبوی میں ادائے فریضہ سے بھی رک گئے۔

البدایہ والنہایہ ج ۱۱ صہ ۹ طبری ج ۱۱ ص ۱۳۶ عمدۃ المطالب میں شیعی مولف ان تمام باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔

یہ ہیں مدعیانِ خلافت فاطمیہ کا کردار۔ اور یہ ہے شیعان علی کا دین۔ کہ معمولی سی طاقت ملنے پر کعبہ اور مسجد نبوی بھی ان کی لوٹ سے نہ بچ سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی شفقت، بخشش

اور جود وکرم ہے کہ اس مجوسی اور یہودی گروہ کے گٹھ جوڑ سے ہر موڑ پر اللہ تعالےٰ نے اپنے دین کی خود ہی حفاظت فرما کر ان کو نیست و نابود کردیا۔ مگر اس کے فطری قانون سے ہر دور میں چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ٹکراتا رہا۔

۳۳۔ الاخیضر محمد بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن مثنے نے المستعین باللہ کے زمانے میں یمامہ میں ۲۵۲ھ میں خروج کیا۔ محمد بن یوسف نے اپنے بھائی اسماعیل کے بعد خروج کیا۔ صاحب عمدۃ المطالب نے لکھا ہے کہ اُس نے بھی خونریزی لوٹ مار اور فساد میں کوئی کسر نہ چھوڑی (عمدۃ المطالب ص۹۲)

۳۴۔ عبداللہ بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن محمد باقر نے ۲۵۲ھ میں المستعین باللہ کے زمانہ میں خروج کیا اور مارا گیا۔ اس سے کوئی نسل نہیں چلی۔

۳۵۔ محمد الاکبر المعروف الثائر (عمدۃ المطالب) بن موسے بن عبداللہ بن موسے بن عبداللہ بن حسن مثنے نے ۲۵۲ھ میں المہتدی باللہ کے زمانہ میں خروج کیا اور قتل ہوا۔ (عمدۃ المطالب ص۱۱۲)

۳۶۔ عیسےٰ بن جعفر حسینی نے ۲۵۵ھ میں کوفہ میں المہتدی کے زمانہ میں خروج کیا۔ اور شکست کھائی (طبری)

۳۷۔ علی بن محمد بن احمد بن علی بن عیسےٰ بن زید بن علی زین العابدین نے ۲۵۶ھ میں کوفہ میں المعتمد علی اللہ کے خلاف خروج کیا۔ بقول طبری اس کا دعویٰ نسب صحیح نہیں تھا۔ وقتاً فوقتاً لوٹ مار کرتا رہا آخر قتل ہوا۔

۳۸۔ علی بن زید بن حسین بن زید بن زین العابدین ۲۵۶ھ میں کوفہ میں خروج کیا۔ اس کے ساتھی قتل ہوئے تو اس نے بھاگ کر حبشیوں کے سردار صاحب الزنج کی پناہ لی مگر اس نے اسے قتل کر کے اس کی محبوب کنیز زائب حبینیہ لی (جمہرۃ ابن حزم ص۵۲ طبری جلد ۱۱ ص۲۱۴)

۳۹۔ محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم بن حسن بن زید بن الحسن بن علی نے ۲۵۶ھ

میں خروج کیا۔ نہایت بداعمال اور فاسق تھا۔ مسجد نبوی میں بیٹھ کر شراب پیتا۔ مدینہ کے لوگوں پر سخت ظلم کئے۔ نوجوان لڑکیاں اپنے گھر ڈال لیں جمعہ اور جماعت کی نماز مسجد نبوی میں کافی عرصہ بند رہی۔ المعتمد باللہ کے لشکر سے شکست کھا کر قتل ہوا (ابن حزم ص۴۷ سطر ۱۱)

۴۰۔ ابراہیم بن محمد بن جعفر بن عبد العقیقی بن حسین بن زین العابدین نے ۲۵۶ھ میں مصر میں خروج کیا۔ بلاد صعید کے چند قصبات پر قابض ہو گیا۔ احمد بن طولون کے لشکر سے شکست کھا کر قتل ہوا۔ اس کا لقب ابن صوفی تھا۔ (ابن خلدون)

۴۱۔ حسن بن محمد بن جعفر بن عبد العقیقی نے ۲۶۶ھ میں طبرستان میں خروج کیا۔ حسین بن زید کے ہاتھوں قتل ہوا (جمہرہ ابن حزم ص۴۸) گویا اپنے رشتہ دار کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۴۲۔ احمد بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن الحسن نے ۲۶۷ھ میں مدینہ میں خروج کیا۔ اس کے بیٹے علی نے باپ کی رفاقت میں بھرپور حصہ لیا مدینہ منورہ میں دونوں باپ بیٹوں نے قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ خلیفہ عباسی نے عامل ابن ابی الساج نے باپ بیٹے کے کس بل نکال دئے اور مدینۃ النبی کے لوگوں کو آرام ملا (ابن حزم۔ البدایہ جلد ۱۱ ص۳۹)

۴۳۔ محمد و علی بن حسین بن جعفر بن موسےٰ (الکاظم) نے ۲۷۱ھ میں مدینہ میں خروج کیا۔ یہ دونوں بھائی چند روز مدینہ پر قابض رہے۔ وہاں کے باشندوں کا قتل عام کیا کوئی شخص مسجد نبوی میں مہینہ بھر تک نماز ادا کر سکا۔ ان کے خروج کا اثر مکہ معظمہ تک پہنچا۔ مسجد حرام کے دروازے پر لوگوں کو قتل کیا گیا۔ جعفر بن ابی طالب کی اولاد میں سے تیرہ اشخاص کو قتل کیا۔ تاریخ میں ان کا لقب ہی الملیط یعنی ڈاکو ہے (ابن کثیر جلد ۱۱ ص۴۹، جمہرۃ الانساب ص۵۵ بن ۸، ابن حزم)

شیعہ مؤرخ ابن جریر طبری نے انہیں کے خاندان کے ایک شاعر ابو العباس بن فضل علوی کا ایک قطعہ نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"پاک مصطفیٰ کا دار الہجرت برباد ہوگیا۔ اس کی بربادی پر مسلمان گریہ و بکا کرتے ہیں۔ اے آنکھ مقام جبرئیل اور لحد مصطفیٰ پر آنسو بہا۔ پاک منبر بھی بکا کرتا ہے۔ اور وہ مسجد جس کی بنیاد پاکی پر رکھی گئی ہے۔ وہ عبادت کرنے والوں سے خالی ہوگئی ہے اور اس پاک ہستی پر درود جس کو مبارک کیا اللہ نے رسولوں کے خاتم کرنے والے کے ذریعہ سے ان لوگوں کا برا ہو جنہوں نے مدینہ کو برباد کیا۔ اور ایک ملعون ظلم ڈھانے والے کی اطاعت

واقعہ حرّہ کی ظلم و ستم کی فرضی داستان کے مقابلہ میں خانوادہ نبوت کے دربایوں کے یہ وحشتناک مظالم نامعلوم ان مورخوں کی نظروں سے آج تک کیوں پوشیدہ ہیں جنہیں بار بار صرف مظالم یزید کا مروڑ ہی بے چین کئے ہوئے ہے۔

۴۴۔ احمد بن عبد اللہ بن ابراہیم طبا طبائی نے ۲۷۰ھ میں مصر میں خروج کیا اور المعتمد باللہ کی فوج کے ہاتھوں برباد ہوا۔

۴۵۔ یحییٰ الہادی بن حسین بن القاسم الرسی بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ نے ۲۸۸ھ میں یمن میں بزمانہ المعتضد باللہ خروج کیا۔ بقول مؤلف عمدۃ المطالب، مسلکاً شیعہ حنفی تھے مقام صعدہ کو اپنا مستقر قرار دے کر حکومت کی بنیاد رکھی ۳۱۰ھ میں انتقال کیا۔ اس علاقہ میں مدتوں ان کی اولاد حکمران رہی۔

۴۶۔ محسن بن جعفر بن علی الہادی۔ جو بعد میں علی نقی کے نام سے مشہور ہوئے محسن کے والد جعفر کو شیعہ جعفر کذّاب کہتے ہیں۔ جعفر کے بھائی حسن العسکری تھے جو بروایات صحیحہ لاولد فوت ہوتے مگر شیعوں کے قول کے مطابق مہدی ان کے بیٹے تھے جو ایام طفلی میں سرمن رائے میں

غائب ہو گئے۔

حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ حسن العسکری کی وفات کے بعد جعفر نے بھائی کے ترکہ کا دعویٰ کیا جو صحیح ثابت ہوا۔ اگر ان کا کوئی بیٹا ہوتا تو جعفر کو بھائی کا ترکہ نہ ملتا۔ مہدی کی ماں کا نام بقول شیعہ راویان صیقل ہے جسے کنیز کہتے ہیں محسن سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے شام چلے گئے وہاں خروج کیا اور قتل ہو گئے (ملخص ابن حزم ص۵۵)

۴۷۔ حسن الاطروش بن علی بن حسن بن علی بن عمر بن زین العابدین نے ۳۰۱ھ میں دیلم میں بزمانہ المقتدر باللہ عباسی خروج کیا۔ آئمہ زیدیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ۹۵ برس کی عمر میں مقتول ہوئے۔ شریف الرضی مصنف نہج البلاغۃ کی والدہ فاطمہ ان کی پڑپوتی تھیں۔ ان کے والد الناصر الصغیر ابوالحسن محمد کے بیٹے تھے اور ابوالحسن، حسن الاطروش کے بیٹے تھے۔

۴۸۔ حسن بن محمد بن علی بن عمر بن زین العابدین نے ۳۱۶ھ میں خروج کیا۔ حسن الاطروش کے بھتیجے تھے۔ طبرستان میں خروج کیا۔ اور مارے گئے۔ (جمہرۃ ابن حزم ص۵۴ ۔ طبری جلد۱۲ ص۷۶) ان سے دس سال پہلے واسط میں ایک مجہول النسب شخص نے محرز بن رباح کی مدد سے خروج کیا تین لاکھ درہم جو دارالخلافت کو بھیجے جا رہے تھے لوٹ لئے۔ عباسیوں کے ایک فوجی سردار الطولونی نے اس فتنہ کا قلع قمع کیا۔ (طبری جلد۱۲ ص۲۹)

۴۹۔ حسن بن القاسم الحسن نے ۳۱۶ھ میں رے میں خروج کیا۔ ۳۱۸ھ میں شکست کھائی۔

۵۰۔ ۳۲۹ھ میں الراضی باللہ کے زمانے میں ایک علوی نے خروج کیا اس سال لوگ اس کے خوف سے حج نہ کر سکے چونکہ مکہ میں اس کا تسلط تھا

۱؎ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کو برا کہنے والے غور کریں کہ فاطمیین کس طرح تبرکاً اصحاب ثلاثہ کے اسمائے گرامی سے تبرک حاصل کرنے کے لئے اپنی اولادوں کے نام ان کے ناموں پر رکھتے تھے۔

آخر مارا گیا۔

۵۱۔ جعفر بن محمد بن حسن بن محمد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ المحض نے ۳۳۲ھ میں المتقی باللہ کے زمانہ میں مکہ میں خروج کیا۔ اور عباسیوں کے نائب الاخشید محمد بن طغج کو شکست دے کر مکہ پر تسلط قائم کر لیا ابن حزم کے زمانہ تک اس کی اولاد مکہ پر قابض رہی۔

۵۲۔ ابو عبداللہ بن محمد بن الحسین بن الداعی من اولاد حسین بن علی نے ۳۵۳ھ میں بلاد دیلم میں المطیع اللہ عباسی کے زمانہ میں خروج کیا (ابن کثیر البدایہ ج ۱۱ صـ۲۵۳)

۵۳۔ المبرقع علوی نے ۳۵۳ھ میں کوفہ میں خروج کیا۔ یہ شخص برقع پوش رہتا تھا اس نے بڑا فتنہ پیدا کیا۔ معزّ الدولہ نے پیچھا کیا تو کہیں روپوش ہو گیا۔ (البدایہ ج ۱۱ صـ۲۵۹)

۵۴۔ عبداللہ بن عبیداللہ بن علی بن حسین بن علی بن الحسین بن زین العابدین نے ۳۵۸ھ میں شام میں خروج کیا۔ اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ قرامطہ سے مدد مانگی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا مطلب اس خروج سے مسلمانوں کو تباہ کرنا تھا۔

دو غیر فاطمی منچلے

یہ باب ختم کرنے سے پہلے دو غیر فاطمی منچلوں کے حالات بھی سُن لیجئے۔ جنہوں نے خروج کیا اور فاطمیین مصر اور نوابان اودھ کی طرح فاطمی ہونے کے مدعی بھی ہوئے[1]

---

[1]: آج یہ وبا بُری طرح معاشرہ پر مسلط ہو چکی ہے کہ ہر شخص اپنا شجرہ نسب کسی بڑے آدمی کی طرف منسوب کرنے کی کوشش میں بُری طرح ہلکان ہو رہا ہے حالانکہ یہ حرکت کفر سے کم نہیں۔

● حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ

ایسے لوگوں میں ایک اہم شخصیت علی بن محمد بن عبدالرحیم کی ہے جو قبیلہ عبدالقیس سے تعلق رکھتا تھا ۲۵۵ھ میں ورزنین علاقہ رے میں پیدا ہوا اس نے حسینی نسب کا جھوٹا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو یحییٰ بن زید بن علی بن حسین کی اولاد سے بتایا زید اور یحییٰ اپنے ناکام خروجوں کی وجہ سے عوام میں اچھی طرح متعارف ہو چکے تھے۔ مگر جب اسے معلوم ہوا کہ زید مقطوع النسل تھے تو اس نے علی بن محمد بن احمد بن عیسیٰ بن زید بن علی بن حسین ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر یہاں بھی یہ مصیبت پیش آئی کہ علی زید کوفہ میں زندہ موجود تھے اور بہت سے لوگ ان کو جانتے تھے۔ اب یہ شخص بحرین پہنچا اور محمد بن فضل بن عبداللہ بن عباس بن علی بن ابو طالب کی اولاد سے ہونے کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا اور کسی طرف منسوب کرے اور وہ اس کو جانتا ہو تو وہ خدا کے ساتھ کفر کرتا ہے اور جو شخص کسی ایسی قوم (میں ہونے) کا دعویٰ کرے جس میں اس کا رشتہ دار نہ ہو تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے

(بخاری کتاب المناقب کتاب بدء الخلق انبیاء)

● ابو عثمان کہتے ہیں میں نے سعد سے سنا جنہوں نے اول خدا کی راہ میں تیر مارا ہے اور ابا بکرہ سے سنا جو کہ قلعہ طائف کی دیوار پر چند آدمیوں کے ہمراہ امان کے واسطے چڑھ گئے تھے اور پھر نبی علیہ السلام کے پاس ابا بکرہ آ گئے تھے وہ دونوں کہتے ہیں ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جو اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ (میں اس باپ یا اس قوم سے نہیں) اس پر جنت حرام ہے

● ہشام کہتے ہیں ہمیں معمر نے خبر دی وہ عاصم سے روایت کرتے ہیں میں نے سعد اور ابا بکرہ سے سنا وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں عاصم کہتے ہیں میں نے ابوالعالیہ سے کہا تم سے یہ روایت ایسے دو آدمیوں نے بیان کی کہ تم کو ان دونوں کی شہادت کافی ہے ایک ان میں کا سعد ہے جنہوں نے راہِ خدا میں اول تیر چلایا اور دوسرا میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معہ بائیس آدمیوں کے طائف سے (لیکر امان) آ گئے تھے (بخاری پارہ ۱۷ کتاب المغازی)

دعویٰ کیا۔ اور ایک جمعیت فراہم کرکے بصرہ پہنچا اور جیل کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو آزاد کیا۔ وہ سب اس کے ساتھ ہو گئے۔ بصرہ اور اس کے مضافات سے حبشی مزدوروں کو سبز باغ دکھلائے۔ اور اپنے ساتھ ملایا۔ حبشیوں کی اس سرداری کی وجہ سے "صاحب الزنج" مشہور ہوا۔ مؤلف عمدۃ المطالب لکھتا ہے کہ یہ شخص نہایت بدسرشت اور ذمیم الاخلاق تھا۔ مگر نہایت فصیح البیان خطیب اور بے مثل شاعر بھی تھا۔ اس نے ایک مست سانڈ کی طرح ملک میں تباہی پھیلادی۔ چند صحیح النسب فاطمی بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ مگر اس نے مختلف حیلوں سے سب کو مروا دیا۔ اس نے المختارہ نام کا ایک قلعہ بھی بنوا لیا تھا۔ مگر ۲۷۰ھ میں المعتضد باللہ عباسی نے تنگ آکر اس کا خاتمہ کر دیا۔ (ملخص البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۹ جمہرۃ الانساب ص ۵۱)

اسی طرح ۳۵۳ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ مصر میں مہدی پیدا ہو گیا ہے جس کا اصل نام محمد بن عبداللہ ہے۔

خلیفہ عباسی کے حاجب سبکتگین نے جو ایک غالی شیعہ تھا۔ اُسے حسینی نسب جان کر بغداد بلوایا کہ موقع پاکر مسند خلافت پر اس کا قبضہ کرا دے۔ مگر صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ تو محمد بن عبداللہ المستکفی باللہ عباسی ہے معز الدولہ امیر الامراء کی وساطت سے اُسے دربار خلافت میں پیش کرایا۔ المطیع اللہ عباسی نے ادعائے کاذبہ اور دعوائے مہدیت کی پاداش میں اُس کی ناک کٹوا دی (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۶۵)

عبداللہ میمون القداح

شجرہ خاندان حضرت علیؓ

- فاطمہ (زوجہ)
  - حسن متوفی ۵۰ھ
    - حسن مثنیٰ
      - عبداللہ
        - ادریس
          - بنی ادریس جن کی حکومت مغرب اقصیٰ میں ۱۷۲ھ سے ۳۱۹ھ تک رہی
  - حسین متوفی ۶۱ھ
    - علی زین العابدین، متوفی ۹۴ھ
      - زید متوفی ۱۲۲ھ بانی فرقہ زیدیہ (آئمہ یمن)
      - محمد باقر متوفی ۱۱۴ھ
        - جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ
          - اسماعیل بانی فرقہ اسماعیلیہ متوفی ۱۴۳ھ
            - محمد م ۱۸۳ھ
              - عبداللہ م ۲۱۰ھ
                - احمد م ۲۷۰ھ
                  - حسین م ۲۶۸ھ
                    - عبداللہ مہدی باللہ متوفی ۳۲۲ھ
          - موسیٰ کاظم متوفی ۱۲۸ھ (بانی فرقہ موسویہ اثنا عشریہ)
            - علی رضا متوفی ۲۰۳ھ
              - محمد تقی متوفی ۲۲۰ھ
                - محمد نقی // ۲۵۴ھ
                  - حسن عسکری // ۲۶۰ھ
                    - مہدی م ۲۶۰ھ میں مستور ہو گئے ولادت م ۲۵۵ھ
- خنفیہ (زوجہ)
  - محمد (بانی فرقہ کسانیہ)

اسی مہدی نے ۲۹۷ھ میں رقادہ میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا حقیقت میں عبداللہ اسماعیل کی اولاد سے نہیں تھا

بلکہ مجوسی النسل عبداللہ بن میمون القداح کی اولاد سے تھا۔ تفصیل تم گزرے گی گذشتہ صفحات میں خروج کرنے والے متعدد افراد کے نام آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ ایک سرسری سا خاکہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امویوں اور عباسیوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی تعداد بے شمار سے زیادہ ہے۔ ان میں فاطمی بھی تھا غیر فاطمی بھی مگر جو بھی اس میدان دنیا میں اترا وہ سب سے پہلے اس بات کا مدعی ہوا کہ میں فاطمی ہوں۔

فاطمی خلفاء مصر جن کی حکومت کے دو دور ہیں پہلا دور ۔۔۔ اقصائے مغرب میں اور دوسرا دور ۔۔۔ مصر میں۔

یہ لوگ بھی اس بات کے مدعی تھے کہ ہم فاطمی ہیں۔ مگر یہ بات تاریخ کے ایک معمولی سے طالب علم کی نظر سے بھی پوشیدہ نہیں کہ یہ لوگ مجہول النسب تھے یہ لوگ امام جعفر کے بیٹے اسماعیل کو اپنا امام مانتے ہیں۔ بقول علامہ مجلسی اسماعیل نے شراب پی اور باپ نے برافروختہ ہو کر امامت کا عہدہ موسیٰ کاظم کی طرف منتقل کر دیا[1] (بحار الانوار ج ۱۱) آج تک بعض اسماعیلیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسماعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ قتل کے خوف سے تقیہ کر کے اپنی موت کی خبر مشہور کرائی تھی۔ چنانچہ اپنی موت کی خبر مشہور ہونے کے بعد بصرہ میں دکھائی دیئے۔ (شہرستانی ص ۹۰) مصر کے فاطمی خلفاء جو آگے چل کر عبیدیین کے نام سے بھی مشہور ہوئے ان کے شجرۂ نسب مختلف طریقوں سے مروی ہیں۔ چنانچہ ابن خلکان نے ان کے دو شجرے لکھے ہیں۔

---

[1] :۔ اسماعیلی کہتے ہیں کہ ان کا شراب پینا اعلیٰ روحانیت کا ایک ثبوت ہے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ہم ظاہر شریعت کے پابند نہیں بلکہ باطن کے قائل ہیں۔ یہ شیعوں کے اس رجحان کی مثال ہے جو تاویل یعنی باطنی شریعت کی طرف ہے

D.B. MCDONALD. DEVEL OF MUSLIM THEOLOGY ETC. P. 42

ابن خلکان کے بیان کردہ شجرہ ہائے نسب جلد ا ص ۲۷۲

پہلا	دوسرا
(۱) میمون القداح	(۱) جعفر الصادق
(۲) عبداللہ	(۲) اسماعیل
(۳) محمد	(۳) محمد المکتوم
(۴) احمد	(۴) عبداللہ الرضی
(۵) الحسین	(۵) احمد
(۶) عبداللہ مہدی	(۶) الحسین ، محمد حبیب ابوشلعلع
	(۷) عبیداللہ مہدی

تعریزی (الخطط جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ اور ۲۳۲)	رسائل دروزیہ OLEARY P. 37
تعریزی (اتعاظ الحنفا) ۱۲	(۱) اسماعیل
ابن الندیم (فہرست) ص ۲۲	(۲) محمد المکتوم
(۱) میمون القداح	(۳) اسماعیل
(۲) عبداللہ	(۴) محمد
(۳) احمد — محمد ابوشلعلع ، محمد الحبیب	(۵) احمد
	(۶) عبداللہ
(۴) الحسین	(۷) محمد
(۵) عبیداللہ مہدی متولد ۲۶۰ھ	(۸) حسین
	(۹) احمد
	(۱۰) عبیداللہ

میمون القداح

عبیداللہ

احمد

محمد ابوشلعلع محمد الحبیب	الحسین
بقول شیخ محمد اکرم ۲۷۰ھ میں پہلا اسماعیلی داعی ہندوستان میں آیا ۔	حسین لاولد مرگیا ۔ اس کی یہودن عورت کا پہلے خاوند سے لڑکا تھا ۔ ابوشلعلع اس کا سرپرست بنا اور اسے عبیداللہ مہدی کے نام سے امارت کے منصب پر فائز کیا ۔ اس یہودی زادہ کا نام سعید الخیر تھا (اتعاظ الحنفا ص۲۱)

(۱) عبیداللہ مہدی متولد ۲۶۰ھ ۲۹۷ سے ۳۲۲ھ تک

(۲) محمد قائم بامر اللہ ۳۲۲ھ سے ۳۳۴ تک

(۳) المنصور باللہ ۳۳۴ھ سے ۳۴۱ھ تک

(۴) المعز لدین اللہ ۳۴۱ھ سے ۳۶۵ھ تک

۳۵۸ھ میں جوہر نے مصر فتح کیا ۔ اور ۳۶۲ھ میں المعز نے قیروان سے اپنا مرکز تبدیل کرکے مصر کو دارالحکومت بنایا ۔ اس نے قاہرہ کو جائے حرمت قرار دیا ۔ اور حکم دیا کہ سوائے اہل بیت اور لشکر کے کوئی قاہرہ میں سکونت اختیار نہیں کرسکتا ۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اُسے بادلوں میں پوشیدہ سمجھتے تھے ۔

(۵) عزیز باللہ ۳۶۵ھ سے ۳۶۸ھ تک ۔

(۶) الحاکم بامر اللہ ۳۸۶ھ سے ۴۱۱/۱۰۲۱ھ تک ۔

مصر کی عورتوں کو کھلی آزادی دی گئی ۔ جو مسافروں اور بھولے بھالے

مسلمانوں کو اپنے دامِ محبت میں پھنسا کر اسماعیلیت کی طرف راغب کرتی تھیں (تبلیغ شیعیت کا حربہ) ۲۷ برس کی عمر میں شکار کے لئے گیا اور کسی جانور نے پھاڑ کھایا۔ بعض کہتے ہیں اس کی بہن سے الملکہ نے مروا ڈالا فرقہ دروزیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ مسیح کی طرح زندہ ہے اور ایک بار پھر زمین پر اتر کر اسے عدل و انصاف سے بھر دیگا۔ اس نے یہی دعویٰ کیا تھا کہ خدا اس کے اندر حلول کر گیا ہے۔ فرقہ دروزیہ کا بانی محمد بن اسماعیل اور اس کا جانشین حمزہ بن الہادی ہوا جس نے شام میں اس فرقہ کی اشاعت کی۔ آج کل شام اور لبنان میں اس فرقہ کے لوگ ہیں

۷) ——— الظاہر

۸) ——— المستنصر ۱۰۳۶ء سے ۱۰۹۴ء تک

نزار | عبداللہ، سکندریہ میں نزار اور مستعلی کے درمیان جنگ ہوئی۔ | اسماعیل | (۹) مستعلی

(۱۰) آمر — قتل ہو

طیب

نزار: مارا گیا اور اس کے پیروؤں میں ایرانی مجوسیوں نے شامل ہو کر اس فرقے کو بڑی تقویت پہنچائی حسن بن صباح اور اس کے جانشین مدت دراز تک مسلمانوں کے لئے بلائے ناگہانی بنے رہے۔ اسی فرقہ کے لوگ آج کل آغا خانی کہلاتے ہیں۔

طیب: پانچ سالہ تھا عبدالمجید اس کا سرپرست بنا، مگر اس نے خلافت پر قبضہ کر لیا طیب یمن میں تھا وہیں اس نے امام کا دعویٰ کر دیا۔ آج سے اور اس کے جانشین کو ان کے مقلدین حجۃ اللہ فی الارض کہتے ہیں یہی لوگ آج کل بوہرے کہلاتے ہیں

(۱۱) فائز ——— ۱۱۵۴ء سے ۱۱۶۰ء

(۱۲) العاضد ۱۱۶۰ء سے

عبداللہ بن میمون القداح

ان میں سے کوئی شجرہ بھی ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بقول ابن خلکان اور رسائل دروزیہ عبیداللہ اسماعیل کی اولاد سے تھا۔ مگر یہی ابن خلکان اس کا دوسرا شجرہ بھی بیان کرتا ہے۔ اور ابن خلکان نے اس کا نسب نامہ جو اسماعیل تک پہنچایا ہے وہ بھی رسائل دروزیہ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اکثر مؤرخین نے مہدی کو عبداللہ بن میمون القداح کی طرف منسوب کیا ہے۔ عبداللہ بن میمون القداح کے متعلق مختلف تاریخوں کی روایات کو یکجا جمع کیا جائے تو کچھ اس قسم کا نقشہ نظروں کے سامنے آتا ہے کہ میمون القداح ایران کا باشندہ تھا۔ اس کے باپ کا نام دیصان تھا۔ یہ شخص مختلف ادیان ومذاہب کے اصولوں سے خوب واقف تھا۔ اس نے زنادقہ کی تائید میں کتاب المیزان لکھی۔ الملل والنحل کے بیان کے مطابق اہواز کے مضافات میں قوس العباس نامی ایک قریہ میں پیدا ہوا۔ نسلاً ایرانی اور مسلکاً ثنوی عقیدے کا پیرو تھا یعنی دو خداؤں کا قائل تھا۔ ایک نور کا اور ایک ظلمت کا۔ ایک روایت میں اسے یہودی بیان کیا گیا ہے۔ منافقانہ طور پر مسلمان ہوا اور شیعوں کے غالی فرقہ خطابیہ میں شامل ہو گیا جو جعفر بن محمد بن علی بن حسین کو خدا کہتے تھے (الملل والنحل صفحہ ۱۹۴) اس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف تعصب کی آگ کے شعلے بھڑکتے تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں مجوسی سلطنت کی تباہی کا اسے سخت صدمہ تھا۔ فیروز لولو نے اسی قلبی دکھ کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو شہید کیا تھا۔ عبداللہ نے اپنے باپ میمون سے تربیت حاصل کی اور آنکھوں کے علاج کا پیشہ اختیار کیا۔ عبداللہ اور میمون دونوں باپ بیٹا کربلا پہنچ کر معتکف ہو گئے اور اپنے مصنوعی تقشف، زہد اور ریاکارانہ عبادت گزاری سے اپنے متبعین کی ایک جمعیت فراہم کر لی (ملخص اخبار القرامطہ الیمن صفحہ ۱۴ مطبوعہ لندن)

عبداللہ چاہتا تھا کہ اسلامی اقتدار کا استیصال کر کے اسلامی معتقدات کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے اس نے اپنی ذہانت سے کام لے کر اپنے متبعین کے لئے نو مدارج قائم کئے جو یہودیوں کی فری میسنری تحریک کی طرح تھے۔ یہ چاہتا تھا کہ میں خود حکمرانی حاصل کروں اور میرے بعد میری اولاد حکمران ہو۔ (MEMOIR SUR LES DYD E GOEJE) اسماعیلی عقائد کے مطابق یہ تمام مدارج طے کرنے کے بعد آدمی معطل اور اباحی بن جاتا تھا۔ یعنی اعمال شریعت چھوڑ دیتا تھا۔ اور محرمات کو مباح سمجھتا تھا۔ کربلا سے مکہ پہنچا مگر وہاں لوگوں کو علم ہوا تو بھاگ نکلا اور سلمیہ پہنچا۔ مہدی کے ظہور تک اس کے جانشین یہاں ہی رہے۔ آگے چل کر اس کے بیٹے احمد نے عقیل بن ابی طالب کی اولاد سے ہونے کا دعویٰ کیا اور بعد میں فاطمی ہونے کا مدعی ہوا۔ اور ہمہ تن دعوت اسماعیلیہ میں منہمک ہو گیا۔ مختلف شہروں میں اپنے داعی بھیجے ان لوگوں کی طاقت بڑھنے لگی اور آخر اعلانیہ اپنے عقائد کا اظہار کرنے لگے۔ اس نے قصرِ حکومت کو منہدم کرنے کی سازش بڑی چابکدستی سے تیار کی وہ ایک ایسی وفا کیش اور جانباز جماعت بنانے پر قادر ہو گیا جو اس کو تخت حکومت پر متمکن کرا سکے اگر خود نہیں تو اس کی اولاد حکمران بن سکے۔ اس نے حیرت انگیز چالاکی، حسن تدبیر اور بے مثل ہشیاری اور انسانی قلوب کی گہری معرفت کی بدولت اپنی تدبیر کو عملی جامہ پہنا دیا۔ (ملخص از عبرت نامہ اندلس مصنفہ ڈوزی ہسٹری آف پرشین لٹریچر پروفیسر براؤن صفحہ ۳۹۱)

ڈی خوئے اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے ذرائع کا ایسا مربوط سلسلہ قائم کیا جس کو بجا طور پر شیطانی کہا جا سکتا ہے۔ انسانی کمزوریوں سے ہر نہج پر فائدہ اٹھایا گیا۔ بے دینوں اور آزاد منشوں کے لئے عیاشی، پختہ دماغ لوگوں کے لئے فلسفہ مذہبی متشدد دین کو باطنی اسرار و عوامض اور عوام کے سامنے عجوبات پیش کئے ایرانی اور سامی زندیقیت کے پرستاروں کے لئے مذہب کا ایک فلسفیانہ گورکھ دھندا پیش کیا۔ اور یہ سب کچھ ایسی چابکدستی اور

مستقل مزاجی سے پیش کیا۔ جو لوگوں کے جذبات حیرت و استعجاب کو برانگیختہ کرنے والا تھا (تاریخ ادبیات ایران براؤن ص ۲۱۵) جعفر المتوکل علی اللہ عباسی کا دور تھا۔ یہ لوگ بغداد کی ایک مسجد میں اپنے اجتماع کرتے تھے۔ یہ لوگ محمد بن اسماعیل کی امامت کی دعوت دیتے تھے اسے مہدی کہتے اور عباسی خلیفہ المقتدر سے تبرا کرتے۔ جب خلیفہ کو معلوم ہوا تو اُس نے علماء سے فتویٰ لے کر وہ مسجد بھی منہدم کرا دی۔ اور ان کے مرکزی مقام کربلا کی عمارت بھی منہدم کرا دیں۔ یہاں سے باپ بیٹا اصفہان پہنچے۔ باپ مرگیا اور بیٹا حمص پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ بصرہ میں ایک داعی چھوڑا جس کا نام قرمط تھا۔ پھر سلیمہ کو اپنا مستقر بنایا۔ ۲۶۱ھ کے لگ بھگ یہ تحریک اس کے داعیوں کے ذریعہ تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی۔ حمدان قرمط نامی ایک چالاک شخص ۲۷۷ھ میں کوفہ کے قریب دار الہجرت کے نام سے اپنا مستقر بنایا۔ اب یہ تحریک نہایت منظم ہو چکی تھی۔ مگر بنیادی طور پر ابھی تک۔ زیر زمین ایک انجمن تھی۔ عوام کو اپنے چنگل میں پھنسانے کے لئے اکثر اشتراکی اصول بھی اس تحریک میں شامل کر لئے گئے تھے (تاریخ عرب ہتی ص۴۴۴) عبداللہ کے مرنے کے بعد احمد نے اس تحریک کی باگ ڈور سنبھالی۔ احمد کے انتقال کے بعد اس کے دو بیٹوں حسین اور ابو شلعلع محمد الحبیب میں سے حسین اس کا جانشین ہوا۔ جس نے ایک یہودن کو گھر میں ڈال لیا۔ مگر لاولد ہی مرگیا۔ یہودن کا پہلے خاوند سے ایک لڑکا سعید الخیر تھا چونکہ وہ نابالغ تھا اس لئے ابوالشلعلع اس کا ولی مقرر ہوا یہی سعید الخیر عبداللہ یا عبید اللہ کے نام سے مشہور ہوا جو آگے چل کر مہدی کہلایا۔ اس کے ظہور کے زمانے میں اس کے داعیوں نے متعدد بار نسب کا سوال اُٹھایا۔ اور اس کے بعد بھی ہر امام کے زمانہ میں یہ سوال اُٹھایا جاتا رہا۔ مگر کسی امام نے اطمینان بخش جواب نہ دیا کہ اپنا نسب کسی پیر یا کسی مجمع میں بیان کریں۔ مصر میں داخل ہونے کے وقت کسی امیر نے پوچھا کہ آپ کا نسب کیا ہے تو اس کے جواب میں المعز نے ایک

جلسہ منعقد کیا۔ اور اپنی تلوار میان سے نکال کر کہا کہ میرا نسب یہ ہے اور پھر اُس نے سونا حاضرین پر نثار کر کے کہا کہ میرا حسب یہ ہے (تاریخ سعد القرطبی ص۱۲، ترجمہ ابن طبا طبا ابن خلکان جلد اول ص۲۵۹) اسی طرح عزیز سے بھی پوچھا گیا لیکن اُس نے خاموشی اختیار کی (ابن خلکان۔ عزیز کی سیرت اور اس کا انتقال) اس زمانہ میں دمشق میں جو خطبات پڑھے جاتے تھے اُن میں آئمہ مستورین کے اسماء کی جگہ مستجنین یا مستضعفین جیسے الفاظ پڑھے جاتے تھے۔ حاکم کے عہد میں ابطال نسب کے لئے بنو عباس نے جو محضر تیار کرایا تھا اس کی تردید میں فاطمیین نے کبھی کوئی تردید نہیں کی (اتعاظ الحنفا ص۵)

۱۹۳۴ء میں پرنس پی ایچ مامور نے (POLEMICS ON THE ORIGIN ON THE FATIMID) کے نام سے ایک مبسوط مضمون شائع کیا جس میں اُس نے لکھا ہے کہ میمون القداح امام محمد بن اسماعیل کا فرضی نام تھا۔ اور اس نے عباسیوں سے بچنے کے لئے یہ نام اختیار کیا تھا۔ مگر معز کے پاس کوئی داعی ایک کتاب لایا جس میں لکھا تھا کہ امام کے بعد امامت میمون القداح کی طرف منتقل ہوئی۔ اس کے جواب میں معز نے صرف اس قدر کہا نسب امامت ہم سے منقطع نہیں ہو سکتا۔ میمون القداح مستودع تھا۔ امامت کا حقیقی مالک مستقر امام تھا۔ (المجالس والمسایرات جلد ۲ ص۲۵۶)

المختصر یہ کہ محمد بن اسماعیل اور عبد اللہ بن میمون القداح الگ الگ شخصیتیں تھیں اور مصر کے فاطمی خلفاء حقیقت میں میمون القداح مجوسی کی اولاد سے تھے [۱]

اسی زمانہ میں ابو عبد اللہ شیعی کو یمن سے بلادِ مغرب کی طرف بھیجا گیا۔ اُس نے اپنے مشن میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ وہ بظاہر طور پر اہل بیت کی طرف دعوت دیتا رہا۔ مگر بباطن اسماعیلی عقائد کا پرچار کرتا رہا۔ نہایت سادہ لباس میں رہتا تھا اور سادی

---

[۱] ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں مجہول النسب اشخاص دیکھتے دیکھتے فاطمی بن گئے ہیں۔ دنیا کے لالچ نے ہزاروں لوگوں کو چند روزہ معمولی دنیا کے لئے دوزخ کا ایندھن بنا کر رکھ دیا۔ حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ کے ارشادات کتنے واضح اور صاف ہیں۔

غذا کھاتا اور نہایت متواضع انداز میں اپنی زندگی گذارتا تھا۔ اس نے بہت نشیب و فراز کے بعد قاہرت پر قبضہ کر لیا۔ یہ گویا دولت فاطمیہ کی خشت اول تھی۔ پھر قیروان پر قبضہ کیا۔ اور ظہور مہدی کی قربت کا اعلان کیا۔ عبیداللہ مہدی جو پانچویں یا چھٹی پشت میں میمون القداح کی اولاد سے تھا۔ جس کی پیدائش ۲۶۰ھ کو ہوئی تھی۔ چھپتا چھپاتا سلجماسہ پہنچا تو مکتفی باللہ عباسی کے گورنر نے گرفتار کر کے قید کر دیا مگر ابوعبداللہ نے سلجماسہ پر حملہ کر کے اپنے امام مستور کو قید سے آزاد کرا کے عنان حکومت اس کے حوالے کر دی یہ ۸ ذوالحجہ ۲۹۶ھ کا واقعہ ہے۔ اب یہاں پھر ایک اور الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ جب قید خانہ میں یہ خبر پہنچی کہ ابوعبداللہ نے سلجماسہ فتح کر لیا ہے تو عبیداللہ مہدی یعنی امام مستور کو قید خانہ میں قتل کر دیا گیا۔ ابو عبداللہ شیعی کو جب معلوم ہوا تو وہ سخت مضطرب ہوا کہ اگر لوگوں کو اس بات کا علم ہوا تو یہ تمام بنی بنائی حکومت ہاتھ سے نکل جائے گی لوگ جب اپنے امام موعود کو نہیں پائیں گے تو اس کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔ اور اس کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اس نے ایک یہودی غلام کو قید خانے سے نکال کر کہا یہی مہدی موعود ہے (عیون الاخبار جلد ۵ صفحہ ۱۳۲۔ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۷۲)

مشہور مؤرخ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے یہ باب اس طرح شروع کیا ہے کہ۔ اس پوشیدہ اور سازشی کام کی ابتدا عبداللہ بن سبا یہودی نے کی تھی۔ اسی کو اس سازشی کام کا استاد اور موجد کہنا چاہیئے۔ اس کام میں مجوسیوں، یہودیوں اور بربریوں نے بھی نو مسلموں کے لباس میں علویوں کی امداد کی۔ جب عباسیوں کی وسیع سلطنت کا شیرازہ ڈھیلا ہونے لگا تو بعض یہودی الاصل اور مجوسی النسب لوگوں نے اپنے آپ کو علوی بتا کر فائدہ اٹھانا چاہا۔ بربر کا علاقہ مرکز عباسیہ یعنی بغداد سے دور تھا۔ لہذا وہاں بآسانی فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے آخری حصے میں محمد حبیب (ابوشلغلع بن احمد بن عبداللہ بن میمون القداح مولف) نامی ایک شخص نے جو سلمیہ علاقہ حمص میں سکونت پذیر تھا اپنے آپ کو امام جعفر کے

بیٹے اسماعیل کی اولاد ظاہر کر کے حکومت وسلطنت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے داعی یمن۔ افریقہ اور مراکش میں مصروف کار تھے۔ اور لوگوں کو اس خیال کی طرف متوجہ کر رہے تھے کہ عنقریب امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ ابو عبداللہ شیعی ایک مشہور اور کارکن داعی کو اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہمارا بیٹا عبید اللہ امام مہدی ہے۔ عبید اللہ مہدی جب سلجماسہ جبل ایکجان پہنچا تو ابو عبداللہ نے بہت بڑا خزانہ اس کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر بلدہ مقام سے ہوتا ہوا رقادہ میں داخل ہوا۔ رقادہ میں داخل ہوتے ہی اعلان کیا کہ جو لوگ اسماعیلیت قبول نہ کریں انہیں قتل کر دیا جائے۔

ابن کثیر کے الفاظ ہیں:- فلم یدخل فی مذھبھم بعض الناس دھم قلیل وقتل کثیر ممن لم یوا فقھم (جلد ۸ صد ۱۸۱)

مورخین کا بیان ہے کہ ملک پر اس حد تک ٹیکس لگائے گئے کہ چھ ماہ میں ایک لاکھ دینار جمع ہو گئے مہدی نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے عیسائیوں سے ساز باز کر کے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا بازار گرم کر دیا۔ چنانچہ ۲۹۷ھ میں صقلیہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ خلیفہ مہدی کا اقتدار بڑھتا گیا۔ اور ابو عبد اللہ اور اس کے بھائی ابو العباس یعنی جن کی کوششوں سے اُسے حکومت ملی تھی کو درمیان سے ہٹانا چاہا۔ ابو العباس مہدی کا مخالف ہو گیا۔ ابو عبداللہ نے مہدی کو مشورہ دیا کہ آپ آرام کریں آپ کے لئے خود کام کرنا آپ کے وقار کے منافی ہے۔ چنانچہ مہدی کو پختہ یقین ہو گیا کہ یہ دونوں بھائی میرے مخالف ہیں۔ اسی دوران میں یہ شورشہ بھی چھوڑا گیا کہ وہ مہدی موعود نہیں چونکہ اس کے افعال اُس مہدی کے مانند نہیں۔ میں غلطی سے تمہیں اس کی دعوت دیتا رہا اس لئے مجھ پر اور تم پر فرض ہے کہ اس سے ایسے اوصاف کا ثبوت طلب کریں جسے نسب دان امام کا ضروری سمجھتے ہیں (حریب بن سعد القرطبی) اس پر متعدد لوگ مہدی سے منحرف ہو گئے۔ ایک کتامی سردار شیخ المشائخ ہارون نے کھلم کھلا مہدی کے سامنے ان خدشات کا اظہار کیا تو مہدی نے اُسے قتل کرا دیا (اتعاظ الاعوۃ ص ۲۵)

اور اس کے بعد ابوعبد اللہ اور ابوالعباس بھی قتل کر دیئے گئے۔ دولت فاطمیہ میں ابوعبد اللہ کا وہی مرتبہ تھا جو دولت عباسیہ میں ابومسلم خراسانی کا تھا۔ ان لوگوں کے قتل سے دولت فاطمیہ کو استحکام نصیب ہوا۔ یہیں سے دولت فاطمیہ کا مذہبی دور سیاسی دور میں داخل ہوا۔

فاطمیینِ مصر

(۱) ——— ابومحمد عبد اللہ المہدی باللہ ۲۹۷ھ سے ۳۲۲ھ تک

اسی زمانے میں قرامطہ تھے جنہوں نے دولت فاطمیہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ بیت اللہ کی بے حرمتی کی ۳۰۹ھ میں مہدی نے علی الاعلان اسماعیلی عقائد کی اشاعت شروع کی۔ تاہران قیروان۔ باغایا اور تونس کے لوگوں نے ظاہری اعمال چھوڑ دیئے اور محرمات شرعیہ کے مرتکب ہونے لگے۔

احمد البلادی کی قسم کے لوگوں نے مہدیہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا اعلان کیا اور کہا کہ نماز اس کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی ہے جو سامنے نظر آئے غائب خدا کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا کیا مطلب ہے۔ وہ مہدی کو عالم الغیب جانتا تھا۔ ابراہیم بن غازی کھلم کھلا رمضان میں کھاتا تھا۔ قاضی نعمان بن محمد نے ایسے سینکڑوں واقعات نقل کئے ہیں کہ ہر امام کے عہد میں اکثر جلیل القدر داعی اور مومنین نے معرفت باطن کو کافی سمجھ کر اباحت محرمات کا مذہب اختیار کیا۔
(مناقب الائمہ و قائم الاسلام۔ المجالس والمسایرات)

۲ ——— ابوالقاسم محمد القائم بامر اللہ ۳۲۲ تا ۳۳۴ھ

قائم کے زمانہ میں ابن طالوت عراقی نے مہدی کا لڑکا ہونے کا دعویٰ کیا مگر قتل ہو گیا۔ قائم اپنے باپ مہدی کے زمانہ میں دو بار مصر پر حملہ کر کے ناکام ہو چکا تھا۔ اس کے زمانہ میں اس کے غلام ایران نے اسکندریہ پر قبضہ کیا مگر اخشید حاکم مصر نے پھر اسے وہاں سے نکال دیا۔ اس کے زمانہ میں ابویزید خارجی نے

خروج کیا وہ سادہ زندگی گذارتا تھا اور گدھے پر سوار ہو کر باہر نکلتا تھا اس لئے اسے صاحب الحمار کہتے ہیں۔ اس نے قائم سے تمام علاقے چھین لیئے اور اُسے مہدیہ میں پناہ لینا پڑی۔ ابویزید نے مہدیہ کا محاصرہ کر لیا۔ دوران محاصرہ ہی قائم مر گیا مگر ابویزید بھی محاصرہ کی طوالت سے گھبرا کر واپس چلا گیا۔

قائم شیعی عقاید کی پابندی میں سخت تھا۔ ابوطاہر قرامطی سے بھی اس کے تعلقات تھے۔ اور اسی کے حکم سے بحرین کی مسجدیں مسمار کی گئیں اور قرآن مجید جلائے گئے (اتعاظ الحنفاء ۵۵۔ افتتاح الدعوۃ ۲۶۹)

۳ ——— ابوطاہر اسماعیل المنصور باللہ ۳۳۴ھ سے ۳۴۱ھ تک

اس نے ابویزید کی بغاوت کا خاتمہ کیا۔ سات سال زندہ رہ کر مر گیا۔ المنصور نے نئی نئی بدعات کا آغاز کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ خدا اس کے اندر حلول کر گیا ہے

۴ ——— ابوتمیم معد المعز لدین اللہ ۳۴۱ھ تا ۳۶۵ھ

اس کے فوجی جرنیل جوہر نے تمام مغرب کے قبضے میں فاطمی حکومت کو مضبوط کیا اور ہر مقام پر فاطمی عمّال مقرر کیے فاس اور سجلماسہ کے حاکموں کو گرفتار کر کے ہمراہ لایا پھر قتل کیے گئے۔

اس نے اعلان کیا کہ جہاں المعز کے نام کا خطبہ نہ پڑھا گیا اُس بستی یا شہر کو جلا دیا جائے گا۔

الغرض اس کے زمانہ میں مغرب اقصیٰ کے تمام رؤسا، شرفا اور ذی عزت لوگ اور ہر وہ آدمی جس نے فاطمی دعوت کو قبول نہ کیا موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ (ابن خلکان جلد ۲ صہ ۱۰۲)

صقلیہ کے چند قلعے عیسائیوں کے قبضے میں تھے مگر المعز نے ان سے صلح کر کے اپنی تمام تر توجہات مصر کی فتح کی طرف مبذول کر دیں۔ ۱۴ ربیع الاول ۳۵۸ھ کو المعز نے جوہر کو قیروان سے روانہ کیا۔ ۵ فروری ۹۶۹ء جوہر سکندریہ پر قابض ہو گیا۔ اہل اسکندریہ پر قبضہ کی داستان حسین طباطبائی اور ابن علقمہ سے

ملتی جلتی ہیں۔ یعنی جب جوہر سکندریہ پہنچا تو سکندریہ کے شیعوں نے شہر اس کے حوالے کرا دیا۔ ۳۵۹ھ مطابق ۹۶۹ عیسوی جوہر مصر پر قابض ہوگیا۔ المعز کے حکم سے اس نے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھ کر فاطمی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اس کے چار سال بعد یعنی ۳۶۲ھ میں المعز نے قیروان چھوڑ کر خود مصر کو دارالحکومت بنایا۔ المعز مصر میں صرف تین سال زندہ رہ کر مرگیا۔ اس کے مرنے کے بعد اکثر لوگ اُسے بادلوں میں پوشیدہ سمجھتے تھے۔ اور جب کبھی آسمان پر بادل دیکھتے تو گھوڑے سے اُتر جاتے تھے اور بادلوں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ (مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۶۷)

۵۔ ——— ابو منصور نزار العزیز باللہ ۳۶۵ھ تا ۳۸۶ھ

اس نے سلطنت کو بڑی وسعت دی اسے کپڑوں، گھوڑوں اور شکاری پرندوں کا بڑا شوق تھا شرطیں لگا کر جانور لڑاتا۔ اس کے زمانے میں بھی لوگوں نے نسب کا جھگڑا اُٹھایا۔ ایک روز منبر پر خطبہ دینے کے لئے چڑھا تو وہاں ایک پرچہ پڑا ملا جس پر لکھا تھا:۔

انا الظلم والجور قد رضینا ۔ ولیس بالکفر والحماقة
ان کنت اعطیت علم غیب ۔ فقل لنا کاتب البطاقة

ہم ظلم اور جور پر تو رضامند ہو سکتے ہیں مگر کفر اور بے وقوفی پر رضامند نہیں ہو سکتے۔
اگر تو غیب کا علم رکھتا ہے تو ہمیں کہہ دے یعنی خط لکھنے والا پرزہ لکھنے والا چٹ لکھنے والا

اہلسنت والجماعت کے لوگوں سے عہدے چھین کر اہل کتاب کو دیئے۔
سلطان عضد الدولہ بویہی شیعی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر اس نے ٹھکرا دیا۔ بلکہ بغداد کے شرفاء کو جمع کر کے اس کے نسب کے متعلق ایک محضر نامہ تیار کرایا کہ یہ لوگ بنو فاطمہ سے نہیں۔ ۳۸۶ھ میں مرگیا۔

۶۔ ——— الحاکم بامر اللہ ۳۸۶ھ سے ۴۱۱ھ تک

[illegible] کی وجہ سے [illegible] ابن عمار نے الحاکم کے پہلے سے داعیوں کو ساتھ ملا کر الحاکم کے خلاف بغاوت کردی۔ الحاکم کے فوجی سالار برجوان نے بڑی مدافعت کی

مگر آخر خلیفہ کے قصر تک ہی اس کی کوششیں محدود ہو کر رہ گئیں (اولیری صفحہ ۱۲۵) آخر چند باہر کے سرداروں کی مدد سے حسن بن عمار کو بھگا دیا گیا اور الحاکم کے لئے برجوان نے نئے سرے سے بیعت لی۔ برجوان الحاکم کے لئے اسی طرح تھا جس طرح جوہر المعز کے لئے تھا۔ مگر آخر یہ لہو و لعب اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ سارا دن محفل طرب جاری رہتی (مقریزی جلد ۳ صفحہ ۳۲ سلم) آخر یہ الحاکم سے بھی گستاخیاں کرنے لگا۔ تو حاکم نے دھوکے سے اُسے قتل کرا دیا اور حسین بن جوہر کو اپنا قائد القواد بنایا۔ حسین نے عیسائیوں کو بڑے بڑے عہدے دئے اور مسلمانوں کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ حاکم نے عجیب عجیب حکم جاری کئے لوگوں کو رات کے وقت کاروبار کرنے کا حکم دیا، بدکاری، فحاشی، بے حیائی بڑھ گئی۔

سب السلف اور اہلسنت کے ساتھ الحاکم کا سلوک

یہ نہایت متعصب، کم ظرف اور بدباطن شخص تھا۔ اس نے کسی سے سنا کہ یہ چیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور خلیفہ متوکل عباسی کو مرغوب تھا اس نے حکم دیا کہ اُسے کوئی آدمی استعمال نہیں کر سکتا۔ اسی طرح متوکلیہ الوان طعام میں سے کسی لون کو کہتے ہیں اور یہ بھی خلیفہ متوکل کی پسندیدہ چیز تھی اس کا کھانا بھی جرم قرار دیا۔ ملوخیہ ایک سبزی تھی جو امیر معاویہ کی پسندیدہ خوراک تھی اس کا کھانا بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ غیر فلس دار مچھلی پکڑنے اور کھانے والے کے لئے قتل کا حکم صادر کیا۔ آج تک شیعہ غیر فلس دار مچھلی استعمال نہیں کرتے یہ الحاکم کی ہی بدعت ہے (مقریزی صفحہ ۱۵۹) ۳۹۱ھ میں ایک شخص کو محض اس جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا کہ وہ یہ کہتا تھا کہ میں حضرت علیؓ کو نہیں جانتا۔

۹۵ ۳ھ میں صلوٰۃ الضحیٰ پڑھنے کے جرم میں تیرہ آدمیوں کو شہر میں تشہیر کرنے کے بعد قید کر دیا۔ اور نماز تراویح موقوف کر دی۔

۳۹۵ھ میں دکانوں، مکانوں، قبرستانوں اور دیواروں پر سب السلف لکھوایا گیا۔ اہلسنت اپنے مکانوں پر رنگین اور منقش تحریروں میں اپنے بزرگوں پر لعنت ملامت لکھنے پر مجبور کئے گئے۔ اور انکار کرنے والوں کو شدید ترین عذاب دیئے گئے لوگ جبراً دعوت اسماعیلیہ میں داخل کئے گئے۔ مردوں کو ہفتہ کے روز اور عورتوں کو منگل اور بدھ وار کے روز حکماً جمع کر کے اُن سے اسماعیلی طریقے پر عہد و پیمان لئے جاتے۔ بعض دفعہ اتنا اژدہام ہو جاتا کہ اکثر لوگ پامال ہو جاتے۔ صبح کی اذان سے الصلواۃ خیر من النوم کہنا بند کر دیا گیا اور حی علی خیر العمل کی بدعت جاری کی رمضان کے روزے رکھنے کے لئے رویت ہلال کا حکم الہٰی منسوخ کر کے کر دیا کہ حساب سے روزے رکھیں اور روزے جمعہ سے شروع کریں اور ابتداد عید منائیں (مقریزی ۶۸-۴-۷-(؟) - ۱۶۰)

بنو قرۃ کے لوگوں کو زندہ جلا دیا۔ جبل مقطم کے قریب ذی الحجہ ۳۹۴ھ سے ربیع الاوّل ۳۹۵ھ تک جلانے کی لکڑیاں جمع کراتا رہا (الحاکم نے جب اپنی طاقت کو پورے عروج پر دیکھا تو اب کئی پشتوں سے اس کے آباؤ اجداد جس مجوسیت کی تحریک کو پوشیدہ رکھ کر اسلام کے لباس میں لوگوں کو دھوکا دے کر آبائی دین کی اشاعت کے لئے کام کر رہے تھے مکمل کرنا چاہا۔ الحاکم اب کھُل کر سامنے آنا چاہتا تھا۔ اور آتش پرستی کے مذہب کو زندہ کرنا چاہتا تھا (للمولف) یہ دیکھ کر تمام بچے کھچے اہل کتاب اور اہلسنت زمین بوسی کرتے ہوئے اُس کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ آگ کے اس سمندر میں ہمیں جلایا جائے گا مگر اچانک ابو رکواۃ نامی ایک طالع آزما نے اس کے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ اس شخص کا اصلی نام ولید بن ہشام بن عبدالمالک بن مروان تھا۔ مگر تاریخوں میں ابن رکواۃ کے نام سے مشہور ہے۔ خلیفہ اندلس مؤید ہشام بن الحاکم سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔ اندلس میں منصور ابن ابی عامر نے جب مؤید کو گرفتار کر کے قید کر دیا

تو ابورکوۃ وہاں سے بچ نکلا پہلے مصر پہنچا وہاں علم حدیث حاصل کیا۔ وہاں سے نکل کر بربر کے قبائل میں پہنچا۔ ان کی ایک شاخ کے لوگوں کو اس سے پہلے الحاکم زندہ جلا چکا تھا۔ اس بات نے ابورکوۃ کو بڑی تقویت پہنچائی۔ اس عرصہ میں الحاکم کے ہاتھوں مصر کے اکثر امراء و شرفاء قتل ہو چکے تھے مصر کے لوگوں کی نظریں بھی ابورکوۃ کی طرف اٹھنے لگیں ابورکوۃ نے برقہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی طاقت بڑھنے لگی برقہ کو اپنا مستقر بنا کر صعید کی طرف بڑھنے لگا۔ الحاکم سخت چکرایا اور قائد القواد حسین بن جوہر جیسے لوگ بھی الحاکم سے نالاں ہو کر ابورکوۃ سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ الحاکم نے جب حالات بدلتے دیکھے تو جبل قطم کی آگ کا الاؤ اور دیگر تمام خرافات و بدعات کے بلبلے بھس ہو کر رہ گئے اور یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گیا کہ ہر آدمی اپنے مذہب کے مطابق اس پر عمل کرے۔ تمام احکام واپس لے لئے۔

طویل کشمکش کے بعد ۴ ذی الحجہ ۳۹۶ھ کو ابورکوۃ کو شکست ہوئی۔ اور بھاگتا ہوا گرفتار ہو کر جب شہر میں تشہیر کیا جا رہا تھا مر گیا۔ ابورکوۃ تو مر گیا مگر الحاکم کے عذاب سے لوگوں کو امن مل گیا۔ اسی زمانہ میں مصر میں سخت قحط پڑا۔ ۴۰۲ھ میں قادر باللہ عباسی نے ایک محضر تیار کرایا کہ فاطمیین مصر حضرت علیؓ کی اولاد سے نہیں اور ان کا نسب صحیح نہیں۔ اس محضر پر علوی خاندان کے بڑے بڑے سرداروں کی مہریں تھیں جن میں سے الشریف الرضی۔ اس کا بھائی المرتضےٰ ابن البطحاوی۔ ابو حامد الاسفرائنی القیمیری۔ ابن الکفانی۔ الابیوردی۔ ابو عبداللہ بن نعمان فقیہ الشیعہ اور القدوری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

ابورکوۃ کے خاتمہ کے بعد الحاکم نے پھر اپنے آپ کو اصلی رنگ میں ظاہر کرنا شروع کیا۔ اپنے سب سے بڑے محسن برجوان کے قتل سے یہ سلسلہ شروع کیا۔ پھر حسین بن جوہر کو نظر بند کیا۔ علی بن صالح کو پہلے وزیر بنایا جب غرض

یوری ہو گئی تو اُسے قتل بھی کرا دیا اور وزارت منصور نصرانی کے سپرد کی اور اس سے کنیسہ قیامہ منہدم کرا کے اُسے بھی قتل کرا دیا۔ پھر وزارت احمد بن محمد قشوری کے سپرد کی اور دس دن کے بعد اُسے بھی قتل کرا دیا۔

اس کے بعد زرعہ بن عیسیٰ نسطورس نصرانی کو وزیر بنایا۔ جو دو سال کے بعد مر گیا۔ الحاکم کے وزیروں میں یہ واحد شخص تھا جو اپنی موت مرا۔

زرعہ کے بعد امین الامنا حسین کو وزیر بنایا۔ دو سال کے بعد اس کی بھی گردن ماری۔ پھر عبدالرحیم ابن ابی السید کی باری آئی دو مہینے کے بعد وہ بھی ختم کر دیا پھر اس کا بھائی ابو عبداللہ حسین اس منصب پر فائز کیا اور دو ماہ بعد اُسے بھی قتل کرا دیا۔ پھر فضل بن جعفر بن الفرات کو پانچ روز وزارت کی گدی پر بٹھا کر اُسے بھی قتل کرا دیا۔ آخری وزیر ذوالریاستین قطب الدولہ ابوالحسن علی بن جعفر بن فلاح ہوا۔ جو الحاکم کے مفقود ہونے تک وزیر رہا الحاکم کا یہ عتاب صرف وزیروں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ان کی تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو شخص اپنے وزراء سے یہ سلوک کرتا رہا اور اس قدر احسان فراموش تھا کہ اپنے محسنوں کو بھی بخشنے کے لئے تیار نہ تھا اُس کے ہاتھ سے دوسرے لوگ کہاں تک بچ سکتے ہزاروں قاضی، عہدیدار، خدمتگار داعی الدعاۃ آئے روز قتل ہوتے رہتے تاریخوں میں ان لوگوں کی طویل فہرستیں موجود ہیں۔

فرقہ دروزیہ کی ابتداء

الحاکم کے جنون یا خودسری نے اب ایک اور رنگ اختیار کیا۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ اللہ اس کے جسم میں حلول کر گیا ہے۔ اس نے لوگوں پر جبر کرنا شروع کیا کہ وہ اُسے پوجیں۔ اس کا حکم تھا کہ جب بھی اس کا نام لیا جائے اُسی وقت جو بھی اس کا نام سنے جس حالت میں بھی ہو سجدہ میں گر جائے۔

مؤرخین نے الحاکم کے اس حکم کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ مگر اصل حقیقت

یہ ہے کہ پہلے اُس نے جبل مقطم کے دامن میں آتش پرستی کی طرح ڈالنے کا کام شروع کیا مگر ابورکوۃ کے جہاد کی وجہ سے وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکا اس کے بعد اُس نے یکے بعد دیگرے کئی وزیر قتل کیے اور ہزاروں فقیہہ، حافظ، شرفاء اور اُمراء کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنی طاقت کا اندازہ لگا کر دیکھ لیا کہ اب کوئی سر اٹھانے والا نہیں تو لوگوں کو بجائے آتش پرستی کی طرف راغب کرنے کے خود خدا بن بیٹھا۔

سنہ ۴۰۷ھ میں فرغانہ کا ایک اسماعیلی داعی مصر آیا یا اُسے خود تیار کرکے ایک خاص منصوبے کے تحت مصر بلوایا گیا۔ اُس نے آتے ہی اس عقیدے کی تبلیغ شروع کی کہ انبیاء کی نبوتیں باطل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حاکم میں حلول کیا ہے۔ حاکم نے اُسے قیمتی خلعتوں سے سرفراز کیا اور بڑی عزت افزائی کی ایک روز سر بازار کسی جانباز نے اُسے گھوڑے سے گھسیٹ کر نیچے اتارا وہ مر گیا۔ حاکم نے خاص طور پر اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور اس کو قتل کرا دیا۔

سنہ ۴۰۸ھ میں حمزہ لبادی نامی ایک داعی کے ذریعہ اسی عقیدہ کی تبلیغ کا کام شروع کرایا اُسے ہادی المستجیبین کا خطاب ملا۔ حمزہ نے الحاکم سے شکایت کی کہ کہیں فرغانی کی طرح ہی میرا بھی حشر نہ ہو۔ الحاکم نے اس کی حفاظت کے بہت سا اسلحہ دے کر ایک دستہ فوج تعینات کر دیا۔

سنہ ۴۰۸ھ میں انوشتکین بخاری درازی سند الہادی اور حیاۃ المستجیبین کے القاب سے سرفراز ہو کر اسی عقیدہ کی اشاعت کے لئے نمودار ہوا۔ چند اس کا بڑا زور رہا یہ اپنی تحریروں میں بسم اللہ الحاکم الرحمٰن الرحیم لکھتا اور دوسرے لوگوں سے لکھوایا کرتا تھا۔ اس شخص کے چند حواری یعنی داعی لوگوں کے ہاتھ قتل ہو گئے تو الحاکم نے قاتلوں اور پولیس کے افسروں کو پکڑ کر بے دردی سے قتل کرایا۔ درازی الحاکم کے محل میں پہنچ گیا۔ جب لوگوں نے اس کا مطالبہ

کہا تو الحاکم نے کہا کہ وہ قتل ہو گیا ہے۔ اور اُسے پوشیدہ طور پر جبل لبنان شام میں پہنچا دیا۔ یہاں سے فرقہ دروزیہ کی ابتداء ہوئی۔

الحاکم کے داعیوں کے ساتھ جس نے کسی قسم کی ذرہ بھر گستاخی یا نافرمانی کی حاکم نے اپنی حبشی فوج کے ذریعہ ان لوگوں کا مال و اسباب ضبط کر کے اُن کو قتل کرا دیا۔ اہل فسطاط پر بہت ظلم کئے گئے۔ جس وقت اُس کے حبشی فوجی اہل فسطاط کے گھروں میں گھس کر ان کی عورتوں کو ذلیل و رسوا کر رہے تھے بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر رہے تھے اور قیمتی سامان لوٹ کر مکانوں کو آگ لگا رہے تھے تو حاکم خود گدھے پر سوار ہو کر وہاں پہنچا۔ لوگوں نے حبشی فوج سے نجات دلانے کی التجا کی مگر اُس نے کوئی پرواہ نہ کی۔ علی الاعلان مجوسیت کی تبلیغ کی جرأت تو نہ کر سکا مگر اس نے جو کچھ کر دکھایا وہ مجوسیت سے کم نہ تھا بلکہ زیادہ ہی تھا۔ اس کے ایسے عقائد اور ظلم و ستم سے اس کے داعی اور جان نثار بھی اکثر ہراساں اور پریشان رہتے تھے۔

اس کا ایک داعی احمد حمید الدین کرمانی اپنے ایک رسالہ میں لکھتا ہے کہ حاکم کے افعال تاریک ہیں اس کے افعال دعوت کے لیے عذاب اور امتحان عظیم ہیں۔ اسی کے عہد میں اس امتحان کے بعد اللہ تعالےٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ اسی داعی نے یہ بھی لکھا ہے کہ کئی بار حاکم کو قتل کرنے کے متعلق بیعت لی گئی (رسالہ مباسم البشارات فی اثبات امامۃ الحاکم۔ کتاب المصابیح فی اثبات الامامت بحوالہ تاریخ فاطمین مصر) آخر صرف ۳۷ سال کی عمر میں جبکہ یہ اپنے خفیہ معبد کی طرف جا رہا تھا جو جبل مقطم کے دامن میں تھا تو کسی جنگلی جانور نے پھاڑ کھایا۔ بعض کہتے ہیں کہ کسی منچلے نے اُسے قتل کر دیا اور اس کے مشہور داعی احمد بن محمد نیشا پوری کی یہ پیشگوئی دھری کی دھری رہ گئی کہ امام حاکم اپنی تلوار کے زور سے تمام عالم فتح کرے گا۔

(اثبات الامامۃ) اور اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو ایک بہت بڑے عذاب

اور امتحان سے نجات بخشی۔

بعض کہتے ہیں کہ اس کی بہن ست الملک نے اُسے قتل کرا دیا۔ چونکہ ست الملک کا بعض مردوں سے ناجائز تعلق تھا۔ حاکم نے اُسے ڈانٹا تو اس نے کتامی سرداروں سے ساز باز کر کے کہ حاکم لا مذہب اور بد عقیدہ ہو گیا ہے یا اپنے آشناؤں سے اُسے قتل کرا دیا۔ قزوینی کی روایت ہے کہ حاکم نے مدینہ کے ایک علوی کو بہکایا کہ رات کے وقت اُس کے گھر سے روضہ رسول اللہ تک نقب لگائیں تاکہ ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ بن الخطاب کو روضہ سے نکال لائیں۔ اور ان کی لاشوں سے جو چاہیں سلوک کریں۔ (قزوینی صہ ۱۳) مصنف موصوف نے قاضی احمد دامغانی مولف کتاب استظہار الاخیار اور قاضی رکن الدین جوینی مولف جمع ارباب الملک کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس روز مدینہ میں گرد و باد صاعقہ کے ساتھ تاریکی عظیم پیدا ہو گئی تفتیش میں اس علوی نے تمام واقعہ حاکم مدینہ کو بتا دیا اور نقب لگانے والوں کو سزائیں دی گئیں۔ یہ فاطمی مدعی اپنا سلسلہ نسب اسماعیل بن جعفر سے ملاتا تھا۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ سے اپنے سلسلہ مادری کا اظہار فخر یہ کرتے تھا۔ عمدۃ المطالب کا شیعہ مصنف کہتا ہے کہ جعفر کی والدہ ام فروہ قاسم بن ابوبکر کی بیٹی تھیں اس لئے جعفر صادق کہا کرتے تھے کہ میں ابوبکرؓ سے دو بار جنا گیا ہوں۔ (صہ ۱۸۳) الحاکم کے حکم سے ہی ایک اسماعیلی نے حج کے موقعہ پر حجر اسود پر چار گرز سے وار کئے تھے۔ اسی حاکم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک نکال لینے کا حکم دیا تھا۔ تاکہ مصر میں لے آئے جب روضہ مبارک کو منہدم کرنے لگے تو ایک قاری نے یہ آیتیں پڑھیں "کیا تم اس گروہ سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے وہ سب عہد و پیمان توڑ دیئے۔ اور رسول اللہ کو نکالنے کا ارادہ کیا۔ اور شرارت کی ابتداء اُنہیں کی طرف سے ہے کیا تم اس سے ڈرتے ہو حالانکہ یہ حق اللہ کا ہے کہ تم اُس سے ڈرو"۔

ابو معد علی الظاہر لاعزاز دین اللہ ۴۱۱ھ تا ۴۲۷ھ

۲۷ شوال ۴۱۱ھ کو حاکم غائب ہوا۔ ۱۰ ذی الحجہ ۴۱۱ھ تک اس بات کو صیغہ راز میں رکھا گیا۔ اور آخر حاکم کی بہن ست الملک کے مشورے سے ظاہر کے ہاتھ پر بیعت لی گئی۔ حالانکہ حاکم نے عبدالرحیم کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

ست الملک نے عبدالرحیم کو دمشق سے بلا کر قید کر دیا اور وہ قید ہی میں مر گیا۔ وزیر سیف الدولہ یوسف بن دوس کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ ست الملک چار سال زندہ رہی اس عرصہ میں اس نے تین وزراء یعنی الحسن العمار بدر الدولہ ابوالفتوح شمس الملک مسعود کو قتل کر دیا۔ ست الملک کے مرنے کے بعد الشریف الکبیر الشیخ ابوالقاسم علی بن احمد نجیب الدولہ شیخ العمید محسن نے ایک مجلس شوریٰ بنا کر معضاد غلام کے ہمراہ ظاہر کے پاس جانے کا معمول بنایا ظاہر محلات سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ اور سب کام یہی کرتے تھے اسی عرصہ میں سخت قحط پڑا۔ تقریباً ایک ہزار غلام شہر کو لوٹنے اور امراء کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ ظاہر کے وزراء چند روز پوشیدہ ہو گئے۔ لیکن معضاد نے یہ فتنہ ختم کر دیا۔

ظاہر نے مصر سے تمام مالکی فقہا کو نکال دیا اور داعیوں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو دعائم الاسلام اور مختصر المصنف زبانی یاد کرائیں۔

بازنطینی شیعیوں سے اتحاد کی طرح ڈالی۔ اور یہ معاہدہ ہوا کہ بازنطینیوں کے مقبوضات میں مسلمانوں کی جو مساجد ہیں وہاں فاطمیوں کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ بیت المقدس کے کنیسہ قمامہ کو بنانے کی اجازت دے دی جو عیسائی مسلمان ہو گئے تھے انہیں اجازت دی گئی کہ وہ جو مذہب چاہیں اختیار کر لیں

۴۲۵ھ میں ظاہر نے چند داعی اسماعیلی دعوت کے لئے عراق کی طرف بھیجے ترکوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے انہیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی

۳۲ سال کی عمر میں ظاہر کا انتقال ہوا۔ بقول مقریزی ظاہر اپنا تمام وقت

لہو ولعب میں گزارتا تھا۔ غنا کا شوقین تھا شراب خود بھی پیتا تھا اور لوگوں کو بھی عام اجازت تھی۔ اسی زمانہ میں ایک مصری اسماعیلی نے حجر اسود پر پھاوڑے کے وار کئے۔

المستنصر ۴۲۷ھ تا ۴۸۷ھ / ۱۰۳۶ء تا ۱۰۹۴ء

سات سال دو ماہ کی عمر میں خلیفہ بنا۔ مستنصر نے ساٹھ سال چار مہینے حکومت کی۔ ایک سال تک اس کے نام کا خطبہ بغداد اور عراق کے دوسرے شہروں میں پڑھا گیا۔ اس کے ایک داعی علی بن محمد الصلیحی نے تمام یمن فتح کر لیا۔ علی بن احمد جرجرائی کی دوراندیشی سے لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور ۴۳۶ھ میں جرجرائی کے مرنے پر وزارت حسن بن علی المعروف بہ ابن الانباری کو ملی۔ مگر ایک یہودی تاجر نے مستنصر کی ماں سے ساز باز کر کے کسی پرانی دشمنی کی بنا پر ابن الانباری کو پہلے معزول کرایا پھر قتل کرا دیا۔

۴۳۴ھ میں ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ وہ حاکم بامراللہ ہے۔ لوگ چونکہ حاکم کی رجعت کے قائل تھے اور اس کی شکل بھی حاکم سے ملتی تھی اس لئے اس نے ایک جمعیت فراہم کر کے محل پر حملہ بول دیا مگر ناکام ہو کر قتل ہوا۔ بغداد میں تقریباً سوا تین سو سال تک آل بویہ کی وزارت رہی۔ ان کے حالات آگے چل کر بیان ہوں گے۔ ان کے بعد سلجوقیوں کی وزارت کا زمانہ شروع ہوا تو آل بویہ کی بدعات و خرافات حکماً بند کی گئیں۔ طغرل بک کے زمانہ میں سلجوقی گویا بغداد کے کرتا دھرتا تھے بنی بویہ کے دیلمی قائد بساسیری کا شیعی کے لئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا اس نے طغرل بک کے خلاف خلیفہ کے کان بھرنے شروع کئے مگر اسے خود ہی وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اور مصر میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ طغرل بک کو اپنے بھائی ابراہیم کی بغاوت کی وجہ سے بغداد چھوڑنا پڑا تو بساسیری فاطمی خلیفہ کی مدد سے کر جامع منصور تک پہنچ گیا۔ وہاں مستنصر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا[1] خلیفہ قائم باللہ عباسی نے جب یہ دیکھا تو ایک منظرہ پر چڑھ کر امن کی درخواست کی۔ عراق کے شہروں میں ۶ ذی قعدہ ۴۵۰ھ سے ۶ ذی قعدہ ۴۵۱ھ تک یعنی پورا ایک سال

---

[1] جامع رصافہ میں بھی جو عباسی خلیفہ کی تعمیر کردہ مسجد تھی مستنصر کے نام خطبہ پڑھا گیا۔

بنو فاطمہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔ آخر طغرل بیگ کے پہنچنے پر بساسیری بغداد سے بھاگتا ہوا قتل ہوا۔

فرقہ نزاریہ کی بنیاد۔

مستنصر کی خلافت کا اہم ترین واقعہ نزاریہ کی بنیاد ہے۔ تفصیلی حالات کسی دوسرے موقع پر گذر چکے ہیں یہاں مختصر طور پر اس قدر ہی کافی ہے کہ حسن بن صباح ایک معمولی ایرانی نژاد شخص تھا۔ وہ شروع میں موسوی شیعہ تھا پھر اسماعیلیوں کے ایک بڑے داعی ناصر خسرو[1] کی تبلیغ سے اسماعیلی ہو گیا۔

۴۷۶ھ میں مصر پہنچا اور مستنصر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے مستنصر سے پوچھا کہ آپ کے بعد میرا کون امام ہو گا مستنصر نے اپنے بیٹے نزار کا نام لیا۔

بدر الجمالی چاہتا تھا کہ مستعلی امام ہو۔ اس سے اس کی غرض تھی کہ مستعلی کم عمر ہے اس کی امامت میں اسے کھل کھیلنے کی چھٹی ہو گی حسن بن صباح کی اسی وجہ سے بدر الجمالی نے مستنصر کے حضور میں آمد و رفت بند کرا دی۔ آخر دونوں فرقوں میں جھگڑے شروع ہو گئیں۔ حسن بن صباح بھاگ کر اصفہان پہنچ گیا اور قلعہ الموت پر قبضہ کر لیا۔ اسی فرقے کے افراد نے مستعلی کے بیٹے آمر کو قتل کیا۔ مستنصر نے حج کا حکم منسوخ کر دیا وہ ہر سال اپنے دوستوں کو ہمراہ لے کر حاجیوں کی ہیئت اختیار کر کے اپنے عمیرہ والے قصر کی طرف جاتا اور مناسک حج ادا کرتا تھا۔ اور عید کے دن فراخدلی سے شراب نوشی کرتا۔ المقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۳۸) اس موقع پر المقریزی نے شریف ابو الحسن علی بن حسین میدورة العقیلی کے چند شعر بھی نقل کئے ہیں۔

ابو القاسم احمد المستعلی باللہ ۴۸۷ھ سے ۴۹۵ھ تک

ان تینوں بھائیوں کی خانہ جنگی کی تفصیل سے قطع نظر یہاں ایسے عالم اسلام کے

---

[1] ناصر خسرو مقلدین کے خیال کے مطابق ایک بہت بڑا صوفی اور ولی اللہ تھا۔

ایک بہت بڑے المیہ کا آغاز شروع ہوا۔ یعنی عیسائیوں کو اپنے چھینے ہوئے ملک واپس لینے کا حوصلہ پیدا ہوا۔

عیسائیوں نے مسلمانوں پر پہلا حملہ ۴۸۹ھ میں کیا۔ ۴۹۲ھ میں لاکھوں مسلمانوں کو بیت المقدس میں ذبح کیا گیا۔ مسلمان بھاگ بھاگ کر بغداد پہنچنے لگے۔ خلیفہ نے برکیارق۔ محمد سنجر وغیرہ سلاطین سلجوقیہ کو لکھا مگر وہ اپنی خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ اور ملک شام کو عیسائیوں نے خاک سیاہ بنا دیا۔

یہ تمام سازش مستعلی کے وزیر محمد ملک کی تیار کردہ تھی۔ اور فاطمیین کی فوجیں مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے دوش بدوش ہر معرکہ میں جانبازی سے لڑتی رہیں یہ تمام کھیل کرانے کے بعد ۴۹۵ھ میں مستعلی مر گیا۔ اور اس کا بیٹا ابو علی آمر تخت نشین ہوا ۵۲۵ھ میں قرامطہ یعنی نزاریوں نے آمر کو قتل کر دیا۔ آمر بھی اسلام دشمنی میں اپنے آباؤ اجداد سے کم نہ تھا۔ مگر اہل کتاب پر بڑا مہربان تھا۔ ابو صالح نصرانی کہتا ہے کہ فاطمیین کے عہد میں کنیسوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ کنیسوں کے محصول کی رقم ۲۹۲۳ دینار تھی جو فاطمیین کے عطیات سے وصول ہوتی تھی۔ چار ہزار آٹھ سو بیگھے غلے کے کنیسوں کو دئے جاتے تھے۔ ۱۵,۹۱۰ ایکڑ زمین ان کے لئے وقف کر دی گئی اس کا خاص مشیر ابو نجاح نصرانی تھا۔ اور بہرام نصرانی وزیر اعظم تھا۔ آمر جب بھی شکار کے لئے نکلتا تو دیر عیسیٰ کے راہبوں کو دس ہزار درہم انعام دیتا۔ (S. LANE POOLE. P 170

PALESTINE UNDER THE FATMI CALIPHS.

پانچ سال کی عمر میں آمر کا بیٹا طیب حکمران بنا اور عبد المجید اس کا چچا سرپرست بنایا گیا۔ جس نے خود امامت کا منصب سنبھال لیا اور طیب بھاگ کر یمن چلا گیا۔ عبد المجید نے اپنا لقب حافظ الدین اللہ رکھا۔ اس نے بے حساب وزیروں اور امیروں کو قتل کیا۔ ۵۴۴ھ میں حافظ عبید ی کے مرنے پر اس کا بیٹا ابو منصور ظافر باللہ کے خطاب سے تخت نشین ہوا۔ اور عادل کو اپنا وزیر بنایا۔ مگر سالار ہی عباس سے مل کر عادل کو قتل کرنے کی سازش کی۔ عباس کے نو عمر بیٹے نصیر نے عادل کو سوتے ہوئے قتل کر دیا۔

نصیر بن عباس ظافر عبیدی کا ندیم خاص اور روز و شب کا مصاحب و جلیس تھا۔ اس کے اور ظافر کے متعلق لوگ بُرے بُرے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ آخر ظافر محرم ۵۴۹ھ میں نصیر کے ہاتھوں قتل ہوا۔ مگر ناحق ظافر کے دو بھائی یوسف اور جبرئیل قتل کر دیئے گئے نصیر بن عباس ظافر کے بیٹے عیسیٰ کو گود میں اُٹھا کر لایا اور فائز بنصر اللہ کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا۔ شاہی خاندان کی عورتوں نے اس طرح اپنے خاندان کا قتل عام دیکھا تو صالح بن زریک کو جو اشمونین کا عامل تھا خفیہ طور پر بلایا۔ نصیر یہ دیکھ کر بھاگ نکلا۔ صالح نے مصر میں پہنچ کر نصیر کے مکان سے ظافر کی نعش نکلوا کر شاہی قبرستان میں دفن کی اور فائز نے اُسے ملک الصالح کا خطاب دیا۔

نصیر بن عباس عیسائیوں کے پاس پناہ گزین ہو چکا تھا۔ عیسائیوں کو خطوط لکھ کر نصیر کو منگوایا اور سُولی پر لٹکا دیا۔ اب صالح نے پَر پُرزے نکالنے شروع کیے تو فائز کی پھوپھی کو خطرہ پیدا ہوا۔ صالح کو معلوم ہوا تو صالح نے اُسے قتل کرا دیا۔

جس سال فائز تخت نشین ہوا اس سال ملک العادل سلطان نور الدین محمود زنگی عیسائیوں کی سزا دہی کی کوششوں میں مصروف تھا۔ فائز ۵۵۵ھ میں مر گیا۔

وزیر السلطنت صالح نے حکم دیا کہ شاہی خاندان کے لڑکوں کو پیش کیا جائے۔ چنانچہ ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن حافظ عبیدی کو منتخب کر کے عاضد الدین اللہ کے لقب سے تخت نشین کیا اور اپنی لڑکی اس کے نکاح میں دی۔

عاضد برائے نام خلیفہ تھا۔ اصل حکمران صالح تھا۔ عاضد کی چھوٹی پھوپھی اپنی بہن کا انتقام لینا چاہتی تھی اس نے امرا کے سوڈانیہ کے ذریعہ اُسے قتل کرا دیا اور اس کے بیٹے کو عادل کا خطاب دے کر وزیر بنایا۔ اُس نے وزیر بنتے ہی عاضد کی پھوپھی اور سوڈانی سردار کو قتل کرا دیا۔ اب اس نے صعید کے والی شاور کی برطرفی کے احکام جاری کیے۔ شاور خود مصر کی طرف بڑھا اور ۵۵۸ھ زریک عادل کو قتل کر کے وزیر بن گیا۔ مگر ۹ مہینے کے بعد ضرغام نامی ایک شخص نے شاور کو قاہرہ سے نکال دیا اور شاور کے بیٹے علی کو قتل کر دیا اس کے علاوہ اور بھی جن لوگوں سے اُسے خطرہ تھا

قتل کرا دیا۔

اسد بن شیر کوہ اور صلاح الدین ایوبی

شاور نے شام میں پہنچ کر سلطان نورالدین زنگی کے سامنے حالات رکھے اور مدد کا طالب ہوا سلطان مرحوم نے بڑے سوچ و بچار کے بعد اسد بن شیر کوہ کو ۵۵۹ھ میں مصر کی طرف روانہ کیا۔ اور خود عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ شیر کوہ نے ضرغام اور اس کے بھائی ناصر الدین ہمز الدین کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ ضرغام آخر میں قتل ہو گیا۔ اب شاور نے شیر کوہ سے بد عہدی کی اور کوئی وعدہ پورا نہ کیا شیر کوہ واپس آ گیا۔ شاور نے بجائے ایفائے عہد کے عیسائیوں سے ساز باز شروع کر دی شیر کوہ نے سلطان مرحوم سے اجازت لے کر پھر مصر کا رخ کیا۔ مگر شاور نے عیسائیوں سے مدد طلب کی عیسائی ایسے موقع کے منتظر تھے۔ وہ خود فوراً شاور کی مدد کو پہنچ گئے۔ مگر شیر کوہ نے ان کی متحدہ طاقت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ شیر کوہ نے سکندریہ میں اپنے بھتیجے صلاح الدین بن نجم الدین ایوب کو حاکم مقرر کیا۔ خود صعید کی طرف بڑھے مگر فاطمیوں اور عیسائیوں نے پھر سکندریہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شیر کوہ پھر واپس پلٹا۔ اب شاور نے شیر کوہ کے ساتھیوں کو توڑنے کے لئے سازش کے جال پھیلانے شروع کر دئے۔

شاور کی اس اسلام دشمنی کے نتائج بہت خطرناک نکلے جو اُس نے عیسائیوں کے ساتھ ساز باز کر کے مسلمانوں کے خلاف محاذ بنانے کے سلسلے میں کئے۔ عیسائیوں نے مستقل طور پر مصر میں اپنا اڈہ جما لیا۔ شاور نے اُنہیں تحریری طور پر لکھ دیا کہ

۱۔ عیسائی فوجیں قاہرہ میں مقیم رہیں گی۔

۲۔ عیسائیوں کی طرف سے ایک ناظم قاہرہ میں موجود رہے گا۔

۳۔ شہر پناہ کے دروازوں پر عیسائیوں کا قبضہ رہے گا۔

۴۔ حکومت مصر ایک لاکھ دینار سالانہ بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ کو ادا کرے

بجائے اس کے کہ شاور شیرکوہ کا شکر گذار ہوتا جس نے اسے مصر کی وزارت عظمیٰ دلائی اس نے اُلٹا عیسائیوں سے ساز باز کر کے گویا مصر ہی عیسائیوں کے حوالے کر دیا۔ عیسائیوں نے اب پر پرزے نکالنے شروع کئے۔ عیسائی فوجیں دھڑا دھڑ مصر میں داخل ہونے لگیں خراج کم ایک لاکھ دینار سے بڑھ کر دو لاکھ بن گئے۔ اپنے محسن شاور کو فسطاط میں نظر بند کر دیا۔ عاضد عبیدی عیسائیوں کے یہ رنگ دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور اس نے سلطان مرحوم سے مدد کی درخواست کی شاور نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں مسلمانوں کی نسبت عیسائی زیادہ بہتر ہیں مگر عاضد نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔

نورالدین نے شیرکوہ کو پھر مصر روانہ کیا۔ عیسائی گھبرا گئے اور فسطاط کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا کر خود فسطین کی طرف بھاگ گئے۔ شاور کی اس غداری کی وجہ سے العاضد نے اُسے ۱۱۶۹ء میں سُولی پر لٹکا دیا اور شیرکوہ کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ شیرکوہ نے سلطان نورالدینؒ کی اجازت سے یہ منصب قبول کر لیا شیرکوہ کی وفات کے بعد اُس کے بھتیجے سلطان صلاح الدین کو یہ منصب ملا۔ سلطان صلاح الدین نے بھی سلطان نورالدین سے باقاعدہ تعلقات قائم رکھے اور خلیفہ عاضد بھی اُس پر نہایت خوش تھا۔

سلطان صلاح الدینؒ نے اس شیعہ حکومت کی بڑی خدمت کی۔ مگر شیعہ درپردہ اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ عمارہ یمنی۔ زبیری۔ عویرش قاضی القضاۃ معزول۔ عبدالصمد کاتب۔ موتمن الخلافۃ اور متعدد دیگر امرا نے مل کر ایک سازش تیار کی کہ ملک عیسائیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک طرف عاضد کو ہموار کرنے کی کوششیں شروع کیں اور دوسری طرف عیسائیوں سے خط و کتابت شروع کر دی ایک خط پکڑا گیا اور سلطان صلاح الدین کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے سب کو بلا کر اظہار کیا اور جب واقعات صحیح ثابت ہوئے تو انہیں قتل کرا دیا۔ اس پر پچاس ہزار سوڈانیوں نے بغاوت کر کے قصر وزارت کو گھیر لیا مگر سلطان نے ان کا بھرکس نکال کر رکھ دیا۔ خلیفہ عاضد ان ایام میں سخت بیمار ہو گیا۔ سلطان نورالدین زنگی کئی بار سلطان صلاح الدین کو لکھ چکے تھے کہ خطبہ میں

عباسی خلفاء کا نام پڑھا جائے۔ مگر صلاح الدین ٹالتے رہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ سوائے اس کے چارہ نہیں تو محرم ۵۶۷ھ کے پہلے جمعہ میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی تمام مساجد میں احکام بھیج دیئے۔ اس سے تیسرے روز بعد ۱۰ محرم کو خلیفہ عاضد فوت ہو گیا۔

اسماعیلی فرقے کی اہم شاخیں

(۱) قرامطہ (۲) دروزیہ (۳) نزاریہ یا باطنیہ یا فدائی یا حشاشین یا مشرقی اسماعیلی یا خوجیہ (۴) طیبی یا بوہرے۔

قرامطہ:۔ قرامطہ کے دو گروہ ہوئے ہیں۔ ایک گروہ کا بانی ہمدان بن اشعث تھا اور دوسرے گروہ کا بانی یحییٰ بن فرج تھا۔ بعض مؤرخوں کو دھوکا ہوا ہے کہ اسماعیلی قرامطہ سے نکلے ہیں۔ مگر قرامطہ حسین بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن اسماعیل کے زمانہ میں الگ ہوئے۔ اس فرقہ کی بنیاد نہ کسی علوی نے رکھی اور نہ کسی طالبی نے بلکہ اس کے محرک چند اسماعیلی داعی ہوئے۔ ہمدان نے فطرہ۔ ہجرہ۔ ملیخہ۔ حمس اور الفرکی اصطلاحیں جاری کیں۔ اس کی تمام تعلیم فرقہ ثنویہ کی تعلیم کا چربہ تھی۔ یہ اپنے متبعین کو کہتا تھا کہ ایک حد پر پہنچنے کے بعد شریعت کے ظاہری اعمال ساقط ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ بھی کہا گیا کہ تمہارے دشمنوں کا خون تم پر مباح ہے۔ ان کی طاقت اس قدر بڑھ گئی کہ انہوں نے قریہ مہا باد میں ایک دار ہجرت بنا کر اسے مضبوط قلعہ کی شکل دے کر مضافات میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ ہمدان کے نائبین میں سے عبدان اور ذکرویہ نے بڑی ترقی حاصل کی ذکرویہ نے فاطمی النسل ہونے کا دعویٰ کیا بعد میں یہ لوگ بھی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ فاطمیین کے ظہور کے پہلے امام کے وقت قرامطہ کا سردار ابو طاہر تھا۔ اس نے ۳۱۷ھ میں مکہ معظمہ میں ترویہ کے روز اچانک حملہ کر کے ہزاروں حاجیوں کو بیت اللہ میں قتل کر دیا۔ بیت اللہ کا دروازہ اکھیڑ دیا مقتولین کے لاشے زمزم میں پھینک دیئے۔ غلاف کعبہ کو اتار کر اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا اور

جاتی دفعہ حجر اسود اکھیڑ کر ساتھ لے گیا اور اعلان کرتا گیا کہ آئندہ حج ہمارے ہاں ہوا کرے گا۔ اس واقعہ کی خبر مہدی کو قیروان میں پہنچی اس نے لکھا مگر طاہر کوئی پروا نہ کی ۲۹ ۳ ھ میں یہ کہہ کر حجر اسود واپس کیا کہ ہم حکم سے اسے لے گئے تھے اور حکم سے ہی واپس کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے داعی ملتان تک پہنچ گئے تھے۔ یہ لوگ علی الاعلان اپنے عقائد کا اظہار کرنے لگے۔ کہ نماز روزہ کی ضرورت نہیں امام حق یعنی محمد بن اسماعیل کی دعوت کافی ہے ان کے جنگجو دستوں نے تمام ملک میں خوف و ہراس پھیلا دیا انہیں چند بڑے بڑے لوگ مل گئے۔ شاہان عجم کی اولاد میں سے الزکری ایک اور ایرانی سردار ذکرویہ بن مہرویہ جس نے بعد میں محمد بن عبداللہ بن اسماعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین ہونے کا دعویٰ کیا انہوں نے لوٹ مار ڈاکہ زنی فتنہ فساد اور خونریزی میں تمام پچھلے ریکارڈ مات کر دئے (ملخص التنبیہ والاشراف ص ۳۹۱ مطبوعہ ۱۸۹۴ء) آخر ۳۹۸ھ میں اصغر بن ابی الحسین تغلبی نے احسا اور بحرین پر قبضہ کر کے ان کے عذاب سے دنیا کو نجات دی۔

نزاریہ مستنصر کے کئی بیٹے تھے جن میں سے تین کو تاریخی حیثیت حاصل ہے مستعلی کی ولادت سے پہلے نزار اور عبداللہ میں امامت کا جھگڑا شروع ہو گیا تھا مستعلی کی پیدائش پر مستنصر نے تمام اہل دعوت کو اس کے آئندہ امام ہونے کی خوشخبری سنائی۔ مستعلی محرم ۴۶۷ھ میں پیدا ہوا مستنصر کی وفات کے دوسرے دن مستعلی کی بیعت عمل میں آئی سب سے پہلے اس کے دو بھائیوں نزار اور عبداللہ نے بیعت کی مگر ان دونوں نے وفا نہ کی۔ نزار خفیہ طور پر سکندریہ چلا گیا۔

ابن خلدون اور ابن الاثیر کے بیان کے مطابق مستنصر نے نزار کے لئے نص کی تھی مگر وزیر افضل کے خوف سے اسے بھاگنا پڑا اور مستنصر کے مرنے کے بعد افضل نے مستعلی کے لئے بیعت لی (اگر امامت کا حق آسمانی ہے تو اس خانہ ساز جھگڑے کا کیا سبب مولف) اسکندریہ میں نزار نے المصطفیٰ الدین باللہ کے لقب سے حکومت قائم کی۔ مگر افضل نے اسے لڑائی میں گرفتار کر کے مستعلی کے سامنے پیش کیا جس نے

اسے دیوار میں زندہ چنوا دیا۔

نزار تو مارا گیا مگر اس کی تحریک جاری رہی۔ نزاری تحریک کے چند لوگوں نے آمر کو قتل کر دیا۔

حسن بن صباح:

حسن بن صباح رے کا باشندہ تھا۔ اس کا پورا نام حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن الصباح الحمیری تھا۔ زنادقہ کے رواج کے مطابق اس نے اپنے نام کے ساتھ حمیری کا لفظ لگا کر عرب خاندان کی طرف منسوب کیا حقیقت میں وہ مجوسی النسل تھا۔ قم میں پیدا ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ریاضی، ہندسہ حساب، نجوم اور سحر وغیرہ مختلف علوم حاصل کئے۔ کہتے ہیں نظام الملک طوسی اور عمر خیام کا ہم سبق تھا۔ اس وقت وہ اپنے باپ کے مذہب پر اثنا عشری تھا۔ ناصر خسرو اسماعیلی داعی کی دعوت پر وہ اسماعیلی ہو گیا۔ چونکہ بڑا ذہین تھا اس لئے حلقہ اصفہان کے رہبر شیخ احمد تک پہنچ گیا اس نے اُسے مصر پہنچا دیا۔ مستنصر خود تو اس کے سامنے نہ آیا مگر بہت کچھ انعام واکرام دیا۔ واپسی پر اُس نے مستنصر سے پوچھا کہ آپ کے بعد کون امام ہوگا تو مستنصر نے بتایا کہ نزار ہوگا۔ اسکندریہ سے روانہ ہو کر بلا دیزد۔ کرمان طبرستان اور دامغان وغیرہ میں نزار کی امامت کی دعوت دیتا رہا۔

ملک شاہ سلجوقی کی طرف سے اصفہان اور قہستان کا حاکم مہدی ایک سادہ لوح علوی تھا۔ حسن بن صباح نے عبادت گذاری کا چکمہ دے کر اس سے قلعہ الموت لے لیا اس قلعہ میں بیٹھ کر اس نے نہایت چابکدستی، ہشیاری مکاری اور عیاری سے اپنا جال پھیلانا شروع کیا اور علوی کو قلعہ بدر کر دیا دعوت کا وہی نظام جو مصر سے سیکھ کر آیا اس پر رفیق۔ لاحق اور فدائی کے درجات بڑھا دئے گئے فدائیوں میں زیادہ تر اَن پڑھ اور جاہل مگر جانباز قسم کے نوجوان شریک کئے جاتے۔ اور انہیں تمام فنون سپہگری کی تعلیم دی جاتی

اس نے ان خونخوار اعمال کی ترغیب کے لئے ایک جنت بنائی جس میں مختلف علاقوں سے خوبصورت دوشیزائیں اغوا کر کے لائی گئیں جنت میں ہر قسم کے پھلدار درخت، پھولوں والے پودے لگوائے اور چشمے بنوائے پہلے ایک آدمی کو بھنگ پلا کر مدہوش کیا جاتا پھر اُسے جنت میں پہنچا دیا جاتا۔ چند روز وہاں آزاد چھوڑنے کے بعد پھر واپس منگوایا جاتا۔ اس تمام عرصہ میں اُسے مدہوش رکھا جاتا۔ اس مدہوشی کے عالم میں دلستان حوروں کی آغوشیں اور سبزوں کے ہنگامے، پرندوں کا چہچہانا، ٹھنڈے اور خوشگوار چشموں کا پانی پھلوں اور پھولوں کی بہتات میں چند روز گذارنے کے بعد جب اُسے واپس منگوایا جاتا اور وہ ہوش میں آتا تو اُس جنت گم گشتہ کے حصول کے لئے بے قرار ہو جاتا۔ اب اُسے کہا جاتا کہ جب تم فلاں آدمی کو قتل کرو گے تو تمہیں اس سے بہترین جنت میں جگہ دی جائے گی۔ حسن بن صباح نے اپنے ایسے فدائیوں سے اُس دور کی بڑی بڑی عظیم الشان ہستیوں کو قتل کرایا۔

ان میں سے خواجہ نظام الملک طوسی وزیر اعظم سلطان الپ ارسلان ملک شاہ سلجوقی، فخر الملک بن خواجہ نظام الملک، شمس تبریزی پیر طریقت مولوی رومی۔ نظام الملک معود بن علی وزیر خوارزم شاہ سلطان شہاب الدین محمد غوری قابل ذکر ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور امام فخر الدینؒ رازی کے قتل کی کوشش بھی کی

لہ: عمارہ یمنی۔ زبیدی۔ احمد بن جوش۔ معزول قاضی القضاۃ۔ عبد الصمد کاتب۔ موتمن الخلافہ۔ مصریا۔ غلام قصر سلطانی نے مل کر سازش کی کہ صلاح الدین کو قتل کر دیا جائے اور ملک کو عیسائیوں کے سپرد کر دیا جائے اور عیسائی سفیر کو بلا کر بادشاہ عاضد سے اس کی ملاقات کرائی جانے قریب تھا کہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہو جاتے کہ ان کا ایک خط پکڑا گیا صلاح الدین نے تحقیقات کا تو وہ مجرم ثابت ہوئے تو ان کو قتل کرا دیا۔ (ملخص تاریخ اسلام اکبر شاہ خان جلد سوم صفحہ ۲۳۳-۲۳۲)

مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔

شروع میں تو حسن بن صباح ایک اسماعیلی داعی تھا مگر آگے چل کر جب اس کی حکومت پائیدار ہو گئی تو وہ ایک اور مذہب کا بانی بن گیا اس کے تمام مرید اسے سیدنا کہتے تھے عام طور پر وہ شیخ الجبل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ۳۵ سال قلعہ الموت پر قابض رہنے کے بعد ۵۱۸ھ میں مر گیا۔

حسن بن صباح کے پیرو کار حقیقت میں گویا ملحدوں کا ایک گروہ تھا جنہیں اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ یہ ملحد بے دین، بدچلن، او باش مادر پدر آزاد لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ ان کی کامیابیوں کا راز صرف اس بات میں تھا کہ وہ چھپ کر بڑے آدمیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ آج کل کے انارکسٹ اور نہلسٹ گویا انہیں کی روحانی ذریت ہیں۔ اپنی انہیں خفیہ کاروائیوں کی وجہ سے ان کا نام باطنیہ ہوا

حسن بن صباح کے مرنے کے بعد اس کا ایک شاگرد "کیا بزرگ" قلعہ الموت کا حاکم مقرر ہوا۔

کیا بزرگ

محمد بن کیا بزرگ

حسن بن محمد

محمد ثانی بن حسن

جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث

علاؤ الدین محمد

رکن الدین خورشاہ

رکن الدین خورشاہ آخری بادشاہ تھا جسے ہلاکو خان نے بغداد کی تباہی سے ایک سال پہلے ۶۵۵ھ میں گرفتار کر کے فدائیوں کے عذاب سے لوگوں کو نجات دی۔ باطنیوں یعنی نزاریوں کی جماعت عالم اسلام کے لئے ایک بلائے عظیم تھی چھٹی صدی ہجری کے وسط میں ایک باطنی الفتح نے ملتان میں اپنی حکومت قائم کر کے

مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا اور محمود غزنوی کے خلاف جے پال کی مدد کی تھی
محمود غزنوی نے اس کے عذاب سے لوگوں کو نجات دلائی۔

ابو الفتح ملتان سے بھاگ نکلا اور منصورہ سندھ میں پہنچ کر وہاں حکومت قائم کر لی مگر اٹھارہ سال بعد محمود غزنوی نے وہاں سے بھی اس کو مار بھگایا۔ اس کے بعد محمد غوری کے زمانہ میں باطنیوں نے فسادات برپا کئے ۵۷۱ء میں اس نے انہیں کچل کر رکھ دیا۔ مگر آخر انہیں کے ہاتھ سے شہید ہوا (آب کوثر شیخ محمد اکرام صفحہ ۲۹)

سلطان رضیہ کے زمانہ میں ۶۳۶-۱۲۳۷ھ میں ان لوگوں نے دہلی میں خفیہ طور پر بڑی طاقت بہم پہنچائی۔ آخر ایک دن عین نماز جمعہ کے وقت مسجد میں داخل ہو کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ چند مسلمان جان بچا کر مسجد کی چھت پر چڑھ گئے اور اینٹ پتھر برسانے شروع کئے باہر سے بھی مدد پہنچ گئی اور ان لوگوں کو ختم کیا گیا (تاریخ مبارک شاہی)

نزاریوں نے اپنی سلطنت کی وسعت کے لئے گویا دہلی تک اپنے ہاتھ بڑھائے مگر کامیاب نہ ہو سکے ان کی کامیابی اسی حد تک محدود رہی کہ چوروں کی طرح کسی کے گھر میں گھسے اور اسے قتل کر دیا۔ محمد تغلق کے زمانہ میں بھی باطنیوں نے فساد پیدا کیا اور مارے گئے۔ آج کل جو نزاری موجود ہیں اور خوجوں کے نام سے مشہور ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ نزار سکندریہ میں شکست کھا کر ایران پہنچ گیا تھا۔ موجودہ آغا خان اسی کی اولاد سے ہیں۔ خوجوں کے اسلاف میں سے بعض ایسے ہوں گے جو مصر، عراق، شام اور ایران سے منتقل ہو کر ہندوستان میں آکر بسے ہوں گے ان کے ساتھ ہی ۶۲۴ھ میں نور الدین شاہ متوفی ۷۰۱ھ جو فاطمہ المومنین نے ہندوستان بھیجا گیا اس نے اپنا نام یہاں نور ست گر رکھا اسی کی تبلیغ سے ملتان میں باطنیوں کا زور ہوا اور دہلی کا فساد بھی اسی کی پیدا کردہ جماعت نے پیدا کیا تھا۔

ان کے بعد برصغیر میں بلند پایہ داعیوں میں سے صدر الدین متوفی ۸۱۹ھ

ہندوؤں کے اصول کے موافق اسلام کی تبلیغ کی۔ ان کو سمجھایا کہ محمد برہما اور علی کرشنا ہیں۔ اس
دس اوتار نامی ایک کتاب بھی تصنیف کی جس میں ہندوؤں کے عقیدوں کے موافق اوتار بیان
کئے ہیں۔ یہ کتاب بڑی متبرک سمجھی جاتی ہے اور اس کے چند حصے ہر خوجے کے مرنے کے وقت
اس کے سرہانے پڑھے جاتے ہیں۔ اس نے تین اسماعیلی جماعتیں منظم کیں۔ پنجاب میں
مکھی ملتیبہ شام داس لاہوری۔ کشمیر میں مکھی سیٹھ تلسی داس اور سندھ میں مکھی تریکم۔

المووت کے چھن جانے کے بعد ایران میں یہ لوگ زیر زمین دعوت میں مصروف
الله ورواشیوں کی وضع میں رہتے تھے۔ دفعہ اسماعیل صفوی نے ان کے قتل کا حکم
بھی کہا جاتا ہے کہ ایران کے بعض بادشاہوں نے ان سے سلسلہ قرابت بھی قائم کیا تقریباً
چھ سو سال تک ایران نزاریوں کی امامت کا مرکز رہا۔ ایران کے آخری امام خلیل اللہ
علی یزد میں سکونت پذیر تھے۔ ۱۲۳۳ھ میں انہیں امامیہ شیعوں نے قتل کر دیا۔
پر اسماعیلی بھڑک اٹھے تو فتح علی شاہ قاچار نے قاتلوں کو پھانسی کی سزا دی اور امام کے
حسن علی کو آغا خان کا خطاب دے کر خوش کر دیا۔ حسن علی ہندوستان آگئے
نزاری امامت یہاں منتقل ہو گئی۔ یہاں پہلے بھی اسماعیلی آباد تھے۔

حسن علی
|
علی شاہ آغا خان ثانی متوفی ۱۸۸۵ء
|
ہز ہائینس سلطان محمد شاہ آغا خان ثالث متوفی ۱۱ جولائی ۱۹۵۷ء
|
شہزادہ علی
|
آغا کریم آغا خان چہارم انچاسویں حاضر امام

اب ان لوگوں میں مختلف جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ پنجابی خوجے آغا خان کے
ماتحت نہیں لیکن عقیدۃً بمبئی کے خوجوں کے ہمنوا ہیں۔ پنجابی خوجوں کی ابتدا ۔۔۔
کے زمانہ سے ہوئی۔ خوجوں کے نکاح۔ طلاق۔ وراثت کے احکام اثنا عشری فقہ
سے متعلق ہیں۔ برصغیر میں ان کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہوگی۔ حسن نظامی دہلوی نے
اپنی تصنیف فاطمی دعوت اسلام میں نور ستگر اور صدر الدین وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

آغا خان ثالث دنیا کے امیر ترین افراد میں شمار کئے جاتے تھے۔ دنیا کے تمام حکمرانوں کے ساتھ ان کے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ ان کا ایک واقعہ بڑا مشہور ہے کہ جب آپ کی ملاقات ہٹلر سے ہوئی تو اس نے کہا کہ ایک گھوڑا قیمتاً مجھے دے دیجئے آپ نے اس کی قیمت تیس ہزار پونڈ بتائی۔ اس نے چالیس کا رین دینا چاہیں تو آپ نے کہا میں لنڈن کی پکاڈلی میں شوروم کھولنا چاہتا ہوں۔؟

آغا خان ثالث بظاہر مسلمانوں کے دوست اور ہمدرد تھے مگر بباطن وہ اپنے آبائی انداز سے سر مو ادھر ادھر نہیں ہوتے تھے۔ ان کے عروج کے زمانے میں پاک و ہند کے مسلمان دو محاذوں پر نبرد آزما تھے۔ ایک ہندوؤں کے خلاف اور دوسرا انگریزوں کے خلاف۔ مسلمانوں کی جنگ جہاں ہندوؤں کے خلاف ہوتی تھی وہاں وہ اپنے مریدوں کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کی معاونت کا دم بھرنا شروع کر دیتے تھے اور جہاں مسلمانوں کی جنگ انگریزوں کے خلاف ہوتی وہاں اول سے آخر تک آغا خان انگریزوں کا ساتھ دیتے اور ان کی ہمنوائی کرتے۔ اس میں سیاسی ضرورت کے علاوہ ان کا مذہبی تعصب اور نسلی عصبیت بھی کارفرما تھی۔ سیاسی مصلحت کے تحت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے متعدین کی حفاظت کے لئے فوراً انگریزوں کے ہمدرد بن جاتے تھے آغا خان کی تمام مذہبی سیاست صرف اپنے مفاد کے گرد گھومتی تھی۔ اور اپنی شخصیت اور اپنے مریدوں کے بچاؤ کے لئے اگر انہیں دنیا بھر کے مسلمان بھی داؤ پر لگانے پڑتے تو کبھی گریز نہ کرتے۔ جب ترکوں اور بلقانیوں کی جنگ آخری مراحل میں داخل ہو گئی اور آغا خان کو بلقانی عیسائی پٹتے نظر آئے تو فوراً اپنے مخصوص انداز میں ترکوں کے ہمدرد بن کر ان کے سامنے نمودار ہو کر کہنے لگے کہ ترکوں کو بلقان چھوڑ کر ایشیا میں چلے جانا چاہیئے۔ گویا خود ہی ترک بلقان سے دستبردار ہو جائیں۔ اس موقع پر مولانا شبلی نعمانی نے فارسی اور اردو میں ایک طنزیہ نظم لکھی تھی۔

ترک سے حضرت آغا نے یہ ارشاد کیا	کیا ہوئے فائدہ یورپ میں گرفتار الم
ایشیا میں اگر آ جاؤ تو سمجھو تا دیدہ	پاؤں پھیلا کے پڑے چین سے مرغوں پہ غم
نظر آ جائے گی بے کار یہ آلات جدید	جبکہ تم لا دیئے تاتار میں رکھ کے قدم

خود ہی کہہ گئے کہ بیکار ہیں سب تیر و تفنگ　　نظر آ گیا جو تیر انگیز عمل کا عالم

فائدہ کیا ہے کہ تم ریل کا احسان اٹھاؤ　　آپ کا اسپ سبک سیر ہے کیوں تابع حکم

لیمپ کی شعلہ فشانی میں کہاں وہ انداز　　شمع کی بزم طرازی کا جو کچھ ہے عالم

اور مانا کہ فردوس بریں ہے یورپ　　حضرت خواجہ شیراز یہ کرتے ہیں رقم

پدرم روضہ رضوان را بگندم بفروخت

ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم

آغا خان ثالث نے اپنی سوانح حیات خود قلمبند کی ہے ۔ مگر لطف یہ کہ اس واقعہ کی

طرف آپ نے اشارہ تک نہیں کیا ۔

۲ ـــــ دروزیہ

حاکم کے زمانہ میں یہ لوگ الگ ہو گئے ۔ اس فرقہ کے ابتدائی داعی حسن بن حیدرہ

حمزہ بن زوزنی اور محمد بن اسماعیل درازی ہیں ۔ گویا یہ فرقہ درازی کی طرف منسوب ہونے

کی وجہ سے دروزی کہلاتا ہے ۔ ان لوگوں نے اپنا سن بھی جاری کیا جو ۴۰۸ھ سے

جاری ہوتا ہے ۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کروڑوں برس کے بعد حاکم کی شکل

میں ظاہر ہوا ۔ دشتیت سے ناراض ہو کر غائب ہو گیا ۔ قیامت کے روز پھر انسانی شکل

میں ظاہر ہو گا ۔

ان کے مذہب کے چار بڑے اصول ہیں :-

۱ ۔ خدا کا علم خاص کر انسانی شکل کے مظاہر ہیں

۲ ۔ عقل کا علم جو سب سے اعلیٰ ہے اس کے باوجود وہ خدا کا بندہ اور غلام

عیسیٰ کے زمانہ میں نمرود ۔ رسول خدا کے زمانہ میں سلمان فارسی اور حاکم کے

زمانہ میں حمزہ ہے ۔

دروزیوں کی مقدس کتابیں چھ ہیں جو کلام اللہ کی طرح مقدس سمجھی جاتی ہیں ۔ یہ

خفیہ طور پر گائے کے بچھڑے کے سر کی پوجا کرتے ہیں ۔ حاکم کو خدا ماننے کے معنی

عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ دروزی مختلف اقوام کردہ ماردی، عرب اور دوسری کم تہذیب یافتہ قبیلوں پر مشتمل ہیں۔ ان کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار کے درمیان ہوگی جبل لبنان کے اطراف میں ان کی آبادی زیادہ ہے۔

ان کی مسجدیں نہیں ہوتیں۔ معمولی سا مکان ہوتا ہے جہاں پنجشنبہ کے روز مجلس کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے بھی اکثر داعی ایرانی تھے اس لئے یہ بھی اسلام دشمنی میں باقی فرقوں سے پیچھے نہیں۔

کہتے ہیں جب درازی جبل لبنان کے اطراف میں پہنچا تو وہاں اسماعیلیوں کی کافی تعداد موجود تھی اور اُسے بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ ان کی دو جماعتیں ہیں جہال اور عقال۔ جہال عملولیت ہیں اور عقال اعتدال پسند۔

عقال کی جماعت میں شریک ہونے کی شرائط فری میسنری کی طرح ہیں ان میں سب سے بلند درجہ خطیب کا ہے۔

جہال پر مذہب کی پابندیاں عائد نہیں۔ یہ لوگ ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اب کوئی آدمی درزی مذہب میں داخل نہیں ہو سکتا۔

تلخیص از (SPRINGETF)

موجودہ صدی میں شام میں جتنے انقلاب آئے ان سب کے پیچھے انہیں کا ہاتھ رہا شام میں درزی، کیسانی اور باطنی جو آج کل نصیری یا علوی کہلاتے ہیں اسلام دشمنی میں تمام ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہیں۔ انہوں نے اپنی مقصد برآری کے لئے ایک عیسائی میشل عفلق کو اپنی اسلام دشمن جماعت بعث پارٹی کا صدر بنا کر اس کے جھنڈے تلے روز فسادات کرنے کا گویا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

ناصر نے جب مصر اور شام کا الحاق کر کے متحدہ عرب حکومت کی داغ بیل ڈالی اس میں انہیں لوگوں کا ہاتھ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ناصر چونکہ مصر میں فرعونی نظریات کا نمائندہ ہے اس لئے اسلام دشمنی میں وہ ہمارا ساتھ دے گا۔ مگر جب ناصر فرعونی

نظریات کا نمائندہ ہونے کے باوجود ان کے ساتھ نہ چل سکا تو یہ الگ ہو گئے۔ آج شام کی فوج میں یہ لوگ بڑے بڑے عہدوں پر قابض ہیں۔ اصولی طور پر دروزی کیسانی اور باطنی نظریات میں بڑا فرق ہے۔ مگر اسلام دشمنی میں ان کا نظریہ ایک ہے اس لئے انہوں نے اپنے فروعی اختلافات کو چھوڑ کر زیر زمین بھی اور علی الاعلان بھی ایک مشترکہ محاذ بنا رکھا ہے۔ شام میں اخوان کی تباہی انہیں کے ہاتھوں ہوئی اکرام حورانی۔ مصطفےٰ احمدون، کرنل ابو عشاعشہ۔ میجر عبدالجواد انہیں نظریات کے نمائندے ہیں ان لوگوں کی تخریبی سرگرمیوں کی وجہ سے شام میں کوئی مستقل حکومت نہیں بن سکی۔ چونکہ انہیں خطرہ ہے کہ جب بھی کوئی مستقل حکومت بن گئی تو ہماری ریشہ دوانیاں قتل و غارت اور اسلام دشمنی کی کاروائیاں ختم ہو جائیں گی۔

(تلخیص اردو ڈائجسٹ ستمبر ۶۹ء شام انقلابات کے آئینہ میں ص ۱۱۱ تا ۱۲۲)

۴ ـــــــ طیبی یا بوہرے

ان کا عقیدہ ہے کہ روئے زمین پر خدا کا پہلا خلیفہ "صاحب جثۂ ابداعیہ" ہے اس نے اپنی وفات سے پہلے اپنے فرزند کو خدا کے حکم سے اپنا خلیفہ بنایا اس خلافت کا سلسلہ اس کی نسل میں جاری رہا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں سال گذر گئے۔ اس اثنا میں کئی ادوار مثلاً دور کشف۔ دور فترت اور دور ستر قائم ہوتے۔ موجودہ زمانہ دور ستر کہلاتا ہے جب شروع ہوئے تقریباً سات ہزار سال گذر چکے تھے۔ اس دور میں استقراری امامت کا سلسلہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ کے علاوہ زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے نبوت و رسالت کے شرف سے بھی بہرہ ور کیا۔ آپ نے اپنی خلافت کی امانت علیؓ کو انہوں نے حسنؓ کو انہوں نے حسینؓ کو منتقل کی۔ حسینؓ ہی کی نسل سے یکے بعد دیگرے آئمہ ہوتے رہے۔ اور یہ سلسلہ عبداللہ مہدی تک پہنچا جس کا ظہور قیروان میں ۲۹۷ھ میں ہوا۔ مہدی ذاتہ ظہور ۱۲ ایں امام ہے۔ اور آخری امام۔

لہ جس طرح پاکستان میں قادیانی جماعت مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنی الفرادیت پر قائم ہے اسی طرح شام اور ... کے دروزی اور ان کی قسم کے اسلام دشمن فرقے مثلاً ایران کے بہائی فرقے کے دو شاخ نصیری ... فہرست میں ...

اس امام کے قتل کے بعد خلافت اس کے بیٹے طیب کو ملی ۔ جسے اس کے داعیوں نے دشمنوں کے خوف سے چھپا دیا۔ اس امام کی نسل میں قیامت تک امامت رہے گی ان کی نیابت ان کے ستر کے دور میں ان کے داعی کرتے ہیں ۔ امام طیب کے زمانہ سے دور ستر شروع ہوا جو قائم القیامہ کے ظہور تک رہے گا ۔ جو دورِ کشف کا پہلا امام ہوگا[1]

امام طیب :۔

آمر نے جب یہ محسوس کیا کہ طیب کو نزاری قتل کر دیں گے تو اس نے اپنے بابُ الابواب ابن مدین کو اس کا کفیل بنا کر یمن بھیج دیا یہاں سے اس فرقہ کا دورِ ستر شروع ہوا ابن مدین قتل ہو گیا تو ابو علی امام طیب کا کفیل مقرر ہوا ۔ آمر نے امامت کا نص طیب کے لئے کی ۔ آمر کے قتل ہونے کے بعد مصر میں ظافر مدعی امامت ہو کر خلیفہ بن گیا۔

طیبی دعوت سے پہلے یمن سے ہی ابو عبداللہ الشیعی نے بلاد مغرب میں پہنچ کر اسماعیلیوں کے لئے فضا سازگار کی تھی ۔ فاطمیینِ مصر برابر یمن میں اپنے داعی بھیجتے رہے ۔

اس دورِ ستر میں ابی الطفل ۔ عبداللہ بن بشیر ۔ محمد بن احمد عباس ۔ ہارون بن محمد یوسف بن احمد حمیری سلیمان بن عبداللہ ابتدائی داعی ہوئے سلیمان بن عبداللہ کی تعلیم سے علی بن محمد صلیحی اسمٰعیلی ہو گیا ۔ اور اپنی طاقت بڑھا کر کئی شہر فتح کر لئے ۔ احمد صلیحی کے بعد اس کا بیٹا امیر سبا جانشین ہوا ۔ مگر عامر بن سلیمان بن عبداللہ اس کا مخالف ہو گیا ۔ اس کے بعد تمام حکومت سیدہ زوجہ احمد کے ہاتھ آئی اس نے پچاس سال تک بڑی کامیابی سے دعوت و فکر کے فرائض انجام دیئے ۔ اس کے بعد یمن میں ۔

---

[1] :۔ دورِ کشف میں امام ظاہر ہوتا ہے ۔ تمام زمین پر اس کی حکومت ہوتی ہے ۔ اس دور کے اماموں کو مستقرین کہتے ہیں اس کے ختم پر دین میں آہستہ آہستہ کمزوری نمایاں ہونے لگتی ہے آئمہ کے اضداد کا غلبہ بڑھ جاتا ہے اسے دورِ فترت کہتے ہیں ۔ اس کے بعد دورِ ستر شروع ہوتا ہے جس میں امام بالکل پوشیدہ ہوتا ہے ۔ دشمن امام کا حق چھین لیتے ہیں ۔ دیندار لوگوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے ۔ اس دور میں کبھی کبھی مستقر امام ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے فاطمیین مصر ۔ دور ستر میں مستقر امام خدا کے حکم سے اپنے نائبوں کو مقرر کرتا ہے جو مستودع یعنی انبیاء کہے جاتے ہیں جن میں سے مشہور آدم ۔ نوح ۔ موسیٰ اور عیسیٰ ہیں ۔

طیبی دعوت کی سیاسی قوت زائل ہو گئی۔ اور یہ مذہب قائم مقام ہوا اس کا زمانہ ۵۲۰ھ تا ۵۴۶ھ ہے۔ اس کے بعد ابراہیم داعی مقرر ہوا۔ اسی دوران میں زیدیا اور اسماعیلیوں کی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ اس سے پہلے خلیفہ معز نے ہندوستان میں حلم بن شیبان کو دہلی روانہ کیا۔ وہاں کے اکثر باشندے مسلمان ہو گئے۔ ۴۶۵ھ میں احمد، عبداللہ اور نور محمد تین داعی مستنصر نے بھیجے۔ نور محمد کو عبداللہ نے دکن کی طرف روانہ کر دیا۔

بوہرے:

قاضی سلمان منصور پوریؒ اپنی کتاب سفرنامہ حجاز میں لکھتے ہیں کہ "ساتویں صدی ہجری میں مصر سے دو مبلغ ملا عبداللہ صاحب اور ملا احمد صاحب ہندوستان میں پہنچے اور گجرات کے ساحل پر اترے۔ اول اول وہ کھیڈور کا شتکاروں ان کے ہاتھ پر ایمان لائے یہ زن و مرد تھے۔ ان کی خفیہ تعلیم اور کوشش سے مندر کا پجاری رہنما بھی مسلمان ہو گیا۔ اس مندر میں سفید ہاتھی کی مورت تھی۔ اور اسی کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسلام ترقی کرتا گیا حتیٰ کہ بھارمل یا تارمل وزیر بھی مسلمان ہو گیا اور پھر سدراج سنگھ راجا بھی مسلمان ہو گیا۔

بوہرہ کے معنی بیوپار کرنے والے کے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ان کا ذکر رقعہ جات میں کیا ہے اور قوم بوہرہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ان کی مردم شماری قریباً دو لاکھ ہو گی۔ (یہ ۱۳۵۵ھ کا ذکر ہے اب ۱۴۰۹ بلا اقتدار ہے۔ اس لحاظ سے آج ان لوگوں کی آبادی دگنی ہو گئی)

یہ لوگ ایک ملا کے ماتحت ہوتے ہیں۔ جو موتی ملا یا ملائے اعظم کہلاتا ہے موجودہ ملائے اعظم کا نام سیدنا طاہر سیف الدین ہے [illegible] ملا طاہر سیف الدین اپنی وسیع المشربی اور رفاہ عامہ کے سلسلے میں بڑے مشہور گذرے ہیں اور علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے ہیں۔ جلد ہی ان کا انتقال ہوا ہے) سورت ان کا مستقر ہے۔ یہ ملا صاحب وزیر بھارمل کی اولاد ہیں۔ ملائے اعظم کو امام معصوم کا نائب

سمجھا جاتا ہے۔

ملاگری کی ابتدا امام حسن عسکری سے بیان کی جاتی ہے۔ یعنی اس وقت سے جبکہ محمد بن حسن عسکری چار سالہ عمر میں سر من رآئے کے غار میں داخل ہو کر پوشیدہ ہو گئے تھے۔
محمد بن عسکری کو اثنا عشریہ تو امام موعود اور مہدی زمان اعتقاد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اب غائب ہیں۔ قرب قیامت میں ان کا ظہور ہو گا۔ لیکن یہ لوگ ان کو مہدی موعود نہیں سمجھتے۔ کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے عمر بھی پائی ہے تب بھی ہفتاد سالہ ہو کر فوت ہو گئے اولاد دنیا پر ہو گی مگر پتہ نہیں کہاں ہے۔ مہدی موعود ان کی ہی اولاد سے ہوں گے۔ ملائے اعظم بننے کے لئے وراثت کی ضرورت نہیں اور تمید ہونے کی شرط ہے موجودہ ملاء اعظم کے دادا ملا نجم الدین صاحب اس خاندان کے پہلے ملا تھے۔ انہوں نے اپنا جانشین اپنے بھائی کو کیا اس نے اپنے برادر زادہ کو جو ملا طاہر کا باپ تھا۔ اس نے چچیرے بھائی کو اس نے موجودہ ملا کو۔ آئندہ ملا کا انتخاب موجودہ ملا اپنی زندگی کے آخری وقت میں کرتا ہے تمام بوہرہ قوم ہر قسم کا صدقہ زکوٰۃ کا روپیہ ملاء اعظم کے پاس بھیجتے ہیں وہ بیت المال میں داخل کرتے ہیں بیت المال سے تقسیم ملا صاحب کے حکم سے ہوتی ہے ۱۴ لاکھ سالانہ آمدنی کا اندازہ ہے (اس وقت کروڑوں روپیہ ہے) یہ لوگ اثنا عشری فرقہ سے اپنے آپ کو بہت دور سمجھتے ہیں۔ اور ان کا ذکر حقارت سے کرتے ہیں۔

نماز بارسال ید پڑھتے ہیں۔ سفر میں ظہرین اور مغربین کو جمع کرتے ہیں۔ حضر میں جمع بین الصلواتین جائز نہیں سمجھتے۔ دعائے قنوت صرف نماز صبح میں پڑھتے ہیں۔ اور کسی نماز میں نہیں۔ . . . عزا داری امام حسین کرتے ہیں۔ تعزیہ نہیں بناتے ہیں اسے بت پرستی سمجھتے ہیں۔ سینہ کوبی کا پہلے رواج تھا موجودہ ملا صاحب نے اس کی مخالفت کردی ہے مرثیہ پڑھنے کا رواج ہے مگر بہت کم زیادہ تر روایات پڑھی جاتی ہیں اور آنسوؤں سے رویا جاتا ہے آواز گریہ حرام ہے۔
تقیہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ التقیۃ دینی و دین آبائی کی روایت امام جعفر صادق

سے بیان کرتے ہیں ۔ متعہ کو حرام جانتے ہیں ۔

رویت ہلال کے پابند نہیں ۔ ہمیشہ ۳۰ یوم رمضان کے روزے رکھتے ہیں

حدیثہ :۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم کی صحت کے قائل ہیں
خلفائے راشدین کے نام ادب سے لیتے ہیں اپنے مذہب کی کتاب ملاء اعظم کی اجازت
کے بغیر کسی کو نہیں دکھاتے ۔ آخر میں قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ پنجاب میں اس
قوم کے مذہبی عقائد کم معلوم ہوتے ہیں اس لیئے میں نے مناسب سمجھا کہ جو کچھ
شیخ دادو بھائی، شیخ یوسف علی سورت والے کی زبان سے سنا درج سفرنامہ کر دیا جائے
(ص ۲۷۱ تا ۲۸۱)

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ راجہ سدھ راج جے سنگھ متوفی ۵۳۸ھ کے زمانہ میں
دو بوہرہ داعی عبداللہ اور محمد پٹن پہنچے ۔ انہوں نے راجہ کے باورچی کے طور پر ملازمت
کی اور اپنی تبلیغ سے راجہ کو مسلمان کیا جو بعد میں مرتد ہو گیا ۔ بوہروں کی تاریخ نوک
فلک میں لکھا ہے کہ جے سنگھ کو ہندی احمد نے مسلمان بنایا اور پھر راجہ کے وزیر بیار مل
اور تارمل بھی مسلمان ہو گئے ۔ ان کے بعد مشہور بوہرہ فاضل محمد علی کا نام کھمبایت
کے سلسلے میں ملتا ہے ان کا مزار آج بھی بوہروں کی مشہور زیارت گاہ ہے
عبدالرحیم خانخانان کے عہد میں بوہروں نے بڑی ترقی کی (رود کوثر ص ۳۳۸)

بہر حال ہندوستان میں ۴۷۰ھ میں دعوت اسماعیلیہ کا کام شروع ہوا ۔ ۹۴۶ھ
میں یمن کی طیبی دعوت کا مرکز احمد آباد میں منتقل ہوا اور یوسف بن سلیمان ان کا پہلا
داعی مطلق ہوا اسی سال یہ لوگ دروزیوں اور نزاریوں کی طرح الگ نظریات کے حامل ہوئے
ان میں دعوت کی صدارت کے اختلاف کی وجہ سے مختلف فرقے داودیہ سلیمانیہ
علیہ اور مہدی باغ پیدا ہو چکے ہیں ۔

برصغیر کے علاوہ کولمبو، سیام، سنگاپور، رنگون، عراق، حبشہ، زنجبار اور
دارالسلام میں بھی ان کی کافی تعداد موجود ہے یہ لوگ دروزیوں، باطنیوں، اسماعیلیوں
وغیرہ کی طرح ملکی سیاسیات میں حصہ لینے سے پرہیز کرتے ہیں ۔ اکثر تمام ہی تجارت پیشہ ہیں

دولتِ عبیدیہ پر تبصرہ :-

دولت عبیدیین ۲۷۰ سال تک قائم رہی۔ ان کی حکومت ایک غالی شیعی حکومت تھی۔ اور انہوں نے اپنی حکومت کے دوران میں اور اس سے پہلے بارہا اپنے علوی ہونے کے دعویٰ کیا مگر وہ نسباً ہرگز علوی نہ تھے۔ عبیداللہ کا دادا نسباً مجوسی اور ذات کا لوہار تھا (تاریخ الخلفا سیوطی) عبیداللہ نے ملک مغرب میں پہنچ کر علوی ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر علماء نسب نے اس کے دعوے کو ہرگز تسلیم نہیں کیا۔ تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ عزیز عبیدی نے اندلس کے اموی خلیفہ کے نام ایک خط میں ہجو و دشنام کے طور پر اس کے نسب پر اعتراض کیا تو اس کے جواب میں اموی خلیفہ نے لکھا کہ چونکہ تمہیں ہمارے نسب کے حالات معلوم تھے اس لئے تم نے ہجو کی ہے۔ اگر ہم کو تیرے باپ دادا کی حقیقت کا علم ہوتا تو ہم بھی ان کے متعلق کچھ لکھتے عزیز اس جواب سے سٹ پٹا کر رہ گیا۔ عبیدین کو لوگ عام طور پر فاطمین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بڑی جہالت اور غلطی ہے عبیدین اسماعیلی شیعہ تھے۔ انہیں کو باطنیہ بھی کہتے ہیں۔ انہیں کی ایک شاخ نزاری تھی۔ جن کا اولین حکمران حسن بن صباح تھا۔ انہیں فدائیوں کی حکومت بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی غیر علوی تھے اور مدت دراز تک مسلمانوں کے لئے ایک آفت بنے رہے دروزی بھی انہیں کی ایک شاخ ہے وہ بھی غیر فاطمی تھے۔

عبیدین کی حکومت میں ہزارہا محض اس لئے تختہ دار پر چڑھا دیئے گئے کہ وہ صحابہ کرام کو بُرا نہ کہتے تھے۔ ان لوگوں سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ یہ اول سے آخر تک اسلام کے لئے ایک خطرہ بنے رہے ان کا کوئی جنگی یا اخلاقی کارنامہ ایسا نہیں جس پر فخر کیا جا سکے۔ بعض علماء نے انہیں خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ ان میں سے بعض نے بڑے عجیب عجیب دعوے کیئے جو گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے عہد میں تمام محرمات شرعیہ کا کھلے بندوں استعمال رہا شراب نوشی عام رہی جبراً ہزاروں مسلمانوں کو اسماعیلی دعوت میں شریک کیا اور جبی نیا نکاح کیا

قتل کر دیا گیا۔

عبید اللہ کے متعلق دی غوری پھر کہتا ہے کہ اس نے یہود کے سامنے ایک مسیح نصاریٰ کے سامنے فارقلیط مسلمانوں کے سامنے ایک مہدی اور ایرانی اور شامی مشرکوں کے سامنے ایک فلسفیانہ مذہبی نظام پیش کر کے سب کو اپنے قابو میں لانے کی کوشش کی۔

مشہور مستشرق دیبی دلیسو کہتا ہے کہ اسماعیلی اصول فرقہ معتزلہ سے اخذ کئے گئے۔ جو منجملہ اور مسائل کے خدا کے اوصاف کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور عقیدہ اختیار کا قائل ہے۔

اسٹانلی لین پول کہتا ہے کہ فاطمی حکومت جو دو صدیوں تک مصر پر حکمران رہی اس کے خلفاء عیش پسند تھے۔ ان کی پالیسی میں بلند خیالات تھے نہ جوصلہ مند تجویزیں ان کا اثر ان کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ایک عالم شیعی تحریک کی وجہ تھا۔ جو بغیر ان کی رہنمائی کے جاری رہی۔

حلول۔ تناسخ۔ آسمانی حق موروثی حکومت وغیرہ کے عقیدوں کو ایران میں جیسی مقبولیت حاصل تھی ویسی مصر میں نہ ہو سکی شیعی فرقوں کے اکثر بانی ایرانی ہوئے ہیں۔

اسماعیلی مذہب کی دعوت کا طریقہ کار بالکل فری میسنری سے مطابقت رکھتا تھا۔ ان کی دعوت کی درجہ بندی کے نو درجے تھے اور پھر اندلس کے امویوں اور بغداد کے عباسیوں کا خوف ہمیشہ ان کے سروں پر مسلط رہا اس لئے انہوں نے باطنی عقائد کی دعوت مخصوص درجہ تک ہی محدود رکھی۔

المختصر یہ کہ مصر کی عبیدیہ حکومت کو اسماعیلی حکومت کہا جائے یا فاطمی۔ در اصل یہ ایک مجوسی تحریک تھی جس کا کام محض اسلام دشمنی تھا مگر اللہ تعالٰے نے ان کے شر سے اسلام کو محفوظ رکھا۔

اب آخر میں مشہور اسماعیلی فاضل ڈاکٹر زاہد علی مصنف تاریخ فاطمیین

مصر کا قول سن لیجئے۔

(نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں

فقیہ شہر سے وہ رند بادہ خوار اچھا)

فروعات میں اختلاف تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے اصول کچھ ایسے ایجاد کئے ہیں جو اسلامی اصولوں کے خلاف تھے مسلمان مورخ جنہیں ہم اہل ظاہر کہتے ہیں ہمارے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہمارا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ تو ہمارے اسماعیلی بھائی سنکر کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے دشمن ہیں لیکن بڑی اچنبھے کی بات ہے کہ مستشرقین جو ہم دونوں سے الگ ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اسماعیلیت اسلام سے الگ ہے شیعوں کو خلافت فاطمیہ مصر پر بڑا ناز ہے مگر مصری فاطمی سات اماموں کے قائل ہیں اور اثنا عشریہ بارہ اماموں کے قائل ہیں۔ اسماعیلی حج بیت اللہ سے مراد اپنے امام کی طرف متوجہ ہونا کہتے ہیں اور کعبہ کا سات بار طواف سات اماموں سے دوستی قرار دیتے ہیں۔ وقس علیٰ ہذا

اسماعیلیوں کی تمام شاخوں کی بنیادی عقائد ایک ہیں۔ قطع نظر اس بات کے کہ امام وقت اپنی موت کے وقت کسی ایک بیٹے کے لئے نص کرنے اور آسمانی حق اس کے حوالے کرنے کے اور اس عقیدہ پر سب کا ایمان لانے کے یہ لوگ وقتاً فوقتاً مختلف فرقوں میں بٹتے چلے گئے۔ اور ہر فرقے نے یہ دعویٰ کیا کہ ہمارا امام ہی سچا امام ہے مگر اس کے باوجود عبداللہ بن میمون القداح کی ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے اپنی اولاد کے لئے خواہ انہیں حکومت کے ساتھ سلطنت ملے یا نہ ان کی عیاشانہ زندگی میں فرق نہ آئے اس نے خدا کی قائم مقامی کا ایسا تصور اپنے متبعین کے دلوں میں ٹھونسا جو باوجود زمانے کی ہلاکت آفرینیوں اور سینکڑوں انقلابات کے آج تک نہیں مٹ سکا۔ چند اہم اصول یہ ہیں:۔

۱۔ امام اپنے حکم سے نہیں بلکہ خدا کے حکم سے اپنا خلیفہ مقرر کرتا ہے (جو الہام کے ذریعہ اُسے پہنچتا ہے)

۲۔ امام کے بعد اس کا بیٹا ہی خلیفہ ہوتا ہے خواہ شیرخوار یا نابالغ ہی ہو۔ اور اس کا متولی کفیل یا مستودع کہلاتا ہے۔

۳۔ امامت کا سلسلہ باپ کے بعد بیٹے میں دنیا کے ختم ہونے تک رہے گا ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے۔ اسی کی برکت سے زمین برقرار ہے ورنہ متزلزل ہو جائے۔

۴۔ امام معصوم ہوتا ہے۔ اس سے کوئی خطا سرزد نہیں ہو سکتی۔

۵۔ امام مذہبی اور سیاسی دونوں حکومتوں کا مالک ہوتا ہے۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔

۶۔ امام کبھی ظاہر ہوتا ہے کبھی مستور۔ ستر کے زمانہ میں اس کی نیابت داعی کرتے ہیں۔

۷۔ امام اپنے پیروں کے جان و مال کا مالک ہوتا ہے۔ ان کے متعلق جو حکم چاہے نافذ کر سکتا ہے۔

۸۔ قیامت کے دن قائم القیامۃ ظاہر ہوں گے۔

اقتباس: ظہور امام قائم القیامۃ کے تمام شیعہ فرقے قائل ہیں۔ اثنا عشری کہتے ہیں وہ حسن عسکری کے گھر پیدا ہو کر سرمن رائے میں پوشیدہ ہو چکے ہیں۔

طیبی بوہرے کہتے ہیں کہ وہ اکیسویں امام طیب کی نسل سے ہوگا۔

کیسانیہ کہتے ہیں وہ محمد بن حنفیہ کی اولاد سے ہوگا۔

نزاریہ کہتے ہیں۔ وہ نزار کی نسل سے ہوگا۔

باطلہ سربگریباں ہے اُسے کیا کہئے۔

اسماعیلیوں کے عقیدے کے مطابق قیامت کے دور کی ابتدا امام محمد بن اسمٰ

سے شروع ہوگئی - جو سابع النطقا اور سابع الرسل کہے جاتے ہیں - جن کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے اسلام کی ظاہری شریعت کو معطل کر دیا۔ اس کے بعد جو ائمہ ہوئے وہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ اب قائم القیامہ کے ظہور پر یہ تحریک تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔

(کتاب الادلہ والشواہد لجعفر بن منصور الیمن)

شخصیت پرستی کا جو اصول عبداللہ بن میمون القداح نے اپنی اولاد کے تعیش کے لئے وضع کیا اس کی نظیر تاریخ عالم میں ملنا محال ہے اسماعیلیوں کے علاوہ غالی حنفیوں میں بھی یہ مشرکانہ رسم انہیں کی دیکھا دیکھی پیدا ہوئی ہے اسماعیلیوں کا مشہور داعی ناصر خسرو لکھتا ہے کہ رسم ایشاں آن بود کہ ہر کجا سلطان بمردم رسیدے او را سجدہ کردند ے و صلواۃ دادند ے - عام لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جب خطبے میں امام کا نام آئے یا وہ کسی راستے سے گذرتا ہو تو سب لوگ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جائیں سجود کی رسم دولت فاطمیہ میں عام تھی۔ مصر کے داعی قاضی القضاۃ نعمان بن محمد نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

علی انہ لو سجد ساجد لولی من اولیاء اللہ اعظاما اللہ لم یکن ذالک بمنکر۔" یعنی اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کے سامنے سجدہ کرنا اللہ کی تعظیم ہے اور یہ منع نہیں" (کتاب الہمۃ فی اتباع الائمہ صفحہ ۱۱۰-۱۱۲)

(بریلویوں کو مبارک ہو۔ مؤلف)

اسماعیلی دعوت کو بارہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اس طویل مدت میں کئی سیاسی اتار چڑھاؤ ہوئے جس کی وجہ سے ان کے عقائد میں کئی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ہر فرقے نے علیحدہ اعتقاد اختیار کیا۔

اس وقت جو اسماعیلی ہیں ان میں سے دروزی امام کو خدا مانتے ہیں۔ نزاری صرف باطن کے قائل ہیں۔ اور داودی اور سلیمانی ظاہر و باطن دونوں کے پابند ہیں مگر ایک بات ان سب میں مشترک ہے۔ یعنی اسلام دشمنی۔

اب میں اس باب کو اسماعیلیوں کے عقائد کے خلاصہ پر ختم کرتا ہوں۔ ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں کہ آنحضرت کے دادا مولانا عبدالمطلب حضرت ابراہیم کی ذریت سے ہیں۔ آپ بھی حضرت ابراہیم کی طرح حضرت عیسیٰ کے دور میں مستقر امام تھے۔ یعنی آپ میں نبوت، امامت، وصایت اور رسالت چاروں مراتب جمع تھے۔ آپ نے اپنے دو فرزندوں یعنی مولانا عبداللہ اور مولانا ابوطالب کو خدا کے اور وحی کے الگ الگ رتبے دے۔ پہلے کو نبوت اور رسالت کے رتبے دے کر ظاہر دعوت کا قصد دیا اور دوسرے کو وصایت و امامت کا درجہ دے کر باطنی دعوت کا رئیس مقرر کیا۔ بحوالہ (ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام ص۲۲۱)

آنحضرت کو مولانا ابوطالب نے قائم کیا۔ یعنی آپ کو نبوت و رسالت کے رتبے سے سرفراز کرکے وصایت و امامت کے رتبے کے متعلق مولانا علی کو کفیل بنایا۔

کہ دستِ احمد نے کیا ہے اپنے بازو کو بلند
جب تو اونچا ہے نبوت سے امامت کا وقار

(ایضاً ص۲۲۲)

پانچواں باب

خلافتِ عباسیہ اور شیعہ

ہر تحریک خواہ مذہبی ہو یا سیاسی اپنے ابتدائی دور میں مخالفین کے خوف سے مخفی رکھی جاتی ہے۔ اسی طرح علویوں اور عباسیوں نے امویوں کے خوف سے اپنے مراکز مخفی رکھے۔ اور مختلف ملکوں میں اپنے داعی بھیجتے رہے علوی بار بار خروج کرتے رہے، قتل ہوتے رہے قید ہوتے رہے اور اپنی طاقت کھوتے رہے۔ مگر عباسی اس معاملہ میں دور اندیش ثابت ہوتے وہ اندر ہی اندر اپنی طاقت مضبوط کرتے رہے۔ بظاہر خاموش رہے۔ آخر ایک دفعہ دونوں قبیلوں کے سربرآوردہ افراد جمع ہوئے اور اپنے میں سے متفقہ طور پر خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ اس مجلس میں علویوں کی طرف سے ابوہاشم علوی متوفی ۹۸ھ بانی فرقہ ہاشمیہ اور عباسیوں کی طرف سے محمد متوفی ۱۲۵ھ بطور قائد شامل تھے۔ اس سے پہلے علویوں کی خلافت کے لیے دعوت دی جاتی تھی۔ اور تمام خفیہ مراکز میں جو داعی کام کر رہے تھے وہ علوی تھے یا عباسی بلا اختلاف علویوں کی خلافت کے لئے کام کر رہے تھے۔ مگر اس مجلس میں علوی مدعی خلافت عباسیوں کے وفد کے قائد کے حق میں دستبردار

ہوگیا [1]

عبدالمطلب

(۱)	ابو طالب		(۱) حضرت عباس رض
(۲)	حضرت علی رض	(۲)	حضرت عبداللہ رض
(۳)	محمد بن حنفیہ متوفی ۸۱ھ بانی فرقہ کیسانیہ	(۳)	علی
(۴)	ابو ہاشم عبداللہ متوفی ۹۹ھ بانی فرقہ ہاشمیہ حق امامت ←	(۴)	محمد متوفی ۱۲۵ھ
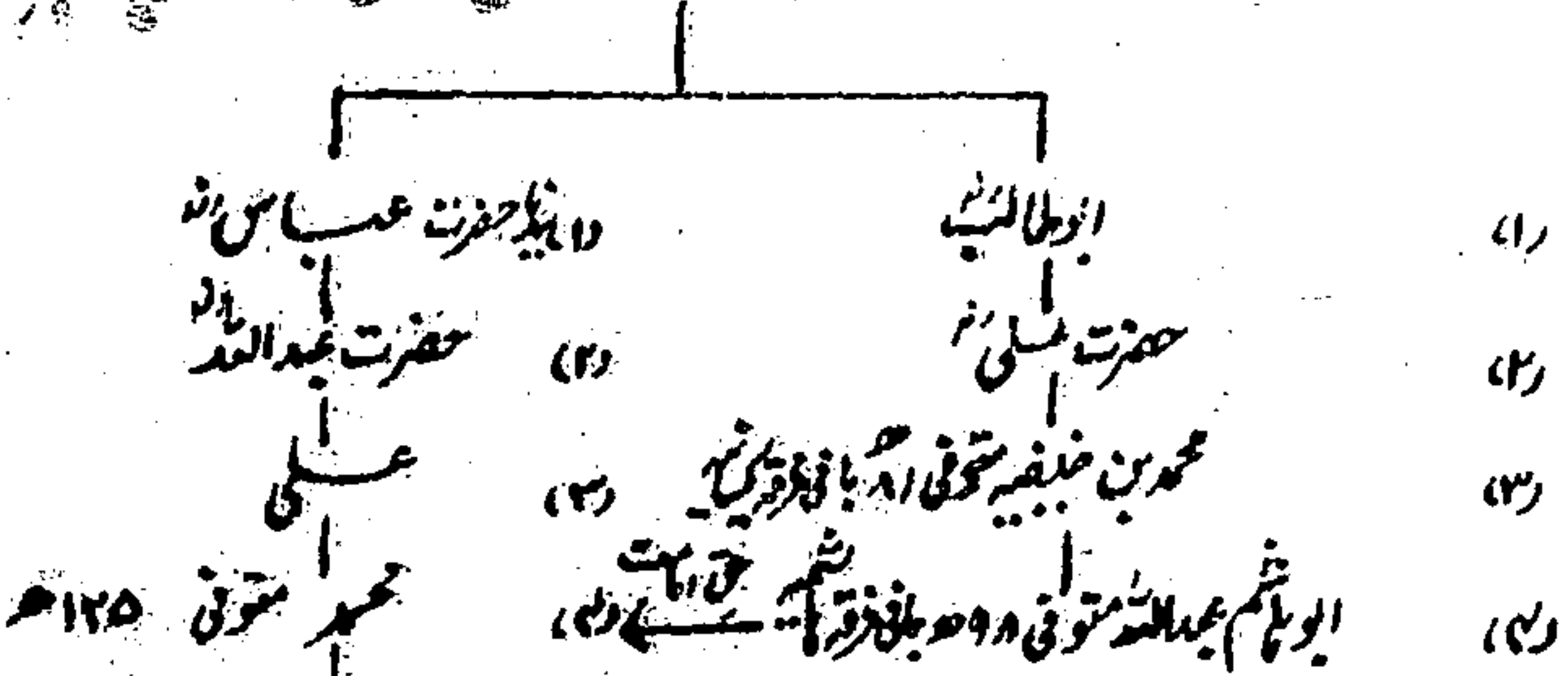
امیر المومنین عبداللہ السفاح ۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ — ابراہیم — منصور خلیفہ دوم ۱۳۶ تا ۱۵۸ھ

امام ابو ہاشم نے اپنا حقِ امامت اپنے خاندان والوں کو چھوڑ کر محمد کے حوالے کردیا۔ اور دعوت کے تمام اسرار و رموز اس کو سمجھا دئے (الفاطمیون فی مصر بحوالہ ۲۷ ص ۲۷۸)

گویا سب سے پہلے حضرت علی رض نے اصحاب ثلاثہ رض کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت بلافصل کے نظریہ کی تکذیب کی۔ پھر حضرت حسن رض نے معاویہ رض کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا پھر علی زین العابدین نے امیر یزید کو مدینہ کے خروج سے مطلع کر کے اس بات کا ثبوت دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوگیا ہوں۔ گویا علی زین العابدین رح نے یزید کی خلافت کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد ابو ہاشم نامزد خلیفہ نے سب کچھ محمد بن علی عباسی کے حوالے کردیا۔ کبھی شیعہ اصحاب نے ان باتوں پر غور کیا ہے۔

اس وقت ابو ہاشم نے جو کچھ کیا وہ علویوں کی رضا مندی سے کیا۔

---

[1] یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فاطمی مدعی خلافت غیر فاطمی کے حق میں خلافت دعوے سے کیوں دستبردار ہوگیا جبکہ خلافت منصوصی طور پر فاطمیوں کا حق ہے

بعد میں ان لوگوں کو اس بات کا بڑا رنج پہنچا۔ اور انہوں نے از سر نو اپنے طور پر مختلف ممالک میں اپنے داعی بھیجنے شروع کیئے۔

عباسیوں کو خراسان کی طرف سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور علویوں کو مغرب کے قطعے میں خراسان کے نومسلم اپنے آباؤ اجداد کی طرح نوروز اور مہرجان کی عیدیں مناتے تھے۔ جو آج تک شیعوں میں مروج ہیں۔

عباسیوں اور علویوں کی تحریکیں پہلو بہ پہلو جاری تھیں۔ مگر ان کے طریق کار میں نمایاں فرق تھا۔ عباسیوں کی تحریک ایک عوامی تحریک تھی ان کے پیچھے امویوں کی خلافت کمزور ہونے پر عوام کی طاقت کار فرما تھی۔ مگر ان کے مقابلہ میں علویوں نے جہاں کہیں سر اٹھایا ان کے کسی ایک خروج کرنے والے کو کبھی بھی عوام کا اعتماد حاصل نہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے چند بڑے ایرانی سرداروں کی لڑکیاں غلامی سے آزاد کرائی تھیں۔ اس لئے ایرانی ان کی اولاد کے ہمنوا تھے۔ مگر یہ محض ایجاد بندہ ہے۔

اور اگر اس بات کو بطور حقیقت کے ہی تسلیم کر لیا جائے تو عبد اللہ ابو ہاشم کا حق امامت محمد عباسی کے سپرد کر دینے سے جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔

بہر حال ایران کا علاقہ ذہنی طور پر اسلامی خلافت کا دشمن تھا اور وہاں زور شور سے یہ تحریک جاری تھی کہ خلافت اسلامیہ پر جس طرح ہو سکے ضرب کاری لگائی جائے۔ علوی اور عباسی تحریکوں کے داعیوں کے لئے ایرانی سرزمین عرب کی نسبت زیادہ کار آمد ثابت ہوئی۔ عباسیوں کی کامیابی کے وسائل زیادہ ایران سے ہی مہیا ہوئے۔

عباسی امام محمد کے مرنے کے بعد امامت کا منصب اس کے بیٹے ابراہیم کو ملا۔ امام ابراہیم نہایت دور اندیش اور تیز حس آدمی تھا۔ اس نے اس تحریک کو پہلے سے زیادہ وسیع اور باقاعدہ اصولوں پر قائم کر کے ہر ایک علاقہ کے لئے الگ الگ موزوں داعی مقرر کئے۔ اور نہایت نظم و ترتیب کے ساتھ عراق، خراسان

فارس، شام، حجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ میں اپنی تحریک کا ایک جال پھیلا دیا۔ امام ابراہیم کو خوش قسمتی سے ایک ایسا شخص مل گیا جس نے آئندہ چل کر بہت جلد اس سازش کو کامیابی تک پہنچانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ وہ شخص ابو مسلم خراسانی تھا۔ ابو مسلم کا نام ابراہیم بن عثمان بن بشار تھا۔ ایرانی النسل تھا۔ سات سال کی عمر میں اس کا باپ مر گیا۔ کوفہ میں عیسیٰ بن موسیٰ سراج سے چار جامہ دوزی کا کام سیکھتا رہا۔ عیسیٰ اپنے زین اور چار جامے لے کر خراسان، موصل اور جزیرہ میں فروخت کرنے کے لئے اکثر جاتا رہتا دراصل یہ شخص بنو ہاشم اور علویوں کا نقیب تھا۔ اور آخر گورنر کوفہ نے اسے قید کر دیا۔ ابو مسلم قید خانہ میں اس کے پاس جاتا رہا۔ قید خانہ میں اکثریت بنو ہاشم کے نقیبوں کی تھی۔ ابو مسلم اکثر ان سے بنو ہاشم کی باتیں سنتا۔ عیسیٰ قید سے آزاد ہوا تو اس کی ملاقات قحطبہ بن شبیب سے ہوئی جو ابراہیم کا مشہور داعی تھا۔ اس نے ابو مسلم کو جوہر قابل پا کر عیسیٰ سے مانگ لیا اور جا کر ابراہیم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ابراہیم نے ہی اس کا نام ابو مسلم رکھا۔

ان ہی دنوں میں یعنی ۱۳۰ھ میں حج کے موقعہ پر ایک بار پھر عباسی اور علوی نقیب اور داعی ایک مقام پر اکٹھے ہوئے۔ اس وقت اموی معمولی معمولی باتوں پر لوگوں کو گرفتار کرنے میں ذرہ بھر باک نہ سمجھتے تھے۔ اس مجلس میں پھر از سر نو غور شروع ہوا۔ ابو جعفر منصور عباسی نے نہایت چالاکی سے کہا کہ علی کی اولاد سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ اتفاق رائے سے محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی المعروف بہ نفس ذکیہ کو منتخب کر لیا گیا۔ اس وجہ سے شیعان علی زیادہ زور و شور سے کام کرنے لگے۔ اور ان کی یہ تمام کوششیں آخر عباسیوں کے حق میں مفید ثابت ہوئیں۔

ادھر ابو مسلم خراسانی کو اپنے امام کی طرف سے اعلانیہ دعوت کا حکم مل گیا ادھر محمد نفس ذکیہ کو آگے بڑھایا گیا۔ ادھر ابو مسلم نے ۱۳۰ھ میں خروج کرا دیا۔ خراسان میں جتنے شیعان علی تھے سب اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

ان ہی ایام میں عبداللہ بن معاویہ[1] بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کوفہ میں لوگوں سے اپنی بیعت لینے کی طرح ڈال چکے تھے غرضیکہ عجیب انتشار کا وقت تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ امام ابراہیم گرفتار ہو کر حمیمہ کے مقام پر فوت ہو گئے۔ اس وقت ان کے تینوں بھائی عبداللہ سفاح۔ ابوجعفر منصور اور عبدالوہاب موجود تھے۔ انہوں نے گرفتاری کے وقت عبداللہ سفاح کو اپنا جانشین منتخب کیا۔

خراسان میں ابومسلم کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور کوفہ میں ابوسلمہ کی۔ ابوسلمہ بظاہر عباسیوں کا نقیب تھا۔ مگر درپردہ علویوں کا حامی تھا۔ اُس نے امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن زین العابدین بن حسین بن علی کو خروج کے لئے بلایا۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا (گویا شیعوں کے پانچویں امام کو بھی شیعوں کے ان مزعومہ عقائد سے اتفاق نہ تھا۔ خلافت بلا فصل کے قائل غور کریں للمؤلف) عبداللہ سفاح موقعہ کی تاک میں تھا۔ وہ فوراً کوفہ پہنچا۔

کوفہ میں اب دو قسم کے لوگ موجود تھے۔ عباسیوں کے طرفدار اور علویوں کے طرفدار۔ ابوسلمہ وزیر آل بیت کے نام سے مشہور تھا۔ وہ عبداللہ سفاح سے مہمان نوازی کے لوازم و شرائط سے پیش آیا۔ علوی یہاں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کو بعض بنو امیہ نے مجبور کیا کہ ابوسفاح کے ممد و معاون بن جاؤ۔ آخر ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو لوگوں نے مجتمع ہو کر عبداللہ سفاح کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اُسے ہمراہ لے کر دارالامارۃ میں داخل ہو گئے۔

عبداللہ سفاح کے خلیفہ بنتے ہی علویوں میں ہلچل مچ گئی۔ بہت سے شیعان علی[2] اس بات کے قائل ہو گئے کہ عبداللہ سفاح ہی سچے امام ہیں۔ ابوسلمہ بھی

---

[1] یہ معاویہ جعفر طیار کا پوتا ہے اس نام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ علوی اور عباسی یا اموی نزاع صرف حصول سلطنت کی نزاع تھی۔

اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ سفاح نے تمام حالات لکھ کر خراسان میں ابو مسلم کے پاس بھیج دیئے۔ ابو مسلم نے مرار نامی ایک آدمی کے ذریعہ ابو سلمہ کو قتل کرا دیا۔ بلکہ ہر اُس شخص کو قتل کرا دیا جس نے معمولی سی مخالفت بھی کی۔

یہاں سے ملت اسلامیہ کے اُس المیہ کا آغاز ہوتا ہے جس نے ایران کی تہذیب تمدن۔ معاشرت اور ثقافت کو باقی اسلامی ممالک سے بالکل الگ تھلگ کر دیا۔ ورنہ جس طرح آج مراکش کے مغربی ساحل سے لے کر دجلہ و فُرات کے کناروں تک تمام تہذیب عربی رنگ میں رنگی ہوئی ملتی ہے اسی طرح ایران کی زبان اور معاشرت بھی عربی ہوتی مگر ابو مسلم اور قحطبہ بن شبیب اور دوسرے داعیان اہلبیت نے خراسان کے شہروں میں امام ابراہیم کے ارشاد کے مطابق کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ چھوڑا۔ علویوں اور عباسیوں کے خیال کے مطابق بنو اُمیہ کے طرفدار خراسان میں وہی لوگ تھے جو نا تجا نہ خراسان میں سکونت پذیر تھے اور ان کی ہمدردیاں لازمی طور پر امویوں کے ساتھ تھیں۔ چونکہ امویوں کی وجہ سے ہی ان ممالک میں عباسیوں اور علویوں کو بھی وقار ملا تھا۔ اس لئے شروع میں عباسی اور علوی اور ان کے داعی امویوں سے صرف نظر کرتے رہے۔ مگر جب امر خلافت ان کے ہاتھ پر منتقل ہو گیا اور انہوں نے چاہا کہ ہم ان عجمی قبائل سے کام لیں تو علویوں کی خفیہ دعوت نے ابو مسلم کے ہاتھ سے صرف امویوں کا ہی نہیں بلکہ تمام عربوں کا قلع قمع کرا دیا۔ چونکہ علویوں کو یہ خطرہ بھی پیدا ہو چکا تھا کہ یہ عربی قبائل شاید اب امویوں کی طرح عباسیوں کا ساتھ نہ دیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کثیر التعداد عربی قبائل جو اس ملک کی زبان۔ معاشرت اور تمدن کو عربی بنانے میں کامیابی حاصل کر رہے تھے سب کے سب قتل ہو گئے۔ اور عربی عنصر جو تمام ملک کو اپنا ہم رنگ بنا رہا تھا یک لخت مغلوب، بے اثر اور ناپید ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ایرانی زبان، ایرانی تمدن، ایرانی معاشرت اور ایرانی اخلاق مرتے مرتے پھر زندہ ہو گئے۔ اور ایران اور خراسان جو مصر وغیرہ کی طرح

آج عربی ممالک ہوتے بجائے فارسی ملک بن گئے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ انکی ہمسائیگی کی وجہ سے افغانستان اور موجودہ مغربی پاکستان بھی عربی ملک ہوتے۔ ابومسلم اب اپنے آپ کو خلافت عباسیہ کا بانی اور خلیفہ سفاح کا سرپرست سمجھتا تھا۔ حالات کے تحت عبداللہ سفاح کے دل میں کچھ کھٹکا پیدا ہو گیا تھا چونکہ اندرون ملک اب عباسیوں کے خلاف علویوں نے سازشیں شروع کر دی تھیں جس طرح امویوں کے خلاف کرتے رہے۔ امیر معاویہ اور ان کے جانشین علویوں سے خروج کرنے والوں کو دباتے رہتے اور قتل کرتے رہے اور مال و دولت کے ذریعہ ان میں سے بعض کے منہ بند کرتے رہے۔ اسی طرح سفاح نے بھی علویوں کو مال و دولت کے ذریعہ خاموش رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

سفاح کو جب کوفہ میں خلیفہ بنایا گیا تو عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی اور دوسرے علوی کوفہ میں آئے اور کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ خلافت جو ہمارا حق تھا اس پر تم نے قبضہ کر لیا ہے۔ یہ وہی عبداللہ تھا جس کے ہاتھ پر ۱۳۱ھ میں ابوجعفر منصور اور دیگر عباسیوں نے مکہ میں بیعت کی تھی سفاح نے عبداللہ کو دس لاکھ درہم قرمن سے کر پیش کر دیئے۔ عبداللہ ابھی رخصت نہ ہوئے تھے کہ مروان بن محمد کے قتل کی خبر پہنچی اور بہت سا قیمتی مال مثل جواہرات و زیورات کے بھی سفاح کے پاس پہنچا۔ وہ سب مال بھی سفاح نے عبداللہ کو پیش کر دیا۔

خلافت بلافصل کے مدعی یہاں بھی غور کریں کہ ان کے آئمہ کس طرح بار بار حق امامت کو فروخت کرتے رہے۔ عباسیوں کا کام اب مستقل ہو گیا تھا۔ سفاح کے مرنے کے بعد المنصور خلیفہ بنا تو اس نے ابومسلم کو دھوکے سے بلا کر قتل کرا دیا۔ ابومسلم کے قتل کے بعد ایرانیوں کے دلوں میں آتش انتقام بھڑک اٹھی انہوں نے سنباد نامی ایک مجوسی کو آگے بڑھا کر نیشاپور اور رے پر قبضہ کر لیا۔ سنباد نے اعلان کیا کہ میں کعبہ کو گرا دوں گا۔ ایرانی نومسلم اس

تحریک سے متاثر ہو کر اُس کے ساتھ ہو گئے کہ ہماری قوم کا ایک شخص سلطنت اسلامی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ مگر سنباد بگولے کی طرح اُٹھا اور عباسیوں کے سامنے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور بھاگ کر کہیں روپوش ہو گیا۔ اس کے بعد ایران سے ایک اور گروہ اٹھا یہ بھی ابومسلم کے قتل کے قصاص میں اُٹھے۔ انہیں راوندیہ کہتے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں وہ بھی شیعوں کے فرقوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ منصور میں خدا نے حلول کیا ہے۔ یہ بھی ختم کر دیئے گئے

سفاح کے مرنے کے بعد منصور نے خلیفہ بننے پر علویوں سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جب ان لوگوں کو محسوس ہونے لگا کہ ہمیں کسی طرح کوئی مال نہیں ملے گا تو انہوں نے محمد بن عبد اللہ کو آگے بڑھایا۔ عباسی خلیفہ کے حکم سے محمد بن عبد اللہ کے تمام رشتہ دار قید کر دئے گئے جن میں ان کا باپ بھی تھا۔

یہ لوگ ۱۴۴ھ تک مدینہ میں قید رہے ۱۴۵ھ میں محمد مہدی کی خفیہ دعوت نے خراسان میں ہلچل مچا دی۔ منصور نے محمد بن عبد اللہ بن عمرو[1] بن عثمان کو قتل کر کے ان کا سر خراسان بھیج دیا۔ اور خراسان والوں کو حلفاً یقین دلایا کہ یہ سر محمد بن عبد اللہ نفس ذکیہ کا ہے۔ اس دھوکے میں آکر وہ لوگ خروج سے رک گئے۔

اس کے بعد تمام علویوں کو قتل کرا دیا۔ حتیٰ کہ محمد بن ابراہیم بن حسن یعنی نفس ذکیہ کے چچا زاد بھائی کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ الغرض عباسی خلیفہ نے نہایت شقاوت سنگدلی اور بے رحمی سے علویوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ امویوں کے یک صد سالہ دور میں یہ شقاوت کہیں دیکھنے میں نہیں آئی جو عباسیوں نے کر دکھائی۔ منصور کا یہ قتل علویین جرم و گناہ کے اعتبار سے یزید بن معاویہ کے درِ قتل حسینؓ سے بہت بڑھ چڑھ کر نظر آتا ہے۔ آئمہ اربعہ میں سے امام مالک نے مدینہ میں محمد مہدی کی

---

[1] یہاں بھی عمرؓ اور عثمانؓ کے ناموں پر شیعہ غور کریں۔

بیعت کرنے کی لوگوں کو دعوت دی ۔ ان کو کوڑوں سے پٹوایا گیا ۔ امام ابو حنیفہ نے کوفہ میں ابراہیم بن عبد اللہ کی حمایت میں فتویٰ دیا ۔

آخر محمد مہدی نے جب دیکھا کہ تمام علوی قتل کر دیئے گئے تو وہ خروج پر مجبور ہوئے اور قتل ہو گئے ۔

اب یہاں ایک امر قابل غور ہے کہ اگر تمام عالم اسلام نے منصور کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا تو کیا امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا ان کی خلافت کے خلاف فتویٰ دینا بغاوت پر محمول نہیں کیا جائے گا ؟ اور اگر سفاح اور منصور خلفائے حق نہیں تھے تو ان کے ہاتھ پر پہلے بیعت ہی کیوں کی گئی تھی ؟ کاش کہ دینی نقطۂ نگاہ سے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جاتا اور تاریخ اسلام کو اس انداز سے مرتب کیا جاتا کہ آج فرقہ بندی کا یہ تشدد آمیز کابوس ان کے سروں پر سوار نہ ہوتا ۔ جو کتاب و سنت سے بیگانہ ہو کر چند فلاں و فلاں کے چکر میں گرفتار ہیں ۔ تحقیقی نقطۂ نظر سے امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی یہ بیعت محل نظر ہے ۔

آئے روز کی بغاوتوں ، سازشوں اور [illegible] تخریبی کارروائیوں سے متاثر ہو کر آخر عباسیوں نے اپنی سلطنت مضبوط کرنے کے لیے فتنہ خلق قرآن کی طرح ڈالی ۔ عباسیوں کا تیسرا خلیفہ المہدی ۱۵۹ھ تا ۱۶۹ھ اور چوتھا خلیفہ الہادی ۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ ان ہی ریشہ دوانیوں کی سرکوبی میں الجھے رہے ۔ آخر ہارون الرشید کی باری آئی ۔ اسے بلا مزاحمت معلوم دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہی حاصل ہوئی تھی ۔ اس کے زمانہ تک حکیم مقنع ، نقیب یحییٰ بن زید ، حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ ، خروج کر چکے تھے ۔ [illegible] ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد برمک کو اپنا وزیر اعظم بنایا ۔ یہ لوگ ایران کے مجوسی آتشکدہ نوبہار بلخ کی اولاد میں سے تھے ۔ ان لوگوں کو ایران کے شہنشاہ کی بربادی اور اپنے کسی بڑے منتقمانہ جذبات ورثہ میں ملے تھے ۔ ۸۶ھ میں قتیبہ بن مسلم نے بلخ پر چڑھائی کی ۔ چند لونڈیاں گرفتار ہوئیں ۔ ان میں برمک دوم کی بیوی

حضرت ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا علویوں کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ ان [illegible] نہ امویوں اور عباسیوں کی خلافت قرار دیتے تھے [illegible] کا عقیدہ رکھتے تھے ان [illegible] کو اپنی کتابوں میں بگاڑ دیا ہے ۔

بھی تھی ۔ یہ عورت عبد اللہ بن قتیبہ کے حصے میں آئی ۔ مگر عبد اللہ کو عورت واپس کرنی پڑی ۔ اس وقت وہ حاملہ تھی ۔ اس سے لڑکا پیدا ہوا کا نام خالد رکھا گیا ۔

خالد متوفی ۱۶۳ھ
یحییٰ
فضل — جعفر برمکی

خالد امام ابراہیم عباسی کا مشہور نقیب ابو مسلم خراسانی کا دست راست تھا ۔ خالد ترقی کرتے کرتے خلیفہ مہدی کا اتالیق بن گیا ۔ اس نے اور اس کے بیٹے یحییٰ نے اپنی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے انقلابات دیکھے وہ اپنے باپ دادا کی بربادی اپنے خاندانی احترام اور ایرانی شہنشاہی کے افسانے نہایت عقیدت اور حسرت سے سن چکا تھا ۔ وہ اپنے آپ کو قوم کا نمائندہ اور پیشوا سمجھتا تھا ۔ انقلابات زمانہ نے اُسے نہایت محتاط بنا دیا تھا ۔ یحییٰ کو ہارون کی اتالیقی کا مرتبہ مل گیا ۔ یحییٰ اس قدر چالاک تھا کہ اُس نے ہادی کی ماں خیزران کو بیٹے کا دشمن بنا کر ہادی کو ماں کے ہاتھ سے قتل کرا دیا اس نے نہایت چالاکی مگر غیر محسوس انداز سے تمام ملکی عہدے اپنے بھائیوں بھتیجوں اور ہم خیال ایرانیوں کے حوالے کر دیئے ۔ فضل کو مدد میں خراسان کی گورنری مل گئی ۔ یحییٰ کے مرنے کے بعد جعفر نے تمام عہدوں اور تمام صیغوں پر پورا تسلط جما لیا ۔ آل برمک نے اپنا دست سخاوت اس حد تک دراز کیا کہ لوگ حاتم کو بھول گئے ۔

آہستہ آہستہ ہارون کے کانوں میں یہ بھنک پڑنا شروع ہوئی کہ آل عباسیوں سے خلافت چھین کر علویوں کے سپرد کرنا چاہتے ہیں ۔ مگر ہارون ثبوت چاہتا تھا ۔ آخر وہ موقع بھی جلد ہی مل گیا ۔

محمد مہدی کے قتل کے وقت ادریس اور یحییٰ پسران عبداللہ بن حسن
ار محمد مہدی فرار ہو گئے تھے۔ ادریس نے بلاد مغرب میں پہنچ کر سلطنت
بیری بنیاد رکھی۔ یحییٰ بن عبداللہ نے دیلم میں خروج کیا۔ مگر گرفتار ہو گیا
ن نے یحییٰ بن عبداللہ جعفر کے حوالے کیا کہ اسے نظر بند رکھا جائے
نے یحییٰ کو آزاد کر دیا۔ اگر کبھی ہارون یحییٰ کے متعلق جعفر سے پوچھتا
جواب دیتا کہ یحییٰ نظر بند ہے۔ اسی زمانہ میں آل برمک کے ہاں مجوسی
ن نو مسلموں کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی جس میں کسی نے کہا کہ ابو مسلم نے
قابلیت سے سلطنت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کر دی
ر نے جواب دیا یہ کوئی قابل تعریف کام نہ تھا۔ کیونکہ چھ لاکھ آدمیوں کا
بہا کر سلطنت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کرنا کوئی
نہیں۔ خوبی یہ ہے کہ سلطنت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں
قل ہو جائے لیکن کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ اس مجلس کی کاروائی کسی
ہارون تک پہنچ گئی۔ اس نے جعفر سے ایک روز پھر یحییٰ کے متعلق
یا۔ جعفر سے انکار نہ ہو سکا اور اس نے کہہ دیا کہ میں نے اسے بے ضرر
کر چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت ہارون خاموش ہو گیا۔ اور حج کے ارادے
دارالخلافہ سے روانہ ہوا۔ انبار کے مقام پر پہنچ کر جعفر کو قتل کرا دیا۔
پھر تمام خاندان برآمکہ کا خاتمہ کر دیا۔ اگر ہارون اس وقت دور اندیشی
کام نہ لیتا تو امر خلافت یقیناً عباسیوں کے ہاتھ سے نکل کر برآمکہ کے
بعد علویوں کی طرف منتقل ہو جاتا۔

اسی زمانہ میں بشر بن عباد السلمی اور ابن ابی داؤد کی قسم کے لوگوں
عباسی خلفا نے سرپرستی شروع کی جنہوں نے خلق قرآن کی بدعت جاری کی
ی زمانہ میں اسماعیلیوں نے اخوان الصفا کے نام سے رسائل لکھے۔ اسی زمانہ
امام احمد بن حنبل چٹان بن کر اس بدعت کے سامنے سینہ سپر ہوئے

اسی زمانے میں عبدالعزیز الکنانی مکہ سے چل کر بغداد پہنچے اور اپنے محسن کو ہمراہ لے کر اس بدعنت کے مدعیوں کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا۔

دین میں اندھی عقلیت کی چیستانی کاوشوں کا ظہور اسی دور میں اور اگر ذرا غور سے اس بات کا جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آئے گا حق پرست گروہ کا ایک حصہ جنگ صفین سے ہی گوشہ نشین چلا آ رہا تھا وقت گزرتا رہا۔ کہیں سے قیاس و اجتہاع نے سر نکالا۔ کہیں سے فلاں بلا فصل کے عقیدہ کے خنجر مشوشہ نے اپنے برگ و بار سے دین حق ڈھانپنے کی کوشش کی۔ آج ایک کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ کل بیعت کو فسخ کر کے دوسرے کے ہاتھ پہ بیعت کی جا رہی ہے۔

علم و یقین کے ان ٹھیکیداروں نے عوام کو تو کالانعام کہہ کر اس درخور اعتنا ہی نہ سمجھا مگر ان بزرگان عظام کے زاہد و متقدر بھی اپنا دامن کو ان آلودگیوں سے نہ بچا سکے۔ ابومسلم خراسانی ہوا یا آل برمک جیسے دین و ملت کے دشمن۔ امام ابوحنیفہ جیسے قیاس و رائے کے پیغمبر یا موطا جیسی اہم ترین حدیث کی کتاب کے مصنف، خلافت و ملوکیت اسلامی نظریہ سمجھنے سے وہ بھی قاصر رہے۔ ایک صاحب فراست آدمی اس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ذہنی انتشار یہ قتل و غارت یہ تباہیاں اور بربادیاں سب کتاب و سنت سے بیگانگی اور دوری کا نتیجہ تھیں اس سٹیج پر اموی اگر اس ملت کے غسال اول تھے تو عباسی کفن تھے۔ قیاس و رائے کے پیغمبر گورکن تھے تو علوی جنہوں نے دین میں تشتت کی طرح ڈالی تھی ——— فاتحہ خوان ——— اور آخر وہ سلطنت عباسیہ کو بھی لے ڈوبے۔

شیعہ داعی ایران میں واقعات کربلا بیان کر کے لوگوں کو ہم خیال بنا کر اصفہان کے ذریعے اموی اور عباسیوں کے خلاف زہر بھرتے

خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں کہ

ایران کے اسماعیلیوں میں بہت سے ایسے فرقے پیدا ہو گئے تھے جو حضرت علی کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھتے تھے۔ اور عجیب عجیب عقائد حضرت علی اور خاندان نبوت کے متعلق ان میں پھیل گئے تھے۔ اس کے علاوہ ایران کے قدیمی مذہب زردشتی وغیرہ نے مل کر فاطمی داعیوں نے ایران کے اندر اسلام کی بالکل نئی صورت بنا لی تھی۔ اور وہ ایسی صورت تھی جو ایران کے مذہبی عقائد سے بہت مشابہت رکھتی تھی۔ اس واسطے ایرانیوں نے بہت جلدی شیعیت قبول کر لی۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے مگر زردشتی عقائد اور شیعہ نقیبوں کے عقائد کا ملغوبہ تھے۔

(فاطمی دعوت اسلام ص۱۹)

یہ پیریڈ ہے

عباسی خلافت عبداللہ السفاح ۱۳۲ تا ۱۳۶ھ سے لے کر آخری خلیفہ المتقی باللہ عباسی ۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ تک محیط ہے۔ ۱۳۲ھ سے لے کر ۳۴۳ھ یعنی ۲۱۱ سال کے طویل دور میں اکیس خلفاء تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس عرصہ میں سینکڑوں علوی اور غیر علوی خروج کرتے رہے ان میں سے بعض قتل ہوئے بعض قید ہوئے اور قید میں مر گئے۔ ابو مسلم خراسانی، اور آل برمک نے اس دور میں خلافت بنو عباس سے چھین کر بنو فاطمہ کی طرف منتقل کرنے کی کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔ اور اکثر شیعی تحریکیں یا تو بالکل زیر زمین رہیں یا ابھرتے ہی ختم کر دی جاتی رہیں۔ اس لحاظ سے یہ ۲۱۱ سال کا زمانہ خالص عباسی خلافت کا زمانہ رہا۔ المتقی باللہ پہلا بد نصیب عباسی خلیفہ ہے جس کے زمانے میں ۳۲۴ھ میں خراسان سے ابن بریدہ نامی ایک شیعہ ماہی گیر نے خروج کیا۔ اور بغداد میں داخل ہوا۔ المتقی باللہ سے پانچ لاکھ دینار

وصول کرے۔ اور واپس چلا گیا اس رقم سے اُس نے واپس اپنے مستقر پر پہنچ اپنی طاقت مضبوط کی اور ربیع الاوّل ۳۳۰ھ میں دوبارہ بغداد پر حملہ آور ہوا المتقی معہ اپنے وزیر ابن رائق اور ولی عہد ابو منصور کے موصل کی طرف بھاگ گیا۔ بریدی کے ساتھ اس غارت گری میں قرمطیوں نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ شرفائے شہر کو اذیت ناک سزائیں دیں شاہی خاندان کے لوگوں پر تشدد کر کے خزانے برآمد کرائے۔ علمائے کرام، شرفائے شہر کو یا قتل کر دیا جیل خانوں میں بند کر دیا۔ عصمتیں لوٹی گئیں غرضیکہ جو ہو سکا اس نے کیا مگر ابھی وہ مکمل طور پر سنبھلنے نہ پایا تھا کہ خلیفہ موصل سے ایک فوج لے کر پہنچ گیا۔ بریدی کو شکست ہوئی اور بھاگ گیا۔ المتقی اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا۔ اور تھوڑے دنوں میں مر گیا۔

آل بویہ :۔

اس کے بعد المستکفی باللہ سریر آرائے خلافت ہوا۔ بریدی کی غارت گری سے بغداد ابھی سنبھلنے نہ پایا تھا کہ اہواز سے ایک اور طوفان اُٹھا ۳۳۴ھ احمد بن بویہ ایک ماہی گیر نے معز الدولہ کا لقب اختیار کر کے بغداد پر حملہ کر دیا یہ تین بھائی تھے۔ احمد، حسن اور علی۔

احمد نے معز الدولہ، حسن نے رکن الدولہ اور علی نے عماد الدولہ کا لقب اختیار کیا۔ احمد بغداد پر حملہ آور ہوا حسن نے اصفہان اور طبرستان پر حملہ کیا اور اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی علی فارس پر قابض اور متصرف ہو گیا۔ احمد معز الدولہ نے بغداد پر متصرف اور قابض ہو کر خلیفہ کو ایک طرح سے نظر بند کر دیا۔ اور تمام حکومت پر قبضہ کر لیا اپنے نام کے سکے مسکوک کرائے۔ اُسے شک گذرا کہ خلیفہ اس کے خلاف سازش کر رہا ہے سرِ دربار اپنے درباریوں سے خلیفہ کو گرفتار کر کے گھسیٹتے ہوئے منگوایا۔ اور اُسے اندھا کر کے نظر بند کر دیا یہ واقعہ جمادی الاوّل ۳۳۴ھ کا ہے۔

۳۳۴ھ میں المنصور باللہ مصر کے تخت خلافت پر بیٹھا۔

یہ ماہی گیر خاندان جو آگے چل کر دیلمیوں کے نام سے مشہور ہوا غالی قسم کا شیعہ خاندان تھا۔ معزالدولہ عصبیت میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ المستکفی کو قید کرنے کے بعد اس نے چاہا کہ کسی علوی کو تخت خلافت پر بٹھائے۔ مگر اس کے مشیروں نے اسے اس ارادہ سے باز رکھا۔ کہ اگر خلیفہ کوئی علوی ہوا تو آپ کی نسبت لوگ علوی خلیفہ کی زیادہ عزت کریں گے اور دیلمیوں پر جو آپ کا اثر ہے جاتا رہے گا۔ بہتر ہے کہ کسی عباسی کو ہی تخت خلافت پر بٹھایا جائے تاکہ شیعہ اسے غیر مستحق خلافت سمجھ کر آپ کی عزت کرتے رہیں۔ چنانچہ ابوالقاسم فضل بن مقتدر کو بلا کر مطیع اللہ کے لقب سے ۳۳۴ھ میں خلافت کے تخت پر بٹھایا گیا۔[1]

۳۳۸ھ میں معزالدولہ نے خلیفہ مطیع سے ایک حکم لکھوایا کہ علی بن بویہ عمادالدولہ اپنے بھائی معزالدولہ کے ساتھ کام کرے گا اور عہدہ سلطانی میں شریک رہے گا۔ عمادالدولہ کے مرنے کے بعد رکن الدولہ کو یہ عہدہ ملا۔

۳۳۹ھ میں حجر اسود پھر خانہ کعبہ میں لا کر نصب کیا گیا۔ یہ بھی اس لئے ہوا کہ اب شیعہ مطمئن ہو چکے تھے کہ تمام عالم اسلام ایک طرح سے ہمارے قبضہ میں آچکا ہے۔ اب حجر اسود کو کعبہ میں پہنچا دیا جائے۔ اور یہ بات ہمارے حق میں زیادہ مفید رہے گی ۳۴۱ھ ایک اور شیعہ گروہ کا ظہور ہوا یہ لوگ تناسخ کے قائل تھے۔ ایک شخص نے دعوائے کیا کہ علی کی روح نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ اس کی بیوی نے دعویٰ کیا کہ فاطمہ کی روح مجھ میں حلول کر گئی ہے

---

[1] :- بغداد کی سلطنت فارس، اصفہان اور طبرستان پر تین شیعہ بھائی حکمران ہیں اور حکومت اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ حق حقدار کو پہنچایا جائے یعنی خلافت علویوں کو لوٹائی جائے مگر حکومت حاصل کرتے ہی علویوں سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ کیا فرماتے ہیں شیعہ مجتہدین اس مسئلہ خلافت بلافصل میں

ان کے ایک مبشر نے دعویٰ کیا کہ مجھ میں جبرائیل کی روح ہے۔ ان دعویداروں کو معز کر لوگوں نے ان کو مارنا پیٹنا شروع کیا مگر معز الدولہ نے فوراً لوگوں کو ان کی ایذا رسانی سے روک دیا اور ان کی تعظیم اور ادب کا حکم دیا اور کہا کہ یہ لوگ چونکہ اپنے آپ کو اہل بیت کہتے ہیں اس لئے ان کی تعظیم لازمی ہے[1]

معز الدولہ کی لعنتی کاروائیاں

۳۵۱ھ میں معز الدولہ نے جامع مسجد بغداد کے دروازے پر (نعوذ باللہ من ذالک نقل کفر، کفر نباشد) یہ عبارت لکھوائی۔

لعن اللّٰہ معاویۃ بن سفیان ومن غضب فاطمہ فدک ومن منع عن دفن الحسن عند جدہ ومن نفی اباذر ومن اخرج العباس عن الشوریٰ

اسی سال ۱۸ ذی الحج کو بغداد میں عید منانے کا حکم دیا گیا اور اس کا نام عید غدیر رکھا۔ خوب ڈھول بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں چونکہ اس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تھے۔ احمد بن بویہ معز الدولہ کی یہ ایجاد آج تک شیعوں میں مروج ہے۔ اور شیعہ اسے عید الاضحیٰ سے بھی بلند مقام دیتے ہیں۔

۳۵۲ھ میں ۱۰ محرم کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم میں تمام دوکانیں بند کرا دی گئیں تمام سلطنت میں ماتمی لباس پہننے کا حکم دیا عورتوں کو حکم دیا کہ بال کھول کر چہروں کو سیاہ کر کے کپڑے پھاڑتی ہوئی سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی منہ نوچتی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں۔ شیعہ ان احکام سے بڑے خوش ہوئے مگر سنی دم بخود رہ گئے

---

[1] آج بھی متعدد مقامات پر غالی شیعی پاستانی نے مرد و عورت کئی مقامات پر اس قسم کے دعوے کرتے دیکھے گئے ہیں کہ ہم میں فلاں بزرگ کی روح حلول کر گئی ہے اور عوام کالانعام ان کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس تعظیم کا وہ بزرگ زندگی میں حقدار تھا۔

اگلے سال پھر یہی حکم دیا گیا اور اعلان کیا کہ تمام سُنی شریک ہوں ۔ اس پر شیعہ سُنی فساد ہو گیا ۔ بڑی خونریزی ہوئی ۔ اس کے بعد شیعوں نے تعزیہ داری کو شعائر اسلام کا درجہ دیا ۔ عباسی خلیفہ کا نام خطبہ سے نکال دیا ۔ اور فاطمی خلیفہ کا نام پڑھنے کا حکم دیا ۔ حیرانی کی بات ہے کہ پاک بھارت میں سُنی بھی تعزیہ داری میں اسی طرح شرکت کرتے ہیں جس طرح معز الدولہ نے یہ بدعت جاری کی تھی ۔ معز الدولہ کے بعد اس کا بیٹا عز الدولہ اس کا جانشین ہوا ۔ وہ روپیہ دھول کرنے کے لئے اہواز گیا ۔ وہاں سُنی ترکوں اور شیعہ دیلمیوں کے درمیان فساد ہو گیا ۔ سبکتگین جو اس وقت بغداد میں تھا اس نے عز الدولہ کے مکان کو لوٹ کر اس کے خاندان والوں کو قید کر کے واسط بھیج دیا ۔ یہ ذی قعدہ ۳۶۳ھ کا واقعہ ہے گویا اب بغداد میں سبکتگین کی حکومت تھی اس نے خلیفہ مطیع کو معزول کر کے جو مفلوج ہو چکا تھا اس کے بیٹے عبد الکریم کو طائع للہ کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھایا ۔
اس کے بعد بغداد میں کبھی سنی اور کبھی شیعہ وزیر اعظم ہوتے رہے ۔ ۳۸۱ھ میں طائع للہ نے دربار عام کیا ۔ بہاؤ الدولہ دیلمی وزیر اعظم تھا اس کے اشارے سے دو دیلمیوں نے خلیفہ کو گھسیٹ کر پابند کر لیا ۔ بہاؤ الدولہ نے خلیفہ سے خلع خلافت کا اعلان کرا کے — ابو العباس احمد بن اسحاق بن مقتدر عباسی کو قادر باللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھایا بہاؤ الدولہ اور قادر باللہ نے ایک دوسرے کی وفاداری کی قسمیں کھائیں ۔ بہاؤ الدولہ نے فارس کی حکومت حاصل کر کے ابو جعفر حجاج بن ہرمز ایک نومسلم مجوسی کو اپنا عہدہ سپرد کیا اور خود فارس چلا گیا ۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا ۔ ۴۲۵ھ میں بساسیری نامی ایک شیعہ کو یہ منصب ملا ۔ اس نے اہل بغداد کو بڑا تنگ کیا ۔ قائم بامر اللہ خلیفہ کو بالکل بے دست و پا کر کے مثل قیدی کے بنا دیا ۔ اس کے زمانے میں بھی شیعہ سنی فسادات ہوئے ۔ اس لئے سُنیوں کو بڑے بڑے نقصانات برداشت کرنے پڑے ۔ ۴۲۵ھ میں پھر شیعہ سُنی فساد ہوا ۔ اور بغداد کے کئی محلے اس فساد میں جل کر خاک سیاہ ہو گئے ۔

بنی بویہ پر ایک نظر :-

یہ لوگ ذات کے ماہی گیر اور نہایت متعصب شیعہ تھے ۔ انہوں نے عباسی

خلافت کا وقار خاک میں ملا دیا۔ تقریباً سوا سو سال تک بغداد، عراق اور فارس پر قابض رہے۔ یہ سو سال کا عرصہ سنیوں کے لیے نہایت درد انگیز اور اذیت ناک تھا۔ ان سے علویوں کو بھی کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا۔ انہوں نے کسی علوی کو برسرِ حکومت لانے کی کوشش نہ کی۔ ان کے زمانے میں عربی سیادت کے تمام نقوش مٹ گئے۔ انہوں نے تمام ملک میں شیعہ سنی فسادات کو ہوا دینے میں ہی مصلحت سمجھی انہوں نے جو شرکیہ رسمیں جاری کیں وہ آج تک شیعوں کے علاوہ سنیوں کے لئے بھی طوقِ لعنت بنی ہوئی ہیں۔ ان کی حکمرانی کے سوا سو سال بدنظمی، لوٹ مار، فتنہ و فساد اور قتل و غارت سے لبریز ہیں ۴۴۷ھ میں قائم بامر اللہ کے زمانہ میں طغرل بیگ نے اس عذابِ خداوندی سے لوگوں کو نجات دلائی۔

مستعصم باللہ عباسی:۔

یہ وہ بدنصیب خلیفہ ہے جس نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے ایک غالی شیعہ ابن علقمی کو وزیر بنایا۔ ابن علقمی نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی خلیفہ کو عضوِ معطل بنا کر رکھ دیا۔ شیعوں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ دیلمیوں کے زمانے کی بدعات دوبارہ زندہ کی گئیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دوبارہ شیعہ سنی فسادات شروع ہو گئے۔ ابن علقمی نے بڑے سوچ و بچار کے بعد اپنے ذہن میں عباسیوں کی خلافت ختم کر کے علویوں کی خلافت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ بعض سمجھدار لوگوں نے اس کے اس خیال سے خبردار ہو کر خلیفہ کو علقمی کی غدارانہ کوششوں سے مطلع کیا مگر اس پست ہمت اور احمق خلیفہ نے سب کچھ ابن علقمی کو بتا دیا۔ علقمی اب زیادہ ہوشیار ہو گیا اور اسلام کے خیر خواہوں کی زبانیں بند ہو گئیں۔ اس کے بعد علقمی نے خلیفہ کو لہو و لعب اور شراب نوشی کی طرف مائل کیا۔ شیعوں کی خرمستیاں بھی روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں۔ علقمی نے چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان سے جو تاتاریوں کا سردار عظیم اور خراسان کا بادشاہ تھا۔ خط و کتابت شروع کی۔ ہلاکو کے دربار میں نصیر الدین طوسی کو بڑا دخل تھا۔ اور ہلاکو کا وزیر تھا۔ وہ بھی علقمی کی طرح غالی شیعہ تھا۔ نصیر الدین بھی علقمی

کی طرح عباسیوں کو برباد کر کے شیعہ خلافت قائم کرنا چاہتا تھا۔

ہلاکو کے پاس علقمی کے خطوط اُس وقت پہنچے جب وہ قلعہ الموت فتح کر چکا تھا۔ اس نے نصیر الدین سے مشورہ طلب کیا۔ نصیر الدین نے کہا کہ نجوم کے ذریعہ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بغداد پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا۔ ہلاکو لشکر جرار کے ساتھ بغداد کی طرف بڑھا۔ راستہ میں چند جھڑپیں ہوئیں مگر وہ بغداد کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا۔ علقمی اُسے دم دم کی خبریں بھیجتا رہا۔ آخر علقمی شہر سے نکل کر ہلاکو سے ملا اور اپنے لیے امن طلب کر کے واپس آ گیا۔ اور خلیفہ کو کہا کہ میں نے آپ کے لیے بھی امن حاصل کر لیا ہے۔ آپ بھی ہلاکو کے پاس چلیں۔ خلیفہ معہ اپنے بیٹے کے شہر سے نکل کر ہلاکو کے پاس پہنچا۔ ہلاکو نے کہا اپنے شہر کے عمائدین اور علماء و فقہا کو بھی بلا لیجیے۔ خلیفہ کو اپنے پاس روک لیا۔ خلیفہ کا حکم سُن کر سب ارکین سلطنت ہلاکو کے پاس پہنچ گئے۔ ہلاکو نے ان سب کو قتل کرا دیا۔ پھر خلیفہ کو کہا کہ شہر میں پیغام بھیجو کہ سب لوگ غیر مسلح ہو کر باہر نکل آئیں۔ جب اہل شہر باہر نکلے تو ان کا قتل عام شروع ہو گیا۔ کئی لاکھ مقتول ہوئے۔ شہر کی خندق ان لاشوں سے ہموار ہو گئی۔ پھر مقتولوں کے خون نے دریائے دجلہ کو سرخ کر دیا۔ بغداد اور اس کے مضافات میں قتل عام کا حکم دے دیا۔ صرف وہ چند آدمی بچے جو کسی کنویں یا پوشیدہ جگہ چھپ سکے۔ جمعہ ۹ صفر ۶۵۶ھ کو ہلاکو خان خلیفہ کو لے کر شہر میں داخل ہوا۔ اور قصر خلافت میں اجلاس کیا۔ خلیفہ کو سامنے بلا کر کہا کہ ہم تمہارے مہمان ہیں ہمارے لیے کچھ لاؤ۔ خلیفہ پر اس وقت دہشت طاری تھی کہ وہ کنجیوں کو نہ پہچان سکا۔ آخر قفل توڑے گئے۔ اور لاکھوں روپے کا مال نکال لیا گیا۔ پھر مدفون خزانوں کی باری آئی۔ زمین کھود کھود کر جواہرات اور اشرفیوں کے انبار نکالے گئے۔ بغداد اور اس کے مضافات میں بقول اکبر شاہ خان ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے اور یہ تمام دلگداز مناظر خلیفہ کو دیکھنے پڑے۔ خلیفہ کو ہلاکو نے نظر بند کر دیا تھا۔ جب اس نے بھوک کا تقاضا کیا تو اس کے سامنے جواہرات کے طشت پیش کیے گئے۔ خلیفہ نے کہا میں ان کو کیسے کھا سکتا ہوں تو ہلاکو نے جواب دیا کہ اس دولت کو اپنی اور

مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے کیوں خرچ نہ کیا۔ اس کے بعد مستعصم کے قتل کرنے کے متعلق ارکین سے مشورہ کیا نصیر الدین اور علقمی نے اس وقت بھی ستم ظریفی کا دامن نہ چھوڑا۔ ہلاکو خان کو کہا کہ مستعصم مسلمانوں کا خلیفہ ہے۔ اس کے خون سے تلوار کو آلودہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ نمدے میں لپیٹ کر لاتوں سے کچلوانا چاہیئے۔ یہ کام علقمی کے سپرد ہوا۔ اور اس نمک حرام نے اپنے آقا اور ولی نعمت کو نمدے میں لپیٹ کر ایک ستون سے باندھ کر اس قدر لاتیں لگوائیں کہ اس کا دم نکل گیا پھر اس کی لاش کو مغل سپاہیوں کے پاؤں سے کچلوا کر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کرا دیا۔ ابن علقمی یہ دیکھ کر خوش ہوتا رہا اور کہتا رہا کہ میں علویوں کے خون کا بدلہ لے رہا ہوں۔

اس کے بعد ہلاکو خان نے شاہی کتب خانہ کی طرف توجہ کی اور تمام کتابیں دریائے دجلہ میں پھینکوا دیں۔ دجلہ کا پانی جو چند روز پہلے سُرخ ہو رہا تھا اب سیاہ ہو گیا اور کئی مہینے سیاہ رہا۔ علقمی اور نصیر الدین طوسی[۱] کی وجہ سے بغداد میں جو خونریزی ہوئی اس کی مثال تاریخ عالم میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ اب علقمی کی باری آئی۔ اس کا خیال تھا کہ ہلاکو خان کسی علوی کو خلیفہ بنا کر مجھے نائب السلطنت بنا دے گا۔ لیکن جب ہلاکو نے عراق کے مختلف حصوں میں اپنے نائب مقرر کر دیئے تو علقمی بڑا پریشان ہوا۔ اور بڑی بڑی چالیں چلا۔ اپنی مقصد برآری کے لئے ہلاکو کے حضور میں گڑگڑایا۔ التجائیں اور خوشامدیں کیں۔ مگر ہلاکو نے اُسے کُتے کی طرح دھتکار دیا۔ چند روز تاتاریوں کے ساتھ ان کی جوتیاں سیدھی کرتا رہا۔ آخر اسی صدمے سے مر گیا۔ خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب الیم۔

۶۵۶ سے ۶۵۹ھ تک بغداد خلافت سے خالی رہا اور ۶۵۹ھ میں مستعصم کے چچا ابوالقاسم کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

---

[۱]:- یہ وہی نصیر الدین طوسی ہے جس کی علم اخلاق میں اخلاق ناصری مشہور تالیف ہے اور عرصہ تک پنجاب یونیورسٹی کے امتحان منشی فاضل میں داخل نصاب رہا۔ اسی طرح اخوان الصفا کے رسائل بھی مختلف اسماعیلی داعیوں کی تصنیفات میں سے ہیں۔ یہ نصیر الدین حنفیوں کے نزدیک علم اخلاق کا بہت بڑا محسن ہوا ہے۔

خلافتِ عثمانیہ

۶۲۰ھ سے لے کر ۶۵۶ھ تک سلطنت عباسیہ شیعوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اندرونی طور پر کھوکھلی ہو چکی تھی۔ نظامِ سلطنت تمام کا تمام شیعوں کے ہاتھ میں تھا۔۔۔ اس زمانہ میں قونیہ میں اللہ تعالیٰ نے سلجوقیوں کو عروج بخشا۔ صورت یہ ہوئی کہ سبائی اور مجوسی گٹھ جوڑ نے تاتاریوں کو قونیہ کی طرف متوجہ کیا۔ تاکہ سلجوقیوں کی یہ طاقت تباہ ہو جائے۔ قریب تھا کہ علاؤالدین کیقباد اس سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی بجائے خود ہی اس سیلاب کی نظر ہو جاتا۔ کہ ایک ترک سردار سلیمان خان اپنی معمولی سی جمعیت کے ساتھ سلجوقیوں کی مدد کے لئے پہنچ گیا اب میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ علاؤالدین سلجوقی نے ترک سردار کو فوج کا سالار بنا دیا ۶۳۴ھ میں علاؤالدین اور سلیمان دونوں مر گئے۔ اور بالترتیب غیاث الدین اور طغرل ان کے جانشین بنے۔ ارطغرل عین عالمِ جوانی میں مر گیا۔ غیاث الدین نے اس کے بیٹے عثمان خان کو اپنی افواج کا سالار بنا دیا۔ ۶۹۹ھ میں غیاث الدین کے فوت ہونے پر قوم نے عثمان خان کو اس کا جانشین منتخب کیا۔ یہی عثمان خان آگے چل کر خلافتِ عثمانیہ کا بانی ہوا۔

شیعہ اور خلافتِ عثمانیہ

عثمان خان — ۶۹۹ھ میں غیاث الدین کیخسرو کے قتل ہونے پر قونیہ کا بادشاہ بنا
۷۲۶ھ بمقام بروصہ میں دفن ہوا

اُرخان ۷۲۶ھ سے ۷۶۱ھ تک ساٹھ سال کی عمر میں قیصر کی اٹھارہ سالہ لڑکی تھیوڈورا سے نکاح کی

مراد خان اوّل ۲۷ اگست ۱۳۸۹ء / ۷۹۲ھ کو کسووا کی فتح کے بعد فوت ہوا۔

بایزید یلدرم ۷۹۲ھ

بایزید نے اٹلی، فرانس، انگلستان، آسٹریا، ہنگری۔ پولینڈ، جرمنی۔ بوسنیا وغیرہ

کی متحدہ طاقتوں کو ۲۴ دسمبر ۱۳۹۶ء کو شکست دیکر بیسیوں عیسائی شہزادوں اور فرماں رواؤں کو گرفتار کیا۔ انہیں بروصہ لاکر آزاد کردیا۔ پھر خود یورپ پر حملہ کیا ۸۰۰ھ میں یونان کو فتح کیا۔ آسٹریا اور ہنگری کی طرف اپنی فوجیں بھیجیں۔ بایزید خود آگے بڑھ رہا تھا کہ قیصر قسطنطنیہ تیمور لنگ سے مدد کا طالب ہوا جو اس وقت ہندوستان کی فتح کے منصوبے تیار رہا تھا۔

اب آگے شیعوں کے قدوۃ الابرار زبدۃ الاخیار مولانا حاجی آل محمد مدظلہ العمد کی مشہور تصنیف تصویر کربلا جس پر مورد الطاف رب ذوالمنن سید تفضیل حسن نقوی اور متعدد دیگر شیعہ علماء کی تقریظیں لکھی ہوئی ہیں کا صفحہ ۷۵ دیکھئے۔ نویں صدی ہجری کے حالات کے تحت لکھتے ہیں کہ جناب مرزا محمد حیدر شکوہ ابن مرزا محمد کام بخش ابن مرزا محمد سلیمان شکوہ ابن شاہ عالم بادشاہ دہلی نے اپنے رسالے علم حیدری میں جو عبارت تزک صاحبقرانی تحریر فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ازجملہ تائیدات ربانی جن سے کہ میں موید ہوا یہ ہے کہ۔

"۸۰۴ھ میں شاہ روم نے چار لاکھ فوج جمع کر کے مجھ پر حملہ کا ارادہ کیا میں صف آرائی میں مشغول ہوا۔ میں نے دیکھا کہ سادات کربلا و نجف کی فوج عراق کی طرف سے چلی آرہی ہے۔ اس فوج کے سردار سید محمد فتاح تھے۔ انہوں نے کہا کہ علی ابن ابی طالب کو ہم نے خواب میں دیکھا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ علم بصفیا الترک کے پاس پہنچا دو۔ اصحاب نجف نے کہا کہ اخ الترک امیر تیمور ہے۔ کہ جس سے اور شاہ روم سے لڑائی کا سامان ہے۔ میں اس وقت شکر کا سجدہ بجا لایا جو علماء اس وقت میرے ساتھ تھے انہوں نے مجھے بشارت دی کہ قرآن شریف میں ہے کہ روم ۸۰۵ھ میں مغلوب ہوگی اور اس میں ایک لطیفہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے الم غلبت الروم فی ادنی الارض کہ روم ازنا رے عزت میں مغلوب ہوں گے .... وہاں کے سکان نے خاک پاک کربلا کا علم

مجھے دیا۔ مجھ پر اتنی رقت طاری ہوئی کہ تین روز مجھے ہوش نہ رہی۔۔۔
میں وہاں سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اہل کربلا نے ہر روز کی زیارت کے واسطے ایک ضریح خاکِ شفا کی مجھے دی۔۔۔ اس ضریح کو میں ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور اب اوّل محرم میں اس ضریح کو ایک مقام پر رکھ کر تعزیہ داری کرتا ہوں بمشورہ سید مدنی۔ اس ضریح سے حضرت فاطمہؓ کے اشعارِ عربیہ کی آواز آتی تھی"۔

تیمور لنگ کو قیصر قسطنطنیہ کا اشارہ کافی تھا۔ چہ جائیکہ جب اس نے ایک طویل مراسلہ لکھا۔ اگر قیصر اس وقت تیمور لنگ سے رابطہ قائم نہ کر سکتا تو سلطان بایزید یلدرم تمام یورپ کو اسلام کے جھنڈے تلے لے آتا۔ اس کے شہسوار برق و باد کی طرح بوسینا سے لے کر ڈینیوب تک تمام ملک اپنے گھوڑوں کے ٹاپوں سے روند چکے تھے۔ کہ اسے تیمور کی پیش قدمی کی اطلاع ملی۔ بایزید کا بیٹا طغرل سیوا اس کا گورنر تھا۔ تیمور نے اسے شکست دے کر چار ہزار سر برآوردہ آدمی اس کے ساتھ زندہ درگور کر دئے۔ اس نے اپنی بد طینتی، بد فطرتی اور خبثِ باطن کا اس موقع پر بھرپور مظاہرہ کیا۔ یعنی ان چار ہزار شرفا کی مشکیں کسوا کر ان کے سر گھٹنوں کے درمیان پھنسا کر گٹھڑیوں کی طرح بندھوا کر بڑے بڑے گڑھوں میں ڈال کر اوپر سے انہیں پاٹ دیا۔ اور طغرل بھی انہیں میں تھا۔ بہیمیت، شقاوت، سنگدلی اور قساوتِ قلبی کا اس سے بڑھ کر تاریخ عالم میں کوئی نمونہ نہیں ملتا۔ بایزید اپنے بیٹے اور چار ہزار ترک سرداروں کے اس حال سے جب آگاہ ہوا تو ہوش میں نہ رہا۔ یلغار پر یلغار کرتا ہوا آگے بڑھا۔ ۱۹ ذی الحجہ ۸۰۴ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء شمسی کو انگورہ کے میدان میں تیمور اور بایزید کی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ تیمور کی فوج پانچ لاکھ اور بایزید کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار تھی پہلے حملوں میں بایزید کا پلہ بھاری رہا۔ مگر اس کی فوج کے مغل دستے تیمور سے مل گئے اور ہزبر بیشۂ اسلام، فاتح یورپ، شیدائی اسلام مع اپنے بیٹے

موسیٰ تیمور کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔

تیمور میں اگر شرافت کی ایک رمق، انسانیت کا ایک ذرہ، غیرت کا ایک قطرہ بھی ہوتا تو وہ بایزید کے ساتھ بادشاہوں جیسا سلوک کرتا مگر وہ ڈاکو ابن ڈاکو، غدار ابن غدار اس کامیابی پر اس قدر آپے سے باہر ہو گیا کہ وہ بایزید کو اس کے بیٹے موسیٰ سمیت ایک آہنی پنجرے میں بند کر کے ساتھ لیے پھرا اس کی بیہیمیت اس قدر مسخ ہو چکی تھی کہ اس نے تمام انسانی اقدار کو پاؤں تلے مسل کر رکھ دیا۔

مشہور مورخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی اس موقع پر لکھتے ہیں کہ انگورہ کے میدان میں اگر تیمور کو شکست ہوتی تو وہ صرف ایک آدمی کی شکست تھی۔ مگر بایزید کی شکست پوری قوم اور پوری ملت کی شکست تھی۔ اگر تیمور اس وقت ایک عیسائی بادشاہ کے کہنے میں آ کر بایزید کے خلاف یہ جنگ نہ کرتا تو آج تمام یورپ مسلمانوں کے قبضے میں ہوتا مگر تیمور کی بہیمیت یہ گوارہ نہ کر سکی۔

انگورہ کی فتح سے واپسی پر کربلا میں پہنچ کر خاک کربلا کی بجائے نیم آلودہ ہونے کی شرط ہی تیموا کر ساتھ رکھی اور تعزیہ کی رسم کو ترقی دی بایزید اپنے بیٹے تیمور کے ساتھ آہنی پنجرے میں ذلت کی زندگی گزار کر قید حیات اور قید قفس سے رہا ہو کر مالک حقیقی سے جا ملا۔ موسیٰ کو اجازت مل گئی کہ اپنے باپ کی نعش کو لے جا کر اپنے ملک میں دفن کر دے۔

بظاہر عثمانیہ سلطنت ختم ہو چکی تھی۔ تیمور نے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر کے متعدد سلجوقی رئیسوں کو تقسیم کر دیئے تھے۔ جو مختصر سا ملک باقی رہ گیا تھا اس میں بایزید کے بیٹوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ طویل کشمکش کے بعد سلطان محمد خان اول ابن سلطان بایزید ۸۰۶ھ میں ایڈریانوپل میں تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں عبداللہ بن سبا کی قسم کے ایک یہودی نے

قاضی بدر الدین کو ساتھ ملا کر مصطفےٰ نامی ایک ترک کو اپنا پیشوا بنا کر جمہوریت کی آواز پیدا کی۔ سلطان نے ان کی گوشمالی کی طرف توجہ کی تو وہ قیصر کے پاس بھاگ گیا ۸۲۵ھ میں سلطان محمد خان مر گیا۔

مراد خان ثانی ۸۲۵ھ تخت نشین ہوا۔

مصطفےٰ کو قیصر نے چھوڑ دیا اور اس نے طاقت بہم پہنچا کر سلطان کو سخت زچ کیا۔ آخر گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ۸۵۵ھ میں مراد خان مر گیا۔ اور فاتح قسطنطنیہ محمد خان ثانی بادشاہ بنا۔

فتح قسطنطنیہ کے بعد اس نے طرابزون کی طرف رخ کیا۔ طرابزون کا عیسائی حکمران ایران کے ترکمان بادشاہ حسن طویل کا خسر تھا۔ حسن طویل نہایت متعصب شیعہ تھا۔

سلطان کے سامنے اب تین مہمیں تھیں۔ پہلی حسن طویل کی گوشمالی کہ اس نے سلطان کے بیٹے بایزید کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی۔ دوسری دو مہمیں یورپ سے متعلق تھیں کہ ۸۸۶ھ میں فوت ہو گیا۔ ۸۸۶ھ سے لے کر ۹۱۸ھ تک بایزید ثانی نے حکومت کی۔

۹۱۰ھ میں بایزید نے حکومت سلیم کے حوالے کر دی اور ۹۱۸ھ تک بھائیوں سے الجھا رہا۔ تیمور کی وجہ سے سلطنت دولت عثمانیہ میں تیغ چلی تھی۔ اب اسماعیل صفوی نے ایران پر قبضہ کر کے شیعوں کے گروہ ایشیائے کوچک میں پھیلانے شروع کئے شاہ ایران کی پشت پناہی میں ان لوگوں نے ایشیائے کوچک میں رہزنی قزاقی اور غارتگری سے تمام ملک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ان لوگوں سے قرقود احمد عثمانی عامل کی متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ مگر وہ انہیں دبا نہ سکا اب اسماعیل صفوی نے شاہ قلی کو باقاعدہ فوج دے کر بھیجا۔ ۹۱۷ھ میں سلطانی وزیر سے اس کی جھڑپ ہوئی اور دونوں مارے گئے۔

بایزید ثانی کے بعد سلیم عثمانی ۱۵۱۲ء میں حکمران ہو چکا تھا پہلے تو یہ اپنے بھائیوں سے الجھا رہا۔ آخر ان سے فارغ ہو کر اسماعیل صفوی کی فوجوں سے نبرد آزما ہوا۔ اگر اس وقت سلیم ایران کی سلطنت کے خلاف مستعدی کا اظہار نہ کرتا تو سلطنت عثمانیہ کے درہم برہم ہو جانے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ اسماعیل صفوی اپنے آپ کو حضرت امام جعفر (صادق) کی اولاد سے بتاتا تھا۔ اسماعیلی دعوت کی وجہ سے شام اور ایشیائے کوچک میں بہت لوگ شیعہ ہو چکے تھے۔ اس لیے اسماعیل کے جاسوسوں اور لوٹ مار کرنے والی ٹولیوں کو مقامی لوگوں سے بڑی مدد مل جاتی تھی۔ پھر اسماعیل کی نانی ایک طرابزن کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی تھی۔ یہ طرابزون عثمانیہ سلطنت کا ایک صوبہ بن چکا تھا۔ اس وجہ سے عیسائیوں کی ہمدردیاں بھی اسماعیل کے ساتھ تھیں۔ اسماعیل نے بڑی گہری نظر سے حالات کا مطالعہ کیا۔

اُسے معلوم تھا کہ کس طرح سو سال پہلے تیمور نے بایزید کو شکست دی تھی اور کس طرح شیعوں نے بغداد کو تباہ کر دیا تھا۔ وہ نہایت اولوالعزم دور اندیش بادشاہ تھا اور تہیہ کر چکا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کو ختم کر کے ہی دم لونگا اسی لیے اُس نے بایزید ثانی کے زمانہ میں اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی۔ اُس نے اسماعیلیوں کی طرح تمام عثمانی مقبوضات میں اپنے جاسوس پھیلا دیے۔ اسماعیل نے بعض سرحدی علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا۔ جب سلیم اپنے بھائیوں سے الجھا ہوا تھا تو اسماعیل ان پر نہایت گہری نظر رکھے ہوئے تھا۔ اسماعیل نے اس حد تک اپنا جال پھیلایا کہ سلیم کے بھائی احمد کا ایک بیٹا مراد اس کے پاس پہنچ گیا اسماعیل نے مراد کو گانٹھا۔ وہ مراد کو آگے بڑھانا چاہتا تھا کہ سلیم اس خانہ جنگی سے فارغ ہو کر حالات کا جائزہ لینے لگا۔ اُس نے تمام ملک

میں اپنے جاسوس پھیلا دئیے اور حکم دیا کہ شیعیت کی تبلیغ کرنے والوں اور اسماعیل کے جاسوسوں اور داعیوں کی فہرستیں تیار کریں ۔ یہ فہرستیں جب سلیم کے پیش ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی ایسے ہیں جو اسماعیل صفوی کے حملہ آور ہوتے ہی اس کی فوجوں کے ساتھ مل جائیں گے ۔ یہ دیکھ کر سلطان کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی ۔ مگر اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بالکل کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا اس نے نہایت احتیاط سے ہر باغی کے لئے ایک ایک مسلح آدمی منتخب کیا اور ہر جگہ کے غداروں کی فہرستیں اپنے مسلح آدمیوں کے سالاروں کو دے کر روانہ کر دیا اور سب کے قتل کی ایک تاریخ مقرر کر دی ۔ اور سخت تاکید کی کہ قبل از وقت یہ راز ہرگز فاش نہ ہو ۔ غرضیکہ ملک کے طول و عرض میں بیک وقت ستر ہزار افراد کو اس طرح قتل کر دئیے گئے کہ کسی عثمانی سپاہی کی نکسیر تک نہ پھوٹی ۔ اسماعیل نے جب یہ سنا تو سخت پیچ و تاب کھایا اس کے روحانی اجداد کی صدیوں کی محنت اور اس کی سالہا سال کی کوششوں پر اس طرح پانی پھر گیا کہ وہ سناٹے میں آ گیا ۔ اب اس نے علی الاعلان لشکر کی فراہمی اور جنگ کی تیاری شروع کر دی ادھر سلیم عثمانی نے اعلان کیا کہ ہمیں ایران پر حملہ کرنا چاہیئے ۔ مگر اسماعیل اس سے پہلے ترکستان کے بادشاہ شیبانی خان کو قتل کر چکا تھا اور اسماعیل پر حملہ کرنا عثمانی اُمرا خطرناک تصور کرتے تھے سلیم کے اس اعلان پر سب دربار میں سناٹا چھا گیا ۔ اب ذرا اسماعیل صفوی کے ذاتی حالات بھی سُن لیجیئے ۔

اسماعیل کا مورث اعلیٰ صفی الدین پیری مریدی کرتا تھا ۔ تیمور جب بایزید کو گرفتار کر کے اردبیل پہنچا تو صفی الدین کے بیٹے صدر الدین کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور کہا کہ اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو فرمائیے ۔ صدر الدین نے کہا ترک قیدی رہا کر دو ۔ وہ لوگ واپس جانے کی بجائے صدر الدین کے پاس ہی اقامت گزین ہو گئے ۔

وقت گذرتا رہا یہ لوگ بڑھتے رہے ۔ صدر الدین کے پوتے جنید کے زمانہ میں جہاں شاہ حاکم اردبیل نے جنید کی اندرونی سازشوں سے متنفر ہو کر اُسے اردبیل سے نکال دیا جنید معہ اپنے مریدوں کے دیار بکر کے حکمران حسن طویل کے پاس پہنچ گیا حسن طویل نے جنید سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا ۔ شیخ جنید اب درویش نہیں بلکہ شاہی خاندان کا فرد

ہو گیا۔ جنید نے استغاثہ کیا اور دہلی پر حملہ کیا مگر مارا گیا۔ اب اس کا جانشین حیدر ہوا جو حسن طویل
کی بیوی طرابزون کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی تھی جسے عثمانیوں نے طرابزون سے نکال کر اس پر
قبضہ کر لیا تھا۔ حسن طویل نے اپنی لڑکی حیدر سے بیاہ دی حسن کے بطن سے علی، ابراہیم
اور اسماعیل پیدا ہوئے۔ ان بھائیوں نے جب پر پرزے نکالنے شروع کیے تو حسن طویل
نے انہیں نظر بند کر دیا۔ مگر یہ بھاگ نکلے۔ دو مر گئے اسماعیل گیلان پہنچ گیا ۹۰۶ھ جبکہ
اسماعیل کی عمر چودہ سال تھی اس کے مرید اس کے پاس جمع ہونے شروع ہوئے۔ چند
سال میں اس کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ ترکی سپاہیوں کی اولاد کی مدد سے اس نے اردگرد
کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ اسی عرصہ میں اس نے ایشیائے کوچک میں اپنی
ریشہ دوانیوں کا جال پھیلانا شروع کیا۔ گویا ان ترکوں کی مدد سے اسے بادشاہی ملی
انہیں کے ملک کو تاخت و تاراج کرنے کے مشغلوں میں منہمک ہو گیا۔ اندرون ملک
اس نے سنیوں کی مسجدیں منہدم کرا دیں۔ مقبرے گرا دیے انہیں ذلیل سے ذلیل کرنے
کا کوئی حربہ نہ چھوڑا۔ اپنی تمام قلمرو میں جبراً شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی اور
جن راسخ العقیدہ مسلمانوں نے انکار کیا ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ پہلے بیان
کیا جا چکا ہے کہ یہ سلسلہ عثمانی مملکت تک پھیلایا گیا۔

اس کے بعد کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اب اس نے براہ راست عثمانی
حکومت سے ٹکر لینے کا پروگرام بنایا۔ سلطان سلیم کو معلوم ہوا تو وہ ربیع الاول ۹۲۰ھ
کو اسماعیل کی فتنہ انگیزیوں سے اللہ کی مخلوق کو بچانے کیلئے دارالحکومت سے نکلا۔ سب
سے پہلے اسے ایک طویل خط لکھا جس میں لکھا کہ تو نے نفس امارہ سے مغلوب ہو کر بہت
بڑی زیادتیاں اور معیوب باتیں کی ہیں۔ اصحاب ثلاثہ پر تبرا کرنے کی کھلی اجازت
دے رکھی ہے۔ ہمارے علمائے دین نے تیرے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ ہم تجھ سے
خواہاں ہیں کہ تو اپنے اعمال بد کا محاسبہ کر کے صدق دل سے تائب ہو اور آئندہ کے
لیے اپنی بداعمالیوں کو ترک کر دے۔

اسماعیل نے چند لفظوں میں مختصر سے جواب کے ساتھ افیون کا ڈبہ سلطان کے

پاس بھیجا۔ یعنی تم افیون کھاتے ہو اور بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔

اب سلطان آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ تمام ملک ویران پڑا ہے۔ اسماعیل نے تمام علاقے کی کھیتیاں برباد کر دیں۔ کنویں پاٹ دئے۔ درخت جلا دئے۔ تاکہ سلطان کی فوج تنگ آ کر واپس چلی جائے۔ مگر سلطان بڑھتا ہی چلا گیا۔ آگے آگے اسماعیل اور پیچھے پیچھے سلیم۔ ایک مقام پر فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تو سلطان نے اس امیر کی گردن مار دی جس نے فوج کی ترجمانی کی تھی۔ پھر ان کے سامنے ایک پُردرد تقریر کی اور آخر میں کہا کہ اگر تم سب بھی واپس چلے جاؤ گے تو میں اکیلا ہی آگے بڑھوں گا۔ اب اسماعیل تبریز سے بیس کوس کے فاصلہ پر وادی خالدران میں رک گیا۔ اسماعیل کی فوج تازہ دم تھی مگر سلطان کی فوج سخت تھکی ہوئی تھی۔ سلطان کے وہاں پہنچتے ہی اسماعیل نے حملہ کر دیا۔ یہ جنگ ۲۳ راگست ۱۵۱۴ء مطابق ۲ رجب ۹۲۰ھ کو ہوئی۔ سلطان اسّی ہزار پیدل اور چالیس ہزار سوار لے کر چلا تھا جس میں سے آدھی فوج عقب کی حفاظت اور رسد کے بندوبست کے لئے راستہ کی چوکیوں پر چھوڑ دی گئی۔ اسماعیل کی فوج اسّی ہزار تھی۔ اس حساب سے ساٹھ ہزار تھکی ہوئی فوج کا اسّی ہزار تازہ دم فوج کے ساتھ مقابلہ تھا۔ مگر عثمانیوں نے صفویوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اسماعیل گرفتار ہو چکا تھا کہ اس کے کسی ہمراہی نے کہا میں اسماعیل ہوں۔ گرفتار کرنے والے اُدھر متوجہ ہوئے اور یہ بھاگ نکلا۔ سلطان آگے بڑھ کر اسے کردستان اور عراق سے بھی نکالنا چاہتا تھا مگر اس کے دارالخلافت سے فوج کی سرکشی کی خبریں آنے لگیں۔ اور وہ اسماعیل کے آدھے ملک کو ہی اپنی سلطنت میں شامل کر کے واپس ہو گیا۔

اسماعیل صفوی مسلمانوں کے لئے ایک مسلسل عذابِ خداوندی سے کم نہ تھا۔ اگر وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو جاتا تو سلطنت عثمانیہ کا دنیا پر نام و نشان نہ رہتا اور آج آدھی دنیا پر شیعیت کی حکمرانی ہوتی مگر اللہ تعالےٰ نے سلطان سلیم کے ہاتھوں اس دشمنِ اسلام کو شکست دلا کر ناکارہ کرا دیا۔ اس نے مصر فتح کیا اور وہاں سے عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ الثالث سے ان چند تبرکات کو جن کو وہ بطور نشان خلافت اپنے

ساتھ رکھتا تھا سے کروا لیس آیا۔ اور خلیفۃ المؤمنین ہونے کا اعلان کیا۔ یورپ میں نوتفر ہندوستان میں کبیرداس اسی کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ آخر یہودی رلشیہ دوانیوں نے انجمن اتحاد وترقی کی بنیاد رکھ مصطفےٰ کمال کو اپنا مہرہ بنا کر ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کو ختم کردیا اور مصطفےٰ کمال نے اسلامی وحدت کے تمام علمی، ادبی، مذہبی، دینی اور ثقافتی نشانات مٹا کر عالم اسلام کی دھڑکنوں کے مرکزی مقام کو تمام عالم اسلام سے الگ کر کے عالم اسلام کو وہ ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے جس کا مداوا آج تک نہیں ہو سکا۔

مغلیہ دور میں شیعہ :-

شیعیت نے مغلوں پر کیا اثر ڈالا

انگورہ کے المیہ کے ایک سو چھبیس سال بعد امیر تیمور کی نسل سے ۱۵۲۶ء میں بابر نے ہندوستان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کیا۔ اس وقت ہندوستان میں حنفیت کا دور دورہ تھا۔ قطب الدین ایبک فخر الدین کوفی کا پروردہ تھا۔ فخر الدین کوفی حضرت ابوحنیفہ کی اولاد سے تھا۔ قطب الدین سے پہلے ہندوستان میں اہلحدیث تھے۔ اور یا خال خال شوافع اور باطنی یعنی اسماعیلی۔ خاندان غلامان کے بعد خلجی، تغلق اور لودھی سبھی حنفی تھے۔ البتہ خاندان سادات تقیہ کی آڑ میں حنفی تھے۔ بابر کو مذہب سے لگاؤ تھا نہ تعلق۔ البتہ ورثہ میں ملی ہوئی شیعیت کے جراثیم سے خالی نہ تھا۔ اس لئے اس نے تورہ چنگیزی کو اپنا دستور العمل قرار دیا۔

بابر کے مرنے کے بعد سلطنت ہمایوں کو ملی جب اسے شیر شاہ سوری نے یہاں سے مار بھگایا تو اس نے ایران کے شیعہ بادشاہ طہماسپ کے ہاں پناہ لی۔ طہماسپ کے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ اس نے ہمایوں کی پگڑی آو بھگت کی اور اپنی فوج دیکر اسے ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ ہمایوں کی فوج میں بقول مؤلف دربار اکبری[1] کرمانی، مسکین علی، زلف علی، پنجہ علی اور کشف علی وغیرہ کی اکثریت تھی۔

---

[1]: دربار اکبری محمد حسین آزاد کی تالیف ہے۔ محمد حسین آزاد بھی شیعہ تھا۔

جس پر حمید سنبھلی نے بادشاہ کو کہا کہ ہمہ لشکر شما را رافضی دیدم۔ بندۂ علی۔ کلب علی۔ پنجہ علی کے ساتھ "یا علی مدد" کا نعرہ بھی جاری ہوگیا۔ مشہور شیعہ مؤرخ حسن امیر علی نے جامع الاحکام فی فقہ الاسلام میں لکھا ہے کہ ہمایوں کے زمانہ تک شیعہ مذہب گولکنڈہ اور بیجاپور کی ریاستوں تک محدود تھا۔ مگر ۱۵۵۵ء میں جب ہمایوں شاہ ایران سے مدد لے کر واپس لوٹا تو اس کے ساتھ ایران سے جو شیعہ آئے تھے انہوں نے اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا اور مذہب شیعہ شائع ہونا شروع ہوا۔

۱۵۷۶ء میں شاہ اسماعیل ثانی نے شیعیت ترک کر کے سُنّی مسلک اختیار کیا تو دربار کے شیعہ وزراء و اُمراء نے مخالفت کی اس وجہ سے اُس نے سختی کا برتاؤ کیا۔ تو وہ تمام شیعہ اُمراء ایران سے بھاگ کر ہمایوں کے پاس پہنچ گئے۔ مشہور شاعر عرفی اور نظیری، مشہور مصور عبدالصمد، میر علی فرح مشہور مدبر علی مردان اور آصف خان بھی شیعہ تھے۔ ہمایوں کی یہ رباعی تمام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

ہستیم ز جان بندۂ اولادِ علی ہستیم ہمیشہ شاد با یادِ علی
چوں سرِ ولایت ز علی ظاہر شد کردیم ہمیشہ وردِ خود نادِ علی

ہمایوں کے زمانہ میں ہی سادات بارہہ کو عروج حاصل ہوا جن کا ایک بزرگ محمود خان بارہہ رانا سانگا کے خلاف بلدی گھاٹ کے معرکہ میں بابر کی فوج میں تھا۔

اکبر کے زمانہ میں شیعوں نے اس قدر مستحکم حیثیت حاصل کر لی تھی کہ اکبر کے دین الٰہی کی ایجاد پر ان کے ایک مجتہد آقا محمد یزدی قاضی القضاۃ نے فتویٰ دیا کہ اکبر کافر ہو گیا ہے۔ جسے اکبر نے قتل کرا دیا۔ قیام اکبر آباد کے زمانہ میں شیعہ تمام اہم عہدوں پر قابض تھے۔ نواب خان کے زمانہ میں کشمیر میں شیعوں نے بڑا فساد بپا کیا اور بہت کشت و خون ہوا۔ دراصل شیعہ مغلیہ سلطنت کے اندر ایک آزاد ریاست بنانا چاہتے تھے انہوں نے اس سلسلہ میں کشمیر کو ایک دور افتادہ خطہ سمجھ کر بغاوت کر دی مگر نواب خان نے ان کے کس بل نکال کر رکھ دیئے۔

بیرم خان نے تو اکبر کا شاہی درمیان سے نکال لینے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ مگر

خود اکبر کی فراست یا عیاری کی بھینٹ چڑھ گیا۔ عہد اکبری کا پہلا شیخ الاسلام شیخ گدائی بھی شیعہ تھا۔ اکبر کے زمانہ میں ہی قاضی نور اللہ شوستری متولد ۱۵۴۹ء جسے شیعہ شہید ثالث کہتے ہیں ۱۵۸۷ء میں ہندوستان پہنچا۔

اکبر کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ اُسے بے دینی کی راہ شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں یعنی ابوالفضل اور فیضی نے دکھائی۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ اکبر کو بے دینی کی راہ نور اللہ شوستری اور ملا محمد یزدی نے دکھائی۔ اور راہ ہی نہیں دکھائی بلکہ اس پر چلایا۔

ملا محمد یزدی نے بادشاہ کی خلوت کی ملاقاتوں میں پہلے تین خلفا، بعض دوسرے صحابہ اور اولیائے کبار فرقہ اہل سنت والجماعت کو بُرا بھلا کہا اور سب کے جہنمی ہونے کا فتویٰ دیا (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۰۵)

ادھر بادشاہ پر ملا محمد یزدی حاوی تھا۔ دوسری طرف نور اللہ نے قاضی القضاۃ کی حیثیت میں گول مول فتوے دینے شروع کر دئے۔ ادھر ایک اجودھنی شیخ تاج الدین ثانی نے جسے ثانی شیخ ابن عربی ہونے کا دعویٰ تھا۔ وحدت الوجود کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ اور بادشاہ کو خلیفہ الزمان کے خطاب سے پکارنا شروع کر دیا۔ متعہ کی مالکی فقہ کی رو سے چھٹی مل گئی۔ ان حالات میں اگر اکبر دین الہٰی جاری نہ کرتا تو کیا کرتا۔ آخر ملا محمد یزدی حضرت اجمیری کی دشنام طرازی کی وجہ سے قتل ہوا۔

قاضی نور اللہ شوستری کو مذاہب اربعہ کے فقہی مسائل پر ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس نے تقیہ کر رکھا تھا۔ اکبر نے اُسے قاضی القضاۃ بنا دیا۔ قاضی نے امامیہ مذہب کے مطابق فتویٰ دینا شروع کئے۔ اگر کوئی اعتراض کرتا۔ جوڑ توڑ کر کے ائمہ اربعہ کی فقہ سے ثبوت پیش کر دیتا۔

اس عرصہ میں یہ شخص خفیہ طور پر تصنیف و تالیف میں مشغول رہا۔ اکبر کے بعد جہانگیر کے زمانہ میں بھرا کھلنے لگا چونکہ نورجہان اور اس کا بھائی آصف خان شیعہ تھے اور در پردہ قاضی کی مدد بھی کرتے تھے۔ مگر اہلسنت کو اسے قاضی مذکور کھٹکنے لگا۔ چنانچہ ایک آدمی شیعہ بن کر قاضی مذکور کے پاس پہنچا اور اس سے مجالس المومنین مستعار لے کر

نقل کی۔ اور بادشاہ کے پیش کر دی۔ قاضی کے لئے حکم ہوا کہ دُرّے مارے جائیں ۶۳ سال کی عمر میں قاضی اس سزا سے مرگیا۔ اس کا مزار آگرہ میں ہے (تلخیص از ترجمہ نجوم السماء صفحہ ۱۶) یہ قول مصنف نجوم السماء کا ہے ورنہ قاضی کو دُرّے اس وجہ سے مارے گئے تھے کہ انہوں نے جہانگیر کے پیر شیخ سلیم کے حق میں ناجائز کلمات استعمال کئے تھے بعد میں جہانگیر نے نور جہاں کے کہنے سے ان تمام علماء کو قتل کرا دیا۔ جنہوں نے قاضی نور اللہ کی سزا کا فتوےٰ دیا تھا (نور المجالس مصنفہ منشی نور الحسن)

نور جہاں نے قاضی نور اللہ کے مرنے کے بعد نور محمد مجتہد کو آگے بڑھانے کی کوششیں شروع کر دیں اور اسے ہر طرح سے تیار کر کے جہانگیر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ نور محمد مجتہد کا مولانا ابو الحسن سے مناظرہ کرایا جائے۔ بادشاہ کی موجودگی میں مناظرہ ہوا۔ نور محمد شیعہ مجتہد نے مولانا ابوالحسن سے پوچھا کہ علی کے متعلق کیا کہتے ہو؟ مولانا نے کتاب و سنت کے مطابق آپ کی تعریف کی پھر مولانا نے نور محمد مجتہد سے پوچھا در حق سلیم چشتی چہ میگوئی؟ شیعہ مجتہد نے اول فول بکنا شروع کر دیا۔ جہانگیر شیخ سلیم کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے شیعہ مجتہد کی زبان گدی سے کھنچوا دی۔ نور جہاں بہت چیخی چلائی مگر اس کا کوئی بس نہ چلا۔

جہانگیر کے بعد شاہجہان کی باری آئی۔ اس کی چہیتی ملکہ ممتاز محل شیعہ تھی حسن کے پرستے پر اس نے قوم کے خزانہ کا کروڑوں روپیہ اس کی قبر پر خرچ کر دیا قوم کے روپیہ سے تخت طاؤس بنوایا۔ باغات لگوائے۔ بارہ دریاں بنوائیں محلات تعمیر کروائے۔ غرضیکہ تعیش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا چار پشتوں کی جمع شدہ دولت بے دریغ لٹوائی۔ اس کے دین کے متعلق اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی چہیتی ملکہ شیعہ تھی۔ ایسے بادشاہ کے گھر میں جو کچھ ہوتا رہا ہو گا۔ وہ گو ہمیں تاریخی شواہد سے معلوم نہ ہو سکے۔ مگر ہم اس کے اثرات دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بیٹے شجاع کے عقائد اثنا عشری عقائد کا چربہ تھے۔ دارا کے عقائد باطنیوں اور قرامطیوں کے عقائد کا ملغوبہ تھے۔

اورنگ زیب پر اپنا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ جس نے باپ کو بخشا دیا بھائیوں
کو یہ سب شاہ جہان کی تربیت کا اثر تھا۔
شاہ جہان کے بعد اورنگ زیب سربرآرائے سلطنت ہوا۔ آج اورنگ
کو مجدد وقت کہنے والے بھی موجود ہیں اور اُسے بڑا پکا اور سچا مسلمان کہنے و
بھی کسی کے پاس کسی کی مسلمانی ناپنے کا کوئی آلہ ہو تو یہ اُسے ہی معلوم ہ
مگر ایک مبصر کی حیثیت سے جب کوئی شخص ایک غیر جانبدارانہ انداز سے
نظر ڈالے گا تو صاف نظر آئے گا کہ اورنگ زیب نے جو کچھ کیا یا اُس سے
سرزد ہوا بحیثیت مجموعی وہ ہندوستانی مسلمانوں کے زوال کی خشت اول کہا
جاسکتا ہے۔ میرا موضوع سخن اس وقت چونکہ صرف شیعیت ہے اس لئے
میں صرف اسی موضوع کی طرف قارئین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔
اورنگ زیب کو جس وقت حکومت ملی اس وقت دکن کی شیعہ سلطنتوں
کے ساتھ ساتھ مرہٹے بھی زور پکڑ چکے تھے۔ شمالی ہند میں سکھ اور جاٹ پُر پرزے
نکال رہے تھے اورنگ زیب نے ان خطرات سے آنکھیں موند کر پہلے بھائیوں
کی گوشمالی کی اور ان کا کانٹا درمیان سے نکالا۔ اس کے بعد بجائے اس کے
کہ اپنے گھر کی خبر لیتا مرہٹوں پر چڑھ دوڑا۔ وہ جانتا تھا کہ میری فوج میں
شیعوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے اُس نے آنکھیں موند کر ان لوگوں
کو اوپر اُٹھایا۔ پالسٹر لکھتا ہے کہ اورنگ زیب کے اُمراء کی اکثریت شیعہ فرقہ
سے تعلق رکھتی تھی۔ اگرچہ احتیاط کے طور پر بعض نے اپنے عقائد پر مصلحت
کوشی کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اورنگ زیب مرہٹوں کے مقابلے
میں ناکام رہا۔ اورنگ زیب خوب جانتا تھا کہ جس گھر میں میری پرورش
ہوئی ہے وہ گھرانہ رفض کے جراثیم سے خالی نہیں۔ مگر بجائے اس طرف توجہ
کرنے کے۔ اس کی سطحی ذہنیت نے اسے ایک اور ہی راستہ پر ڈال دیا یعنی اُس
نے ملک کے تمام جلیل القدر علماء کو اکٹھا کر کے سو سے زائد جاہل مجہول الاسم

غیر معروف اور غیر متداول کتابوں سے ایک اور ناقابل عمل قطعاً غیر ضروری کتاب
کی تدوین پر دقت، دولت اور بہترین دماغوں کے منابع کی بنیاد رکھی کاشکہ
اورنگ زیب فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کی بجائے کتاب و سنت کی روشنی میں
بدعات، منکرات اور مشرکانہ رسوم و رواج اور عقائد کے رد میں کوئی کتاب
تالیف کراتا۔ تو شیعوں کا خود ہی زور ٹوٹ جاتا۔ مگر اس مرد خدا نے امت
کے راستہ میں ایک اور سنگ گراں لڑھکا دیا۔

اورنگ زیب کو شیعہ دشمن کہا جاتا ہے۔ مگر یہ قطعاً غلط اور اس
پر محض بہتان و افترا ہے۔ اُسے شیعیت سے نفرت ضرور تھی۔ مگر اس
ضمن میں وہ چند سوقیانہ قسم کی وقتی حرکات سے آگے نہ بڑھ سکا۔
کہ نوحہ نہ کرو۔ ماتم نہ کرو۔ صحابہ کو بُرا نہ کہو۔ اس کی سطحی ذہنیت
ان خطرات کا اندازہ نہ کر سکی کہ اگر ان لوگوں کا تعاقب قرآن و حدیث
کی روشنی میں نہ کیا گیا تو آگے چل کر یہ پودا شجر عظیم بن جائے گا۔ ہمیں کسی
تاریخ کی کتاب سے اورنگ زیب کی شیعہ دشمنی کا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا
اس نے اگر بھائیوں کو قتل کرایا تو حکومت کے لئے قتل کرایا دکن کی شیعہ
سلطنتیں ختم کیں تو وہ جوع الارض تھی یا اپنا بچاؤ۔ اگر وہ شیعہ دشمن تھا
تو اس نے بقول ہالسٹر فوج کے بڑے بڑے عہدے شیعوں کو کیوں
دے رکھے تھے۔ اور آخر وہی شیعہ طباطبائی اور ابن علقمی ثابت ہو کر
رہے۔ جن کو اس نے اہم عہدے تفویض کر رکھے تھے۔

لہ: شیخ محمد اکرام ایم۔ اے نے رود کوثر میں فتاویٰ عالمگیری کے متعلق کیا
خوب لکھا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ لیکن ماحول اور
نقطہ نظر کا فرق ہے۔ آج اگر اس کے باب تکفیر پر عمل کیا جائے تو قوم کا شیرازہ
بکھر جائے۔ (مکمل تعارف حصہ اول میں گذر چکا ہے)

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب مرگیا تو اس کے جانشین نے خطبہ جمعہ میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کے الفاظ کے اضافے کا حکم دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اورنگ زیب کے گھر میں شیعیت پروان چڑھتی رہی کیا وہ اس سے بے خبر تھا۔ احمد آباد کے خطیب نے اس حکم پر عمل کیا تو نمازیوں نے اُسے قتل کر دیا۔ مگر بہادر شاہ باز نہ آیا لاہور کے حاجی یار محمد نے کھری کھری سنائیں مگر بہادر شاہ پر بُری طرح یہ خبط سوار تھا۔ یہاں تک کہ توپخانہ کی مدد سے شاہی مسجد میں ۲۔ اکتوبر ۱۸۱۰ء جمعہ کے روز اس بدعت کے اجراء کا فیصلہ کیا۔ مگر پٹھان سر بکف میدان میں نکل آئے۔ اور بہادر شاہ کا دماغ ٹھکانے آگیا۔ اب ہندوستان میں نئی نئی ریاستیں اور حکومتیں قائم ہو رہی تھیں مرشد آباد، لکھنؤ، رام پور، عظیم آباد جہانگیر نگر شیعیت کے مرکزی مقام بن چکے تھے۔ بہادر شاہ کا وزیر اعظم منعم خان دہلی میں وہی کردار ادا کر رہا تھا جو ابن علقمی نے بغداد میں کیا تھا۔ اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء کا استاد ایک شیعہ عالم محمد سعید اشرف مازندرانی تھا جس کے چند روز ایران جانے پر زیب النساء نے نہایت افسوس کا اظہار کیا الغرض مغلیہ حکومت اب شیعوں کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی کی طرح تھی۔

سلہ برصفحہ گذشتہ۔ بابر کے ہندوستان میں وارد ہونے سے ۲۶ سال پہلے یعنی ۱۳۴۷ء میں حسن بہمن شاہ نے دکن میں بہمن سلطنت کی بنیاد رکھی یہ ہندوستان میں پہلی شیعہ سلطنت تھی جو ۱۴۸۲ء کے لگ بھگ یعنی بابر سے سوا سو سال پہلے ہی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد عادل شاہ نے بیجاپور میں، نظام شاہ نے احمد نگر میں عماد شاہ نے برار میں، بریدشاہ نے بیدر میں قطب شاہ نے گولکنڈہ میں آزاد شیعہ سلطنتیں قائم کیں۔ یہ تمام سلطنتیں مغل حکمرانوں کے سامنے پروان چڑھیں۔ مرہٹوں کے لئے یہ ریاستیں جائے پناہ تھیں مرہٹے مغلیہ سلطنت میں لوٹ مار کر کے ان ریاستوں میں پناہ گزین ہو جاتے تھے اور اورنگ زیب ان وجوہات سے انہیں ختم کرنے پر مجبور ہو گیا ان شیعہ ریاستوں کا سقوط شیعہ، مرہٹہ گٹھ جوڑ تھا اور بنیادی وجہ مرہٹوں کی دوستی تھی نہ کہ شیعہ دشمنی

منعم خان کے بعد دہلی میں حسین علی اور عبداللہ کا ستارہ چمکا ۱۷۱۳ء سے ۱۷۱۹ء تک فرخ سیر کے زمانہ میں ان کا طوطی بولتا رہا۔ مرکز کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سکھوں کا ایک چیلا بندہ بیراگی کے نام سے سرہند میں ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کرنے کے بعد آگے بڑھنے کے لئے پر تول رہا تھا کہ فرخ سیر نے اُسے گرفتار کر لیا اب انہوں نے سید برادران کی طرف توجہ کی وہ مرہٹوں کو چڑھا لائے۔ یہ انتشار تمام کا تمام شیعوں کا پیدا کردہ تھا۔ اور مسلمانوں کے لیے یہ دور کی صدی گویا ایک قسم کا عذاب الہٰی تھا۔ آج یہ حکمران ہے کل وہ۔ ادھر جاٹ ہیں اُدھر سکھ۔ ایک طرف مرہٹے ہیں دوسری طرف انگریز اور ان سب کو آگے بڑھانے اور پیچھے ہٹانے والے ہاتھ اس وقت تک پس پردہ ہیں جب تک اودھ میں اپنی حکومت مستحکم نہیں کر لیتے۔

سید برادران نے ۱۸ فروری ۱۷۱۹ء سے ۱۴ اگست ۱۷۱۹ء تک یعنی صرف چھ ماہ میں یکے بعد دیگرے تین بادشاہ تخت پر بٹھائے۔ آخر فرخ سیر کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ مگر حسین علی اور عبداللہ کے وجود میں ہزاروں شیعہ دربار میں موجود تھے۔ وہ مرہٹوں کو چڑھا لائے۔ یہ گویا حسین طباطبائی، ابن علقمی اور شادار کے کردار کا اعادہ تھا۔ شاہ ولی اللہ کی تحریک پر احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کا زور توڑنے کے لئے پانی پت پہنچا تو ابراہیم گاردی نامی ایک شیعہ مرہٹوں کے توپخانے کا افسر اعلیٰ تھا اور آخر مرہٹوں کے ساتھ خود بھی بھسم ہو گیا۔

اس دور کی تاریخ صاف بتاتی ہے کہ تقیہ کی آڑ میں چھپے ہوئے شیعہ کھل کر سامنے آ چکے تھے۔ اور آخر انہوں نے سعادت علی خان کو اودھ کی حکومت دلا کر ہی دم لیا۔

بندہ بیراگی جس نے سرہند کے مقام پر ستر ہزار مسلمانوں کو گھیر گھیر شہید کیا۔ اسے شیعہ سازشوں نے ہی جرأت دلائی تھی۔ اور پھر قانون قدرت کی ایک نیرنگی دیکھیے یہ سب کچھ خواجہ احمد فاروقی کی "قیومیت"[1] کی بستی اور چوتھے قائم کی موجودگی میں ہوا۔

---

[1] قیومیت کی بحث قدر مشترک میں آئے گی انشاء اللہ العزیز۔

فتنہ مکرر:-

مغلوں کے مورث اعلیٰ نے سلطان بایزید کو اس وقت گرفتار کیا جب وہ تمام یورپ کو فتح کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلا تھا۔ اگر تیمور میں ذرہ بھر بھی دینی حمیت ہوتی تو وہ عیسائیوں کا ساتھ دیتے ہوئے ہرگز بایزید سے جنگ نہ کرتا پھر اس کے بعد بابر سے لے کر سراج الدین ظفر تک شیعوں نے ہر مقام پر اپنی بالادستی کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہے

محمد شاہ کے زمانہ میں نادر شاہ درانی نے دہلی میں جو قتلِ عام کیا اس کی نظیر اس کے پیشرو شیعہ فاتحین یعنی آلِ بویہ تیمور۔ ابن علقمی حسین طباطبائی وغیرہ کے علاوہ کہیں نہیں ملتی۔ قاضی نور اللہ کے قتل کا ردِ عمل مغل حکمرانوں کی ذہنیت کا بہت بڑا ثبوت ہے - قاضی مذکور کے خلاف فتوے صرف دُرّے لگانے کا تھا اس وقت اس کی عمر ۶۳ سال کے قریب تھی وہ اس سزا سے مر گیا یعنی قتل نہیں کیا گیا بلکہ خود مرا۔ اور اس کے مرنے کے جرم میں جہانگیر نے اپنی عورت کے کہنے پر ان تمام علماء کو قتل کرا دیا جنہوں نے قاضی مذکور کے خلاف دُرّے لگانے کا فتویٰ دیا تھا۔ اکبر کا دینِ الٰہی بھی اسی شیعیت کی تبلیغ کا اثر تھا جس نے اسلام میں امامت کا تصور پیدا کیا تھا۔

دکن کی مہدوی تحریک بھی اسی دور کی پیداوار ہے۔ نظام شاہی خاندان کے چھٹے بادشاہ اسماعیل نے مہدوی عقائد اختیار کئے اور ۱۵۹۰ء میں اُسے شیعوں نے قتل کر دیا اور دو سال کے بعد احمد نگر میں پھر شیعی اثرات غالب آگئے۔

اس تحریک کے بانی سید محمد جونپوری ۱۴۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ ظاہری باطنی علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے ۱۴۹۵ء میں تین سو ساٹھ ہمراہیوں کے ساتھ حج کو گئے اور وہاں حجرِ اسود اور رکن یمانی کے درمیان مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ واپسی پر کھمبات پہنچے۔ وہاں سے پٹن۔ جالور۔ ناگور۔ جیسلمیر سے ہوتے ہوئے ٹھٹھہ پہنچے کہیں مخالفت ہوئی اور کہیں موافقت۔ آخر خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ اور فرہ کے مقام پر ۲۳ اپریل ۱۵۰۵ء میں وفات پائی۔

مہدوی تحریک نے دکن کی عسکری اور سیاسی زندگی میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ مہدوی سپاہی اور افسر بڑے بہادر اور جانثار، جوشیلے اور سریع الغضب ہوتے تھے۔ راجہ چندولال کے زمانہ میں حیدرآباد مہدوی گروہ کا مرکز تھا۔ محمود بن لطیف خان ۱۹۳۳ھ کے زمانے میں مہدویوں کا طرزِ عمل بالکل حسن بن صباح کے فدائیوں کی طرح تھا۔ شیخ علائی بھی اسی سلسلہ کے پُرجوش داعی تھے۔ نواب بہادر یار جنگ بھی مہدوی تھے آج کل کراچی میں ان کی ایک انجمن "ذکر مہدوی انجمن" موجود ہے۔ گجرات، پالن پور، حیدرآباد میں بھی یہ لوگ موجود ہیں۔

شیخ محمد اکرام ایم۔اے رود کوثر میں لکھتے ہیں کہ بابر نے ہمایوں کے لئے جو وصیت لکھی اس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظرانداز کرتے رہو۔

سندھ میں محمد بن قاسم نے جو مبارک طریق کار شروع کیا تھا بعد کی فقہی تدوین نے اس میں رخنے ڈال دیئے (اور مغلوں نے سب کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا مؤلف)

مغلیہ دور میں شیعیت کے بڑھتے ہوئے خطرہ کو بھانپ کر حضرت احمد فاروق سرہندی نے رد روافض میں ایک رسالہ لکھا۔ یہ رسالہ دراصل اس رسالے کا جواب تھا جو علمائے شیعہ نے علمائے ماوراء النہر کو اس وقت بھیجا جب عبداللہ خان اوزبک نے مشہد کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ لیکن اس کی تصنیف کی فوری وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں کئی شیعہ علماء مشہد کے مضامین دوہراتے اور امراء و سلاطین کی مجلسوں میں انہیں بڑے فخر سے بیان کرتے۔ حضرت خواجہ ان محفلوں میں ان کی تردید کرتے مگر عوام الناس کے فائدہ کے لئے رسالہ ہی لکھنا ضروری سمجھا۔

ہندوستان میں جہانگیر کی مقبول نظر ملکہ نورجہاں شیعہ تھی۔

بادشاہ کا وزیر شیعہ تھا۔ شیعہ عقائد ملک میں شروع ہو گئے تھے اکبر کو خیال ہوا کہ کسی حرم کو رخصت کئے بغیر زیادہ عورتوں سے کس طرح متمتع ہوا جائے۔ ایک دو نے متعہ کا راستہ دکھایا۔ دوسرے ملا نے اس کی حنفی فقہ کی رو سے مخالفت کی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے کہا کہ اگر ایک مالکی قاضی اس کے حق میں اپنے اصول کی رو سے فتویٰ دے دے تو ایک

حنفی کے لئے بھی متعہ جائز ہے۔ بادشاہ کو اور کیا چاہیئے تھا۔ حنفی قاضی کو رخصت کر
دیا۔ اور مالکی قاضی کو لقینیاتی کا پروانہ مل گیا۔ جس نے رجب اللہ فتوے دیدیا تھا یہ بھی ذہنی پستی کا نتیجہ
مغلوں کی بے دینی نے ہندوؤں کو اس قدر جرأت دلائی کہ انہوں نے کئی مقامات
پر مساجد کو منہدم کر کے اپنے معبد اور مندر تعمیر کر لئے۔ چنانچہ تھانیسر میں ایک
اور ایک بزرگ کا مزار گرا کر بڑا بھاری مندر تعمیر کر لیا۔ رمضان میں برملا نان وطعام
کے دور چلتے مگر مسلمانوں کو ہندوؤں نے ایکادشی کے موقع پر روٹی پکانے اور
بیچنے سے روک دیا۔

بدایونی لکھتا ہے تاج الدین سنبھلی نقشبندی اکبر کے ہاں آزادانہ آمد و رفت رکھتا
تھا اور بعض اوقات پوری راتیں شطحیات و ترہات کی نذر ہو جاتیں۔

خافی خان ۱۰۷۶ھ کے ضمن میں صوبہ کابل کے متعلق لکھتا ہے کہ یہاں ایک گمراہ
کے احکام کو قرآن وحدیث کا درجہ دے کر عوام نے ملحدوں کے طریقے اختیار کر رکھے ہیں
حضرت میاں میر کے ایک خلیفہ ملا شاہ کی وارفتگی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ ایک
کہہ اٹھا (تعن کفر کفر نہ باشد)

پنجہ در پنجہ خدا دارم — من چہ پروائے مصطفی دارم

علمائے کشمیر کے واویلا پر شاہجہان نے میاں میر سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک حال
ہے۔ اس کی وجہ سے اس کا قتل واجب نہیں۔ اور ملا شاہ بچ گیا۔ آخر دارا شکوہ اور
اس کی بہن جہاں آرا ملا شاہ کے مرید بن گئے۔

مغلیہ دور کا ایک اور شہکار سرمد نامی یہودی النسل ہے۔ یہ شخص گویا منصور حلاج
متبنی تھا۔ عام طور پر ننگا رہتا تھا اور خلاف شرع اشعار کہتا رہتا تھا۔ عوام کے پر
احتجاج پر قتل ہوا۔

مصنف دبستان مذاہب لکھتا ہے کہ اس دور میں عجیب عجیب قسم کے فرقے اور
نمودار ہو گئے تھے بیراگی ایک گروہ تھا جس میں ہندو و مسلمان دونوں شامل تھے اور
کی پوجا کرتے تھے۔

ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے کہ الحاد و تشکک اس حد تک بڑھ چکا تھا اور بدچلنی و بداخلاقی اس مقام پر پہنچ چکی تھی کہ ان کا سدباب کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔

دہلی کے محلہ شیطان پورہ میں بدچلنی کے ساتھ توہم پرستی بھی آگئی تھی۔ جادوگر، رمال اور کرامت کے دعویداروں سے دارالخلافہ بھرا پڑا تھا (آج کل کے نقاش اور رمال انہیں کی روحانی ذریت ہیں مؤلف)

ایک دفعہ اورنگ زیب نے کہا تھا کہ تمام ہندوستان میں صرف دو شخص ایسے ہیں جو شراب نوشی سے مجتنب رہے ہیں ایک میں خود اور دوسرے قاضی عبدالوہاب، منوچی لکھتا ہے کہ قاضی کو تو میں خود شراب بہم پہنچاتا رہا اور پھر قاضی کے مرنے کے بعد اس کے گھر سے ایک لاکھ اشرفیاں اور پانچ لاکھ روپیہ نقد کے علاوہ جواہرات اور بے حساب مال نکلا (یاد ایام مولانا عبدالحی ص۶۵)

اورنگ زیب بیچارے کو قاضی صاحب کی اندرونی زندگی کی کیا خبر تھی۔

مسائل المشائخ میں لکھا ہے کہ بنگال میں شطاری درویشوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ اور ان کے ساتھ مداریہ فرقہ تو بنگال پر پرتسمہ پا بنکر بیٹھا ہوا تھا۔ آج تک ڈھاکہ میں مدار جھنڈا کی گلی۔ مداری پور مدار باری کی بستیاں موجود ہیں۔ موضع [illegible] ضلع دیناج پور ایسے غیر شرعی فقیروں کا مرکز تھا جنہوں نے ہندو یوگ اسلامی تصوف اور اخلاقی آزادی کی ایک کھچڑی تیار کی تھی۔ یہ لوگ صرف ایک لنگوٹی باندھا رہتے۔ پاؤں میں بیڑیاں پہنتے (آج کل بھی علی کے اکثر ملنگ اسی ہیئت میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں مؤلف) ان کے مورث اعلیٰ کوئی شاہ سلطان حسنی تھے جنہوں نے ایک ہندو راجہ کو مکر سے بلیا سے بھگا کر وہاں قبضہ کیا تھا۔ ان شاہ سلطان اور ان کے خلفا نے اپنے چیلوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ تم جہاں جاؤ۔ علم۔ جھنڈے۔ پھریرے۔ بانس۔ عصا۔ باجے۔ ماہی مراتب اپنے ساتھ رکھو۔ اٹھارہویں صدی میں جب ان کی حکومت کا نظم و نسق ڈھیلا ہوگیا تو ہزاروں کی تعداد میں "مدار علی" کے یہ ننگ دھڑنگ ملنگ آبادیوں

اور بستیوں پر ٹوٹ پڑتے۔

اصل میں یہ وہی مجوسی اور یہودی تحریک کی مختلف صورتیں تھیں جن کا اصل مقصد اسلام کو مٹانا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مٹانا تو ہمارے بس میں نہیں البتہ اسلامی تعلیمات کو بگاڑنا آسان ہے تو یہ لوگ ہمہ تن اس کام میں جٹ گئے۔ آج مسلمانوں میں جتنی مشرکانہ رسومات جن اسلام سمجھی جاتی ہیں۔ وہ سب مغلیہ دور کے ان مسلمان نما "زرتشتی اور یہودی" لوگوں کی پیدا کردہ ہیں۔ اور ہمارے وہ بھائی جنہوں نے شیعیت کو ایک مذہب کے طور پر پایا اور قبول کیا وہ آج تک اس سازش سے بے خبر ہیں۔

اس مذہبی انتشار، ان چالوں کی آنکھ مچولیوں، قسمت آزماؤں کی ریشہ دوانیوں میں اورنگ زیب جیسا آدمی کہاں تک کامیاب ہو سکتا تھا۔ پھر وہ اصل مرض کی بنیاد ہی نہ سمجھ سکا کہ یہ سب ہنگامے بالواسطہ یا بلا واسطہ شیعیت کی پیداوار ہیں۔ اور شیعیت اس کی گود میں پلتی، پڑھتی، پھیلتی اور پھولتی رہی اور اس نے یہاں تک ترقی کی کہ اورنگ زیب کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کے جانشین نے علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کا نعرہ لگا دیا۔ کیا ان حالات میں کوئی عقلمند اورنگ زیب کو شیعہ دشمن کہہ سکتا ہے؟ آج شرک و بدعت کی جتنی صورتیں ہمارے درمیان موجود ہیں یہ سب شیعیت کی پیدا کردہ اور اورنگ زیب کے زمانے کی پیداوار ہیں۔

شجرہ نوابانِ اودھ ۔

۱۷۲۴ء تا ۱۸۵۶ء (۱۳۲ سال)

۱۔ بانی ریاست نواب برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری

۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء تا ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء (۱۶ سال)

۲۔ نواب صفدر جنگ منصور علیخاں شوہر ——— صدر النساء بیگم دختر

۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء تا ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء (۱۶ سال)

۳۔ نواب شجاع الدولہ مرزا جلال الدین حیدر

۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء تا ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۵ء (۲۱ سال)

۴۔ نواب آصف الدولہ مرزا یحییٰ عرف مرزا آمانی ؎

۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۵ء تا ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء (۲۲ سال)

۵۔ نواب یمین الدولہ مرزا سعادت علی خاں پسر شجاع الدولہ

۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۸ء تا ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء (۱۶ سال)

۶۔ غازی الدین حیدر بادشاہ

۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء تا ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء

۷۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ

۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء تا ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء

(۸) محمد علی پسر سعادت علی خاں

۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۲ء

(۹) امجد علی شاہ ۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۷ء

(۱۰) واجد علی شاہ ۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۶ء

؎ آصف الدولہ لاولد مر گیا۔ ایک مجہول الحال غریب علوی لڑکے کو اپنا بھتیجا بنایا۔ ان کے مرنے کے بعد وہی جانشین ہوا۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد معزول کر کے شجاع الدولہ کے بیٹے سعادت علیخاں کو بادشاہ بنایا گیا۔

۱۔ برہان الملک

سلطنت اودھ جس کا دار الحکومت لکھنؤ رہا۔ اس کا بانی برہان الملک سعادت خان تھا جب اورنگ زیب نے دکن کی شیعہ سلطنتوں کو زیر کر لیا تو اس کے بعد اودھ میں ایک اور شیعہ سلطنت ۱۷۲۲ء میں قائم ہوئی۔ سعادت علی کو کھینچ تان کر شیعہ مورخوں نے زید بن علی بن جعفر صادق کی اولاد سے قرار دیا ہے۔ زید کو بعض نسابین نے غیر معقب قرار دیا ہے۔ اور جنہوں نے ان کی اولاد بیان کی ہے انہوں نے بھی چار بیٹے حسن، حسین، جعفر اور موسیٰ ہی بیان کئے گئے ہیں۔ مگر سعادت خان کے شجرہ میں پانچواں بیٹا فخر الدین بیان کیا گیا ہے حالانکہ اس دور میں بلکہ اُس سے چند صدیاں بعد بھی اس قسم کے نام تاریخوں میں نہیں ملتے بہرحال سعادت خان علوی تھا۔ یا مجہول النسب تھا۔ اس کی پیدائش نیشا پور میں ہوئی ہندوستان میں وارد ہونے کی تاریخ نہیں ملتی ۱۷۱۲ء میں سربلند خان کا فوجدار تھا۔ فرخ سیر کے زمانہ میں ۱۷۱۹ء میں بیانہ کا فوجدار بن گیا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ سعادت خان میں حب جاہ اور مطلب پرستی بے انتہا تھی حسین علی خان جیسے شخص کو جس کا حاشیہ نشین اور مورد عنایت رہا تھا اس کو بھی نہ بخشا اور باوجود سید اور شیعہ ہونے کے اُسے قتل کر دیا۔ (جلد اول صفحہ ۱۳۳)

اس صلہ میں محمد شاہ کی طرف سے پنجہزاری کے منصب پر فائز ہوا۔ ۱۱۳۲ھ میں اکبر آباد کا منصبدار بن گیا۔ دو سال بعد اودھ کی صوبیداری پر تقرر ہوا۔ اب اپنی شیعیت کے جوہر دکھانے لگا۔ شیخزادگان لکھنؤ کو بیدردی سے کچلا۔ جونپور اور غازیپور کے علماء شرفا کے وظائف بند کر دئے۔ اہل سنت کے مدارس بند کر دئے جو قدیم سے علم و فضل کے مخزن تھے (سبحۃ المرجان)

۱۱۵۱ھ میں مرہٹوں کی یورش کا استعمال کیا۔ مگر ساتھ ہی بقول غلام حسین طباطبائی مؤلف سیر المتاخرین نادر شاہ درانی سے ساز باز کر کے محمد شاہ پر حملہ کرا دیا۔ اس کا

مقصد مغلیہ سلطنت کو شیعہ حکومت میں بدلنا تھا۔ نادر شاہ نوّے کروڑ کی مالیت کا نقد و جنس اور تخت طاؤس لے کر واپس چلا گیا۔ مگر ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کو تباہ کر گیا۔

نادر شاہ کے قتلِ عام سے ایک دن پہلے ہی سعادت خان بعارضہ سرطان مر گیا تاریخ وفات ایک عدد کی زیادتی سے "بے سعادت نمک حرام بمرد ہوئی" ۱۱۵۲ھ

سعادت خان صرف شیعہ ہی نہیں تھا بلکہ شیعہ گر بھی تھا۔ خواجہ موسیٰ خان نقشبندی اس کی صحبت میں شیعہ ہوا اور اس کی اولاد کو لکھنؤ میں جاگیر ملی۔

۲۔ صفدر جنگ ۱۷۳۹ سے ۱۷۵۴ تک ۔

سعادت خان لاولد مر گیا۔ اس کے بعد حکومت صفدر جنگ کو ملی جو اس کا بھانجہ اور داماد تھا۔ مجہول النسب تھا۔ مؤلف تاریخ اودھ اُسے ایک کاسہ ساز کا بیٹا بیان کرتا ہے۔ نہایت غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ سعادت خان نے بہن اور بھانجے کو ہندوستان بلا کر اپنی بیٹی صدر جہاں اس کے نکاح میں دی (آخری تاجدار اودھ ص۱۵) نادر شاہ نے ۱۱۵۰ھ میں محمد شاہ بادشاہ دہلی سے خلعت صوبیداری دلوایا۔ صفدر جنگ نے اپنے ماموں کی نسبت زیادہ عروج پایا۔ ۱۱۵۶ھ میں دہلی میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اودھ کی صوبیداری کے علاوہ صوبجات کشمیر اور الٰہ آباد کا انتظام بھی اس کے سپرد ہوا۔ اور شاہی توپ خانہ کا انتظام بھی اس کے ذمہ ہوا۔

لطیفہ:۔ سعادت خان کو یارانِ طریقت نے علوی بنا دیا۔ اور اس کے داماد اور بھانجے کو ایک غریب کاسہ ساز کا بیٹا۔ یعنی سعادت خان کی بہن کسی ٹھٹھیارے سے بیاہی گئی۔ اور اس ٹھٹھیارے کا بیٹا سعادت خان کا داماد بنا جو بعد میں اودھ کا صوبیدار ہوا۔

۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ ابدالی کے لشکر کو شکست دی (سیر المتاخرین جلد ۳ ص۸۲۴) اور اس صلہ میں لاہور اور ملتان کا ناظم مقرر ہوا۔ صفدر جنگ ولی عہد احمد شاہ کو شکست دینے کے بعد ابھی نواح پانی پت میں تھا کہ محمد شاہ مر گیا۔ اب ولی عہد احمد شاہ کے نام

بنے بادشاہ بن گیا اور صفدر جنگ وزیر (مفتاح التواریخ) رجب ۱۱۶۱ھ میں جملۃ الملک مدار المہام وزیر الممالک برہان الملک ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ کے خطاب ہفت ہزاری کے منصب پر فائز ہوا۔

اس زمانہ میں مرہٹے اور انگریز ہاتھ پاؤں بڑھا رہے تھے صفدر جنگ نے ان سے لڑنے کی بجائے بنگش افغانوں اور روہیلوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ احمد خان بنگش سے شکست کھا کر دوآبہ کے علاقے پر مرہٹوں کو مسلط کرا دیا۔ پھر محمد شاہ برادر [illegible] بادشاہ کو جو مسلکاً شیعہ تھا۔ قتل کرانے کی سازش کی۔ بادشاہ نے انتظام الدولہ کو وزیر کر دیا۔ اب ہر طرف سے آوازیں اٹھنے لگیں کہ صفدر جنگ شیعہ ہے۔ اسی حالت میں ۱۷ ذی الحج ۱۱۶۷ھ کو سرطانی پھوڑا سے مر گیا۔

۲۔ شجاع الدولہ ۱۷۵۳ سے ۱۷۷۵ تک

۲۴ سال کی عمر میں مسند وزارت پر بیٹھا۔ لہو و لعب اور صحبت زنان اور دیگر افعال مذمومہ میں بے باک تھا۔ شاہ عالم سے وزیر الممالک کا خطاب پایا۔ دغا، فریب، بد عہدی، ظلم، تعدی، بے رحمی و قساوت کے کئی واقعات ہمعصر مورخین نے لکھے ہیں۔

قاسم علی خان حاکم بنگالہ انگریزوں سے شکست کھا کر خزانہ اور دیگر قیمتی اشیاء لے کر اس کے پاس پہنچا۔ اس نے حضرت عباس بن علی کے نام کی قسمیں کھا کر حفظ و جان و مال اور عزت و آبرو کا معاہدہ لکھ دیا۔ پھر قاسم علی خان کو ساتھ لے کر انگریزوں سے جنگ کے لئے روانہ ہوا بکسر کے مقام پر شکست کھائی۔ کسی نے [illegible] ۱۱۷۸ھ تاریخ کہی۔ انگریزوں کے تمام مفتوحہ علاقہ کا انہیں حکمران تسلیم کر کے ان سے صلح کر لی اور قاسم علی سے سب کچھ چھین کر اسے گدائے محتاج بنا دیا۔

روہیلوں کو مٹانے میں بھی ظلم و شقاوت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ حافظ روہیلہ کو شہید کر دیا یہ واقعہ ۱۱ صفر ۱۱۸۸ھ کا ہے۔ اس کے بعد روہیلوں کی جائداد لیکن شجاع الدولہ کی فوجیں قہر الٰہی بن کر روہیلہ بستیوں میں داخل ہوئیں، مدرسوں خانقا

مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی۔

جو کچھ سعادت خاں نے جونپور، غازی پور اور کڑہ مانک پور کے سنی رؤسا سے کیا تھا اسد نے اس پر اور زیادتیاں کیں۔ پدر نتواند پسر تمام کند کے مصداق اس نے سنیوں کی بستیوں کی بستیاں جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیں۔

سنیوں کی ضبطیٔ جائداد کے سینکڑوں واقعات شیعہ مورخ طبا طبائی اور دیگر مورخوں نے لکھے ہیں۔ مخدوم شاہ مینا عباسی کی جائیداد باپ نے ضبط کی۔ شاہ اجمل عباسی کے ۳۲ دیہات بیٹے نے ضبط کئے شاہ صاحب نے ایک نظم میں یہ واقعہ بطور دعا لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

کس شنید نی شنیدم نادیدنی بدیدم ... در رنج و غم تپیدم فریاد رس الٰہی

اس واقعہ کے تین ماہ بعد اس کے جوڑ میں پھوڑا نکلا۔ درد سے بے تاب لوٹ پوٹ ہوتا رہا۔ ماں نے ہر چند سمجھایا کہ روہیلوں کے اہل و عیال جو قید میں ہیں آزاد کردو۔ جن لوگوں کی جائدادیں ضبط کی ہیں واگذار کردو مگر اپنی ضد پر اڑا رہا۔ سیر المتاخرین کا شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ اپنے برے کاموں کی وجہ سے عین عالم جوانی میں ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ کو اس دنیا سے چل بسا (ج ۳ صفحہ ۹۴)

مزید چند بدکرداریاں:

شجاع الدولہ کے ظلم و ستم، مذہبی تعصب اور لہو و لعب وغیرہ کی فہرست طویل ہے اختصاراً چند باتیں سن لیجئے۔

۱۔ قاسم علی کو باوجود پختہ عہد و پیمان کے لوٹ لیا۔

۲۔ روہیلوں پر بلاوجہ بے پناہ ظلم کئے

۳۔ خواہش نفس کا اس قدر حریص تھا کہ راستہ میں سواری پر ہی بے تاب ہو کر صحبت کر لیتا تھا۔ اور (اسی غرض کے لئے ہر وقت عورتیں ساتھ رکھتا) تھا۔

۴۔ کھتری قوم کی ایک نوجوان دوشیزہ کو جبراً اٹھوا کر منگوایا اور منہ کالا کیا۔

۵۔ منکوحہ متاعی اور غیر متاعی عورتوں کی تعداد دو ہزار بتائی جاتی ہے۔

۶- اس کی ان بے حیائیوں سے تمام ملک میں رنڈیوں نے وہ زور پکڑا کہ منکوحہ عورتیں بے بسی میں ہو کر رہ گئیں۔

۴- آصف الدولہ ۱۷۷۵ سے ۱۷۹۷ء تک

شجاع الدولہ کے مرنے کے بعد مسند نشین وزارت ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ خوش سیرت نہ تھا۔ اوپر کا دھڑ بڑا اور نیچے کا اس قدر چھوٹا کہ گھوڑے پر بھی سوار نہیں ہو سکتا تھا۔ بچپن سے ہی بد وضع خواجہ سراؤں کی صحبت میں نہایت بری عادتوں اور بدفعلیوں کا عادی ہو گیا تھا۔ اس وقت اودھ کے علاوہ تمام روہیلکھنڈ، صوبۂ الہ آباد، چکلہ کڑا، چکلہ اٹاوہ، بنارس کا علاقہ، اضلاع جونپور، غازیپور وغیرہ اس کی عملداری میں تھے۔ آخری تین اضلاع شروع میں ہی انگریز کمپنی کے حوالے کر دئیے۔

بندوں کی مصاحبت اختیار کی۔ فضول خرچیوں کی وجہ سے ماں اور دادی سے خود بھی دولت چھینتا رہا اور انگریزوں سے بھی چھنواتا رہا۔ ماں یعنی بہو بیگم کو آخر میں اس سے سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ لہو و لعب مثل شراب نوشی، چوپڑ بازی، ہاتھیوں اور کبوتروں کی جنگ، مرغوں کی لڑائی، پتنگ بازی اور کھیل تماشوں کے علاوہ ہولی اور بسنت کے جشنوں پر سالانہ تیس پینتیس لاکھ روپیہ خرچ کر دیتا۔ ماں اور دادی سے علیحدگی اختیار کر کے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو دارالحکومت بنایا۔

شیعہ مؤرخ طباطبائی دو دفعہ اس سے ملا۔ وہ لکھتا ہے کہ آصف الدولہ کے تمام مصاحب اور ندیم اراذل اور پوچ قسم کے لوگ تھے۔ بے حیائی نامشروع اور خارج از غیرت کاموں میں اس نے بازاری لوگوں کو بھی مات کر دیا تھا۔

مگر ان سب باتوں کے باوجود فروغ شیعیت میں بڑا ہوشیار تھا۔

۱- اس کی کوششوں سے ہزاروں سنی خاندان شیعہ ہو گئے اور جو اپنے مذہب پر قائم رہے۔ ان کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ (گل رعنا ص۱۵۳)

۲- روہیلکھنڈ میں شیعیت کی تبلیغ و تحریص میں بھاڑے کے جا بجا ذاکروں کو آلۂ کار بنایا۔
(تاریخ اردو ہند جلد ۱ ۱۹۳۰ء)

۲- اس سے پہلے بلگرام میں ایک شیعہ نہیں تھا مگر اس کے زمانہ میں سب شیعہ ہو گئے (مآثر الکرام) اس سلسلہ میں محمد ایوب قادری ایم اے کا مقدمہ فضائل صحابہ واہل بیت مولوی آل حسن مودودی کی تحفۃ التواریخ۔ تذکرۃ الکرام تاریخ اودھ۔ قیصر التواریخ۔ شیعان ہند۔ سیر المتاخرین کا مطالعہ کیجئے کہ آصف الدولہ نے تبلیغ تشیعت میں کیا کیا حربے استعمال کئے۔

۴- آصف الدولہ نے لکھنو میں امام باڑہ بنانے کی بنیاد رکھی بقول ابو طالب مؤلف تفضیح الغافلین لوگوں کے مکان جبراً چھینے۔ جس کے مکان میں کوئی اچھا ملبہ ملا اس کے لئے وہ مکان منہدم کرا دیا۔ بقول سرسید مؤلف آثار الصنادید دہلی کا ایک مقبرہ منہدم کر کے یہاں کے سرخ پتھر لکھنو منگوائے مکانوں کے علاوہ مسجدوں اور مزاروں کو بھی منہدم کرا کے سامان حاصل کیا (معارف ۸ بار دسمبر ۱۹۳۱ء)

۵- فیقرا نامی ایک من چلے نے ایک علم دریائے گومتی کے کنارے دفن کر دیا پھر مشہور کیا کہ مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ فلاں مقام پر عباس کا علم مدفون ہے۔ پھر اسے نکالا۔ جو بجز بت کا سہ شاخہ تھا (تاریخ اودھ جلد ۲ صفحہ ۱۳) آصف الدولہ نے فیقرا کو ایک ہزار روپیہ دیا۔ اب علم کی درگاہ بن گئی جہاں باقاعدہ میلہ لگتا تھا اور ہزاروں پری پیکر آ کر دعوت نظارہ دیتی تھیں۔

۶- مرض موت کے وقت بار بار کہتا تھا یا عباس میری مدد کرو اور مجھے اس وقت بچالو (قیصر التواریخ صفحہ ۲۰۱)

۷- اس کی دیکھا دیکھی امراء نے بھی حسب استطاعت امام باڑے تعمیر کرائے

۸- تبرا بازی شجاع الدولہ کے زمانہ سے شروع ہو گئی تھی مگر اب باقاعدہ ایک فریضہ کے طور پر بجا لائی جانے لگی دہلی کا مغل شہزادہ عباس مرزا اس کا مہمان تھا جو مسلکاً سنی تھا ایک مجلس میں جب تبرا بازی شروع

ہوئی تو وہ اٹھ کر چلا گیا۔ آصف الدولہ نے اس کا وظیفہ بند کر دیا۔
(قیصر التواریخ ج ۱ صفحہ ۱۷۶)

۹- لکھنؤ میں سنی کا شیعہ قاتل پھانسی کی سزا نہیں پاتا تھا۔ مسٹر سلیمن جو ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۶ء تک لکھنؤ میں ریزیڈنٹ رہا لکھتا ہے کہ لکھنؤ میں کوئی شیعہ قتل کرنے کے جرم میں خواہ کسی سنی ہی کو کیوں نہ قتل کیا ہو ہندو کا تو ذکر ہی کیا پھانسی کی سزا نہیں پاتا تھا۔ (شیعان ہند صفحہ ۱۶۲ بحوالہ رپورٹ سلیمن)

۱۰- مولانا شرر نے گذشتہ لکھنؤ میں اس قسم کے واقعات پر تفصیلی تذکرہ کیا ہے

۱۱- لکھنؤ سے تبرّا اور سب صحابہ و خلفا کی وبا ایک فن بن کر تمام ملک میں پھیل گئی اور شیعہ مبلغین اور مقررین نے اس پر وہ وہ حاشیہ آرائیاں کیں کہ گویا شیعہ مذہب اصل میں صرف صحابہ کرام کو گالیاں دینا بن کر رہ گیا

۱۲- آصف الدولہ کے زمانے میں ہی سنہ ۱۲۰۰ھ میں نماز جمعہ و جماعت شیعہ کی ابتداء ہوئی۔

اس سے پہلے تمام ہندوستان میں شیعہ سنیوں کے ساتھ ہی نمازیں پڑھتے تھے اور مولوی دلدار علی جو آبائی طور پر سنی تھے اور مرزا حسن رضا نامی آصف الدولہ کی تحریک پر نجف جا کر سند اجتہاد لے کر آئے تھے خطیب و پیش نماز مقرر ہوئے۔ یہ تمام واقعات مولوی دلدار علی نے اپنے رسالہ اجازہ میں قلمبند کئے ہیں۔

۱۳- اسی دور میں شیعوں نے خود ساختہ اذان شروع کی (تفصیل اسی کتاب میں اور مقام پر دیکھئے)

۱۴- آصف الدولہ کے زمانہ میں ہی عید بابا شجاع کی بدعت جاری ہوئی۔

۱۵- تعزیہ سازی اور ماتم اسی کے زمانہ میں شروع ہوا۔

۱۶- مرثیہ گوئی اسی کے زمانے میں شروع ہوئی اور اس نے باقاعدہ ایک فن کی شکل حاصل کی۔ تحت اللفظ خوانی، روضہ خوانی، حدیث خوانی

سوز خوانی رفتہ رفتہ مستقل فن بنتے گئے۔ سینکڑوں تنخواہ دار اس کام کے لئے نوکر رکھے گئے۔ بے شمار وضعی اور من گھڑت روایات مرثیوں کے ذریعے بیان ہونے لگیں۔ کسی شخص نے ایک بار مشہور مرثیہ گو شاعر انیس سے پوچھا کہ وقائع نگاری سے بے نیاز ہو کر تم کیسے من گھڑت واقعات بیان کرتے ہو تو انیس نے جواب دیا کہ کوئی صاحب دس بند ہی ایسے کہہ کر سنا دیں جن میں صحیح روایات سے تعلق تھا ورنہ ہو اور پھر بھی کلام موثر ہو تو میں مان لوں گا کہ وہ بہت بڑا شاعر ہے۔
(یادگار انیس)

۱۷۔ متعہ کو رواج دیا جس سے غیر دائم متعہ کے کاروبار کو اس حد تک رونق ملی کہ طوائفوں اور رنڈیوں کے ہاں شرفا اور مہذب لوگ بھی بے جھجک جانے لگے۔ چنانچہ شرر لکھتے ہیں کہ لکھنو میں بازاری عورتوں کو وہ رتبہ حاصل ہو گیا کہ مہذب و شائستہ افراد کی محفلوں میں ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگیں۔ اور رنڈیوں کے مکان شرفاء کے اچھے خاصے کلب بن گئے (گذشتہ لکھنو صفحہ)
متعہ کے اس رواج نے شاہدان بازاری کو متصوفین کی سماع کی مجلسوں تک پہنچا دیا۔ اور یہ سلسلہ اجمیر اور دوسری درگاہوں تک جا پہنچا۔
غالی حنفیوں کے ہاں آج کل جو قبوری بدعتیں نذر و نیاز، عرس، رنڈیوں کے مجرے، پیری مریدی کے گورکھ دھندے، قوالی کی محفلیں، یا غریب نواز کے نعرے ملتے ہیں یہ اسی متعہ کے برگ و بار ہیں۔

۱۸۔ فرقہ واریت کا عذاب۔ یہ بھی اسی دور کی پیداوار ہے مغلیہ دور میں یوں تو شیعہ کافی تھے مگر ان کے تعلقات ایک دوسرے سے بظاہر خوشگوار تھے۔ مگر شیعوں کی تبرا بازی اور اس کے مقابلہ میں سنیوں کے چار یاری نعرے نے دونوں فرقوں کے درمیان شدید مغایرت اور دشمنی پیدا کر دی

۵۔ نواب یمین الدولہ مرزا سعادت علی خان پسر شجاع الدولہ
۱۷۹۸ء سے ۱۸۱۴ء تک

آصف الدولہ لاولد مر گیا۔ ایک مجہول الحال غریب علوی لڑکے کو اپنا متبنیٰ اور جانشین بنایا۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد اُسے معزول کر کے شجاع الدولہ کے بیٹے سعادت علی خان کو بادشاہ بنایا گیا۔ آصف الدولہ کے زمانہ میں سعادت علی خان نے لکھنؤ میں قیام مناسب نہ سمجھا بلکہ کچھ عرصہ دہلی اور پھر آخر بنارس جا رہا۔ وہاں منجم الملک ایک رضوی سید کی بیٹی کی تعریف سُنی اپنے لڑکے غازی الدین کے لئے منجم الملک سے لڑکی کا رشتہ طلب کیا۔ ۱۷۹۴ء میں بڑی دوڑ دھوپ کے بعد یہ نکاح ہو گیا۔

سعادت علیخان ۱۱ر جولائی ۱۸۱۴ کو مر گیا۔

۶۔ غازی الدین حیدر بادشاہ ۱۸۱۴ء سے ۱۸۲۷ء تک

جو کمپنی بہادر کے نمائندے کی مدد سے نواب وزیر الممالک رفعت الدولہ، رفیع الملک غازی الدین حیدر خان بہادر شہامت جنگ کے خطاب سے ملقب ہو کر مسند حکومت پر بیٹھے۔

بادشاہ بیگم سے شادی کے کچھ عرصہ بعد اپنی بیوی کی باندی صبح دولت پر طبیعت آئی اور اُسے حمل ہو گیا۔ بادشاہ بیگم آپے سے باہر ہو گئی۔ ۱۲۱۸ جمادی الاول کو لڑکا پیدا ہوا مگر بادشاہ بیگم نے صبح دولت کو مروا دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ماں کو مروا دیا مگر اس کے بیٹے پر بڑی مہربان ہو گئی۔

یہی لڑکا آگے چل کر نصیر الدین حیدر کے نام سے سلطنت اودھ کا ساتواں حکمران بنا۔

بادشاہ بیگم:۔

بادشاہ بیگم۔ نہایت تند مزاج، سرکش، من چلی اور ہیجانی غصہ کی مالک تھیں

یہاں تک کہ اس کا شوہر غازی الدین حیدر بھی اُس سے کنارہ کشی پر مجبور ہو گیا۔ اپنے جاہ و جلال اور قوت اقتدار بڑھانے کی وہ حد درجہ حریص تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ تمام اودھ کی سلطنت اس کی مٹھی میں ہو۔ مذہب کے معاملہ میں وہ صرف متشدد ہی نہ تھی بلکہ اس نے اس ضمن میں عجیب عجیب بدعتیں شروع کیں۔ وقائع دلپذیر مصنفہ عبدالاحد رابط مولانا شرر مرحوم کا گذشتہ لکھنؤ محمد تقی احمد کی تصنیف مبلغ مسٹر ہالسٹر کی تصنیف شیعان ہند میں یہ تمام خرافات تفصیل سے مذکور ہیں چند باتیں آپ بھی سن لیجئے۔

۱۔ تاریخ کی کتابوں سے دوازدہ آئمہ کی شادیوں کی تاریخیں چھانٹ لیں اور ان کے مطابق ساچق اور حنا بندی کی رسمیں شروع کیں۔ حتیٰ کہ جس روز حضرت فاطمہ کا نکاح ہوا تھا اُس روز دو مورتیاں تیار کراتی ایک علی کی اور دوسری فاطمہ کی اور ان کی باقاعدہ شادی کراتی نذریں پیش ہوتیں۔ خود تقلیباً کھڑی رہتی۔

۲۔ ایام محرم کی مدت سعادت علیخاں کے زمانہ تک ۱۰ محرم تھی اس نے ۲۰ صفر تک بڑھادی اور اس عرصہ میں تمام کام اپنی عملداری میں بند کرا دئے۔

۳۔ امام مہدی کی چھٹی کی بدعت شروع کی۔ یہ رسم ہندوؤں میں مروج تھی یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد چھٹے روز دعوتیں ہوتیں اور خوشیاں منائی جاتیں۔ ہر سال ماہ شعبان میں یہ رسم منائی جاتی۔

۴۔ سیّدوں کی خوبصورت لڑکیاں حاصل کر کے ان کی پرورش کرتی۔ اور وہ گیارہ اماموں سے منسوب کر کے ان کی بیویاں بنائی جاتیں۔ اگر والدین لڑکی بخوشی نہ دیتے تو جبراً حاصل کی جاتی۔ ہر لڑکی کا نام کسی امام کی بیوی کے نام پر رکھا جاتا۔ انہیں اچھوتیاں کہا جاتا۔ ہر اچھوتی کے لئے تین تین باندیاں مقرر کی گئیں۔ بادشاہ بیگم خود ان اچھوتیوں سے جھک کر ملتی۔ ان کے لئے بیش قیمت لباس اور اعلیٰ کھانے مہیا کئے جاتے۔

یہ نوجوان لڑکیاں اپنے آپ کو سخت مجبور پاتیں۔ سنتے ہیں کہ ایک دن ایک اچھوتی نے رات کو رونا چلانا شروع کر دیا۔ بادشاہ بیگم آگئیں۔ پوچھنے پر اچھوتی نے بتلایا کہ مجھے تو امام نے طلاق دیدی ہے۔ بادشاہ بیگم نے اُسے معہ اسباب اُس کے والدین

کے گھر بھیج دیا۔ اور اس طرح وہ غریب لڑکی اپنی عقلمندی اور حاضر دماغی سے اس
قید سے چھوٹی۔

۵۔ اچھوتیوں کی طرح اچھوت بھی تھے۔ محل کے مخصوص کمرے مخصوص اماموں کے ناموں
سے موسوم کر کے ان کو ہر طرح سجایا جاتا۔ بادشاہ بیگم خود بھی وہاں جھک کر جاتی
امام کی مفروضہ بیوی کو اس کے مفروضہ خاوند کے کمرے تک بڑی عزت و تکریم سے
پہنچایا جاتا۔

۶۔ بیگم نے اپنے محل میں ہر امام کے نام کا الگ الگ مقبرہ تیار کرا رکھا تھا (یہ بدعت
اس وقت بھی پاکستان کے مختلف قصبات میں دیکھنے میں آتی ہے[1]) اور ہر امام کے
مقبرے کے ساتھ چھوٹی سی مسجد بھی تیار کرائی۔ حضرت عباس کا مقبرہ الگ تیار کیا گیا تھا

۷۔ بادشاہ بیگم کبھی کبھی بن ٹھن کر نہایت ستھرائی اور صفائی سے تخت پر بیٹھتی اور کہتی کہ
مجھ پر شاہ خیابات آیا ہے لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتی اور غیب کی باتیں بتاتی۔
(اس کا یہ بدعت آج تک پاکستان کے متعدد مقامات پر کئی من چلی عورتوں کے
ذریعہ معاش کا سبب بنی ہوئی ہے[2])

۸۔ اماموں کی فرضی بیویوں کو زچگی کے تمام دور سے گزارا جاتا۔ سونے کی گڑیاں
بنا کر بچے کی شکل دی جاتی۔

بادشاہ بیگم کی ان ہی خرمستیوں کے پس منظر میں روپوش غازی الدین حیدر مر گیا۔

۷۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۷ء تک

"گزشتہ لکھنؤ" میں مولانا شرر لکھتے ہیں کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ عورتوں ہی میں رہتے رہتے

---

[1]: قصبہ بھلوال میں امام موسیٰ کاظم کے نام کا مزار ایک شیعہ نے بنا رکھا ہے۔ بھیرال اور
مُدھ حسیانوالہ کے درمیان ایک سنّی ذاکر نے بھی اسی قسم کا مزار تیار کر کے لوگوں کو لوٹنے کا جال بچھا رکھا ہے
اور لطف یہ کہ وہ ذاکر حافظ عبدالکریم صاحب راولپنڈی والے کی پیری کا مدعی تھا۔

[2]: ایسی ہی ایک عورت قصبہ رہتاس ضلع جہلم میں بھی ہے۔

اس درجہ زنانہ مزاجی پیدا ہو گئی تھی کہ عورتوں کی سی باتیں کرتا۔ عورتوں کا سا لباس پہنتا۔ زنانہ مزاجی کے ساتھ مذہبی عقیدت نے یہ شان پیدا کر دی کہ آئمہ اثنا عشرہ کی فرضی بیویوں کی طرح خود حاملہ عورت بن کر زچہ خانہ میں بیٹھا رہتا۔ اور حرکات سے دفع حمل کی تکلیف ظاہر کرتا۔ اور پھر خود ایک فرضی امام بنتا جس کے لئے ولادت چھٹی اور نہانے کے تمام سامان اصل کے مطابق کئے جاتے۔ یہ تقریبیں اس قدر زیادہ تھیں کہ بادشاہ کو سال بھر انہیں سے فرصت نہ ملتی تھی۔ سلطنت کی طرف کون توجہ کرتا . . . . مگر ان زنانہ اور طفلانہ حرکتوں کے باوجود نہایت ظالم تھا۔ چونکہ تمام زندگی عورتوں میں ہی گذری تھی۔ اس لئے اس کے ظلم کی شکار اکثر عورتیں ہی ہوتیں۔ سینکڑوں عورتوں کو اس نے بے قصور اور معمولی بدگمانی پر زندہ دیوار میں چنوا دیا (ملخصاً)

اس نے بادشاہ بیگم سے دو ہاتھ بڑھ کر قاسم اور عباس کی بھی فرضی بیویاں نامزد کیں نصیر الدین حیدر کی موت اور بیگم کے معاملات کی پیداوار کے بعد یہ طلسم ٹوٹا اور زندہ درگور جوان عورتیں آزاد ہو کر شادیاں کر کے زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونے لگیں

غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر کا زمانہ ایک طرف بدعات و اختراعات کی اپنی مثال آپ تھا۔ اور دوسری طرف اس دور میں بیگمات اودھ کی نہایت دردناک تاریخ دہرائی جاتی رہی۔

بیگمات اودھ میں سے پہلی نواب صدر النساء بیگم جو سعادت خان کی بیٹی صفدر جنگ کی بیوی اور شجاع الدولہ کی ماں تھی۔

دوسری بہو بیگم۔ جو دہلی کے ایک شہنشاہ کی لاڈلی لے پالک یعنی محمد اسحاق خان بہادر کی بیٹی اور شجاع الدولہ کی بیوی تھی۔

تیسری۔ ضعیف العقل غازی الدین حیدر کی جوشیلی بیوی بادشاہ بیگم تھیں۔
چوتھی۔ حضرت محل جو واجد علی شاہ جیسے سادہ لوح مگر عاشق مزاج نواب کی اولوالعزم بیگم تھیں۔

پہلی دوسری اور چوتھی کا حال انگریزی رپورٹوں میں بڑی تفصیل سے آیا ہے اور

بادشاہ بیگم کا صرف مناقان کے سلسلہ میں۔

۸۔ محمد علی پسر سعادت علیخان
۱۸۳۷ تا ۱۸۴۲ء تک

نصیر الدین حیدر کے مرنے کے بعد مناقان کے ایک طویل المیہ کے بعد محمد علی کو مسند آرائے حکومت کیا گیا۔ یہ دور بادشاہ بیگم کے لئے نہایت عبرت ناک ثابت ہوا۔

۹۔ امجد علی شاہ:۔
۱۸۴۲ تا ۱۸۴۷ء

محمد علی اور امجد علی کے زمانہ میں مروجہ بدعات میں کسی حد تک کمی آئی مگر تبرّا۔ متعہ۔ تعزیہ۔ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے علاوہ فحاشی، بے حیائی اور عشقی آوارگی میں پہلے کی نسبت ترقی ہوئی۔

۱۰۔ واجد علی شاہ:۔

۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۶ء کے حالات اس کی اپنی زبان سے سنیئے:۔

"مخفی نہ رہے کہ خداوند عالم نے ہر متنفس کو لذت عشق عطا فرمائی ہے۔ نیاز آل میرا خمیر بھی اسی آب و گل سے سجا ہوا ہے اور یہی درد جگر روز ازل سے مجھ کو بھی ملا ہے۔ اب میری عمر کا چھبیسواں سال ہے اور میں اس صحرا کے پُر فضا میں بہت کچھ بادیہ پیمائی کر چکا ہوں۔
جب میرا سن آٹھ برس کا تھا اس زمانے میں ایک عورت رحیمن نامی جس کی عمر تقریباً ۴۵ سال تھی میری خدمت کے لئے متعین تھی۔ ایک روز اس نے عین عالم خواب میں مجھے چھیڑنا شروع کیا اور پھر اس کا روز کا معمول

سلہ: تاریخ اودھ کا یہ ایک طویل اور دردناک باب ہے مگر یہاں چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں دس سال کا ہو گیا۔

پھر امیرن نامی ایک عورت جس کی عمر ۴۵/۴۰ سال تھی۔ گیارہ برس کی عمر تک اس کا خیال رہا۔ گیارہ سال کی عمر میں ہر عورت سے مجتانہ چھیڑ چھاڑ کرتا تھا۔ اس زمانے میں بنو نامی ایک نقود دار عورت کے عشق میں گرفتار ہوا اسی زمانے میں حاجی خانم جس کی عمر بائیس سال تھی اور گود میں پنج سالہ بچہ تھا کے عشق میں گرفتار ہوا امامی خانم کے ذریعہ اس سے تعلق پیدا کرنا چاہا مگر امامی خانم جو نہایت بدشکل تھی مجھ پر ڈورے ڈالنے لگی مگر میں نے توجہ نہ کی میں تو حاجی خانم کے عشق میں گرفتار تھا۔ حاجی خانم جب کبھی اپنے خاوند کا ذکر کرتی تو میں از حد ملول اور افسردہ خاطر ہوتا پندرہ سال کی عمر میں نواب علی نقی خان مرحوم کی بیٹی سے میری نسبت قرار پائی۔ دو ماہ بعد شادی ہو گئی۔ شادی کے پانچ ماہ بعد نصیرالدین حیدر مر گئے۔ اور میرے دادا نصیرالدولہ محمد علی تخت حکومت پر بیٹھے اور میرے والد امجد علی شاہ کو اپنا ولی عہد بنایا۔ میرے والد تربیا جاہ نے پانچسو روپیہ میرا اور چار سو روپیہ میرے محل کا ماہانہ اپنی جیب سے مقرر فرمایا۔

میں اس عرصہ میں پوشیدہ طور پر اکثر اپنے محل کی خادماؤں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا تھا۔ اس سبب سے میرے محل نے اکثر عورتوں کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ میرے والد کی ولی عہدی کو ایک سال گذرا تھا کہ نواب اعظم بہو صاحبہ محل کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام مرزا نوشیرواں قدر بہادر رکھا ۱۲۵۵ھ میں محل مذکور کے بطن سے مرزا فلک قدر بہادر پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں میری عمر سترہ برس کی تھی ازبسکہ عنفوان شباب تھا۔ مجھے جوش جوانی اور ولولہ طبیعت کی وجہ سے خیال گذرا کہ کسی طرح ایام

شباب حسین وخوش جمال عورتوں کی صحبت میں بسر کرنا چاہیئے۔ آخر وحشت قلب وجوش سودا نے یہ ترکیب ذہن نشین کرائی کہ میں اپنی راحت کے واسطے عورتوں کو بطریق خدمتگذاری رکھ کر ان سے پوشیدہ رابطہ محبت پیدا کروں۔ میں نے حکمت عملی سے کام لے کر موتی نام نامی ایک عورت نوکر رکھی۔ مگر میرے محل نے اُسے نکلوا دیا۔

اس کے بعد مجبوراً میں نے شعر وشاعری کی طرف اپنے دل کو متعلق کیا۔ میں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ عورت مجھے نہ ملے گی مجھ پر کھانا پینا حرام ہے۔ میں نے اُس عورت کے عشق میں دو دیوان اور تین مثنویاں لکھیں۔ اور کبھی چشم لطف سے اپنے محل کی طرف نہ دیکھا۔ اُنہوں نے منت وخوشامد سے لاکھ لاکھ وجہ پوچھی۔ مگر میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسی زمانہ میں تیسرا لڑکا مرزا کیوان قدر بہادر پیدا ہوا۔

ان ہی دنوں صاحب نام ایک عورت جو والدہ ماجدہ کی ملازم اور شوہردار تھی میری نظر سے گذری اُس کا سن ۲۳ سال یا اُس سے زیادہ تھا اور نہایت حسین تھی ہم ایک دوسرے کے ساتھ از حد محبت پیدا ہو گئی۔ ہر وقت میرے پاس بیٹھی ہوئی گنجفہ کھیلا کرتی یا گانے بجانے میں مصروف رہتی۔ اس کے دل میں میرا عشق اس قدر بڑھا کہ ایک دن اُس نے میری مندری لے کر آگ میں گرم کی اور اپنی ران پر لگا دی جو اس کے گوشت میں پیوست ہو گئی۔ اس کے بعد ایک برس تک ہم دونوں کے درمیان لیلیٰ مجنوں کی طرح رابطہ محبت قائم رہا۔

اس کے بعد عمدہ بیگم جو پہلے نواب الدین حیدر کے یہاں نوکر تھی اور جس کی عمر ۲۷ سال تھی اس کی محبت میرے دل میں گھر کرنے لگی۔

اسی زمانہ میں والد ماجد کے یہاں تین بہنیں جو مرثیہ خوانوں میں ملازم
تھیں اور استاد کی نواسیاں تھیں حیدری بیگم، محمدی بیگم اور نھی بیگم
سے تعلق پیدا ہوا۔ والد ماجد کو سلطنت مل چکی تھی اور میں ولی عہد
بن چکا تھا۔ میری ولی عہدی کے زمانہ میں عمدہ بیگم خورد محل بن
گئیں پہلے تو استاد کی نواسیوں کو ٹکنے نہ دیا مگر آخر میں نھی
بیگم بھی محل بن گئی۔ اسی زمانہ میں نجم النساء بیگم میرے محل میں
داروغگی کے عہدے پر سرفراز تھیں۔

اس کے بعد امن اور امان نام کی دو عورتیں جو پہلے رئیس فرخ آباد
کے گانے پر ملازم تھیں میرے پاس پہنچیں۔ انہیں "سرور محفل والیاں"
کے خطاب سے سرفراز کیا۔ پھر داروغہ نجم النساء بیگم اور ان گانے
والیوں کے ذریعہ زہرن کو گھیرنا شروع کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر
ایک روز طپنچہ لے کر "بادشاہ منزل" پر چڑھ گیا۔ اندر سے کنپٹی
لگا کر چاہا کہ اپنا کام تمام کر دوں۔ آخر شیخ غلام علی اسے لے آیا
میں نے دوڑ کر اسے گود میں اٹھا لیا اور رات بھر اس کی شمع جمال پر
پروانہ وار نثار ہوتا رہا۔

اس کے آنے پر مشکل کشا کا دسترخوان کیا۔ ملازموں نے نذریں گذاریں
اور سب حسب مراتب سرفراز کئے گئے۔ اس وقت میری عمر بائیس
سال تھی۔ اسی عرصہ میں اٹھارہ نفر اسامیاں حضور پر داروغہ
نجم النساء بیگم کی معرفت ملازم ہوئیں انہیں حضوریہ بنا لیا اور خطاب
سے سرفراز کیا۔ میں دو برس تک ہزار حیل فریب کے ساتھ ہر ایک
سے صحبت کرتا رہا۔ اسی عرصہ میں بشیر خواجہ سرا کی بدولت ایک ماہ
تاباں کے وصل سے کامیاب ہوا۔ پھر گانے بجانے کی طرف طبیعت
راغب ہوئی۔ قطب علی خان ستار باز کو استاد مقرر کیا۔ اب حرف

گانے بجانے والی عورتوں سے محبت رہ گئی جیدری اور دلبر دو طوائفوں
سے تعلقات پیدا ہوگئے۔ دلبر کی بڑی بہن پہلے ہی میرے ساتھ تعلق
رکھتی تھی اُس نے دلبر کو میری نظر گذارا تھا اور میں نے اُسے سلطان پری
کا خطاب دیا اس کے بعد بشیر خواجہ کے ذریعہ یاسمین پری اور میر اکبر علی
کے ذریعہ سلیمان پری۔ نواب خاص محل کے ذریعہ عزت پری داروغہ
نجم النساء کی معرفت مجھ تک پہنچیں۔ اس کے بعد داروغہ ارباب نشاط
جس کا نام مہدی تھا محبوب جان کو جو سرود بجانے میں شہرہ آفاق
تھی حیلے سے میرے گھر پہنچایا۔ اُسے ماہ رُخ پری کا خطاب دیا گیا
ایک روز اس کے عزیزوں میں سے ایک عورت نے اپنے آپ کو میری
بگھی کے آگے ڈال دیا۔ دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ داروغہ ارباب
نشاط جبری میری لڑکی کو لایا ہے میں نے پانسو روپیہ ماہ رُخ پر تصدق
کر کے اس کے حوالے کیا اور اپنی جان چھڑائی۔

مجھ کو جلسہ ترتیب دینے اور گانے والیوں کے جمع کرنے کا بہت خیال
تھا۔ اس سبب سے سازندے اور علم موسیقی کے کاملوں کی تلاش
بہت تھی۔ ہر شخص سے یہی فرمائش تھی کہ اس قسم کی عورتیں تلاش کرو
اب جو آدمی اس قسم کی عورت پیش کرتا وہ لفظ "معروضہ" عرض
کرتا یعنی فلاں معروضہ حاضر ہے۔

اس کے بعد شاہ جان کے عشق میں گرفتار ہوا نجم النساء بیگم اُسے
گھر کر لائی اور اس کے عشق سے شادکام ہوا۔ اور اُسے امتیاز
پری کا خطاب دیا۔ ایک دن وہ اپنے گھر گئی اور واپس نہ آئی
میں نے محمد علی خان خواجہ سرا بھیجا وہ گھسیٹ کر لایا اور میں نے
اس کے منہ پر تھوک دیا۔

ایک دفعہ اکبر الدولہ کے وسیلہ سے چنی نامی ایک طوائف مجھ تک لائے

حاضر ہوئی۔ میں اس پر عاشق ہو گیا۔ اُسے دلربا پری کا خطاب دیا۔
میاں نے اپنی پریوں کے لئے رنگ برنگے لباس تیار کرائے۔ کئی لاکھ روپیہ لاڑ
ان اشغال و افعال میں صرف ہوتا تھا۔ ایک روز ایک کسبیہ عورت جس کا نام
گنا تھا اور شوہر دار تھی مجھ پر عاشق ہو گئی۔ میں نے مجتہد العصر والزمان سے اس کی
طلاق کا فتویٰ لے کر گھر میں داخل کر لیا اور سرفراز پری کا خطاب دیا۔
اسی زمانے میں امن و امان کی معرفت عجوبہ طوائف کی گیارہ سالہ خوبصورت
لڑکی کو سرفراز پری کا خطاب دے کر پریوں میں شامل کیا۔
ایک روز ان تمام پریوں کو عمدہ عمدہ لباس اور مرصع زیورات سے آراستہ
کر کے پُر تکلف فینسوں اور نفیس نفیس پالکیوں میں سوار کرا کے درگاہ زیارت
حضرت عباس میں بھیجا۔ درگاہ کے تمام متولی حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ حیدر حسین خان
سے نظارہ بازی کے سلسلہ میں جھگڑا بھی ہو گیا۔
اسی عرصہ میں نواب نشاط محل سے مرزا سپہر قدر اور سلیمان محل کے بطن سے
سپہر آرا کبرائے بیگم نواب خاص محل کی بطن سے مرزا بیدار بخت فرخندہ خانم
کے بطن سے شمس آرا بیگم پیدا ہوئے۔
اسی عرصہ میں اچھے صاحب میاں وائی طوائف کو دیکھ کر فریفتہ ہوا اور اپنے
گھر میں داخل کیا۔ معشوق پری کو محل بنایا۔ اس سے فریدوں قدر بہادر پیدا ہوا
(کوئی کہاں تک لکھتا جائے "ملعون")
اسی عرصہ میں تیس عورتوں کی ایک فوج بنائی۔ یہ اس لئے کیا کہ مردوں کی فوج کے
لئے تنخواہ بہم نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس فوج کی سرداری محمد شریف علی خان خواجہ سرا کے سپرد کی
اور اُسے موجا نیاز سرکار مرزا ولی عہد بہادر کرنل حاجی محمد شریف علی خان بہادر کے خطاب سے
سرفراز کیا۔
اس تماشہ بینی کے با وجود شیعیت سے کس قدر اُنس تھا یہ گوش لیجئے۔
چونکہ مجھ سے غلام رضا وغیرہ امن کے عزیز و اقارب سے روز بروز مقدمات و ارتباط

پڑھنا جاتا تھا۔ اور یہ سب سنت جماعت تھے۔ اور قطب علی خان میرے استاد بھی سنی تھے۔ مجھ کو رات دن یہی تشویش و فکر رہتی تھی کسی طرح یہ لوگ میرے مذہب میں آجائیں جب اس امر میں ان لوگوں کا عندیہ لیتا تھا۔ تو انہیں ناراض پاتا تھا۔ آخر ایک روز برسات کی فصل میں، میں نے نہایت دل جوئی اور منت سماجت و طمع دلا کر ان لوگوں کو تبدیل مذہب کے لئے مجبور فرمایا۔ چونکہ اس کار خیر کا انجام میرے ہاتھوں ہونا تھا سب نے منظور کیا۔ میں نے اسی وقت سوار کروا کر سب کو سلطان العلماء مولوی سید محمد مجتہد وقت کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور وہاں یہ سب بہ صدق دل مذہب امامیہ سے سرفراز ہوئے۔

انہیں دنوں میں مہک پری کے بطن سے مرزا یرجیس قدر پیدا ہوا۔ ... ...

اس زمانہ میں گانے والیوں کا مجمع پریوں کا ہجوم، میرے عشق کا ولولہ اور زمانہ شباب اس درجہ پر تھا کہ دل کا رات اور رات کا دن ہونا معلوم نہ ہوتا تھا۔ ... میں ہمیشہ شاہد عشرت سے ہم آغوش رہتا تھا۔

اسی زمانہ میں پریوں کو رہس دھاری کی تعلیم دی۔ رہس دھاری ایک ناچ کا سامان ہندوؤں کے مذہب میں اس کی پرستش کی جاتی ہے اس میں کنہیا اور اس کے معشوقوں کی شبیہ بناتے ہیں۔ . . سلطان پری کو رادھا بنایا یا ماہ رخ کو کنہیا بنایا اور لاکھوں روپے سے وارزباشت فراہم کئے۔ یاسمین پری، عشرت پری، دلربا پری، حور پری وغیرہ کنہیا کے دوسرے معشوق کی صورت میں جنہیں سنسکرت میں گوالنیں کہا جاتا ہے ان کا ناچ مثل سنگیت لچھمی اور برم کے ہے۔ جو نام تالیوں کے ہیں اس ناچ میں صرف کنہیا اور رادھا کے ملاپ کی کیفیت ہوتی ہے۔ ... اسی کے پریوں کا مینا بازار لگوایا۔

سابقین کا پانید: بادشاہوں نے رسم قدیم کے مطابق اپنے منظور نظر دونوں کو کی تعلیم دلوائی اور اسے درجہ کمال تک پہنچانے میں بہت کوشش کی ہے من جملہ ان کے محمد شاہ بادشاہ دہلی، ابراہیم بادشاہ سلطان بیجاپور وغیرہ شاہان سلف دیگر دونوں شیعہ تھے شیعوں کو اللہ تعالیٰ نے ان بے حیائیوں سے بچائے رکھا للہ تعالیٰ) اکثر حسین و شکیل عورتوں کو علم موسیقی کی تعلیم دلوا کر گائن کے لقب سے ملقب کیا۔ نادر دولت نے بھی ساتھ

پابند ہو کر کئی ماہ تمثال کو گانے کی تعلیم دلوائی اور ایک دن اس کا مظاہرہ کرایا۔ اس میں
ملان پری نے ایسے کمال کا اظہار کیا کہ عشق کی نوبت پہنچی۔
رمضان مبین :۔ ایک سحری کھا کر سویا کہ محمد معتمد علی خان خواجہ سرا نے بیدار
پر چھنے پر اس نے بتایا کہ ایک حضور تمثال حضور کے عشق میں مبتلا ہو کر خدمت میں
ی ہے۔ میں اٹھا تو وہ میرے گلے سے چمٹ گئی۔ رخصت کے وقت اس سے
پا کہ پھر ملنے کا کیا طریقہ ہوگا کہنے لگی کہ ماتم کے دن ختم ہونے کے بعد خود کو تم تک
باؤں گی۔
بے وفائی ۔ ولی عہدی کے زمانہ میں ہی پریوں کی بے وفائی ظاہر ہو چکی تھی سب
دپے کا لالچ دے کر پردے میں بٹھانے کی کوشش کی لیکن اکثر بھاگ گئیں۔
قانے ۔ اس عرصے میں دل کو خفقان ہو گیا۔ دفع خفقان کے لئے از سر نو گانے
نے کے لئے چند عورتیں نوکر رکھیں۔
ہا نگر دیا نے ۔ نواب سکندر محل نے ایک روز کہا سب حسرتیں پوری ہو گئیں صرف
سے نکاح کی خواہش باقی ہے (اتنا عرصہ بلا نکاح جھک ہی مارتے رہے للمؤلف)
نے کہا تمام لوگ ہنسیں گے کہ یہ بھی نصیر الدین حیدر کی طرح دیوانہ ہو گیا ہے (

نگ سے تفرقہ :۔ تنگ آ کر ایک روز سب محلوں اور پریوں کو کہا کہ جو جہاں جانا چاہتی ہے
جائے۔ میرا خیال تھا کہ قیصر بیگم مجھ پر مرتی ہے مگر باقی کے ساتھ وہ بھی چلی گئی (بے بہرے
ے اب غرض للمؤلف)
بنا وقنا عذاب النار ۔ انہی زمانے میں قیصر بیگم کی عنایت سے نار فارسی
نک) کے عارضے میں مبتلا ہوا۔ مرض بڑھتا گیا۔ زخم آگ کی طرح جلتے تھے۔ طرہ یہ
ہوب بگم جھوں کا رنج میرے دل سے نہ جاتا تھا۔ ایک روز نواب مغل صاحبہ نے اپنا
مجھے لگایا اور سینہ بسینہ ملا کر دبا دیا۔ دل میں سخت تکلیفیں لگیں۔ رات بھر دکھوں
لیف سے جاگا کرتا تھا۔ کئی بار مسہل حب السلاطین کھائی کئی مرتبہ فصد یا سلیق

کرائی۔ آخر بعزار مصیبت ۱۲۶۵ھ میں چند زخم خشک ہوئے
سیدالشہدا کے جہلم کے بعد ہڑ ر کھائی اس سے خفقان پیدا ہو گیا۔ گریبان چاک
کر ڈالا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے دوسرے روز غش آ گیا۔ اس روز سے آج تک دنبل نکل آتے
ہیں (رو ہی خاندانی مرض للمولعت) اسی جھگڑے میں گرفتار ہوں اگر کسی وقت ہوش آ جاتا تو
شعر و شاعری کا شغل شروع ہو جاتا۔ پھر غفلت ہو جاتی ہے۔ اور تمام اعضا [illegible]
بید کی مانند لرزتے ہیں۔ (ملخص از خود نوشت واجد علی شاہ)

برصغیر میں شیعیت کی مختلف شکلیں

یہ بات تو مسلمہ ہے کہ اہل سنت میں فرقہ بندی کی ابتدا ڈیڑھ صدی ہجری کے
بہت بعد شروع ہوئی۔ گویا ڈیڑھ سو سال تک تمام اہل سنت والجماعت کا
مسلک وہی تھا جو آج جماعت اہلحدیث کا مسلک ہے۔ مگر شیعیت کی ابتدا
سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی۔
برصغیر ہند کے جنوبی حصوں یعنی سیلون اور ملیبار میں مسلمان تاجر خلیفہ اول
کے زمانے میں پہنچ چکے تھے۔ فاروق اعظم رضی کے دور میں مکران فتح ہوا۔ ولید بن عبدالملک
کے زمانے میں عبیداللہ بن نبہان اور بدیل نے سندھ کا کچھ حصہ فتح کیا۔
۱۷ھ میں محمد بن قاسم نے ملتان تک علاقہ فتح کیا۔ اس تمام دور میں جتنے مسلمان
سندھ میں آئے تمام اہل حدیث تھے۔ اس کے بعد
۹۹۷ سے ۱۰۳۰ تک محمود غزنوی نے برصغیر پر ۱۷ حملے کئے۔ محمود غزنوی شروع
میں حنفی تھا۔ مگر بعد میں قفال کی وجہ سے بعد میں شافعی ہو گیا تھا۔
اس کے بعد ۱۱۷۵ سے ۱۲۰۶ تک شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان
پر گیارہ بار حملہ کیا۔ ۱۲۰۶ میں قطب الدین کو دہلی کی گورنری ملی قطب الدین قاضی
القضاۃ امام فخرالدین کوفی کا جو امام ابوحنیفہ کی اولاد سے تھے پروردہ تھا اس وجہ سے
وہ حنفی تھا اور اس نے حنفیت کی ترویج و اشاعت شروع کی۔

محمود غزنوی کا پہلا حملہ ملتان پر ہوا۔ اور اُس نے حاکم ملتان ابوالفتح کو شکست دے کر ملتان پر قبضہ کیا۔ گویا محمود کا پہلا حملہ باطنیو یا قرامطی شیعوں پہ ہوا تمام تاریخیں گواہ ہیں کہ محمود نے ابوالفتح پر اس لیئے حملہ کیا تھا کہ اُس نے یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک شروع کر رکھا تھا جو مصر کے فاطمینؓ نے اہل سنت کے ساتھ یا حسن بن صباح نے تمام عالم اسلام کے ساتھ یا بعد میں اودھ کے حکمرانوں نے اہل سنت کے ساتھ روا رکھا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۹۹۱ء سے بہت پہلے شیعوں کے یہ فرقے برصغیر میں پہنچ کر اپنے قدم مضبوط کر چکے تھے۔ اس کے بعد دمیک ضلع جہلم کے مقام پر شہاب الدین محمد غوری بھی باطنیوں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ سلطان رضیہ کے زمانہ میں ہزار ہا باطنیوں نے اکھٹے ہو کر عین نماز جمعہ میں مشغول ہزار ہا اہل سنت کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا مگر چند سر برآوردہ امراء نے پہنچ کر حالات کو سنبھال لیا اور ان کا خاتمہ کیا[1]

تصریحات بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ محمود غزنوی سے بہت پہلے شیعہ لوگ برصغیر میں پہنچ چکے تھے اور ملتان میں اُنہوں نے اپنی سلطنت بھی بنالی تھی۔ اور ان کی تمام کوششیں برصغیر سے اہل سنت والجماعت کو ختم کرنے کی تھیں۔ مگر جب ملتان میں محمود غزنوی نے اُنہیں ختم کیا۔ دہلی میں سلطان رضیہ کے زمانہ میں ان کی طاقت پارہ پارہ کر دی گئی۔

اس کے بعد خلجیوں، تغلقوں، سیدوں اور لودھیوں کے زمانہ میں یہ لوگ شمالی ہندوستان سے دکن کی طرف چلے گئے اور چند شیعہ سلطنتوں کی بنیاد رکھنے پر قادر ہو گئے۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں ان کی حکومتیں تباہ ہوئیں تو انہوں نے اپنے پرانے انداز سے کام لینا شروع کیا۔ اسماعیلی تو ۹۹۰ء سے پہلے ملتان میں خود مختار سلطنت قائم کر چکے تھے۔ شیعوں کے دوسرے فرقوں نے بہمنیوں کے دور میں دکن میں آزاد سلطنتیں قائم کر لیں اورنگ زیب نے ان شیعہ سلطنتوں کا خاتمہ کیا۔ تو انہوں نے پرانے انداز یعنی خفیہ قتل و غارت، دھوکے فریب اندرونی ریشہ دوانیوں دجل زنلیس، خود ساختہ تصوف و فقر

---

[1] تاریخ مبارک شاہی۔

مکاریوں، حیلوں سے کام لینا شروع کیا۔ ہر دور میں ان لوگوں کی تکنیک اتنی گہری ان کی
سیاست اتنی پیچیدہ ان کا تبلیغی انداز اتنا تلبیسانہ رہا کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں افرادان
کے پنجۂ تلبیس میں گرفتار ہو کر جان، مال، عزت، آبرو، دولت، حشمت اور وقار سے دستبر
ہو گئے اور شیعیت کی بھول بھلیوں میں سر پٹکتے مر گئے مگر پیچھے مڑ کر نہ دیکھ سکے اورنگزیب
کے بھائی۔ اس کا بیٹا بہادر شاہ، حسین علی اور عبداللہ سرمد کی قسم کے لوگ سلطنت مغلیہ
کے زوال کے دور کے یعنی ۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء تک مختلف شکلوں میں نمودار ہوتے رہے
انیسویں صدی یعنی مغلیہ سلطنت کے زوال کے دور میں شیعہ پوری مہارت اور کوشش سے
اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تُلے رہے اور اہلحدیث بنگال کے آخری کونوں سے لے کر
شمال مغربی سرحدی آخری سنگلاخ چٹانوں تک اس انارکی اور طوائف الملوکی کے درمیان
ملک اور قوم کی ڈگمگاتی ناؤ کو سنبھالا دیتے رہے۔ میں بڑے وثوق اور یقین سے کہتا ہوں
کہ اگر اس وقت جماعت اہلحدیث عملاً میدانِ جہاد میں نہ کودتی تو آج شاید اس برصغیر
کی حالت ہسپانیہ کی طرح ہوتی۔

سلطنت میسور شیعوں کی غداریوں سے تباہ ہوئی۔ بنگال میں شیعوں کی غداریوں
نے انگریزوں کے لئے راستہ ہموار کیا۔ دہلی میں صرف ایک سال ۱۷۱۹ء میں شیعوں نے تین
بادشاہوں کو یکے بعد دیگرے تخت سے اتارا پھر مرہٹوں کو چڑھا لاتے اور ابراہیم گاردی
ان کے توپخانہ کے انچارج کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھا۔

اور آخر میں سعادت خان بحیثیت نواب وزیر اودھ کا حکمران بن گیا۔ شیعوں کی سلطنت
تو بن گئی مگر وہ گروہ جو تقیہ کی آڑ میں تصوف، پیری، فقیری، ولایت کے لباس میں تمام
برصغیر میں پھیلا ہوا تھا۔ اس نے تخریب کی ایک نئی طرح ڈالی۔ حسن نظامی دہلوی کی قسم کے
بیسیوں پیر نسلی عصبیت کے کابوس میں گرفتار ہو کر ان شیعہ داعیوں کی سرپرستی
کو اپنی ذات کے لئے فخر سمجھتے تھے۔ چنانچہ فاطمی دعوت اسلام اسی ذہنیت کی منہ بولتی
تصویر ہے جس میں خواجہ صاحب نے نہایت فخر سے ایسے بے دین، لامذہب
اور مجہول الاحوال فرقوں کو شیعہ داعیوں کی تبلیغ اسلام کا شاہکار قرار دیا ہے

جن کے واقعات پڑھنے سے ہی ایک صحیح العقیدہ مسلمان کی روح تڑپ اٹھتی ہے اور وہ بے قرار ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ اے رب العالمین کیا محمدؐ کا دین یہی تھا۔ مگر خواجہ صاحب کو با صرار اس پر فخر ہے۔

مجھے اپنی فقیرانہ سیاحت کے دوران اس قسم کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد سے واسطہ پڑا جو نہ ہندو نظر آتے نہ مسلمان مگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے نظر آتے۔ ان میں سے بعض کی مذہبی رسمیں پارسیوں، جینیوں، مسلمانوں، ہندوؤں اور بدھوؤں کے عقائد کا ملغوبہ نظر آئیں۔ میں ایک ہمہ رنگ فقیر اور سادھو کے لباس میں جہاں بھی کسی ایسے گدی نشین عالم یا فقیر کے متعلق سن کر اس کے پاس پہنچا عجیب رنگ دیکھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے عربی، فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی میں ضرورت کے مطابق کام چلا سکتا تھا اس لئے جس مجلس میں بھی پہنچا اپنا مقام بنا لیا۔ مگر اس وقت ذہن میں اس بات تصور تک نہ تھا کہ کسی وقت مجھے ان معجون مرکب فرقوں کے متعلق کچھ لکھنا پڑے گا مجھے ح اس کمی یا غلطی کا بھرپور احساس ہے مگر اب اس کا ذکر نکل گیا ہے سانپ اب لکیر پیٹا کر کے مصداق محض تضیع اوقات ہے۔

بہر حال مجھے فَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿﴾ کے مصداق اس بات پر فخر کرنے میں ذرہ بھر ہچکچاہٹ نہیں کہ اُمتِ مرحومہ کی تخریب کے لئے جن جن ہتھیاروں سے کام لیا گیا اُن سے پردہ اٹھا رہا ہوں۔ شاید ایک قاری کہے کہ ان لوگوں نے آخر دین کا کیا نقصان پہنچایا؟ میں کہتا ہوں کہ شرک و بدعت کے یہ جنگل اسی بے دینی کے جنگل کے برگ و بار ہیں۔ اور جن لوگوں نے جس غرض کے لئے اس بے دینی کی طرح ڈالی تھی وہ اپنے مطلب میں کامیاب ہو گیا۔ ایک پکا اور سچا مسلمان پوری ملت ہے۔ وکان ابراھیم امۃ آپ سن چکے ہیں کہ پوری ڈیڑھ صدی تک چند احمد شہوں نے پورے برصغیر میں انگریزوں کو حواس باختہ کر رکھا، سکھوں کو ناکوں

چھپنے چھپوانے۔ مسلمانوں کے ایک کثیر گروہ نے دامے، درمے، سخنے، قلمے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اہلحدیث مجاہدین کے خلاف فتووں کے انبار در انبار جمع کر دیتے۔ مگر یہ لوگ اپنے مسلک، اپنے ارادے، اپنے نظریہ اور اپنے پروگرام سے ذرہ بھر نہ ہٹے اور اگر بجائے ان مٹھی بھر اہلحدیثوں کے پورے برصغیر میں ایک چوتھائی ہی اس کردار کے حامل مسلمان ہوتے تو اوّل تو انگریز یہاں حکومت ہی حاصل نہ کر سکتے اور اگر بفرض محال وہ حکومت حاصل کر بھی لیتے تو چند سالوں میں انہیں یہاں سے بھاگنا پڑتا۔

فلسفہ تاریخ کی روشنی میں بنظر تعمق اس بات کا جائزہ لیجیے تو صاف نظر آئے گا کہ شیعوں نے اس ملک میں رہبانیت اور شرک و بدعات کے ذریعہ اس ملت میں پنجے گاڑ دیئے۔ ان کی پرتعیش اور فقیری میں نوابانہ ٹھاٹھ سے مرعوب ہو کر اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر احناف کا ایک پورا گروہ اسی رنگ میں رنگا گیا۔ شیعہ داعی جو گھی مار کار تے رہے ادھر اس ملت میں اچھے سخے گانے رہے اور ادھر ادیان باطلہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے رام کرشن، وشنو، برہما کی تعریفوں کے راگ الاپتے رہے۔ ہندوؤں کے ورن شاستر نے شودروں کو سطح ارضی کے ایک حقیر، ناپاک، پلید اور ذلیل کیڑے کے مقام پر پہنچا دیا تھا۔ ان نیچی ذات کے لوگوں کو شیعہ داعیوں کی اس دعوت میں ابھر کر انسانیت کے مقام پر کھڑا ہونے کا موقع ملتا نظر آیا۔ مگر در پردہ یہ شیعہ داعی خود فاطمی اور غیر فاطمی کی عصبیت کو بری طرح ابھارتے رہے۔ شیعہ داعیوں کے لئے نہ ہی چھوت ان کی پناہ گاہ ثابت ہوتے اور ان لوگوں کو شیعہ داعیوں کے اس دجل و فریب میں مکتی اور شانتی کے اسباب نظر آتے۔ نتیجۃً چند ایسے فرقے ظہور پذیر ہوئے جو یوں تو دیگر مذاہب کے لئے بے ضرر ہی سہی مگر جاہل اور کمزور عقیدہ مسلمانوں کے لئے مشرک گر ثابت ہوئے۔ میں یہ سب کچھ اپنے تجربات کی بنا پر بیان کر رہا ہوں۔ میں نے چند مقامات پر ایسا بھی دیکھا کہ جاہل اور ان پڑھ مسلمان ایک مسلمان عالم کی نسبت ان مشرک

گروں کو ترجیح دے کر ان سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں ۔ ان سے مشورے لیتے ہیں ان کی عبادت گاہوں میں سجدہ ریز ہوتے ہیں ان کے آستانوں پہ جانور ذبح کرتے ہیں ۔ ان کی دعاؤں پر بھروسہ کرتے ہیں اور انہیں اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں اور جب کسی کو اس کی غلطی سے آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے اُلٹے سیدھے جوابوں سے اچھے بھلے عالم بھی خاموش ہو کر رہ گئے۔

اس قسم کے لوگوں میں سرِ فہرست گرونانک ہے جس کی رہبانیت نے نیم مسلم نیم ہندو زندگی نے اس کے گرد ایک جم غفیر اکٹھا کر دیا ۔ گرونانک کی تمام زندگی کے نشیب و فراز پورے طور پر ایک اسماعیلی داعی کے ہتھکنڈوں، عیاریوں اور دجل و تلبیس کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں ۔ وقتی طور پر گرونانک ایک بے ضرر قسم کا فقیر تھا مگر آگے چل کر گوبند سنگھ اور بندہ بیراگی کی قسم کے لوگ اسلام کے لیے ایک تباہی ثابت ہوئے ۔ دیانند سرسوتی ایک مجہول النسب ہندو تھا ۔ اس نے مسئلہ توحید جس مسلمان سے سیکھا وہ یقیناً کوئی شیعہ داعی تھا ۔ آگے چل کر دیانند نے ہندوؤں کو جس طرح آریہ نام سے روشناس کر کے آریہ سماج فرقے کی طرح ڈالی یہ کسی مجہول النسب دیانند کا کام نہیں بلکہ ایک نہایت چالاک اور عیار قسم کے جہاندیدہ انسان کی صحبت کا اثر ہے ۔ قارئین کے لیے یہ باتیں بالکل نئی اور حیران کن ہیں ۔ مگر ہیں اپنے وسیع تجربات اور معلومات کی بنا پر اپنے اندر ان حقائق کو چھپائے ہوئے ۔ انہیں نہ ماننے کے متعلق ذرہ بھر بھی لچک نہیں پاتا ہوں۔[1]

---

[1] مسٹر الطاف حسن قریشی نے مولانا ظفر احمد انصاری سے انٹرویو لیتے وقت جب ان کی زبان سے سنا کر ترکی کی انجمن اتحاد و ترقی یہودیوں کی انجمن تھی اور مصر کے جمال الانقلاب یا جمالی ذہن کے پیچھے بھی یہودیت کام کر رہی ہے یا روس میں کمیونزم کا سیلاب یہودیوں کا لایا ہوا تھا تو قریشی صاحب بھی یہ سن کر ایک بار چکرا گئے تھے جس طرح اس وقت تمام دنیا کی سیاست یہودیت کے محور پر گھوم رہی ہے اسی طرح یہودیت کے اسی اولین پردے نے جو کچھ عالم اسلام میں کیا ۔ آپ کے لیے ضرور اچنبھے کا موجب ہو گا ۔

میں نے تیئس سال کا طویل زمانہ اپنی پوری طالب علمانہ کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شیعہ سُنی چپقلش کے مالہٗ اور ما علیہ کے سمجھنے پر صرف کیا ہے۔ بات طویل ہوتی جا رہی ہے میں یہاں صرف برصغیر میں شیعی تبلیغ کے اثرات بیان کرنا چاہتا تھا۔ نانک سے دیانند تک جتنے من چلے پیدا ہوئے ان کے علاوہ ہندو مت میں جتنے مصلح یا ریفامر یا بالفاظ دیگر مجدّد پیدا ہوتے بالواسطہ یا بلاواسطہ سب کے سب کا مطمع نظر صرف اسلام دشمنی تھا اور ہے۔ مگر حسن نظامی جیسے سید، پیر، ملنگ صحافی، فقیر، خواجہ جیسے لوگ اس پر فخر کرتے ہیں۔ آخر ——————

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے"

چند مثالیں :-

ا۔ ضلع ایٹہ کے قصبہ مارہرہ میں مولانا نورو اسی مہاراج ایک بزرگ تھے جو قادری کہلاتے تھے ستار بجاتے تھے مثنوی مولوی رومی دیوان حافظ، تلسی اور کبیر کے اشعار گاتے رہتے تھے انہیں ہندو اور بعض مسلمان شو کا اوتار مانتے تھے۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرہ میں زندہ تھے۔ انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو "قادری" کی اصطلاح کے چکر میں مُرتد کیا اور میں نے خود تقسیم ملک تک لوگوں کو اس چکر میں مبتلا پایا۔ واللہ اعلم اب کیا حالت ہے۔

آغاخان محمد شاہ اپنی سیاسی، مالی اور امیرانہ زندگی کی وجہ سے تمام دنیا میں اچھی خاصی پوزیشن رکھتے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کو ہمنوا بنانے کے لئے ایک دفعہ کہا تھا کہ :-

علی ——————— وشنو ہیں

برہما ——————— حضرت محمدؐ ہیں

مہیش ——————— حضرت آدمؑ ہیں

شکتی ——————— حضرت حوّاؑ ہیں

اور اس کلجگ کا اتھر وید قرآن ہے۔ اور جگت گرو حضرت محمد مصطفےٰ ہیں
ابتدائے آفرینش سے حضرت علی کا نور اولاد در اولاد منتقل ہوتے ہوتے آغا خان
میں حلول کر گیا ہے۔ اور اس طرح تاقیامت ہوتا رہے گا۔
جب علی کا نور وشنو بن کر جلوہ افروز ہوا تب حضرت محمدؐ کا نور برہما بن کر
نمودار ہوا۔
جب علی کا نور رام بن کر نمودار رہا تب حضرت محمدؐ کا نور وید ویاس بن کر
ظاہر ہوا۔
جب امام سام تھے تب پیغمبر نوح تھے۔
جب امام ہارون تھے پیغمبر موسیٰ تھے۔
جب امام خزیما اور سمعون تھے تو پیغمبر عیسیٰ تھے
اسی طرح علی اور محمدؐ ساتھ رہ کر بشری خیالات کی اصلاح کرتے رہے۔
جب امام علی ہوئے تو پیغمبر محمد مصطفےٰ ہوئے۔

امام شاہی پنتھ:۔

آج کل پاکستان میں بھی کہیں کہیں امام شاہی فقیر ملتے ہیں۔ اور جاہل مقلد ان
کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اپنے نومولود ان کی گود میں ڈال دیتے ہیں انہیں واصل بحق
فقیر سمجھتے ہیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ یہ لوگ پیر نور دین نورست گر ہی کے مرید ہیں
نور الدین نزاری داعی تھے۔ بعد میں نزاریوں سے الگ ہوگئے اور اپنا سلسلہ چلایا
تمام ہندوانہ مشرکانہ اعمال ان میں موجود ہیں۔
سنسکرت میں ॐ اوم بمعنی معبود یا رب آتا ہے۔ شیعہ داعیوں نے
اس لفظ کا حلیہ بگاڑ کر اسے اس طرح لکھ کر عـلى علی بنا دیا اور کہا کہ کوئی
رسم الخط میں علی اسی طرح لکھا جاتا ہے جس طرح اوم ہے پھر اسے وانه فی ام
الکتاب لدینا لعلی حکیم (قرآن) سے ثابت کیا۔
آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ لوگ کس قدر دور کی کوڑیاں لاتے ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی رومی نے مثنوی وشنو کے نام سے شروع کی ہے۔
وشنو سے بشنو بنا دیا اور علی وشنو ہیں۔ دیکھیے :۔
"بشنو از نے چوں حکایت میکند" کا کس طرح حلیہ بگاڑا گیا ہے۔
امام شاہیوں کا مرکز احمد آباد کے قریب پیرانہ ہے۔ ان کی مذہبی کتاب ست دینی ہے
ان کا موجودہ پیر کاکا کے نام سے مشہور ہے ۔ ان کے دو فرقے ہیں گپتی یعنی
پوشیدہ۔ پرگھٹی یعنی ظاہر۔ گپتی جب پرگھٹی بن جاتا ہے تو اُسے مومن کہتے ہیں
امام شاہ کا زمانہ ۸۵۶ھ سے ۹۱۸ھ تک ہے پیرانہ ضلع احمد آباد میں ان
کا مزار ہے۔
ان کی ایک شاخ "نوساری" ہے۔ نوساری بہت گورو نور یعنی نور الدین کے مُرید
ہیں اور دوسرے امام شاہ کے۔
نانک پنتھ۔ معراج پنتھ اور کبیر پنتھ وغیرہ اسی پنتھ سے نکلے ہیں۔

پیر شائخ کے پیروکار:۔

پیر شائخ ۱۱۰۰ھ میں جنترال علاقہ گجرات میں پیدا ہوئے۔ ہندو کافی تعداد میں
ان کے مرید تھے۔ پیر شائخ نزاری اسماعیلیوں کے داعی تھے۔ پیر شائخ کی تصنیفات
میں سے ان کے مریدوں کے پاس مندرجہ ذیل کتابیں ملتی ہیں۔ حلیہ مبارک۔ نور نامہ
ایمان مفصل دو حصے، جنگ نامہ دو حصے۔ طریقتی۔ غزوات سے متعلق ایک کتاب
خلفاء راشدین معراج نامہ۔ کتاب المنجات۔ وفات نامہ۔ غالی حنفیوں کے نور نامے
معراج نامے، وفات نامے انہیں کتابوں کے چربے ہیں۔ پیر شائخ یا ان کے پیرو
مذہبی تعصب میں اس قدر غالی نہیں تھے جس قدر دوسرے شیعہ۔

سُورت میں :۔

سُورت میں رنگ نجارا کا ایک مندر ہے جس کا مہنت رنگی لال ایک ہندو تھا
ان کے مندر میں قلزم سروپ نامی کتاب کی پوجا ہوتی ہے۔ یہ لوگ پرنامی کہلاتے ہیں

شروع میں تقیّہ کی آڑ میں شیعہ داعی تھے اور ان کی اولاد آج پیر نامی کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی تعداد بھی لاکھوں کے قریب ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کرشن مہاراج اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ہیں۔ پہلے کرشن کے روپ میں جلوہ گر ہوئے اب محمدؐ کے روپ میں عرب میں نمودار ہوئے دسویں صدی میں امرکوٹ کے مقام پر دیو چند نامی کسی منچلے نے ایک دھرم کا اعلان کیا۔ معلوم ہوتا ہے وہ کوئی منجھا ہوا اسماعیلی یا امامیہ داعی تھا۔ اس شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور قلزم سروپ الہامی کتاب کے طور پر پیش کی۔

اس مذہب کا پیرو کار چھتر سال نامی ایک راجہ مذہب کے بارہ میں اورنگزیب سے لڑا تھا۔ اس کا مقبرہ مہوبا میں ہے۔ قلزم سروپ میں ۱۸۷۵ شعر بیان کیے جاتے ہیں۔ ان میں اکثر عربی کے الفاظ ہیں۔ جام نگر میں ہر سال ان لوگوں کا میلہ ہوتا ہے۔ ان کے نام آج تک ہندوانہ ہیں سکھ لال داس۔ دھنی داس وغیرہ قسم کے ناموں کے لوگ گدی نشین چلے آرہے ہیں۔ مگر ان لوگوں کا ہندوؤں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ خود ہندو کہلاتے ہیں۔

چھٹا باب

قدرِ مشترک

شہید فی سبیل اللہ شاہ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تنویر العینین میں تقلید شخصی کو شیعہ رفض ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

قد غلا الناس فی التقلید و تعصبوا فی التزام تقلید شخص معین حتی منعوا الاجتہاد و منعوا تقلید غیر امامہ فی بعض المسائل وھذا ھی الداء العضال التی اھلکت الشیعۃ فھؤلاء ایضاً اشرفوا علی الھلاک اللان الشیعۃ قد بلغوا اقصاھا فجوزوا ردا لنصوص بقول من یزعمون تقلیدہ وھؤلاء اخذوا فیھا و اولوا الروایات المشھورۃ

ترجمہ:- بے شک زیادتی کی ہے لوگوں نے تقلید کے باب میں اور ہٹ دھرمی کرتے ہیں ایک مجتہد معین کی تقلید کے التزام میں یہاں تک کہ وہ قائل ہوگئے ہیں اجتہاد کے ممتنع ہونے کے اور منع کرتے ہیں۔ اپنے امام کے سوا تقلید سے بعض مسئلوں میں اور یہ وہ سخت مرض ہے کہ اس میں فرقہ شیعہ ہلاکت کو پہنچے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ قریب درجہ ہلاکت کے پہنچ

گئے ہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ شیعہ نے مبالغہ کر کے نصوص کو رد کیا ہے اپنے مقتدا کے قول کے مقابلہ میں اور یہ لوگ مشہور روایتوں کو اپنے امام کے قول کی طرف پھیر پھار کر لاتے ہیں (بحوالہ معیار الحق مصنفہ شیخ الکل مولانا نذیر حسین محدث دہلوی رح صد ۱۳۷ مکتبہ نذیریہ)

شیعوں اور مقلدوں کا خاص کر بریلوی حنفیوں کا الوہیت کے بارہ میں تقریباً ایک ہی نظریہ اور عقیدہ ہے جس طرح شیعوں کے مختلف فرقوں نے الوہیت کو علی اور دوازدہ آئمہ اسماعیل زید، جعفر وغیرہ میں تقسیم کر کے خدا کو بے کار محض بنانے کا تصور قائم کیا اسی طرح حنفیوں کے اس غالی فرقہ نے بھی خالق کی بے اختیار مجبور و معذور رہے پس مخلوق کو اسی کی الوہیت میں حصہ دار بنا دیا۔ ان کے نزدیک پہاڑی زبان کے عشقیہ ناول سیف الملوک کے مصنف سے لے کر مفرد منظر قصیدہ غوثیہ کے مصنف شیخ جیلانی تک تمام کے تمام ان کے الٰہ اور معبود ہیں۔ شیعوں نے تقتدا و تدبر کی ملکیت کے حقوق صرف بنی فاطمہ تک محدود رکھے اور اگر کسی غیر فاطمی کو یہ منصب سونپنا مطلوب ہوا تو اسے کھینچ تان کر فاطمی بنا لیا۔ مگر بریلویوں نے اس معاملہ میں زیادہ وسیع قلبی، فراخ حوصلگی اور فیاضی سے کام لے کر ہر بھنگی، شرابی اور دیوانے کو قطب زمانہ بنا دیا۔ ہر اس شخص کو ولی اللہ اور غوث زمانہ سمجھ لیا جس نے جہلا کے سامنے چند الٹی سیدھی ہانکنے کی مشق بہم پہنچالی اور پھر یہ سلسلہ کسی گھوڑے شاہ، بلائی شاہ، کوڈ شاہ یا پھریا شاہ پر ہی ختم نہیں ہوا بلکہ ان کی اولاد کو بھی قیامت تک ولیوں میں شمار کر لیا گیا وہ زنا کرتے پھریں، شراب پیتے پھریں سمگلنگ، چور بازاری، اغوا اور بردہ فروشی کے مرتکب ہوتے رہیں مگر اعلیحضرت . . . قدس اللہ سرہ کی اولاد ہیں۔ ولی کی اولاد سات پشتوں تک ولی رہتی ہے۔۔ ان عقل کے اندھوں اور بصیرت سے کورے جاہلوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ آدم علیہ السلام کی نبوت قابیل کو اور نوح علیہ السلام کی رسالت اپنی عورت اور بیٹے کنعان کو نہ بچا سکی۔ لوط علیہ السلام کی رسالت اپنی عورت کے کام نہ آسکی۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں باپ کو اور نبی علیہ السلام کی آرزوئیں ابوطالب کو نہ بچا سکیں۔ مگر کوئی گھوڑے شاہ الوہیت کی وہ طاقت لے کر آیا کہ اس نے نہ صرف اپنی

اولاد کو بلکہ مریدوں کی اولاد تک کو بخشوا سنے کے پروانے جاری کردیئے۔ حضرت شیخ جیلانی کے مریدوں کا پختہ یقین ہے کہ ہر قادری حضرت پیران پیر کی وجہ سے بخشا جائے گا۔ اس عقیدہ کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی یہ دونوں گروہ میدانِ شرک میں پہلو بہ پہلو سوا نظر آتے ہیں۔

قبروں پر سجدہ ریزیاں ان پر غلاف اور جھنڈے چڑھانا، قبروں کے طواف، قبروں کا پختہ کرکے ان پر ہزارہا روپے خرچ کرکے عمارات بنانا ان کی ایسے ہی تعظیم کرنا جیسی خانہ کعبہ کی تعظیم کی جاتی ہے ان سے حاجتیں طلب کرنا، ان سے اولاد، رزق اور مال چاہنا۔ شر اعداء سے بچنے کے لئے ان پر چڑھاوے چڑھانا اور ان کے نام کی چوٹیاں رکھنا ان کے نام پر صائبہ اور بحیرہ کی طرح جانور وقف کرنا انہیں ہزارہا میل سے پکارنا انہیں عالم الغیب سمجھنا غرضیکہ ایسے تمام مشرکانہ اعمال میں بریلوی اور شیعہ ہم عقیدہ ہیں شیعوں کے شعائر میں تعزیہ بازی اور ماتم کو ایک خاص مقام حاصل ہے اس میں بھی بریلوی حضرات ان کے ساتھ اسی طرح شامل ہوتے دیکھے جاتے ہیں جس طرح یہ ان کے اپنے شعائر ہوں۔ درجنوں امام باڑوں کے منتظم میں نے اپنی آنکھوں سے بریلوی دیکھے ہیں شیعوں کی سینکڑوں مجالس میں، میں نے اپنی آنکھوں سے بریلویوں کو مرثیے پڑھتے دیکھا ہے ہزاروں بریلویوں کو میں نے تعزیوں سے مرادیں طلب کرتے دیکھا ہے سینکڑوں بریلوی خطیب یزید پر لعنت کے ڈونگرے برساتے دیکھے گئے ہیں بلکہ اکثر بریلوی حضرات کو ممبروں پر اس طرح گرجتے برستے دیکھا ہے کہ گویا میدانِ حشر قائم ہے۔ حضرت حسینؓ اور امیر یزید کا مقدمہ پیش ہے اور ان صاحب کو اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کا حق مل چکا ہے۔ یہ ابھی یزید کو فی النار والسقر کردیں گے۔ یہ دین سے بے بہرہ اور بے خبر لوگ اپنی جہالت اور کور باطنی کی وجہ سے آج تمام عالم اسلام کو سوائے اپنے کافر سمجھنے والے خود دین سے اس قدر بے بہرہ ہیں کہ انہیں آج تک یہ موٹی سی بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ جس شخص کی بخشش کا ارشاد نبی علیہ السلام نے فرمایا ہو جس کی سالاری میں سیدنا ابو ایوب انصاریؓ جیسے صحابیوں نے شرف شہادت نوش فرمایا ہو جس کے ہاتھ پر

پانصد سے زائد معلوم اور ہزاروں نامعلوم صحابہ نے بیعت کی ہو جس نے دو بار امیر حج ہونے کا منصب پایا ہو اب نہیں اس کا محاکمہ کرنے کا حق کس نے دیا ہے ؟ شیعیت تو یزید کو فریق مخالف سمجھ کر جو چاہے کہے۔ انہوں نے اگر نبی کریم ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، عائشہؓ بلکہ تمام صحابہ کو نہیں بخشا تو یزید کس شمار میں ہے۔ مگر یہ بریلوی حضرات کس احمقوں کی دنیا میں جی رہے ہیں۔ پھر یہ شیعہ حضرات تو وہ ہیں جنہوں نے علیؓ، حسنؓ، حسینؓ بلکہ اپنے تمام دعاۃ فاطمیہ کو نہیں بخشا ان سب سے دھوکے کئے انہیں فریب دئے۔ انہیں زدوکوب کیا ان پر زبان دشنام طرازی دراز کی انہیں یزید کا کیا لحاظ۔ مگر آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے ؟

محرم کے جلوس، تعزیہ داری اور ماتم، بالواسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر دشنام طرازی ہیں۔ آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ اہل سنت کہلاتے ہوئے صحابہ کرام کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے والوں کی مجلسوں کی رونقیں دوبالا کرتے پھرو۔ ان کی زبانوں سے تبرے سنو اور پھر لطف یہ کہ سبحان اللہ! سبحان اللہ! کے اوراد سے ان کی مجلسوں کو گرماؤ۔ جس طرح شیعوں نے دین میں من مانی تاویلات سے عجیب عجیب گلکاریاں کیں اسی طرح اکثر فقہا نے عموماً اور حنفیوں نے خصوصاً قرآن وحدیث کو بازیچہ اطفال بناکر رکھ دیا۔ چنانچہ امام ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ فقہا میں سے متاخرین نے کہا کہ ہم کو قرآن میں سے تنہا وہ آیتیں کافی ہیں جن سے کوئی حکم نکلتا ہے۔ اور حدیث میں سے فقط مشہور کتابیں کافی ہیں پھر اس میں بھی زیادہ سستی کر دی۔ حتیٰ کہ بعض شخص فقیہ بن کر ایسی آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کے معنی خود بھی نہیں جانتے۔ اور ایسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جس کے متعلق جانتے ہی نہیں کہ وہ صحیح ہے یا نہیں۔ اور اکثر صحیح حدیث کے معاضہ میں قیاس کو لاتے ہیں۔ اور انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ ہم نص حدیث سے معارضہ کر رہے ہیں . . . کسب حدیث میں ان کو اس قدر کسل ہے کہ وہ حدیث کے بعض الفا کا نسبت، جو صحاح میں وارد ہوتے یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلعم

نے فرمائے ہوں۔ کیا یہ سب کچھ اسلام پر ظلم اور شریعت کی خیانت نہیں۔ پھر جس طرح شیعہ عجیب عجیب استدلال پیدا کر کے اپنے زعم میں وہ کسی امر میں حکم لگاتے ہیں اسی طرح حنفی فقہا نے شرح کے دقائق ڈھونڈنے اور مذہب کی علتیں تلاش کرتے میں عمریں صرف کر دیں اور آخر اس کے نتیجہ میں وہ ایک عالم یا فقیہ کی بجائے مناظر بن کر رہ گئے۔ انھوں نے اپنے مفروضہ نظریات کے خلاف قرآن و حدیث کے وہ احکام جو ان کی سمجھ میں نہ آئے ان پر بھی قدم قدم پر جرح شروع کر دی شیعوں کی طرح ان لوگوں نے بھی حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دی۔ حالانکہ ادب یہ تھا کہ حدیث کو پورے طور پر مقدم رکھ کر اس سے دلیل لاتے۔

جس طرح شیعوں نے نجات کا معیار محبت اہل بیت کو قرار دے کر قرآن وحدیث کے درس سے بے اعتنائی برتی اسی طرح حنفی فقہا نے قرآن مجید کی تلاوت، حدیث و سیرت کی سماعت اور صحابہ کرام کے حالات کے مطالعہ کی بجائے ازالہ نجاست اور ماء متغیر کے مسائل، حیض و نفاس کے جھگڑے اور طلاق مغلظ پر اصرار، رفع یدین، آمین بالجہر فاتحہ خلف الامام کی مخالفت میں ہزاروں صفحات کے ضخیم پلندے تیار کرنے میں عمریں برباد کر دیں۔ حالانکہ قلوب کو تذکیر اور مواعظ کی ضرورت تھی تاکہ آخرت طلبی کی ہمت اور شوق پیدا ہوتا۔ شیعوں نے توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کی طرف رغبت دلانے کی بجائے مجالس عزا گرمائیں۔ اخلاقی مسائل کی جگہ مراثی و قصائد کی مجالس منعقد کیں۔ اور احناف نے قرآن وحدیث یا اخلاقیات کی بجائے

اولیا را ہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گردانند ز راہ
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے اولیا کو یہ قدرت دی ہے کہ وہ کمان سے نکلا ہوا تیر راستہ سے لوٹا سکتے ہیں۔ اولیا کا حکم اللہ کا حکم ہے اگرچہ کہنے والا ایک انسان ہے۔"

کا سبق ذہن نشین کراتے میں ہمتیں صرف کر دیں۔

جس طرح شیعہ قرآن سے بے بہرہ ہیں۔ اسی طرح فقیہہ قرآن سے نابلد ہیں
شیعوں میں تو حافظ قرآن معدوم محض ہیں حنفیوں میں گو حافظ قرآن موجود ہیں مگر
جب قرآن کی کسی آیت کے متعلق پوچھیں تو جواب ندارد۔ مگر فقہ کے متعلق پوچھیں
تو بقید صفحہ و سطر جواب حاضر ہے۔ پھر ایسے لوگوں سے تقویٰ، زہد پرہیزگاری
رقت قلب، خشوع و خضوع کی امید رکھنا محال ہے۔ جس طرح کوئی شیعہ باوجود
حق ظاہر ہو جانے کے اپنی شیعیت پر مُصر رہتا ہے اسی طرح حنفی حضرات بھی باوجود
اس بات کے کہ قرآن و حدیث ان کی فقہ کے مقابلہ میں واضح صورت میں پیش کی
جائے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر کبھی حق قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے
جس طرح شیعوں کا ہر مجتہد ہر مسئلہ میں اپنے اجتہاد سے فتویٰ دینے کا مجاز ہے
اسی طرح ہر حنفی فقیہہ مفتی ہے میں نے بارہا دیکھا ہے کہ ایک عورت کی طلاق کے معاملہ
میں تین تین چار چار فقہاء سے فتوے حاصل کئے گئے اور ہر مفتی نے دوسرے
کے فتوے کے خلاف فتویٰ دیا۔ اسے ان لوگوں کی ذہنی بے لفیری قرار دیا جائے
یا حلب زر کی کرامات یا کتاب و سنت سے بیگانگی کا نتیجہ سمجھا جائے۔ بلکہ میں نے
بارہا یہاں تک دیکھا کہ ایک فقیہہ نے ایک عورت کی طلاق کا فتویٰ جاری کرنے
کے مہینہ بھر بعد وہی عورت اس کے لئے حلال کر دی۔ چلہ کشی، غیر شرعی اوراد
وظائف اور مستانہ نعروں میں شیعہ اور حنفی ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔

دنیا نے احناف کے بعض جواہر پارے فقری کے لباس میں ریشم پہنتے، سونے
کی انگوٹھیاں استعمال کرتے داڑھیاں منڈاتے، چوٹیاں رکھتے سنکھ پھونکتے، بھنگ
پیتے، چرس کے دم لگاتے اور یا علی یا علی کے نعرے لگاتے گلیوں میں مست سانڈوں
کی طرح دندناتے پھرتے ہیں اور وہ سب کے سب مرکز ارشیعیت کے پروردہ ہیں۔
شیعوں کی طرح ان لوگوں نے معجزات اور اعمال کے بارے میں ہزاروں وضعی
حدیثیں تراش کر عوام میں اس طرح پھیلا دی ہیں کہ وہ اب عین اسلام نظر آتی ہیں
شیعوں کی مجالس عزا کی طرح یہ لوگ بھی محرابیہ و منبر نشے گا گا کر لوگوں کو اپنی طرف

باغیب کرتے ہیں ۔ بڑے بڑے بریلوی اور دیوبندی علامہ میں نے ترتیل اور لے سے قرآن پڑھتے دیکھے ہیں یہی احناف اپنے اکثر مواعظ میں مرثیے پڑھتے اور حضرت حسین کی شہادت کے واقعات اس طرح بیان کرتے ہیں گویا یہ خود وہاں موجود تھے شیعوں کے من گھڑت مزعومات کی طرح ان حنفی واعظوں نے بھی شطحیات کے کئی دفتر تیار کر رکھے ہیں اور اپنے وعظوں میں ان شطحیات کے ثبوت میں شاعروں کے اشعار اس طرح ترنم اور لے سے پڑھتے ہیں کہ سبحان اللہ کے مستانہ نعروں سے مجلسیں گرما اٹھتی ہیں ۔ پیری کے دھندوں میں چرس کشیوں کے چکر، مشرکانہ نعروں کی گونج، محفل آرائیوں کے طریقے دونوں میں ایک جیسے ہیں ۔

وعظ کی مجالس میں غلط روایات، بے سروپا باتیں، اولیاء کرام اور ائمہ عظام کی ذاتوں سے منسوب کرامتیں اور ہو حق کے نعروں سے کوئی آدمی یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ یہ بریلوی حنفی ہیں یا کہ شیعہ ہیں ۔

میلاد کی محافل، عرسوں کے ہنگاموں اور محرّم کی مجالس میں عورتوں مردوں کا اختلاط، واعظین اور ذاکرین کی ہیئت کذائیہ گویا ایک ہی ڈرامہ کے کردار ہیں ۔ نماز کے منکر اور صوم سے بیزار ان مجالس و محافل کی جان ہیں ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان مجالس و محافل کے کرتا دھرتا پھیپھڑوں کے پورے زور سے یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں کہ :-

نبی کو مختار کل سمجھو، اہل بیت کے ہاتھ میں کارکنان قضاء قدر کی طاقت سمجھو اولیاء کرام کو جنت، جہنم اور موت و حیات کا مالک جانو تو نماز پڑھو یا نہ پڑھو۔ دل میں ایمان چاہیے بس تمام گناہ معاف سمجھو۔

لہ مولوی محمد عمر اچھروی اور مولوی غلام اللہ خان راولپنڈی والے کو جن لوگوں نے وعظ کہتے سنا ہے اور دیکھا ہے ۔ وہ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ دوران وعظ کس طرح ہاتھ نچا نچا کر ترنم اور ترتیل سے قرآن پڑھتے ہیں ۔

آج ریڈیو پاکستان سے "علی کا پہلا نمبر" کی قسم کے گانے علی الاعلان نشر ہوتے ہیں۔ کیا اس قسم کے گانے بالواسطہ تبرا اور سب صحابہ کے ضمن میں نہیں آتے کیا ان کی تشہیر میں بریلویوں کا ہاتھ نہیں۔ پاکستان میں امتیازی نشانات کے تعین کے موقع پر سکندر مرزا کے صلاح کار کون لوگ تھے جنہوں نے سب سے بڑے اعزاز کا نام "نشان حیدر" تجویز کیا ذرا خدا لگتی کہیئے کہ اسلامی فتوحات میں سب سے پہلا نمبر کس کا ہے؟ سیاست، مدنیت، اصول جہانبانی و جہانگیری اور عدل و مساوات میں سب سے بڑھ کر کون ہستی تھی۔ آج اس کی شہادت کے دن یا یا فروز کی عیدوں میں شامل ہونے والوں میں کیا بریلویوں کا تعاون شیعوں کو حاصل نہیں؟ کیا بریلویوں نے کبھی ان محرکات کے پس منظر میں جھانکنے کی زحمت گوارہ کی ہے؟ اور کیا ان کے یہ افعال و کردار شرک و بدعت بلکہ کفر کی حدود تک نہیں پہنچتے؟

آج بریلویوں کی تمام مساجد میں نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، نعرۂ رسالت، یا رسول اللہ اور نعرۂ حیدری یا علی کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ نعرۂ رسالت یا رسول اللہ اور نعرہ حیدری یا علی کی شرعی حیثیت کیا ہے، قابل غور امر یہ ہے کہ نعرہ صدیق یا نعرہ فاروق یا نعرہ ذوالنورین ـــــ کیوں نہیں؟ احناف نے یہ حق صرف علی کو کیوں تفویض کیا ہے؟ اور اصحاب ثلاثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مقدس ناموں کے نعرے کیوں نہیں لگائے جاتے۔ احناف میں

سلسلہ تصوف کے چار طریقے ہیں قادری، سہروردی، چشتی اور نقشبندی ان سلاسل اربعہ میں سے اول الذکر ہر سہ طریقوں کا سلسلہ طریقت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ تک پہنچایا گیا ہے۔ صرف ایک نقشبندی طریقہ کا سلسلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تک پہنچتا ہے۔

کیا فاروق اعظم جیسا بلند مرتبہ انسان جس کے متعلق نبی علیہ السلام کا واضح ارشاد موجود ہے کہ لو کان نبی بعدی لکان عمر۔ یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور عثمان ذوالنورین جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ارشاد ہے کہ عثمان سے مجھے بھی شرم آتی ہے اور تمام ملائکہ بھی اس سے شرم کرتے ہیں ـــــ کیا یہ دونوں عظیم الشان ہستیاں ان بریلویوں کی نظروں میں ان کے اس تصوف سے کورے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعیت محسوس اور غیر محسوس طریقوں سے ان میں اس طرح حلول کر چکی ہے کہ یہ لوگ اسلام سے بہت دور اور شیعیت کے بہت قریب ہو چکے ہیں۔ آج شیعیت اور بریلویت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بریلویت کی اصل روح پیری مریدی کی شکل میں یہی شیعیت ہے بریلوی حنفیوں کی بے خبری ملاحظہ ہو کہ انہوں نے جن لوگوں کو ولایت کے مرتبے تفویض کر رکھے ہیں ان میں سے اکثریت باطنی شیعوں کی ہے

ایک گھر کے بھیدی یعنی حسن نظامی[1] کی زبان سے سنیئے۔

ہندوستان میں اسماعیلی خوجوں کی تعداد بے شمار ہے۔ جن کو پیر نور الدین (ست گور نور) حضرت پیر شمس۔ پیر صدر الدین۔ پیر حسن کبیر نے ہدایت کی تھی اس کے علاوہ ایک گپتی فرقہ ہے۔ جن کو فی الحال ہدایت کی جاتی ہے اور عرب ایران مغل وغیرہ کی تعداد بے انتہا ہے۔ جن کو نیچے درج کئے ہوئے داعیوں نے ہدایت کی تھی۔

---

[1] ان کے متعلق غالباً مولانا ظفر علی خان مرحوم کا اس قسم کا ایک شعر ہے جو

سید بھی ہیں فقیر بھی ہیں اور ملنگ بھی ۔۔۔ اور خواجہ جانتے ہیں صحافت کا ڈھنگ بھی

حسن نظامی بریلویوں کے بہت بڑے پیر ہوئے ہیں ان کی مشہور تصنیف فاطمی دعوت اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حنفیت کے ساتھ اسی قدر تعلق تھا جس قدر پیری کا ڈھونگ چلانے کے لئے کافی ہو سکتا تھا آپ حنفیت اور شیعیت کا معجون مرکب تھے اور آپ نے پوری طرح باطنیوں کی تکنیک سے کام لے کر کوچہ گردی سے ترقی کرتے کرتے بہت بڑے پیر کا روپ دھارا اور لاکھوں میں کھیلتے ہو ملک غلام بھیک نے نورایمان میں لکھا ہے کہ حسن نظامی سے ایک بار کسی نے پوچھا سیّاد یزید کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے تو آپ نے جواب دیا وہ تو یزید کا بھی باپ تھا اس فقرہ سے جو بغض باطن ٹپکتا ہے اسے اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں (نورایمان مصنفہ خان بہادر غیرات احمد ص۲۲)

(۱) داعی ناصر خسرو (۲) داعی ابن صباح (۳) داعی محی الدین عربی (۴) سید سہراب
(۵) داعی ابو نظم (۶) عبد المبین (۷) شیخ فرید الدین عطار (۸) حکیم بو علی سینا
وغیرہ (از فاطمی دعوت الاسلام ص۱۹۵)

سید علی ہمدانی، خواجہ محمد گادانی، سید گیسو دراز کی نسبت اختلاف ہے کہ وہ شیعہ
تھے یا سنی (ملخص رود کوثر از محمد اکرام ص۳۲)

اسی گیسو دراز کی اولاد سے کوئی حضرت اللہ اس بات کا مدعی ہوا کہ میں مریم کا بیٹا
ہوں۔ حضرت مریم آسمان پر اٹھالی گئیں تو ان کا نکاح حضرت گیسو دراز سے ہوا۔ اور
میں پیدا ہوا۔ اس پر کسی عبد اللطیف نے کہا پھر تمہیں عیسائیوں کے ملک یورپ میں چلے
جانا چاہیئے تو اس نے جواب دیا کہ وہاں میرا سوتیلا بھائی عیسٰی پہلے ہی موجود ہے نامعلوم
وہ لوگ میرے ساتھ کیسا سلوک کریں۔

دار الملک نامی کوئی فوجی گجرات کا ٹھیا واڑ میں مر گیا آج دکن میں اس کی تیس سے
زیادہ قبریں ہیں اور ہر جگہ معتقدین کا ہجوم ہوتا ہے (ملخص رود کوثر ص۱۵۱)

جس تصوف کی بنیاد باطنیوں نے رکھی ہو۔ جو باطنی ان بریلویوں کے عظیم المرتبت غوث
وقت اور قطب زمانہ ہوں۔ ان بریلویوں کا شیعت کی پیروی کرنا مستبعد نہیں۔ یہ
ناصر خسرو۔ یہ شمس تبریز۔ یہ احمد کبیر رفاعی۔ یہ محی الدین عربی۔ یہ فرید الدین عطار۔ یہ بو علی سینا
جو آج حنفیت کے نہایت مقبول مرتبت اولیائے کرام میں شمار ہوتے ہیں بقول حسن نظامی
سبھی باطنی تھے۔

میں کہتا ہوں اسی طرح کے وہ تمام پیر جو تصوف کا جامہ پہن کر آج اس ملت میں
وقتاً فوقتاً نقیب زن ہوتے رہے سب کے سب باطنی اور شیعہ تھے۔ ورنہ قرآن و سنت
کی سیدھی اور صاف شارع اعظم کو چھوڑ کر تصوف کی ان اندھی گلیوں میں بھٹکتے
پھرنے اور غیر شرعی اوراد و وظائف میں مست رہ کر عمریں ضائع کرنے کا کیا مطلب؟
فاروق اعظمؓ نے گو مجوسیت اور یہودیت و عیسائیت کا وجود ختم کیا تھا۔ مگر ان
ادیان باطلہ کی روح اپنے مقصد میں آخر کامیاب ہو کر رہی۔

دور نہ جائیے ۔ قاضی نور اللہ شوستری جیسے شیعہ شہید ثالث کہتے ہیں اس کی مجالس المؤمنین پڑھ لیجیے وہ بادشاہوں میں ہارون اور مامون کو حکماء میں بو علی سینا نصیر الدین طوسی جلال الدین دوانی (مصنف اخلاق جلالی) کو شعراء میں سعدی ، حافظ ، رومی ، انوری متنبی کو صلحاء میں بایزید بسطامی ، ابراہیم ادہم ، شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ کو شیعہ کہتا ہے ۔

ہارون اور مامون کے متعلق دوسرے شیعہ مصنفین کی شہادتیں بیان ہو چکی ہیں بو علی سینا کی شیعیت میں بھی شک نہیں اور نصیر الدین طوسی ہلاکو کو بغداد پر چڑھا کر لے گیا تھا ۔ جلال الدین دوانی کے حالات بھی محل نظر ہیں ۔

سعدی کے رفض پر اس کے یہ شعر کافی ہیں ۔

الہیٰ بحق بنی فاطمہ ؛ کہ بر قول ایماں کنی فاطمہ

اگر دعوتم رد کنی در قبول ؛ من و دست و دامان آل رسول

حافظ کا مذہب دیوان حافظ سے ظاہر ہے ۔ رومی کا تصوف مثنوی کے پانچویں دفتر میں گویا کوزے میں دریا بند ہے ۔ اور بقول حسن نظامی دہلوی فرید الدین چونکہ شیعہ ہے اور رومی فرید الدین کے متعلق لکھتا ہے کہ میں نے جس سمندر کا ایک قطرہ پیا ہے فرید الدین اس کے خم لنڈھا گیا ہے اس لیے رومی کے متعلق بھی قاضی نور اللہ نے غلط نہیں لکھا ۔ انوری اور متنبی علی الاعلان شیعہ تھے ۔ بایزید ، ابراہیم ادہم اور شہاب الدین سہروردی کو اگر شیعوں کا ایک مجتہد شیعہ کہتا ہے اور ہم بھی ان لوگوں کی کوئی خوبی نہیں پاتے تو ہمیں انکار کرنے کا کیا حق حاصل ہے ۔

جس طرح احمد فاروق سرہندی کو آزاد ہندی کے شیخ پر لادیا اسی طرح رومی کو گمنامی کے گوشے سے اقبال نے نکالا ۔ مگر یہ صرف شاعری ہی شاعری ہے اور اس میں بھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے جہاں بھی کفر و اسلام نیکی بدی اچھائی اور برائی کا ذکر کیا ہے وہاں مثال میں حسین اور یزید کا تقابل ہی پیش کیا ہے ۔ یزید کے متعلق گذشتہ باب میں میں فیصلہ کن بات ہو چکی ہے ۔ اگر اقبال اتنی بڑی حقیقت سے

ناآشنا رہ سکتے ہیں تو رومی کے متعلق ان کا حسنِ ظن بعید از قیاس نہیں۔ آخر عمر میں اقبال نے مسلک اہلحدیث قبول کر لیا تھا[1]

شیعوں کی فاطمی، علوی، اسماعیلی، جعفری، نزاری، مستعلی وغیرہ اصطلاحات کے ساتھ ساتھ اہل سنت نے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی[2] کی اصطلاحات جاری کیں جو آگے چل کر باقاعدہ الگ الگ مذہب کی شکلوں میں ظاہر ہوئیں اور جس طرح شیعوں نے اپنا قیمت اور ہمت کے مطابق مسلمان شاہان وقت کے خلاف سازشیں، بغاوتیں اور خروج کئے اسی طرح اہل سنت کے فرقوں نے بھی جہاں ذرا زور پکڑا کسی قسم کی سرکشی سے احتراز نہ کیا۔ اندلس میں مالکیوں کے فتنے ایک عرصے تک مخلوق خدا کے لئے عذاب بنے رہے ان کے ساتھ ساتھ جن لوگوں نے دین اور دنیا کو الگ سمجھا۔ یا شیعہ داعیوں کے ظاہرانہ تقدس سے متاثر ہوئے یا اپنی ذہانت طبع سے مجبور ہوئے۔ یا بیکار بیٹھ کر عیش کرنے کے طریقوں پر عمل کرنے کا منصوبہ بنایا انہوں نے قادری، نقشبندی، چشتی اور سہروردی کی اصطلاحات میں پناہ ڈھونڈھی۔ اس سے قطعاً انکار کی گنجائش نہیں کہ وہ اپنے اپنے وقتوں کے باعمل عالم اور صاحب مقام بزرگ گزرے ہیں مگر آج جو جو کرامتیں اور مافوق الفطرت باتیں ان کے مریدوں نے ان کی ذاتوں کی طرف منسوب کر رکھی ہیں ان کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے نہ ان کے کسی قول سے ثابت ہوتا ہے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے اپنی مشہور تصنیف غنیۃ الطالبین میں بڑے عالمانہ انداز میں شیعوں کا تعاقب کیا ہے۔ مگر آج

---

[1]:۔ تفصیل کے لیے حصہ اول مصنف ہذا کا دیکھیے۔

[2]:۔ امام احمد بن حنبل نے اصل میں کسی مذہب کی بنیاد نہیں رکھی۔ بلکہ انہوں نے حنفی مالکی، اور شافعی مذاہب کے قیاسی اور مفروضہ اجتہادات کے خلاف قرآن وسنت کے احیاء کا کام کیا۔ مگر آگے چل کر ان کے ساتھیوں اور متبعین کے لیے حنبلی کی اصطلاح وضع ہو گئی جس نے امتداد زمانہ کے ساتھ ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ مگر انہوں نے باوجود حنبلی کی اصطلاح قبول کرنے کے دین میں کسی بدعت کو سر نکالنے کا موقع نہ دیا۔

ان کے مریدوں میں تمام وہ طریقے رائج ہیں جو شیعوں میں موجود تھے یا ہیں۔
سید عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامات بیان کرنے والوں نے آپ کی ذات کی طرف ایسی
ایسی مافوق الفطرت کرامتیں منسوب کر رکھی ہیں جنہیں پڑھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے
تاریخ کی کتابوں میں حضرت شیخ کی شخصیت ایک باعمل عالم کی صورت میں نظر آتی ہے۔
آپ کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شرک و بدعت سے متنفر زاہد اور متقی قسم
کے عالم تھے۔
مگر تصوف کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مافوق الفطرت کیفیات کے حامل اور
صاحب کرامت انسان تھے۔
سینہ بسینہ روایات کے خود ساختہ قادری لوگوں کی زبان سے آپ کے حالات سننے کے
بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ تمام کائنات کے مختار کل تھے۔
یہ تمام جیتا جاگتی کیفیت شیعیت کے تخیلات کی پیداوار ہے جو اہل سنت کے گمراہ مولویوں
نے آپ کی طرف منسوب کر کے دین کو بازیچۂ اطفال بنا کر رکھ دیا۔
پاک و ہند میں حضرت شیخ کی طرف یعنی سلسلہ قادریہ کی طرف منسوب بزرگوں کی طرف
بھی اسی قسم کے نظریات کو منسوب کیا گیا۔
سندھ کے پیر پگاڑو جو قادری سلسلہ کے ایک بڑے پیر ہیں ان کے ہاں سینکڑوں
سال حج کے مراسم ادا ہوتے رہتے پیر صاحب کو فنا فی الہی کا مظہر اعلیٰ سمجھا جاتا
واحد پیر صاحب سے مصافحہ کرنے والے کو قتل کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا۔ ان کے مرید
پیر صاحب کو نور کا سیلاب سمجھتے رہتے۔ حضرت پیر کے گھر کے دروازہ کا دیدار شفاعت
کے لئے کافی سمجھا جاتا رہا۔ مگر اب یہ تمام خرافات کم ہو گئی ہیں۔
سندھ کا ایک اور قادری پیر جھنڈا میں سجادہ نشین تھے۔ مگر ان میں پیر محبوب شاہ
صاحبؒ نے خلافت کی تحریک کے دور میں بھرپور حصہ لیا اور دو سال کے لئے قید ہو گئے
آگے چل کر ان لوگوں نے سنت رسول کو اپنا کر تمام لغویات کو ترک کر دیا۔ آج کل پیر مبلغ الزماں
صاحب ایک سندھی گرم اہلحدیث ہیں۔

قادری سلسلہ کے دیوہ میں ایک پیر وارث علی شاہ ہوتے ہیں جنہوں نے مونچھیں اور سر کے بال بڑھا کر زرد چادر اوڑھنے کی بدعت جاری کی وہ ننگے پاؤں رہتے تھے ان کے مریدوں کی ایک کھیپ وارثی فقیروں کے نام سے موسوم ترک دنیا کا سبق دیتی آج بھی نظر آتی ہے یہ لوگ " کمانے کی دنیا اور کھائیں گے ہم " کے مصداق پوری قوم کو رہبانیت کا درس دیتے پھر رہے ہیں۔

قادری سلسلہ کی سب سے بڑی عبادت حضرت شیخ کو حاضر ناظر سمجھنا اور ان سے استمداد طلب کرنا ہے ۔ " یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ " ۔ ان کا وظیفہ ہے اس فقرہ کا مطلب ہے " یا شیخ عبدالقادر جیلانی مجھے اللہ کے لئے کچھ دیجئے "۔

اس پر سوائے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ یعنی دینے والا شیخ عبدالقادر ہے اور ان سے اللہ کے نام پر مانگا جا رہا ہے۔

چشتی سلسلہ:-

دوسرا اہم سلسلہ پیران چشت کا ہے (چشت ایران میں کوئی مقام ہے یہ لوگ اس مقام کی طرف منسوب ہیں) اس سلسلہ میں ایسے بزرگوں کے نام بھی ملتے ہیں جو حقیقت میں اہل اللہ اور باعمل عالم تھے حضرت معین الدین اجمیریؒ حضرت نظام الدینؒ دہلوی حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ خواجہ فرید الدینؒ کے اسمائے گرامی اور ان کی خدمات اسلام سے کون انکار کر سکتا ہے مگر شیعیت کے غیر محسوس اثرات اس طرح اس سلسلہ کے لوگوں میں نقب زن ہوئے کہ آج شرک و بدعت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ان میں موجود نہ ہو۔ الا ماشاء اللہ۔ اسی سلسلہ کے ایک پیر خواجہ محمد سلیمان تونسوی ہوتے ہیں انہوں نے مشہور مجاہد سید جعفر علی سے جو سلوک کیا تھا اس کی تفصیل جلد اول میں گزر چکی ہے ان لوگوں نے جن مشرکانہ اور مبتدعانہ باتوں کو اپنایا ہے وہ تمام کی تمام دنیائے شیعیت کی پیداوار ہیں۔ ان کی موسیقی شیعوں کی مرثیہ خوانی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اور موسیقی کا جواز انہوں نے شیعوں کی مرثیہ خوانی سے اخذ کیا ہے۔ دوسری اہم چیز تعویذ ہے مجھے اپنی سیاحت کے زمانہ میں ایک بار دہلی سے اجمیر تک ان کے ایک قافلہ کے ساتھ سفر

کرنے کا اتفاق ہوا۔ ماسنے میں دیکھا کہ درجنوں گروہ اپنے اپنے جھنڈے لے کر قافلہ میں شامل ہو رہے ہیں۔ ان جھنڈوں کو خواجہ کی چھڑیاں کہتے ہیں۔ جھنڈے کا رنگ سبز ہوتا ہے اور یہ سبز جھنڈا شیعوں کا مخصوص شعار ہے۔ ان جھنڈوں کے آگے ذت نواز اور ڈھول پیٹنے والے ہوتے ہیں ان کے پیچھے میراثی گاتے جاتے ہیں ان کے پیچھے بعض قافلوں میں بھنگڑا ڈالنے والے دیکھے گئے ہیں گویا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ اکثر لوگ ننگے پاؤں شریک قافلہ دیکھے گئے۔

ان لوگوں میں قبر کا طواف کرنا ایک دینی فریضہ کے طور پر اہم مقام رکھتا ہے اسے خانہ کعبہ کی نقل سمجھا جائے یا بت پرستی کی نقل۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبیست اجمیر پہنچکر قبر پر صندل اور پھول چڑھائے جاتے ہیں اور جھالر اور اناساگر کے پانی کو آب زمزم کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے وہاں خانہ کعبہ کی طرح سمجھئے یا بتوں کی طرح ـــــ قبر کو غسل دیا جاتا ہے خواجہ کی بدھی کے نام سے ایک سبز دھاگا اپنے گلے میں باندھا جاتا ہے صندلی رنگ کے دوپٹے سر پر باندھے جاتے ہیں۔

اسی طرح حضرت خواجہ فریدالدین کے مزار پر بہشتی دروازہ ہے جو سال میں ایک بار کھلتا ہے اور عوام کو یہ ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ جو شخص اس دروازہ سے ایک بار گزر جائے اس پر آتش دوزخ حرام ہو جاتی ہے۔ ضلع میرپور آزاد کشمیر کے ایک گاؤں سمولال میں بھی اسی قسم کا ایک دروازہ ہے۔

ان مشرکانہ اعمال اور مبتدعانہ افعال کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملانی یا ایک فرقہ کے ان مبتدعانہ افعال کو دوسرے فرقہ کے مشرکانہ اعمال سے تطبیق دینا اس وقت ناممکنات میں سے ہے قادریوں، نقشبندیوں، چشتیوں وغیرہ میں ان مبتدعانہ افعال کی شکلیں گو مختلف سہی مگر قدر مشترک ایک ہی ہے اور وہ ہے شیعہ داعیوں کی دعوت کے دوررس اثرات کے نتائج۔

ریاست کشمیر کے جنوبی پہاڑ آدھی کی تلہٹی میں دریائے جہلم اور چناب کے درمیان ایک مارشل قوم کی اکثریت ہے۔ یہ لوگ مغلیہ دور میں وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہے ان میں کچھ لوگ ابھی تک اپنے آبائی مذہب پر ہیں۔ ان لوگوں کی چند صدیوں تک

اس علاقہ میں حکومت بھی رہی ہے ۔ یہ لوگ شدید قسم کے سادہ ذہنوں کے اسلام دوست ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ آج تک ان لوگوں کو کسی صحیح العقیدہ مسلمان عالم کے فیض صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع نہیں ملا ۔ جن مسلمان عالموں یا پیروں سے ان کا واسطہ پڑا معلوم ہوتا ہے، وہ سب کے سب انہی احبار و رھبان کی درس گاہ کے تربیت یافتہ تھے یا انہیں شیعہ داعیوں کی دعوت سے متاثر تھے جنہوں نے سلسلہ اربعہ کی اصطلاحیں وضع کی تھیں ۔۔۔۔۔ اسی لئے یہ فارشل قوم ایک طرف اپنے آباؤ اجداد سے متاثر نسلی عصبیت کا شکار رہے اور دوسری طرف اپنے ایک مورث اعلیٰ کے مزار پر غیر اسلامی شعائر کی مرتکب ۔ ان لوگوں کے گھر جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے تو یہ لوگ اس کے سر پر ایک چوٹی باوا شادی شہید کے نام کی رکھتے ہیں ۔ اور جب تک مزار پر پہنچ کر کوئی جانور ذبح نہ کریں چوٹی نہیں منڈواتے ان لوگوں کی یہ مشرکانہ رسم پورے طور پر شیعی یا باطنی لغیر اللہ کے ذبیحہ کی صورت ہے اسماعیلیوں کے داعی، علی محمد باب کے پیرو، بہاؤ اللہ کے مرید اور اہل سنت میں سے بریلوی صوفی باطنی تکنیک میں ایک ہی ٹکسال کے سکے ہیں ۔ دراصل تصوف کا پیراہن ابتدائی طور پر اسماعیلیوں نے ہی تیار کیا ۔ اسماعیلی چونکہ ظاہری طور پر اہل سنت کے عقائد کے مطابق ہی نئی جگہوں میں لوگوں کے ایمان میں نقب زنی کے داؤ آزماتے تھے اور جب ان کا ظاہری تقدس پرہیزگاری عبادت گذاری جہلا کے دلوں میں جاگزیں ہو جاتی اس وقت اس شخص کو اپنی دعوت میں شریک کرتے تھے تو اسے اپنے گروہ میں شامل کرتے ۔ ورنہ اسے ظاہر و باطن کی اصطلاحات کے چکر میں ایسا پھنساتے کہ وہ بھی خاص وضع کا لباس استعمال کرنے ہی پر قانع ہو جاتا ۔ بہت سے ایسے لوگ مذہبی خیالات کی وجہ سے قتل کر دیے گئے ۔ مگر بعد کے زمانے میں ولی قرار دیے گئے ۔ حقیقت میں وہ لوگ مختلف ملحدانہ عقیدوں کے مبلغ تھے مثلاً حسین بن منصور الحلاج پکا سازشی اور خوفناک ذہنیت رکھنے والا تھا ۔ بلکہ بعض مورخ اسے قرامطہ میں شمار کرتے ہیں ۔ (ابن الندیم صفحہ ۲۱۹) مگر آج اسے بہت بڑا ولی مانا جاتا ہے ۔

اسی طرح حکمت الاشراق کا مصنف شیخ شہاب الدین مقتول ۵۸۷ھ بقول جامی زندیق، کافر اور فلاسفہ کا معتقد تھا (نفحات صفحہ ۶۸۳) فضل اللہ حروفی کو تیمور نے قتل کرایا۔ اس کے مرید نسیمی کی حلب میں کھال کھینچی گئی غرضیکہ اسماعیلیوں نے ہزاروں مسلمانوں کو دشمنوں کو اس ڈگر پر لاکر کھڑا کیا کہ انہوں نے تصوف کو دین کا اعلیٰ مقام سمجھ کر جو منہ میں آیا بکنا شروع کر دیا۔ آج ہزاروں ملحد، بے دین، افیمی، چرسی، شرابی اور بدکار تصوف کے لباس میں ملبوس ہو کر عوام کو لوٹتے پھر رہے ہیں۔ اور جو ان کے خلاف ذرا سی بھی لب کشائی کرے وہ "وہابی" کی گالی سے سرفراز ہو۔

مشہور شیعہ عالم محقق اور ادیب ہوش بلگرامی بمبئی کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہاں مسلمان ہیں خوجے ہیں، بوہرے ہیں اور آغا خانی ہیں اور سب تاجر پیشہ ہیں۔ یہاں کے بھولے بھالے انسان آغا خان کو روحانی پیشوا مانتے ہیں اور سنی بغدادی صاحب کے دراز جبے قد سے بیعت کرتے ہیں اور ان کے تقدس کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ یہ مقام ایسے مذہبی پیشواؤں کی چراگاہ ہے جن کی نجی عباؤں کو مسلمان غلاف کعبہ سے کم نہیں سمجھتے اور جن کے شراب کے گھونٹوں کو شربت جانتے ہیں۔

کہ خدا کے نور سے پیدا ہوتے پانچوں تن ؛ محمد است علی و فاطمہ حسین و حسن

کے علاوہ کس حنفی کے گھر کی زینت نہیں۔ یہ کھلم کھلا شیعیت پیری کے راستے ہی ان کے گھر میں گھسی ہے اور یہ پیری تمام تر باطنی شیعیت کی اختراع ہے۔

مختلف سلسلے شیعیت کی پیداوار ہیں

علامہ اقبال نے اپنے انگریزی لیکچروں میں ایک جگہ کہا ہے کہ فقہ اسلامی آخری ایام میں اسلام کے بہترین دماغوں میں مذہبی کسی دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ بابر سے پہلے ہندوستان میں حنفیت کا بول بالا تھا۔ بابر اپنے ساتھ تاز نی طور پر تورہ چنگیزی لایا۔ ہمایوں شیعہ تھا مگر سکھوں کے خوف سے تقیہ کئے رہا۔ اکبر کھلم کھلا زندیق اور مرتد۔ ان حالات میں جبکہ کسی مملکت کا حکمران مذہبی امورات میں بخر متقا

ہر قوم جو چاہے کرے۔ ان حالات میں شیعہ سنی عقائد کے ملغوبہ میں ہندوانہ رسم و رواج کا شامل ہو جانا ایک لابدی امر تھا۔ تاریخ کی ورق گردانی سے ہمیں کسی اسلامی ملک میں قادری، نقشبندی، چشتی یا سہروردی طریقوں کی اس قدر مقبولیت، شہرت اور ایک تنظیمی ڈگر پر ان کے عروج کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ آج بھی دنیا کے کسی اسلامی ملک میں چلے جائیے آپ کو یہ قادری، نقشبندی، چشتی سہروردی وغیرہ کی اصطلاحیں اول تو ملیں گی ہی نہیں اگر ملیں گی بھی تو بہت ہی کم۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں سنی شیعہ کے ملغوبہ میں ہندوانہ نظریات نے مل کر عجیب عجیب گل کاریاں کیں اور تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں اور کسی دور میں اس قدر مذہبی فرقے، گروہ جماعتیں پیدا نہیں ہوئے جس قدر مغلیہ دور میں پیدا ہو گئے۔ اور پھر انہوں نے اپنے اندر اس قدر قوت پیدا کی کہ جوں جوں وقت گذرتا رہا ان فرقوں سے متعلق لوگ ان کے متعلق اس قدر علمی ذخیرے پیدا کرتے رہے کہ آج قرآن و حدیث کی بجائے ان لوگوں کے تیار کردہ ہفوات، ملفوظات کے ناموں سے ہزاروں اشخاص کے لئے حرزِ جان ہیں۔ ابن عربی کی تصانیف نے یہاں ہی فروغ پایا۔ اکبر کے سامنے ایسے ہی ذہنی مفلسوں نے قرآن و حدیث کی ایسی تاویلیں کیں کہ اکبر حیران رہ گیا۔ اور وہ اسلام سے متنفر ہوتے ہوتے خود خلیفۃ اللہ فی الارض بن گیا۔ معلوم نہیں خلیفۃ اللہ فی الارض کی اختراع اس کی اپنی ذہنی اپج تھی۔ یا انہیں حنفیوں، قادریوں اور نقشبندیوں نے اُسے یہ راستہ دکھایا تھا۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود جاہل مطلق تھا ان لوگوں نے اُسے یہ راستہ دکھایا تھا۔

سلسلہ قادریہ :-

حضرت سید عبد القادر جیلانی متوفی ۵۶۱ھ کی ذاتِ گرامی سے دنیا بھر کا کوئی مسلمان ناواقف نہیں۔ آپ نسباً فاطمی اور عقیدۃً حنبلی تھے۔ امام احمد بن حنبل چوتھے فقہی امام ہیں۔ مگر آپ قیاس، رائے اور اجماع کے منکر تھے۔ آپ کی فقہ کا منبع صرف قرآن و حدیث ہے۔ فقہ حنبلی ہر قسم کی بدعات سے پاک ہے اور حضرت عبد القادر

جیلانی اسی فقہ حنبلی کے مقلد تھے۔ ان کی مشہور تالیف غنیۃ الطالبین ایک ٹھیٹھ فقہی کتاب
ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ٹھیٹھ خشک زاہد اور نہایت متقی عالم قلم برداشتہ
دینی حقائق بیان کئے جا رہا ہے۔ تمام کتاب اول سے آخر تک پڑھ جائیے آپ کو کہیں اور کسی
مقام پر اس قسم کے خرافات سے کوئی چیز نہیں ملے گی جو آج کل کے قادری سلسلہ کے پیروؤں
میں موجود ہیں۔ حضرت شیخ عبد القادر کے نزدیک ندائے لغیر اللہ شرک ہے۔ مگر آج ان
کے نام کی تسبیحیں پڑھی جاتی ہیں یہ سب کچھ مغلیہ دور کے شیعوں کے یا علی اور یا حسین کا
پھیر ہے ندائے لغیر اللہ کی ابتداء ان لوگوں سے ہوئی اور ان سے سنیوں کے قادریوں
اور نقشبندیوں نے سیکھی مغلیہ عہد میں سلسلہ قادریہ سے کے رستے بڑے بزرگوں کے نام تاریخ
کے صفحات میں ملتے ہیں۔

تاریخی طور پر سب سے پہلے سید عبد القادر جیلانی رح حنبلی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف
غنیۃ الطالبین میں شیعوں کا ذکر کیا ہے۔ غنیۃ الطالبین حنبلی مذہب کی ایک
انسائیکلوپیڈیا ہے مگر اس کتاب میں بھی یاران طریقت نے تصوف کے باب کے
عنوان سے ایسی پیوند کاری کی ہے جس کا جواب نہیں۔ ایک معمولی سی دینی سوجھ بوجھ
رکھنے والا اور معمولی سی علمی مہارت رکھنے والا آدمی بیک نظر اس بات کا اندازہ لگا لیتا
ہے کہ اصل غنیۃ الطالبین کا مصنف کوئی پرہیزگار متبع سنت زاہد اور عالم شخص ہے
اور اس تصوف کے باب کا مصنف کوئی کودن طبع، حواس باختہ ذہنی آوارگی کا
مریض اور کم علم آدمی ہے فقروں کی بندش الفاظ کی نشست اور مفہوم کی ادائیگی میں
بین فرق کے علاوہ نفس مضمون میں ہزاروں فرسنگ کا فرق ہے۔ کہاں کتاب و سنت
کی شمیم آمیز معطر اور نکہت بار خوشبوؤں کی مہک اور کہاں پراگندہ ذہنی کے سنڈاس
سے اٹھنے والے بدبو کے بھبکے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پیر جیلانی نے جس قدر شیعوں
کے تعارف پر ایک طویل باب لکھ کر آنے والی نسلوں پر ایک احسان عظیم کیا، اسی قدر
شیعوں کے چند ذہین ترین افراد نے تقیہ کی آڑ میں پیر جیلانی کی مریدی کا بہروپ
بھر کر آپ کی اس تصنیف میں تصوف کا باب بڑھا کر آپ کی تعلیم کو مسخ کرنے کی

کوشش کی ۔ اور اس میں کس حد تک کامیاب رہے ہے اس کا زندہ ثبوت "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" کا مشرکانہ ورد موجود ہے ۔ شیعوں کے تولا کی جیتی جاگتی تصویروں کے لئے بہروپ پیر جیلانی سے منسوب ہیں آپ کی ایک مفروضہ دعا ہے ۔

"الٰہی تیرے حبیب اور بہترین خلائق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر میں التجا کرتا ہوں کہ تو میرے مریدوں اور مریدوں کے مریدوں کی روح قبض نہ کرنا جب تک وہ توبہ نہ کر لیں"

راوی کہتا ہے کہ اس وقت آپ کے جسم سے سبز رنگ کا نور نکل رہا تھا ۔ غیب سے ندا آئی ابشر فانی قد استجیب لک ۔ خوش ہو کہ ہم نے تیری دعا قبول کر لی ۔

اب شراب پیو ۔ زنا کرو ۔ چوری کرو ۔ جوا کھیلو ۔ بندوں کے حق غصب کرو ۔ ماں باپ کی نافرمانی کرو ۔ نماز نہ پڑھو ۔ روزے نہ رکھو ۔ زکواۃ ادا نہ کرو ۔ بس کسی قادری پیر کے مرید بن جاؤ ۔ ساری زندگی عیش سے اڑاؤ مرنے سے پہلے یقیناً توبہ قبول ہو جائے گی خواہ خود توبہ کرنا چاہو یا نہ نجات کا دروازہ کھلا ملے گا ۔

یہ طبقہ جہلا جو اللہ تعالے کی سنت اور اس کے قوانین سے بے خبر ہے اسے قرآن سے واسطہ نہ فرمودات نبی علیہ السلام سے غرض نہیں انسانی الوہیت کے کابوس نے دین سے اس قدر بیگانہ اور بے بہرہ کر رکھا ہے کہ اللہ تعالے اس طبقہ کی نظروں میں ایک ثانوی سی یا وجود ہو کر رہ گیا ہے اُسے اتنی بھی خبر نہیں کہ آدم ثانی حضرت نوح اپنے بیٹے کے لئے آدم ثالث حضرت خلیل اللہ اپنے باپ کے لئے اور فخر فرزند آدم اپنے والدین اور چچا کے لئے بھی اس معاملہ میں اللہ تعالے کی طرف سے خاموش کر دیئے گئے نبی علیہ السلام کو قرآنی زبان میں مختلف الفاظ میں خبردار کیا جاتا ہے کہ "آپ جس شخص کے ایمان لانے کے آرزو مند ہیں اللہ کو وہ پسند نہیں یہ آپ جس سے محبت کرنا چاہتے ہیں یا کرتے ہیں اللہ نے اس کی ہدایت اپنے پاس رکھی ہے" آپ خواہ مخواہ اپنی جان ان کی بدکرداریوں پر گھلا رہے یہ ایمان لانے کے نہیں ہیں وہاں پیر جیلانی کی رضامندی اللہ تعالے کو اس قدر مطلوب ہے

کہ آپ کے مریدوں کے مرید بھی بے ایمان نہیں مریں گے۔ نامعلوم اس پیری مریدی کے باطنی علم سے پیغمبران علیہم السلام بے خبر تھے۔ ورنہ ان کے اُمتی اس نعمت سے کیسے محروم رہ سکتے تھے۔ ان کے لیے تو جزا و سزا کا قانون موجود مگر پیر جیلانی کے مریدوں کو کھلی چھٹی

آج شیعوں کے نزدیک سیدؔ عبدالقادر جیلانی کو سید کہنا بھی جرم ہے مگر شیعوں پر پیر جیلانی کے مریدوں کے بڑے احسان ہیں۔ تمام مغز کا بڑا حصہ ان میں قادری اصحاب ان کے ہمنوا ہیں۔ پیر جیلانی کی کرامات کی ایک طویل فہرست ان کے مریدوں نے تیار کر رکھی ہے جو شیعوں کے دوازدہ آئمہ کی کرامتوں سے ملتی جلتی ہے۔

۱۔ غیب سے کھانا ملنا۔

۲۔ مُردوں کو زندہ کرنا۔

۳۔ خضرؑ سے ہم کلام ہونا۔

۴۔ کمزور آدمی کی شکل میں دین کا نظر آنا اور اُسے مضبوط کرنا اور غیب سے محی الدین خطاب پانا۔

۵۔ چوروں کو لمحہ بھر میں قطب بنا دینا۔

۶۔ واجب القتل افراد کو اللہ سے جھگڑ کر غوث بنا دینا۔

۷۔ فرشتوں کا صحبت لیتہ حاضر رہنا۔

۸۔ ایک وقت میں ستّر جگہ موجود ہونا اور ہر جگہ ضیافت اُڑانا۔

۹۔ ہوا میں پرواز کرنا۔ (۱۰) خضرؑ کا آپ کی مجلس وعظ میں شامل ہونا

۱۱۔ نبی علیہ السلام کا آپ کے وعظ میں آنا اور آپ کا ان کو دیکھنا۔

۱۲۔ لوگوں کو ان کی حسب مرضی کھانا کھلانا

سلہ۔ ہمارے ہاں بنو فاطمہ کے لیے لفظ سیدؔ غلط العام مشہور کے مصداق مخصوص کر دیا گیا ہے اور شاہ ہر فاطمی کے نام کا جزو لاینفک ہے حالانکہ انیسویں صدی کے آخر تک برصغیر میں سید اور شاہ سے عوام ناآشنا تھے سادات کے ناموں کے ساتھ شاہ کی بجائے اکثر خان استعمال ہوتا تھا اور سید آج کل عرب ممالک میں جناب کے معنوں میں تخاطب کے وقت استعمال ہوتا ہے۔

۱۳۔ عصا سے چراغ کا کام لینا۔ (۱۴) دریا کی طغیانی روک دینا۔

۱۵۔ اشرفیوں کو نچوڑ کر ان سے خون نکالنا (۱۶) غیب سے بے موسم پھل بہم پہنچانا۔

۱۷۔ بارہ سالہ غرق شدہ برات کو دوبارہ زندہ کر کے مع ناؤ کے کنارے پر پہنچا دینا[1]

۱۸۔ شیخ جیلانی کے ایک ایک وعظ میں ستر ستر ہزار یہودی، مجوسی اور عیسائی مسلمان ہوتے تھے۔ اور روزانہ سینکڑوں آدمی آپ کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوتے تھے

ایسی روایات کے خالقوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ حضرت شیخ عباسیوں کے تنیتسویں[23] خلیفہ المستنجد باللہ متوفی ۵۶۶ھ کے زمانے میں گذرے ہیں۔

آخر غیر مسلموں کی یہ کھیپ ہر روز حضرت شیخ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کے لئے کہاں سے درآمد کی جاتی تھی اور کون درآمد کرتا تھا۔ ہمیں تو تاریخ چند گنتی کے پیغیر ذمی عیسائی ماہروں کے علاوہ اس چار صد سالہ عباسی دورِ شہنشاہیت میں کوئی غیر مسلم نظر نہیں آتا جو چند مجوسی اسلامی لبادہ میں موجود تھے وہ برامکہ کے ساتھ ختم کر دئے گئے۔ یہود کا نام و جود ختم ہو چکا تھا۔ اگر کوئی ہوا بھی ہو گا تو زیر زمین ہوں گے۔ جھوٹ بولنے کی بھی حد ہوتی ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ اور خواجہ احمد فاروق سرہندی

ہندوستان میں اس سلسلہ کے سب سے بڑے بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ ہوئے ہیں۔ جن کے مرید خواجہ احمد فاروق سرہندی تھے جنہوں نے اپنے لئے مجدد الف ثانی کا

---

[1] مفتی احمد یار خان گجراتی نے یہ انکشاف کیا ہے کہ شاہ دولہ دریائی جن کا مزار گجرات میں ہے وہی بزرگ ہیں جن کی شادی پر برات غرق ہو گئی تھی اور بارہ سال کے بعد حضرت شیخ کی دعا سے زندہ ہو کر دریا سے نکل آئی تھی مفتی صاحب بیچارے اس بات سے بھی بے خبر تھے کہ شاہ دولہ اور حضرت شیخ کے زمانہ میں پانصد برسوں کا بُعد ہے۔ اور پھر لطف یہ کہ شاہ دولہ ایک نیم مجذوب قسم کے فقیر تھے جنہوں نے تمام زندگی شادی کی ہی نہیں کی مفتی صاحب کی اس تحقیق پر ریاض مجتبی صاحب منفرد معتمد ادارہ کالج گجرات نے رسالہ شاہین سنہ ۱۹۶۲ء کے صفحہ ۱۸۲ پر اپنے ایک مقالہ میں بڑا دلچسپ تعاقب کیا ہے۔

خطاب خود تجویز کیا۔ یا ان کے مریدان مے پرانند کی طرف سے ان کے لیے تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا۔

مجدد الف ثانی سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے پورے ہزار سال بعد ان کا ظہور ہوا جنھوں نے مردہ دین میں از سر نو زندگی پیدا کی۔ اسی قسم کا عقیدہ یا تخیلاتی نظریہ شیخ عبد القادر جیلانی کے متعلق بھی وضع کیا گیا تھا کہ آپ نے خواب میں ایک نہایت مریل سے آدمی کو دیکھا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں محمد کا دین ہوں اور اب قریب المرگ ہوں۔ تو مجھے زندہ کرے گا اور تیرا نام محی الدین ہوگا۔ تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت عبد القادر کے زمانہ میں دین کی کیا حالت تھی اور آپ نے اسے کس حد تک سہارا دیا؟ اسی طرح حضرت مجدد کے متعلق شیعوں کے تصور امامت کی روشنی میں "مجدد الف ثانی" کی اصطلاح تراشی گئی۔

اب یہ بھی خود ہی اندازہ لگا لیجیے کہ آپ نے کس حد تک اکبری الحاد کا خاتمہ کیا یا آپ نے کس حد تک عہد جہانگیری کی بدعات مثلاً یا جہانگیر کی ذاتی زندگی پر کسی حد تک اثر انداز ہوئے یا علماء کی کونسی جماعت تیار کی جس نے رد بدعات و شرک کے لیے کفن بردوش ہوکر کوئی معرکہ سر کیا۔ ہاں ہمیں آپ کے مکتوبات سے یہ ضرور نظر آتا ہے کہ آپ نے کتاب سنت کے علی الرغم فقہ حنفی کے فرسودہ نظریات کو پھیلانے کی کوشش کی اور شیعوں کے تصور امامت سے متاثر ہوکر اپنے لیے ایک مقام پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ایک خط ملاحظہ ہو۔

اس مقام کے ملاحظہ کے رقت اور بہت سے مقام ایک دوسرے کے اوپر

ظاہر ہوئے۔ نیاز و عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس پہلے مقام سے اوپر کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ذوالنورین کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے۔ اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے۔ اور ایسے ہی اس مقام سے اوپر کے دو مقام بھی جن کا اب ذکر ہوتا ہے تکمیل و ارشاد کے مقام ہیں۔ اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا۔ جب اس مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ

یہ حضرت فاروق اعظم کا مقام ہے۔ اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ بندہ اس مقام پر بھی پہنچا اور اپنے مشائخ میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کو ہر مقام پر اپنے ہمراہ پاتا تھا۔ اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام پر گذر ہوا ہے۔ سوائے عبور اور مقام اور مرور اور اثبات کے کچھ فرق نہیں ہے۔ اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر نہ آیا تھا اور نہ ظاہر ہوا اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا اس طرح کہ سطح زمین سے ذرا بلند بتاتے ہیں معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے الخ

(مرزا غلام احمد قادیانی نے شاید یہی مکتوب پڑھ کر نبوت کے خواب دیکھنے شروع کئے ہوں (مؤلف)

اس خط پر جہانگیر کی گواہی ملاحظہ ہو۔ چہاردہم جلوس کے ضمن میں لکھتا ہے کہ:۔

"ان ایام میں میرے پاس اطلاعات پہنچیں ہیں کہ شیخ احمد نام کے ایک (رشادی) مکار نے سرہند میں مکر و فریب کا جال پھیلایا ہے اور بہت سے ظاہر پرست بے معنی لوگ اس کا شکار بن گئے ہیں اور اس نے ہر شہر اور ہر ملک میں اپنی دکانداری مردم فریبی اور معرفت فروشی کے لئے اپنے مریدوں میں سے ایک ایک کو جو دوسروں کی نسبت پختہ تر ہیں ان کو خلیفہ کا نام دیکر بھیجا ہے۔ آگے جہانگیر مندرجہ بالا تمام خط نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ:۔

استغفر اللہ کہ اس شخص نے خلفاء کے مقام سے گذر کر ان سے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس نے چند اور گستاخیاں بھی کی ہیں۔ کہ ان کا تحریر کرنا موجب طوالت اور بے ادبی ہے اس لئے میں نے حکم دیا کہ اسے دربار شاہی میں حاضر کریں۔ حسب الحکم اسے دربار میں حاضر کیا گیا

ہیں نے جو کچھ اُس سے پوچھا اُس نے معقول جواب نہ دیا۔ وہ کم عقل مغرور اور خود پسند دیکھنے میں آیا۔ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اُس کی شوریدگیٔ مزاج اور آشفتگیٔ دانش کی تسکین کے لیے چندروز تک نظر بند کر دوں۔"

—— حضرت خواجہ احمد فاروقی سرہندی کی گرفتاری کی اصل وجہ یہ تھی کہ جہانگیر نے آپ کے اس خط کی بنا پر آپ کو نظر بند کیا تھا۔ مگر یاران طریقت یہ کہتے ہیں کہ آپ نے مروجہ رسومات شاہی کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا تھا۔

جہانگیر پندرھویں سال جلوس کے ضمن میں لکھتا ہے کہ :

"ان دنوں میں شیخ احمد سرہندی کو کہ جس نے دکان آرائی، خود فروشی، بے معرفہ گوئی کی وجہ سے چند روز زندان میں گزارے تھے دربار میں طلب کر کے آزاد کیا اور خلعت اور ہزار روپیہ عنایت کر کے آزاد کر دیا"

اب دیکھئے خواجہ صاحب خود اس بارے میں میر محمد نعمان کو کیا لکھتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالے کی عنایت سے اُن عنایت نے حق تعالے کے جلال و غضب کی صورت میں تجلی نہ فرمائی اور قید خانے کے قفس میں قید نہ ہوا تب تک ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے کلی طور پر نہ نکلا اور ظلال و خیال و مثال کے کوچوں میں سرگرداں رہا۔ ایمان بالغیب کی شاہراہ میں مطلق العنان ہو کر نہ دوڑا۔ اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا اور ذوق کامل اور وجدان بالغ کے ساتھ دوسروں کے عیب اور ان کے عیب کو ہنر نہ معلوم کیا . . . . اور کلی طور پر اپنے ارادہ واختیار کو ترک نہ کیا . . . . تضرع والتجا، انابت، استغفار اور ذلت و انکسار کی حقیقت حاصل نہ ہوئی"

(صدیق اکبرؓ سے بلند مقام پر پہنچنے کا دعویٰ پہلے کر لیا اور ایمان بالغیب کی حقیقت جیل میں جا کر معلوم ہوئی۔ مؤلف)

حضرت خواجہ صاحب کو مجدد الف ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ کو اکبری دور کے الحاد اور بدعات کا قاطع کہا جاتا ہے مگر معمولی بصیرت رکھنے والے تاریخ دان بھی جانتے ہیں کہ یہ سراسر اسی قسم کا بہتان حضرت خواجہ کی ذات کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے جیسے شیعہ لوگ من گھڑت حدیثیں حضرت جعفر (الصادق) کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، شیخ عبدالحق محدث، شیخ نورالحق اور مظہر جانجاناں حضرت خواجہ کے قریب العہد یا ہم عصر ہوئے ہیں۔ ان حضرات نے حضرت خواجہ کی زندگی کے اکثر واقعات لکھے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے تو ان کے رسالہ ردّ روافض کا بھی ذکر کیا ہے، بلکہ ان کی زندگی کے کارنامے تقریباً تقریباً سب بیان کئے ہیں۔ مگر یہ آپ نے کہیں نہیں لکھا کہ حضرت خواجہ اکبری الحاد کے قاطع تھے۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادوں اور مریدوں نے بھی ان کے حالات لکھے ہیں۔ مثلاً زبدۃ المقامات وغیرہ مگر کسی میں حضرت خواجہ کے ردّ بدعات کا ذکر نہیں اس کے بعد بھی کسی مورخ یا محقق نے حضرت خواجہ کے تجدید دین کے متعلق ایک لفظ نہیں لکھا یہ انکشاف سب سے پہلے ابوالکلام آزاد پر ہوا۔ وہ بے چارے ــــــ در حرم نا پید در بتخانہ مرد ناملعوم کس لہر میں آ کر لکھ گئے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ شیعہ سنی عقائد کے آمیزہ سے تصور امامت کی پیداوار تھے خود تو ان کی جیسی گذری گزر گئی مگر اپنی اولاد کے لئے اپنا نام بادشاہی چھوڑ گئے وہاں مرزا قادیانی جیسے لوگوں کے لئے نبوت کی راہیں بھی ہموار کر گئے اور ابد تک حضرت شاہ نقشبند کے مکر میں ایک جہان کو پھنسا کر ان کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہوگا" ارشاد فرما گئے۔

عالمگیر کے زمانے میں علماء نے فتویٰ دیا تھا کہ مکتوبات کا پڑھنا بند کر دیا جائے (روضۃ القیوم رکن سوم صفحہ ۱۸۸)

اس تصور امامت کی روشنی میں حضرت خواجہ نے جہاں اپنے آپ کو مجدد الف ثانی بنایا وہاں "قیومیت" کی ایک اصطلاح وضع کر کے لوگوں کے ذہنوں کو اور پراگندہ کرنے کی کوشش کی۔ لکھتے ہیں کہ قیوم اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے

ماتحت تمام اسماء و صفات شیونات اعتبارات اور اصول ہوں ۔ اور تمام گذشتہ و آئندہ
مخلوقات کے عالم موجودات انسان چرند پرند نباتات ۔ ہر قسم زوج، پتھر، درخت
بحر و بر کی ہر شے لوح قلم عرش، کرسی، سیارے ستارے، سورج، چاند آسمان
برج سب اس کے سایے میں ہوں، افلاک و بروج کی حرکت و سکون سمندروں کی
لہروں کی حرکت درختوں کے پتوں کا ہلنا، بارش کے قطروں کا گرنا، پھلوں کا پکنا، پرندوں
کا چوں چوں پھیلانا دن رات کا پیدا ہونا ۔ گردش کنندہ آسمان کی موافق یا ناموافق رفتار
سب اس کے حکم سے ہوتی ہے . . . . روئے زمین کے تمام زاہد، عابد، ابرار
مقرب، تسبیح، ذکر، تقدس اور تزویر میں عبادت گاہوں، جھونپڑیوں، کٹیوں
اور پہاڑوں میں اور دریاؤں کے کناروں پر زبان، قلب، روح، سر خفی، اخفیٰ، نفس
سے مشاغل اور معتکف ہیں اور اللہ کی راہ میں مشغول ہیں سب اسی کی مرضی سے مشغول ہیں
. . . اور جب تک ان کی عبادت قیوم کے ہاں قبول نہ ہو اللہ کے ہاں قبول نہیں
ہوتی اور وہ قیوم صرف چار ہیں، ایک حضرت خواجہ خود ۔ دوسرے ان کے بیٹے خواجہ
محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ ۔ تیسرے خواجہ محمد نقشبند اور چوتھے محمد زبیر پیر دستگیر ۔
(ملخص از روضۃ القیومیہ)

لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ یہ وہ صفات ہیں جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے بھی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ ان صفات قیومیت کا نبی سے تعلق ہی نہیں ۔ یہ تو صفات
الہیٰ ہیں ۔ کوئی آیت کوئی حدیث اس نظریئے کی قطعی تائید نہیں کرتی اور نہ عقل
اس بات کو قبول کرتی ہے اور قیومیت کی یہ حقیقت بھی بعینہٖ شیعیت کا چربہ ہے
جو حضرت خواجہ کے جانشینوں کی ذہنی بالیدگی سے مشتہر ہوئی ہے یعنی یہ تمام
کچھ شیعی ترقی کے مدارج کا چربہ ہے ۔

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں ۔ عبادت کریں شوق سے جس کی چاہیں

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اصطلاحیں فنا فی الوجود ۔ فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول
کی بھول بھلیاں گو اس سے پہلے اختراع ہو چکی تھیں ۔ مگر حضرت خواجہ احمد فاروقی

کے زمانہ میں وہ پورے جوبن اور نکھار سے سامنے آئی جس طرح شیعوں کے تصور امامت نے سینکڑوں امام پیدا کیئے۔ اسی طرح حضرت خواجہ احمد فاروقی کے تصور قیومیت نے بعد میں خانہ جنگی پیدا کرادی۔ حضرت خواجہ خود قیوم اوّل تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے محمد معصوم کو دوسرا قیوم قرار دیا تھا۔ معصوم کے مرنے کے بعد ان کے وارثوں میں ہر ایک قیومیت کا دعویدار بن کر اٹھ کھڑا ہوا کہ قیوم میں ہوں اور دنیا میرے وجود کی برکات سے قائم ہے۔ شیعیت نے مہدی موعود کے نام پر سینکڑوں مہدی پیدا کیے اور یہاں قیومیت نے کئی دعویدار کھڑے کر دیئے۔

خواجہ معصوم کے بیٹے سیف الدین کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جواہرات اور مروارید سے مزین دیبا کے خیمے میں قیام کرتے تھے جس کی چوبوں پر یاقوت جڑے ہوتے۔ اس خیمہ میں ایک جڑاؤ کرسی ہوتی جس پر آپ جلوہ افروز ہوتے خیمہ کے اردگرد نقیب اور چوبدار ہاتھوں میں سنہری اور روپیلی عصا لئے کھڑے ہوتے حاضر ہونے والوں کو جب تک حکم نہ ملتا کھڑے رہتے۔ (روضۃ القیومیہ رکن دوم ص ۱۴۲)

صرف قیومیت کی بحث پر روضہ قیومیہ ایک اچھی بڑی کتاب لکھی گئی جس کا ترجمہ حدیقہ محمودیہ کے نام سے بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ نے شائع کیا تھا[1]۔ قیومیت کے لئے اصالت شرط ہے۔ قیوم وہی ہو سکتا ہے جس کے جسم کے خمیر میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کے خمیر کا بقیہ مخلوط ہو۔ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اگر نورانی تھا تو یہ خمیر خاکی کہاں سے آ گیا۔ اور پھر حضرت خواجہ فاروقی النسب تھے اگر فاطمی ہوتے تب بھی کسی حد تک یہ خمیر کا بقیہ سمجھ میں آنے والی بات ہو سکتی تھی مؤلف) ایک مقام پر یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو فرمایا کہ اے خدیجہ تمہارے دو لڑکے ابراہیم اور قاسم فوت ہو گئے پھر مجدد صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بیٹا دیا ہے اور حضرت اُم المؤمنین نے حضرت مجدد کو

---

[1] احمد نے یہ کتاب مفتی عزیز اللہ خطیب جامع مسجد دینہ ضلع جہلم کے پاس دیکھی۔

اپنی گود میں بٹھا لیا۔ الغرض یہ تمام کتاب اسی قسم کے بشارتوں سے بھری ہوئی ہے حضرت
مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے ۱۰۱۰ھ میں قیومیت کا منصب عنایت ہوا۔

یہاں اس قسم کے واقعات کا استیعاب ممکن ہے نہ اس کی ضرورت ہے مشتے نمونہ از
خروارے اس لئے پیش کیا گیا کہ شیعہ تحریک کی کارگزاری کا خاکہ سامنے لایا جائے۔ مغلوں
کی دینی مفلسی یا سیاسی کم عقلی نے شیعوں کو کھلی چھٹی دے دی تو انہوں نے جہاں موزوں
سمجھا سامنے آنے سے بھی گریز نہ کیا۔ مگر ایک عظیم الشان مملکت میں جہاں لاکھوں
صاحب اقتدار، صاحب حیثیت اور صاحب مراتب سنی موجود تھے وہاں کھل کر
سامنے آنے سے گریز کیا۔ اور درپردہ عوام میں جس حد تک غیر اسلامی اعمال مشرکانہ
رسومات اور بدعات کو پھیلا سکتے تھے پھیلاتے رہے۔ انہوں نے یہاں سنیوں کی
شاگردانہ قسمتوں کو فرقے بنا کر ان کے لئے رہنما تیار کر کے انہیں دین میں انتشار پیدا
کرنے کے لئے آگے بڑھایا اور ستم بالائے ستم یہ کہ آج جس ہستی کو ہر شخص مجدد الف
ثانی کے نام سے جانتا اور پکارتا ہے اس نے بھی جو کچھ کیا اس کا ہلکا سا خاکہ آپ
دیکھ چکے ہیں۔ یہ صرف شیعی تکنیک اور شیعی طریق کار ہے کہ مرنے والے کے بعد اسے
آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا جائے یعنی اگر مرنے والا شیعوں کا اپنا راہنما ہوگا۔
تو اس سے ان کی اپنی پوزیشن مضبوط ہوگی اور اگر مرنے والا سنیوں کا راہنما ہوگا
تو اس کے پیرو اس کے بعد اس کی ولایت کی خوبیوں کے مرثیے الاپنے میں
اس طرح منہمک ہو جائیں گے کہ نہ انہیں خدا کی ضرورت محسوس ہوگی نہ نبی کی یا
شیخ عبدالقادر شیئاً للہ موجود۔ المدد یا حضرت شاہ نقشبند یا اخر قیوم وقت جو
روزی، زندگی، موت، بارش اور اولاد کا دینے والا ہے ان کا اپنا۔ پھر یہاں
خدا اور رسول کا کیا کام۔ نعوذ باللہ من ذالک الخرافات والسیئات۔

چشتیہ سلسلہ۔ ہندوستان میں:۔

اکبر کے ابتدائی زمانہ میں شیخ عبدالعزیز چشتی کو بڑا قبول عام حاصل ہوا ان کے
بعد شیخ سلیم چشتی ہوئے ان کے متعلق شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ آپ کی مجلس امراء و

اغنیا کی محفلوں کے تماشا بنتی و بعض عادات مخالف شریعت کہ متعارف عوام باشد نیز رو داد۔ اس سلسلے کے بزرگ گلبرگہ ۔ جونپور ، پنڈوہ ۔ پٹن ، کالپی وغیرہ تک پھیل گئے شمالی ہند میں سلسلہ صابریہ کو فروغ ہوا ۔

ان لوگوں نے اہل ہنود کے بھجنوں سے متاثر ہوکر غنا و مزامیر کو جائز قرار دے کر مسلموں کو پھنسانے کے جال تیار کیے اس موضوع پر آج تک ہزار ہا صفحات لکھے جا چکے ہیں اور تمام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ "قوالی بالذیال" سراسر شریعت کے خلاف ہیں اور پھر آوارہ ذہنوں ، ناپختہ دماغوں ، عیاش طبیعتوں آزاد طبع لوگوں کے لئے گویا ایک نعمت غیر مترقبہ تیار کر دی گئی ۔ نمازیں قضا ہو رہی ہیں ، مگر ساز بج رہے ہیں ۔ گانے ہو رہے ہیں حال کھیلے جا رہے ہیں یا خواجۂ چشت کے نعرے لگ رہے ہیں اور اسے عین دین اور عبادت کہا جا رہا ہے ۔

اللہ تعالیٰ حضرت معین الدین اجمیری ، نظام الدین دہلوی ، سید علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے جنت میں مقام بلند فرمائیں ہمیں ان کی زندگی میں یہ لغویات نہیں ملتے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و برکت کے نشان تھے مگر ان کے نام پر چلنے والوں کو مغلیہ دور میں شیعوں کی صحبت سے ہر قسم کی آزادیاں مل گئیں

موسیقی کی شرعی حیثیت اور اس کی تاریخ

"اور جب وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے ان کے دل رک جاتے ہیں جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور جب اللہ کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ خوشی مناتے ہیں" القرآن ۳۹ : ۴۵

یہ بات آج تک متحقق نہیں ہو سکی کہ موسیقی کا بانی کون تھا ۔ اندازہ ہے کہ انشاد کی صورت میں اس کی ابتداء ہوئی اور امتداد زمانہ وقتاً فوقتاً ایسے لوگوں کو سامنے لاتا رہا جو خوش گلوئی کی خوبیوں سے متصف ہو سکے موسیقی اصل میں ایک سریانی لفظ ہے اور اس کا مصدر MUSIC ہے ۔ اہل فن نے کسی راگ کو مخصوص

قواعد کے تحت گانے کو موسیقی کہا ہے۔ علمی طور پر اس فن سے بحث کرتے ہوئے امام رازی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے نفیس ترتیب سے اسے حکیم فیثا غورث نے مدوّن کیا (ذیل التذکرہ الثانی صہ ۲۹)

حسنِ صوت ایک وہبی عطیہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ فن ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک تھا۔ کوئی انسان کسی قلبی جذبہ کے موقع پر یا کسی خوشگوار واقعہ پر فرحت محسوس کرتے ہوئے اپنے جذبات واحساسات کو حسنِ صوت میں استعمال کر کے اطمینان حاصل کر لیتا ہوگا اور جب تک حسنِ صوت کا استعمال جذبات واحساسات تک محدود رہا کسی نبی کی شریعت نے اسے حرام قرار نہیں دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور خوانی یا ہجرت کے وقت مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بچیوں کا طلع البدر علینا حسن صوت سے ادا کرنے تک موسیقی فطری انداز میں رہی۔ مگر آگے چل کر موسیقی کے وضع کردہ قوانین کے ساتھ جب آلات طرب کی دھنوں کو ملایا گیا اور حسنِ صوت کے وہبی عطیے کو مسخ کر کے ہوائے نفسانی کے لئے استعمال کیا جانے لگا تو اس خراب دو آتشہ کے خفیہ ضرر کے تحت شریعت نے اسے حرام قرار دیا۔ حقیقت الامر اور بحث برائے بحث میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ موسیقی کے بد اثرات اور اس کے نتائج سمجھنے کے لئے اس مثال کو پیشِ نظر رکھیے۔ انگور ایک لذیذ اور فرحت بخش ثمر ہے۔ اسے تازہ اور تر صورت میں استعمال کیجیے یا خشک کر کے اس کا استعمال مفید رہے گا۔ لیکن اس کی شکل نشہ آور مشروب کی شکل میں تبدیل کیجئے جو انسان کی عقل وصحت کے لئے مضر اور حواس خمسہ پر اثر انداز ہو کر تو انسے حسیہ پر چھا جانے والی چیز بن جاتا ہے تو شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح حسنِ صوت فی نفسہٖ کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ اسی کی صورت تا آشنا جیسے موسیقی اور آلات طرب کے ساتھ ملا دیا گیا ہے شرعاً بھی اور عقلاً بھی صرف مضر ہی نہیں بلکہ حرام ہے حسنِ صوت سے یہ شگفتانہ لطف اندوزی سے گریز یا قرار نہیں۔

نبی علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے بھی رجز خوانی اور حدی خوانی تھی۔ مگر آپ کی بعثت کے بعد ان دونوں کی جگہ قرآن خوانی نے لی میدان جنگ میں آیات جہاد کی تلاوت ہو رہی ہے اور سفر میں حدی خوان کی بجائے قاری قرآن پڑھ رہا ہے اور زمانے نے دیکھ لیا کہ ایسے قرآن خوانوں نے کتنے ہی ڈاکو رخلیل الطائف فضیل بن عیاض بنا دیئے۔ قرآن کی اس نعمت کے باوجود مزامیر اور سرود سے حق طلبی کسی آتشکدے سے آب شیریں طلب کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ محقق ابن جوزی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں جنہوں نے دیگر منہیانہ امورات کی نشاندہی اور ان کے تعاقب کے علاوہ اس فن پر بھی بحث کر کے امت مرحومہ کو اس ایمان سوز بدعت سے خبردار کیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں ۔ راگ سننے میں چند باتیں جمع ہوتی ہیں۔

۱۔ راگ سننے والے کا دل عظمت خداوندی میں تدبر کرنے سے بالکل غافل ہو جاتا ہے

۲۔ راگ سننے سے لذت شہوت بھڑک اٹھتی ہے جس میں سب سے بڑی شہوت عورت سے اتصال ہے۔ جتنی مرتبہ راگ سنتا ہے اتنی مرتبہ اس کے دل میں ایک نئی امنگ ابھرتی ہے کہ کاش کوئی حسین عورت ملے۔ ایسے تقاضے حلال کی صورت میں تو مفقود ہیں کہ ہر بار ایک نئی عورت ملتی رہے۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس پر زنا کے دروازے کھول دیتا ہے اور وہ لذت شہوانیہ کے تحت اپنی دنیا اور عاقبت دونوں برباد کر لیتا ہے۔

۳۔ راگ عقل پر بھی حملہ کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی راگ سنتا ہے تو اس کی طبیعت میں طرب و نشاط پیدا ہو جاتا ہے تو باوجود عقل و ہوش کے اس سے ایسی حرکتیں صادر ہونے لگتی ہیں مثلاً سر ہلانا، ہاتھ سے تالی بجانا پاؤں کو حرکت دینا یا سامنے پڑی ہوئی چیزوں پر دھن سے ہاتھ مارنا سسکتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھنا ٹھنڈے سانس لینا اعضائے مخصوصہ میں ارتعاش پیدا ہونا۔ کسی کے تصور میں ڈوب جانا۔ اہم یادداشت کا بھول جانا

ایسی تمام احمقانہ کی حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عقل میں کچھ تغیر آگیا ہے معلوم ہوا کہ جس طرح شراب عقل کو مغلوب کر لیتی ہے اسی طرح راگ بھی عقل پر پورا اثر رکھتا ہے اس پر یہ قول شاہد ہے الغناء رقیۃ الزناء یعنی راگ زنا کا منتر ہے (تلبیس ابلیس ص ۲۹۱/۲۰۵)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

"عورت اور مرد کے جذبات جنسی پر راگ ایسا اثر کرتا ہے کہ جیسے آگ پر تیل ڈال دیا جائے۔ بہت سی شریف زادیاں راگ کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہیں اور بہت سے مشہور خاندان اس کی وجہ سے بے حیا قوموں کے نام سے مشہور ہو چکے ہیں" (اغاثۃ اللہفان ص ۱۳۲)

ابن دلیب نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی کہ:-

"اے میری قوم راگ سے بچتے رہنا کیونکہ یہ حیا کو کم کرتا ہے یعنی بے حیا بنا دیتا ہے۔ خواہشات نفسانیہ کو بڑھا دیتا ہے عزت و وقار کو مٹا دیتا ہے۔ جس طرح شراب اثر کرتی ہے یہ راگ بھی انسان پر ویسے ہی اثر کرتا ہے"
(اغاثۃ اللہفان ص ۱۳۲)

بعض ناقص العقل کہتے ہیں کہ راگ سے الجھی ہوئی طبیعت کو سکون ملتا ہے اور دل کے غم دور ہو جاتے ہیں یہ ایک نفسانی جواب ہے نفسیات کے ماہر اس کا انکار کرتے ہیں ایک غیر مسلم فلاسفر جس کے مذہب میں راگ عبادت کا ایک جزو اعظم ہے یعنی مسٹر گھوش لکھتے ہیں کہ فن شاعری اور موسیقی کو روحانیت سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی ان فنون سے قلبی طمانیت کا بالکل علاج نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کا تعلق روحانیت و طمانیت سے اسی قدر ہے جس قدر کہ فلسفہ یا سائنس کا (فنون لطیفہ اور روحانیت ص ۶۱)

ہر دور اور ہر زمانے میں حسن صوت کی نعمت سے کئی وجود نوازے گئے ظاہری طور پر اس فن کو فیثا غورث نے مرتب کیا اور اس کے پیچھے انسان کے اسی ازلی و ابدی دشمن کا ہاتھ تھا جو ازل سے کر ابد تک تعلیف فتن اور معلم شر یعنی شیطان کے نام سے مشہور حسن صوت سے انسان کو متاثر ہوتے دیکھ کر اس نے اس فن کو بھی اپنے ہاتھ میں لیا۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:

کان ابلیس اول من ناح واول من تغنی یعنی اس دنیا میں سب سے پہلے جس نے بین کیے اور راگ کے ساتھ گانا گایا وہ ابلیس ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب شیطان ملعون ہو کر آسمان سے نیچے آ رہا تو کہنے لگا۔ اے خدا تو نے مجھے ملعون تو بنایا اب بتا دنیا میں میرا علم کونسا ہوگا۔؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا علم جادو ہوگا۔ پھر کہنے لگا میری پسندیدہ آواز کونسی ہوگی ارشاد ہوا گانا بجانا۔ پھر کہنے لگا میرا پسندیدہ مشروب کونسا ہوگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر نشہ آور چیز تیرا مشروب ہے (بدخل الشرع صفحہ ۱۱۱)

حضرت ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے بجنے والے آلات ایجاد کیے۔ اس کا نام توبال تھا۔ یہ بے دین قابیل کی نسل سے تھا۔

جس نے بانسری، طبل اور عود ایجاد کیے اس کا نام مہلائیل بن قینان تھا یہ بھی توبال کا ہم عصر تھا۔ گویا مردود قابیل کی اولاد نے اس فن کو اپنایا۔ (تلخیص تلبیس ابلیس صفحہ ۲۹۱)

اب پھر سطور گذشتہ پر نگہ گشت ڈالیے حسنِ صوت کی نعمت کو دھنوں کے سانچے میں ڈھال کر ایک نشہ آور چیز تیار کی گئی۔ اسے مزامیر کے روغنِ تدویر سے دو آتشہ کیا اب اسے سہ آتشہ کرنے کے لیے ابلیس نے ایک اور تلبیسانہ حربہ پھینکا۔ یعنی ناچ اور رقص کی طرح ڈالی گئی۔ اس بدعتِ سیئہ کے موجد بھی قابیلی گروہ کی طرح سامری گروہ کے لوگ تھے۔ چنانچہ امام ابن الحاج لکھتے ہیں کہ:

"جنہوں نے ناچنے اور جھومنے کو ایجاد کیا تھا وہ سامری اور اس کے یہودی ساتھی تھے سامری نے ان کے لیے ایک بچھڑا تیار کیا جس نے ایک قسم کی آواز آتی تھی تو وہ یہودی اس کے گرد ناچتے اور جھومتے تھے۔ پس یہ ناچنا اور جھومنا کفار اور ان کے یہودیوں کی رسم ہے جو بچھڑے کو پوجتے تھے" (مدخل الشرع صفحہ ۱۱)

بچھڑے کے گرد ناچنے اور جھومنے کے ساتھ ہی اس دور کے ہندوستان کی تاریخ بھی دیکھیے کہ اس ملک میں بھی گئو ماتا کے پجاری اپنے بتوں کے سامنے ناچتے اور گاتے تھے بلکہ آج تک ان کا

یہ مذہبی شعائر ہے گائے اور بچھڑے کا تعلق ۔۔۔ ہنود اور یہود کا ناچ کس قدر مشترک ہیں یہودیوں کے اس ناچ کے متعلق مرلین ایل۔ پی ہیاپ سڈی کا حقیقت افروز بیان بھی پڑھ لیجئے ۔

THE NEXT DAY PEOPLE GATHERED BEFORE THE GOLDEN CALF TO OFFER SACRIFICS AND TO BOW DOWN IN WORSHIP. AFTER WARD THEY JOINED IN SINGING AND DANCING AT A FEAST.

(THE BIBLE PAGEANT PAGE 105)

ترجمہ: دوسرے دن تہوار کے موقع پر تمام یہودی اپنے معبود سنہری بچھڑے کی قربانی دینے کے لئے جمع ہو گئے پھر سب نے مل کر اس بچھڑے کے اردگرد ناچنا اور گانا شروع کر دیا۔

اس ناچنے اور گانے کی رسم سامریوں نے ہنود سے لی یا ہنود نے سامریوں سے بہرحال یہ ایک مشرکانہ حرکت اور اللہ تعالے سے دور لے جانے والا فعل ہے جس کا سلسلہ چشتیہ اور قادریہ فقرا "حال" کے نام سے اپنی مخصوص مجلسوں اور خاص ایام میں بڑے زور شور سے ارتکاب کرتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ جتنی اسلامی سلطنتوں کو زوال آیا ان میں سے اکثر کے زوال کا باعث بھی رقص و سرود ہوا ۔ کہ وہ بادشاہ روز و شب ناچ گانوں کی محفلوں میں مشغول رہتے تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں بغداد میں ایک ایسی چیز چھوڑ آیا ہوں جسے زندیقوں نے ایجاد کیا ہے:

یشغلوا بہ المسلمین عن کتاب اللہ والصلوٰۃ (مدخل الشرع جلد ۳ ص ۲۷ وجد و سماع ص ۱۳۲)

امام ابن تیمیہ حنبلی کہتے ہیں کہ امام شافعی کا یہ کہنا کہ یہ چیز زندیقوں نے ایجاد کی ہے

بالکل درست ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جن لوگوں نے اس فن کو اپنایا اور اس طرف دعوت دی وہ سب کے سب زندیق یقین کیے جاتے تھے حسن نظامی دہلوی انہیں فاطمی داعی بیان کرتے ہیں مثلاً ابن راوندی، فارابی، ابن سینا، ابونصر وغیرہ، فارابی اس فن کا بہت بڑا ماہر ہے جس کے متعلق ابن حمدان سے متعلق ایک طویل قصہ مختلف کتابوں میں موجود ہے۔

ابن سینا نے اپنی کتاب اشارات میں مقام عارفین بیان کرتے ہوئے وجد و سماع کی ترغیب دی ہے اور ظاہر صورتوں کے عشق میں وہ باتیں لکھی ہیں جو اس کے اسلاف کے حسب حال تھیں۔ یعنی کہ بت پرستی اور مشرکین یعنی ارسطو۔ برقلس تھامس طیوس، اسکندر اور افرودیسی کے طریقے (رسالہ وجد و سماع الامام ابن تیمیہ ص۴۹)

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: عربی راگ میں سب سے پڑھ کر گانے والے کا نام طویس تھا۔ یہ طویس ایسا منحوس اور نامبارک تھا۔ یہ اس دن پیدا ہوتا ہے جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوتا ہے اور اس کا دودھ اس دن چھٹتا ہے جس دن خلیفہ اول کا انتقال ہوتا ہے اور بالغ اس دن ہوتا ہے جس دن حضرت عثمانؓ شہید ہوتے ہیں۔ اس کے ہاں لڑکا اس دن پیدا ہوتا ہے جس دن حضرت علی شہید ہوتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ص۴۹۵)

تجربات اور تاریخی شواہد بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جن خاندانوں میں گانے بجانے کی نحوست داخل ہوئی ان کا انجام بہت برا ہوا۔ گانے والی طوائفوں کا حشر ہی دیکھ لیجیے جب تک خدوخال کی چمک دمک اور گلوکاری قائم رہتی ہے راوی عیش لکھتا ہے۔ اور جب قوی مضمحل ہونے شروع ہو جاتے ہیں تو تمام عشاق گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح فرفو ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

اہل مکاشفات میں سے اکثر کو یہ کشف ہو چکا ہے کہ گانے بجانے کی مجالس میں شیطان موجود رہتے ہیں۔ شیطان ایسی مجلسوں میں جب رقاص پر چھا ہیں مسلط

ہو جائیں۔ اور اُسے شیطانی وجد میں مبتلا کر دیتی حتیٰ کہ بعض لوگ پھر دل پہ ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض اہلِ کشف مشائخ نے یہاں تک دیکھ لیا کہ شیطان نے اُنہیں اُٹھا لیا اور اُنہیں نے کر ناچنے لگا۔ اور پھر زور سے چیخ ماری اور بھاگ نکلا۔

گانے بجانے والوں پر شیطانی تصرفات کا ذکر احادیث میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے ۔

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس ایک گانے والی عورت آئی۔ اُس نے ایک گانا سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہ عورت گا رہی تھی تو شیطان اس کے دونوں نتھنوں میں پھونک مار رہا تھا۔

(رواہ احمد کف الرعاع صلہ)

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی راگ کے ساتھ گاتا گاتا ہے تو اُس پر دو شیطان مسلط ہو جاتے ہیں۔ جو اپنے پاؤں کے ساتھ اس کے سینے پر ناچتے رہتے ہیں (طبرانی۔ طریقۂ محمدیہ صلہ ۱۳۹)

پہلی حدیث سے نبی علیہ السلام نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ راگ میں شیطانی تصرف ہے اور دوسری حدیث میں اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ شیطان اپنے باطنی تصرف سے اس کے اندر جذبات شہوانیہ داخل کرتے ہیں۔

علمی اصولات اور قواعد کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے جسم میں بعض ایسی رگیں ہیں جنہیں مساس کرنے سے شہوانی ارتعاش پیدا ہو کر انسان کو بدمست کر دیتا ہے۔ عورت کے جسم میں بھی بعض ایسے حصے ہیں جنہیں چھونے سے اُس کے شہوانی جذبات کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔

میں اور میرے ماں باپ قربان ہوں اُس نبی کریمؐ کی ذاتِ اقدس پر جس نے زندگی کے ہر گوشہ کی حقیقتوں کو ایسی باریکیوں سے بیان کیا کہ ان حقیقتوں کا ایک معمولی سا گوشہ بھی دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا فلسفی، محقق، مدبر اور حکیم بیان

کرنا تو درکنار سمجھ بھی نہیں سکا۔

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر دو احمق اور بیہودہ آوازوں سے منع فرمایا۔ ایک وہ آواز جو مزامیر یعنی گانے بجانے اور لہو و لعب کی آواز ہے۔ دوسری جو بین کرتے وقت سینہ اور منہ پیٹتے وقت پیدا ہوتی ہے (ترمذی، اغاثۃ اللہفان ص۱۳۷)

۴۔ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعن المغنی والمغنی لہ۔ گانا گانے والے پر اور جس کے لئے گانا گایا جائے دونوں پر لعنت (بیہقی۔ فتاوی عزیزیہ ص۶۶ جلد۱)

۵۔ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اُمت میں خسف (زمین میں دھنس جانا) اور قذف (آسمان سے پتھر برسنا) اور مسخ (صورتوں کا بدل جانا) واقع ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا حضرت کب؟ آپ نے فرمایا جب گانے بجانے کے آلات اور گانے والی عورتیں عام ہوں گی اور شراب حلال ہوگی۔ پھر یہ تینوں عذاب اس امت پر وارد ہونے لگیں گے (اغاثۃ اللہفان ص۱۵۱)

آیکہ حدیث لکھتے ہیں کہ خسف سے مراد زلزلوں کا عذاب اور قذف سے مراد بمباری ہوسکتی ہے۔ اور مسخ سے مراد انسانوں کا دائرہ انسانیت سے نکل کر دائرہ حیوانیت میں داخل ہونا بھی ہوسکتا ہے۔ ڈارون نے انسانوں کو بندروں کی اولاد قرار دینے کے ثبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ گانا، ناچنا کودنا بندروں کی حرکات ہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان بندر کے ارتقا کی شکل ہے۔

اگر اُمت مرحومہ کے پیش نظر وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا۔ ہوتا اور وہ دین حق کی تبلیغ کو اپنا مشن بنائے رکھتے تو ڈارون جیسے لوگوں کو ایسے ہفوات بکنے کی کہاں جرأت ہوتی۔

ناچ گانے کی حرمت پر اس قدر احادیث شاہد ہیں کہ اگر انہیں بالاستیعاب جمع کیا جائے تو ایک پوری کتاب بن سکتی ہے۔

مگر یہاں صرف اس قدر بتانا مقصود تھا کہ صوفیائے چشت جس فعل کو عبادت کا لازمہ سمجھتے ہیں وہ ہنود، یہود اور فاطمی داعیوں کے دین سے دور لے جانے والے حربے تھے اور وہ لوگ اپنے مشن میں جی بھر کر کامیاب رہے کیا کوئی اللہ کا بندہ اس منکر کا زہ بدعت کو مٹانے کی طرح ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے ؟

مداریہ :۔

یہ لوگ شاہ بدیع الدین مدار سے اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ ہندو جوگیوں کی طرح تارک سنت ہیں یعنی مجرد رہتے ہیں۔ صرف ستر عورت پر کفایت کرتے ہیں جس سے بمشکل اعضائے مخصوص کی ستر پوشی ہوتی ہے۔ اکثر راکھ مل لیتے ہیں۔

شطاریہ :۔

اس طریقہ کے لوگ اپنے آپ کو حضرت بایزید بسطامی سے منسوب کرتے ہیں اور اپنا سلسلہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاتے ہیں اس سلسلہ کے پہلے بزرگ عبداللہ شطاری ایران سے ہندوستان میں آئے ان کا ایران سے آنا کیا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے مؤلف) جونپور گئے مگر ابراہیم شرقی ایک متشرح عالم نے ٹکنے نہ دیا۔ پھر مالوہ چلے گئے اور وہاں خوب چمکے اس فرقہ کے مشہور ترین بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاری ہوتے ہیں جنہوں نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں جواہر خمسہ بہت مشہور ہے جو غیر شرعی وظائف کا قاموس ہے ۱۵۶۲ء میں فوت ہوئے۔ ان لوگوں کے اعمال اکثر غیر شرعی ہیں شطاری اور مداری فرقہ کے لوگوں نے لشن پل کھیے ہشیر منت کے طریقے اختیار کئے اور آخر شطاریہ بدعت ہندوستان سے انڈونیشیا تک پہنچ گئی۔

اکبر کے زمانہ میں حاجی ابراہیم سرہندی نے زعفرانی اور لال کپڑوں کے جواز کا فتویٰ دیا قاضی خان بدخشانی نے بادشاہ کو سجدہ کرنے کا فتویٰ دیا مخدوم الملک نے فریضہ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا شیخ امان پانی پتی کے بھتیجے نے داڑھی منڈانے کی راہ سجھائی شیخ مبارک نے متعہ کا راستہ دکھایا۔

شیعوں کے تقیہ کی بگڑی ہوئی شکل "باب الحیل" کا جو پودا حضرت ابو حنیفہؒ نے لگایا تھا اسی زمانہ میں بار آور ہوا جو آخر میں فتاوٰے عالمگیری کی دسویں جلد کے ستر صفحات میں بھی مکمل طور پر نہیں سما سکا۔

سلسلہ رفاعیہ کے پیر اعظم کبیر الدین رفاعی جنہیں حسن نظامی فرقہ باطنیہ کے داعیوں میں شمار کرتے ہیں ان کے متعلق بنیان المشید کے دیباچہ میں جو خانقاہ تھانہ بھون سے ایڈٹ ہو کر شائع ہوئی ہے۔ لکھا ہے کہ جب حضرت رفاعی روضہ رسول اللہ پر پہنچے تو ان الفاظ میں جا کر سلام عرض کی۔ "السلام علیک یا ابی"۔ اور ساتھ ہی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ جواب ملا "وعلیک السلام یا بنی" اور مرقد مقدس میں سے ایک ہاتھ باہر نکلا تو حضرت رفاعی نے مصافحہ کیا اور ہاتھ چوما۔ یہ ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آگے چل کر مصنف لکھتا ہے کہ اس وقت مسجد نبوی میں یہ واقعہ دیکھنے والے پچاس ہزار آدمی موجود تھے جن میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی بھی موجود تھے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبیست۔ بنیان المشید تھانہ بھون سے ایڈیٹ ہوتی ہے جو دیوبندی حنفیوں کا دینی مرکز ہے اور شاہ اشرف علی تھانوی کا مرزویوم[1] کتاب کو ایڈٹ کرنے والے اور یہ واقعہ لکھنے والے شاہ صاحب کے خواہر زادہ ہیں۔ حضرت شیخ جیلانی عباسی خلیفہ المستنجد باللہ متوفی ۵۶۶ھ کے زمانہ میں ہوئے ہیں گویا چھٹی صدی ہجری کے وسط میں۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت منورہ کا حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہ کی وفات پر بند کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد اس کے گرد خطار مروزکی دیوار اور اس کے باہر ایک اور دیوار بنا کر بند کر دیا گیا تھا۔ اور نور الدین زنگی نے سطح آب تک چاروں طرف کھدائی کر کے سیسہ سے بنیادیں بھر دی تھیں۔

حجرہ شریف بند ہونے کے بعد آج تک صرف دو آدمیوں کو حجرہ شریف میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہو سکی ہے مگر پیری کے کاروبار نے اس کا توڑ یہ سوچا کہ نبی اکرم کا

---

[1]:۔ شاہ اشرف علی تھانوی کے مرید متوجہ ہوں۔

محدثین میں شمار ہوتے ہیں (میزان الاعتدال ص۲۴۵)

۸۔ ابوحنیفہ :۔ سلیمان کے شاگرد ہیں ان کے ایک مشہور شاگرد کا نام عبدالکریم ہے۔ (میزان الاعتدال ص۱۷۱)

۹۔ ابوحنیفہ :۔ سماک بن فضل کے بھتیجے ہیں اور امام شافعیؒ کے استاد ہیں۔ (مسند امام شافعی ص۱۲۳)

۱۰۔ ابوحنیفہ :۔ باپ کا نام بیان تھا۔ سابق الحاج کا خطاب ہے۔ (کتاب الاسماء والکنیٰ)

۱۱۔ ابوحنیفہ :۔ پورا نام احمد بن مصدق نیشاپور کے رہنے والے اور امام فقہ ہیں (ابن نجار)

۱۲۔ ابوحنیفہ :۔ والد کا نام ماہان۔ یہ واسطی ہیں ان کی امامت مشہور ہے۔ (کتاب الاسماء والکنیٰ)

۱۳۔ ابوحنیفہ :۔ نام عبدالکریم زبلعی ہیں بہت بڑے عالم، فاضل، ادیب اور فصیح اللسان ہوئے ہیں۔

۱۴۔ ابوحنیفہ :۔ نام سلیمان بن حیان ہے عذری ہیں۔ اسماعیل بن عیاش محدث کے استاد اور مشہور امام ہیں (کتاب الاسماء)

۱۵۔ ابوحنیفہ :۔ لقب صغیر ہے۔ بڑے فاضل ہیں (روح الایمان)

۱۶۔ ابوحنیفہ :۔ نام جعفر بن احمد ہے اپنے وقت کے امام تھے (روح الایمان)

۱۷۔ ابوحنیفہ :۔ نام محمد بن عبداللہ بن علی ہے خطیبی ہیں اور اپنے وقت کے امام تھے (روح الایمان)

۱۸۔ ابوحنیفہ :۔ نام عبداللہ بن ابراہیم ہے ثانی ابوحنیفہ کہے جاتے تھے اور بہت بڑے فقیہ تھے (روح الایمان)

۱۹۔ ابوحنیفہ :۔ نام بکر بن محمد۔ ابوحنیفہ صغر کے نام سے مشہور تھے۔ فقہ کے بہت بڑے امام اور ماہر تھے۔ (روح الایمان)

۲۰۔ ابوحنیفہ :۔ شیعوں کے بہت بڑے امام اور شیعہ مذہب کے مروست

اس ملوکیت نے حوصلہ افزائی کی گئی کہ دربار صاحب امرتسر کا سنگِ بنیاد مسلمان بادشاہ نے رکھا۔ گوبند سنگھ کو پیدا کر کے مسلمان دیہہ بدیہہ اٹھاتے پھرے۔ چیتنیہ اور بھگت کبیر نے مسلمانوں کے گھر میں نقب لگائی۔ رسول شاہی۔ نوشاہی۔ قلندر۔ جلالی ملنگ غرضیکہ یہ سب کچھ وحدت الشہود و وحدت الوجود وغیرہ کی اصطلاحات کی پیداوار تھے جو آگے چل کر مسلمانوں کے لیے عذاب الیم ثابت ہوتے اور یہ سب کچھ مغلیہ دور میں ہوا اور سب کچھ شیعیت کے تصورِ امامت کی پیداوار تھا۔

یہ بھی سچا سہی کہ قادری، نقشبندی، چشتی اور سہروردی بزرگوں نے اچھے کام بھی کیے مگر مجموعی طور پر ان کے نظریات نے سوائے تشتت و افتراق کے کچھ پیدا نہ کیا۔ آج خواجہ احمد فاروقی سرہندی کے حالات پڑھ کر بجائے اس کے کہ ان سے عبرت حاصل کریں ان رازہائے درون پردہ کے انکشاف پر مصنف کو گالیوں کے تحائف سے نوازیں گے چونکہ صدیوں سے دماغوں میں گھسے ہوئے نظریات کے خلاف سچی بات سننا قطعاً گوارہ نہیں ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ بزرگانِ دین مسلمانوں کو قرآن و سنت کا راستہ دکھا کر ان شطحیات و دعویات سے روک دیتے۔ مگر بجائے روکنے کے انہوں نے اپنے عقیدت مندوں کو اور خود ساختہ بھول بھلیوں میں پھنسا کر قرآن و حدیث سے بیگانہ بنایا۔

حضرت ابو حنیفہؒ (بلا تبصرہ)

جس طرح شیعوں نے اپنے آئمہ کے متعلق ہزاروں من گھڑت اور وضعی روایات کا ذخیرہ تیار کر کے انہیں ہزاروں مافوق الفطرت واقعات کا حامل قرار دیکر انہیں الوہیت کے مقام کے قریب پہنچانے میں ذرہ بھر شرم یا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اسی طرح آئمہ اربعہ کے جامد مقلدین نے اور خاص کر امام ابو حنیفہؒ کے مقلدین نے ان کے متعلق وہ وہ گل افشانیاں فرمائی ہیں کہ ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

امام ابو حنیفہ کے مناقب میں بیان کیا گیا ہے کہ پیدائش کے بعد آپ کے والد حضرت علی کی خدمت میں لے گئے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے حق میں دعا فرمائی۔

اس سے بڑھ کر اور بڑا جھوٹ کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ۴۰ھ میں شہید ہوئے اور امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔

۲۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام بھی آخری زمانہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کریں گے۔ ایک اولوالعزم پیغمبر کو امام صاحب کا مقلد بنانا ان حنفیوں کا ہی کام ہے اور یہ عقیدہ بالکل شیعی عقیدہ کا مثیل ہے۔

۳۔ خضر علیہ السلام نے پانچ برس تک امام صاحب کی زندگی میں ان سے علم حاصل کیا۔ اور پچیس برس ان کی قبر سے ۔ ۔ ۔ ۔ یہاں تک تو وہ علم میں کامل ہو گئے (ملخص از طحطاوی و قشیری)

خضر کون تھے۔ کب پیدا ہوئے۔ اس وقت زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں قطع نظر اس علمی بحث کے اگر خضر سے مراد وہی موسٰی علیہ السلام کے ساتھی ہیں تو پھر امام صاحب کا علم موسٰی علیہ السلام سے بھی زیادہ اور بہت زیادہ تھا۔

۴۔ امام صاحب کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن ابی اوفیٰ۔ جابر بن عبداللہ۔ عبداللہ بن انیس عائشہ بنت عجرد۔ واثلہ بن الاسقع عبداللہ بن جزء میں سے چند سے حدیث کی سماعت کی

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

ترجمہ:۔ "کیا پس دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا۔ اور گمراہ کیا اس کو اللہ نے راستے سے۔ اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی۔ اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا۔ پس کون ہدایت پر لائے اس کو بعد اس کے کہ اللہ نے اسے گمراہ کیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے" (قرآن)

وستِ مبارک دس گز سے زیادہ لمبا کر کے ایک پیر صاحب کو پیری کا بلند منصب تفویض کرنے کے لیے یہ ظلم تراشتے سے بھی شرم نہ کی۔

الغرض ہزاروں من گھڑت، وضعی اور دور از کار تاویلات پر مبنی مجموعے کے بلند بانگ دعوے گھڑ گھڑ کر اللہ کی عاجز مخلوق کو الوہیت کے مقام پر سرفراز کرنے کی کوشش میں تمام حنفی اور شیعہ طابق النعل بالنعل نظر آتے ہیں۔

شرک و بدعت کے تمام شعبے ان لوگوں میں پورے طور پر قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امرِ رب سے اعراض کے بعد ان لوگوں کے ذہنوں سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی طاقت سلب کر لی گئی۔ حضرت ابوحنیفہ نے جس عقلیت اور قیاس کا بیج بویا تھا ماموں کے نام میں جس عقلیت کو عروج ملا تھا عبداللہ بن سبا اور مختار ثقفی نے جن نظریات کی ابتدا کی تھی اور فروغ دیا تھا ان سب کا مرکزی نقطہ قرآن و سنت سے دُوری تھا اور ان لوگوں کے نظریات نے امت کو سینکڑوں فرقوں میں بانٹ کر رکھ دیا۔

فرقہ روشنیہ:۔

یہ بھی شطاریہ اور مداریہ کی طرح روحانی انتشار کی پیداوار ہے۔ اس کے بانی کوئی پیر روشن جا اللہ جری متولد ۱۵۲۵ء ہوئے ہیں۔ اخوند درویزہ لکھتے ہیں کہ یہ بلد جب لوگوں کو اپنا معتقد بنا تا تو انہیں تنہائی میں ذکر کا حکم دیتا۔ گروہ اللہ کے نام نہ ہوتے۔ بلکہ افغانوں کو پشتو میں، ایرانیوں کو فارسی میں اور ہندوؤں کو ہندی زبان میں کچھ بتاتا۔

مرتضیٰ شاہی فقیر:۔

ان کا روحانی باوا کوئی سید مرتضیٰ انند تھا۔ کسی برہمن دلہن انند نامی سے آنکھ لڑ گئی تو مرتضیٰ سے مرتضیٰ انند بن گئے۔ یوگیوں کی طرح چوبیس گھنٹے نشے میں مست آج کل کے تکیے اور دارے جہاں چوبیس گھنٹے یا علی کے نعرے گونجتے ہیں مرتضیٰ انند کی جاگتی تصویریں۔ مرتضیٰ کے فقیروں نے بھی عوام کو خوب لوٹا۔

ان کے علاوہ رامجا پیر، چندن پیر، مانک پیر، ستیہ پیر اور نامعلوم کون کون سے پیر پیدا ہوئے ہیں بلکہ اسی روحانی انتشار نے نانک، کبیر اور چیتنیہ کو پیدا کیا۔ نانک کے چیلوں

اہل قلم تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں (ملل والنحل)

۲۱۔ نعمان بن ثابت۔ امام اعظم کے لقب سے ملقب تھے اور اصلی وطن دمشق تھا۔ بڑے خوش شکل، خوش لباس، خوش لباس، خوش گو، خوش خو اور اعلیٰ پایہ کے علامہ اور مصنف تھے (تقریب ۱۵۶ بستان المحدثین ۸۸)

گویا ابوحنیفہ کے ساتھ امام اعظم کے لقب میں حصہ دار نام نعمان میں ساجھی امام اور فقیہ کے خطابات میں شریک کتنے ہی ابوحنیفہ گذرے ہیں۔ اور لطف یہ کہ تمام کے تمام اعلیٰ پایہ کے عالم، محدث یا فقیہہ ہوئے ہیں اور سب کے سب فقہ حنفی کی پہلی کتاب قدوری جو ۴۲۸ھ میں لکھی گئی سے پہلے گذر چکے تھے[1] پھر کون کہہ سکتا ہے کہ "عند ابی حنیفہ" کون سے ابوحنیفہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعیت نے ایسے چکر چلائے کہ اہل سنت گو عملاً شیعہ نہ ہو سکے مگر اہل سنت بھی نہ رہے سوائے اہلحدیث کے۔ ان حقائق کی روشنی میں پھر گذشتہ ابواب پر نگہ بازگشت ڈالئے شیعیت جس طرح سیاسی دنیا میں نت نئے حربے بروئے کار لاتی رہی اسی طرح علمی میدان میں بھی اس نے ذہان کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا۔ (حرف آخر)

مجوسیت اور یہودیت نے فاروق اعظم[2] اور حضرت ذوالنورین کو خاص سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت شہید کیا۔ ان تخریبی عناصر کی اس شیطنت کے پیچھے ایک ہی قسم کے جذبات یعنی صرف اسلام دشمنی ہی کارفرما تھی۔ فاروق اعظم رضی کی شہادت کے بعد کافی حد تک حالات نے سنبھالا لیا۔ مگر حضرت ذوالنورین کی شہادت کے بعد تخریبی عناصر پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ان حالات میں یہودی تکنیک اور مجوسی شیطنت نے بھرپور طریقے سے اپنے تخریبی عوامل سے پورے طور پر کام لیا۔ اختلافات بڑھتے رہے اور ہزاروں سے متجاوز سادہ لوح اور فریب خوردہ مسلمان ان خودساختہ سبائی عقائد کو قبول کرتے

---

[1] حنفی فقہ کا مفصل ذکر اختلافات امت کا المیہ حصہ اول میں دیکھئے۔

رہے۔ جب ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر تمام عالم اسلام نے متفقہ طور پر بیعت کر لی اور حکومت امویوں کے ہاتھوں سے ابن زبیر کی طرف منتقل ہو گئی تو مروان نے جنگ کر کے دوبارہ حکومت خاندان بنو امیہ کی طرف منتقل کی۔ نوے سال سے زائد مدت اموی بر سر اقتدار رہے۔ انہوں نے اس ضمن میں کسی کو نہ بخشا۔ معروف علویوں اور زبیریوں پر بھی جمل و صفین نے شیعان علی اور شیعان معاویہ کی اصطلاحیں اپنے پیچھے چھوڑیں۔ واقعہ کربلا نے ان اصطلاحوں کو دوآتشہ بنا دیا۔ شیعان علی کی اصطلاح تو اسلام دشمن عناصر کی وضع کردہ مخصوص اصطلاح تھی۔ مگر شیعان معاویہؓ صرف بغض معاویہؓ کی پیدا کردہ لم تھی۔ معاویہؓ نے نہ کوئی گروہ بنایا اور نہ ہی کسی غیر اسلامی عقیدہ کی بنیاد ڈال کر اس کے پیچھے کسی کو لگایا۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنی ذات کے لئے ایسا کہلوانا پسند نہ کیا۔ مگر قاتلین عثمانؓ کو اپنی جانیں بچانے کے لئے اس سے بہترین حربہ کوئی نظر نہ آیا۔ حالات نے پلٹا کھایا اور عبداللہؓ بن زبیرؓ نے خلافت کا اعلان کر دیا۔ مگر اس پر اجماع امت نہ ہو سکا۔ اور مروان کے ہاتھ پر دوبارہ خاندان بنو امیہ کی طرف منتقل ہو گئی ———— اموی ان کے بعد تقریباً پون صدی حکمران رہے۔ اس دور میں سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد تمام پرانی رنجشیں اور پرانی عداوتیں ابھر کر سامنے آ گئیں۔ انہوں نے اس ضمن میں کسی کو نہ بخشا۔ وہ صرف علویوں اور زبیریوں پر ہی نہ برسے بلکہ سیرۃ الرسولؐ پر بھی حملہ کرنے سے نہ چوکے۔ تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ غزوہ احد میں ابو سفیان کو شکست فاش ہوئی تھی۔ اور دوسرے دن نبی علیہ السلام نے حمراء الاسد تک کفار مکہ کا تعاقب فرمایا تھا۔ مگر اموی اپنے جد اعلیٰ کو ہر مقام پر پٹتا دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور تو انہیں کہیں موقع نہ ملا۔ غزوہ احد میں صحابہ کرام کی ذرا سی لغزش کی وجہ سے جو انہیں چشم زخم پہنچا اسے انہوں نے نمک مرچ لگا کر اور بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ کہ ابو سفیان نے احد کی جنگ میں مسلمانوں کو شکست دی تھی۔

ان حالات میں کون توقع کر سکتا ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے واقعات

کو بگاڑنے میں کوئی کسر باقی چھوڑی ہو گی۔ جنگ صفین کا چرکہ بھی ان کے دل پر موجود تھا۔ وہ ان صدمات کا بدلہ اُلٹے طور پر تجزیہ ذکر کرتے۔ علوی جو پس تھے وہ زیر زمین رہ کر امویوں کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے رہے۔ وہی سو سالہ امویوں کے خلاف پراپیگنڈہ شیعہ مذہب کی جان بن گیا۔ امویوں کے بعد علویوں کی بے تدبیریوں سے فائدہ اُٹھا کر عباسیوں نے خلافت پر قبضہ کر لیا یہ زمانہ بھی علویوں کے خلاف رہا۔ ابومسلم اور آل برامکہ نے کوشش کی مگر ان کا پتہ کاٹ دیا گیا۔ علویوں کی زیر زمین تحریک پھیلتی رہی اور بڑھتی رہی اور حب علی کی آڑ میں کئی قسمت آزما پیدا ہوتے رہے۔ آل بویہ ابن علقمی نصیر الدین طوسی فاطمین مصر حسن بن صباح دیگر اسماعیلی حکمران۔ یمن کے زیدی افریقہ کے ادریسی اور آگے چل کر ایران کا صفوی خاندان دکن کے شیعہ حکمران۔ اودھ کے نواب وزیر اسی قسم کے لوگ تھے۔ ان کے دلوں میں علیؑ کی محبت تھی یا نہیں بغض معاویہ ضرور تھا جو معاویہ پر تو نہ نکال سکے۔ البتہ تمام امت میں جہاں کہیں اُنہیں موقع ملا انہوں نے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اور یہی بغض معاویہ اس قسم کی تالیفات و تصنیفات کا محرک بنتا رہا۔ جس نے حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے تمام بزرگوں میں سوا ئے کی انگیخت کی اور تبرا کو اصولات دین میں سے ایک اصول قرار دیا۔

گزشتہ صفحات کو ایک بار پھر ذہن میں حاضر کیجئے اور بے جا ضد، تعصب عناد اور سوچ کے سوقیانہ انداز کو ذہن سے نکال کر دیکھئے۔ آپ کو کسی مقام پر یہ نظر نہیں آئے گا کہ حضرات علیؓ و حسنینؓ اور دیگر آئمہ عظام کو صحابہ کرام سے کسی قسم کے معاندانہ جذبات تو درکنار کسی قسم کی شکایت تک نہ تھی۔ حضرت علیؓ اصحابہ ثلاثہؓ کی خلافت کے قائل اور ان کے صادق مشیر تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کے نام تبرکاً ان کے ناموں پر رکھے اور اپنی لڑکیاں بعد طیب خاطر ان کے لڑکوں سے بیاہ دیں۔ شیعہ مذہب کی تمام اہم اور مستند ترین تفاسیر و آثار کی کتابوں میں ان کی خلافت کو مبنی بر حق بتایا گیا ہے۔

واقعات کربلا کی جو گھناؤنی تصویر آج تمام شیعہ اصحاب پیش کر رہے ہیں شیعہ زعماء اور مجتہدین خود اسے جھٹلاتے ہیں۔ شیعیت کے پس منظر کی کڑیاں خود یہودیت اور مجوسیت سے ملاتے ہیں۔ پھر حیران کن امر یہ ہے کہ آج مجالس عزا میں وہ سب کچھ کیوں بار بار دہرایا جاتا ہے جن کا شیعہ مذہب کی کتابوں میں ذکر تک نہیں۔

ہر قسم کے مذہبی تعصبات سے خالی الذہن ہو کر ایک بار پھر صفحات گذشتہ پر نظر ڈالیے تو صاف نظر آئے گا کہ شیعہ بھائیوں کا طریقہ کار عناد برائے عناد کے سوا کچھ بھی نہیں۔

شیعیت کی تاریخ پر ایک بار پھر ایک نظر ڈالیے۔ تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ اس وقت عالم اسلام کے تمام مسائل بلا واسطہ بھی اور بالواسطہ بھی جس طرح نصرانیت، یہودیت اور ہنودیت کے پیدا کردہ ہیں اسی طرح شیعیت بھی ان میں برابر کی حصہ دار ہے۔

پاکستان کے موجودہ المیہ کی بنیاد سکندر مرزا کے ہاتھ سے رکھی گئی اور یحییٰ خان نے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ گذشتہ صفحات میں واضح کیا گیا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے تمام مسائل شیعوں کے مشہور فرقہ دروزی کے پیدا کردہ ہیں۔ اور یہاں یحییٰ خان یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی سنی اکثریت سے پیچھا چھڑا کر مغربی پاکستان کو ایران کی جھولی میں ڈال دیا جائے چہ عجب کہ مستقبل کا کوئی مورخ برصغیر کے مسلمانوں کی عظیم اقلیت کو دو حصوں میں بانٹ کر بے دست و پا بنانے کے پس منظر کی کڑیوں کو اسی ذہن کی پیداوار قرار دینے پر قلم اٹھائے۔

تقاریظ

"اختلافِ اُمت کا المیہ" حصہ اول — مؤلف حکیم فیض عالم صاحب صدیقی راجوروی

اُمت محمدیہ کے مختلف مکاتب فکر کے مابین جو فقہی وعلمی اختلاف طویل عرصے سے چلا آرہا ہے اور تا حال جاری ہے، بلکہ بعض جگہ اس میں شدت بھی پائی جاتی ہے اس کتاب میں اس سے بحث کی گئی ہے مصنف جدلیات کی بنیادی وجہ ایسا تقلیدی ذہن بتاتے ہیں۔ جس نے ایک طرف علماء کے اندر وسعتِ فکر ونظر کی بجائے جمود وتعصب پیدا کیا اور دوسری طرف وہ انہیں قرآن وحدیث سے دور لے گیا۔ اگر ان کا تعلق قرآن وحدیث سے کسی نہ کسی امام کے واسطہ سے رہا تو بلا واسطہ نہیں رہا جو اس سرچشمہ ہدایت سے فیض یاب ہونے کے لئے ضروری تھا۔ ان واسطوں نے تو اس چشمہ صافی کو صد رنگ بنا کر اس کی وہ یک رنگی ختم کر دی جو اتحاد واتفاق کا مظہر تھی۔ چنانچہ مصنف نے تقلیدِ جامد کی سخت مذمت کی ہے اور تقلیدی موشگافیوں نے جو فکری وعملی گمراہیاں پیدا کیں اس کی نشاندہی کی ہے۔

پوری کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں بتلایا گیا ہے کہ اختلاف کا آغاز اور تقلید کی ابتدا کب ہوئی؟ اس ضمن میں آئمہ اربعہ ودیگر آئمہ کے حالات، ان کی فکری آراء اور ان کے مذہب کی حقیقت واضح کی گئی ہے ہندوستان میں چونکہ فقہ حنفی کا رواج زیادہ رہا ہے اس لئے حنفیت خاص طور پر اس باب کا موضوع ہوگیا ہے دوسرے اور تیسرے باب میں مسلک اہلحدیث اور ان کی خدمات برصغیر میں ان کی جہادی سرگرمیوں اور اشاعت حدیث کے سلسلے میں ان کی کوششوں کی تفصیل ہے اس ضمن میں مصنف نے جہاں علوم حدیث کے متعلق بھی کئی باتوں کی وضاحت کی ہے، وہاں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بریلوی مکتب فکر کے حامل علماء نے جس طرح اس معاملے میں انگریز کی کاسہ لیسی کر کے تحریک جہاد کو نقصان پہنچایا اس پر سخت تنقید کی ہے۔

چوتھے باب میں بریلوی قادیانیت اور منکرین سنت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور بڑے دلچسپ انداز میں مرزائے قادیان کی شخصی زندگی اور ادعائے "نبوت" کی کہانی بیان کی ہے، منکرین سنت کے متعلق مصنف نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ دراصل یہ گروہ حدیث ہی کا منکر نہیں، قرآن کا بھی منکر ہے اور اسے منکرین قرآن کہنا چاہیئے۔

پانچویں باب میں موجودہ دور کے اہم ترین موضوع سوشلزم اور کمیونزم پر بحث کی گئی ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلامی نظام معیشت کو مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے بہرحال کتاب محنت اور کاوش سے لکھی گئی اور بحیثیت مجموعی بہت قابل قدر ہے مصنف کو انشاء پر اچھا عبور معلوم ہوتا ہے تھوڑی سی کوشش سے اس میں مزید نکھار پیدا ہو سکتا ہے۔ کتاب میں اصحاب ذوق کی تسکین کا پورا سامان ہے اور کتابت وطباعت اتنی معیاری ہے کہ بے اختیار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۳ جنوری ۱۹۷۳ء)

"اختلاف امت کا المیہ" حصہ اول (مؤلفہ جناب مولانا حکیم فیض عالم صاحب صدیقی)

مسلک اہلحدیث پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جس میں فاضل مصنف نے بالوضاحت اس بات پر بحث کی ہے کہ اہلحدیث ہی حقیقت میں اہلسنت والجماعت ہیں اور حنفی مالکی، شافعی اور حنبلی کی شاگردانہ نسبتوں نے فقہاء اربعہ سے بہت بعد انہیں مذاہب کی شکل دی نیز بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ نجدی، وہابی، غیر مقلد کون ہیں اور جماعت اہلحدیث کا ان سے کوئی تعلق ہے شروع شروع انگریزوں نے حنبلی مجاہدین سے گھبرا کر وہابی کا لفظ گالی کے طور پر ایجاد کیا اور پھر یہ لفظ ہر اس شخص اور جماعت کے خلاف استعمال ہونے لگا جس نے دنیا کے کسی بھی حصے میں انگریز قوم کے خلاف اعلان جہاد کیا۔ یہاں تک کہ برصغیر کے وہ اہلحدیث جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے روح رواں تھے۔ یا دیوبند کے وہ عالم جنہوں نے انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کیا یا سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے منسلک اہلحدیث مجاہد سب کو وہابی کے نام سے پکارا جانے لگا۔

انگریزوں کی اس گاڑی میں احناف کے ایک گروہ نے بھرپور ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ ایک تنظیم کے تحت بڑی باقاعدگی سے "وھابیوں" کے خلاف سلسلہ تصنیف قائم کر کے انگریزوں کا ہاتھ بٹایا۔

کتاب کے ایک باب میں تمام ائمہ فقہاء کا تذکرہ اور ان کا باہمی اختلاف اور متروک مذاہب کے بانیوں کے حالات نیز فقہ حنفی کا قرآن اور حدیث سے ٹکراؤ بیان کیا گیا ہے۔

اس باب میں قادیانی نبوت کی تصنیفات سے ثابت کیا گیا ہے کہ قادیانی نبی انگریز کا خود کاشتہ پودا تھا جو مسلمانوں سے روح جہاد مٹانے کے لئے پروان چڑھایا گیا منکرین حدیث کے متعلق ان کی کتابوں سے ہی ثابت کیا گیا ہے کہ دراصل یہ لوگ منکرین حدیث نہیں بلکہ منکرین قرآن ہیں۔

آخری باب میں دور حاضرہ میں اسلامی ممالک کے سب سے بڑے المیہ کمیونزم اور سوشلزم کی تاریخ اس کے ما لہ و ما علیہ پر تاریخی روشنی میں بحث کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ تمام ازم اسلام کے نزدیک مترادف بکفر ہیں ضمناً اسلام کے معاشی نظام پر بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے

یہ کتاب صرف جماعت اہلحدیث کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر صاحب ادراک متلاشی حق کے لئے شمع ہدایت ہے۔

(ہفت روزہ صحیفہ اہلحدیث کراچی یکم رمضان ۱۳۸۹ھ)

کتابیات

۱ البدایہ والنہایہ
۲ ابن عساکر
۳ ابن خلدون
۴ ابن الحدید
۵ الفخری
۶ الامامۃ والسیاسۃ
۷ الاعلام الزرکلی
۸ اخبار الطوال
۹ اتقان
۱۰ اشراف قریش
۱۱ المعارف
۱۲ الاصابہ
۱۳ الملل والنحل
۱۴ اخبار الرضا
۱۵ احقاق الحق
۱۶ انوار نعمانیہ
۱۷ احکام شریعت مولوی احمد رضا
۱۸ اتعاظ الحنفا
۱۹ المجالس والمسایرات (ماخذ)
۲۰ آب کوثر
۲۱ ارشاد الطالبین
۲۲ ابو داؤد
۲۳ احتجاج طبرسی
۲۴ ابن قتیبہ
۲۵ آغانی
۲۶ اصول کافی اور اسکی شرح علیہ یقین
صافی۔ فروع کافی مرآۃ العقول
۲۷ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام
۲۸ اخبار القرامطہ الیمن
۲۹ افتتاح الدعوۃ
۳۰ ابن سیرین
۳۱ استظہار الاخبار
۳۲ البینۃ والاشارات
۳۳ اردو ڈائجسٹ
۳۴ الفاطمیون فی مصر
۳۵ آیات البینات
۳۶ بخاری
۳۷ بحار الانوار
۳۸ تاریخ ابن اثیر
۳۹ تاریخ الخلفا
۴۰ تابعین
۴۱ تاریخ اسلام اکبر شاہ
۴۲ تجلیات روح ایران
در ادوار تاریخی
۴۳ تفسیر صافی
۴۴ تہذیب الاحکام
۴۵ توضیح المسائل
۴۶ تفسیر منہج الصادقین
۴۷ تاریخ خطیب بغدادی
۴۸ ترمذی
۴۹ تفہیم المسائل
۵۰ تذکرہ غوثیہ
۵۱ تہذیب التہذیب
۵۲ ترجمہ نجوم السماء
۵۳ تاریخ الخمیس
۵۴ تاریخ مبارک شاہی
۵۵ تزک جہانگیری
۵۶ تحقیق مزید علی خلافت
امیر معاویہؓ و یزید
۵۷ تاریخ عرب ہتی
۵۸ تذکرہ الاکبر
۵۹ تقریظ سید ابراہیم مجتہد العصر
بحوالہ مختار نامہ
۶۰ تنقیح رجال کشی
۶۱ تصویر کربلا از آل محمد
۶۲ تفسیر قمی

۱۳۱ مجالس المؤمنین

۱۳۲ مہیج الاحزان

۱۳۳ محاضرات تاریخ اسلام

۱۳۴ من لا یحضرہ الفقیہ

۱۳۵ مشکوٰۃ

۱۳۶ مجاہد اعظم شاکر حسین نقوی

۱۳۷ مجموعہ رواجدیہ

۱۳۸ مراۃ العقول

۱۳۹ معجم البلدان

۱۴۰ مکتوبات مجدد الف ثانی

۱۴۱ منازل الآخرہ و قائم الاسلام

۱۴۲ مقریزی

۱۴۳ مجمع ارباب الملک

۱۴۴ مشرق وسطیٰ میں اسماعیلی مذہب مؤلفہ پروفیسر ایچ۔ آر۔ گبی

۱۴۵ نہج البلاغۃ

۱۴۶ ناسخ التواریخ

۱۴۷ نور الہدیٰ

۱۴۸ وفاء الوفاء

۱۴۹ ہسٹری آف اسلام (رسالہ اسماعیلی مذہب) کی حقیقت احداثی الانتظام

۱۵۰ یاد ایام مولانا عبدالحق

۱۵۱ یادگار الحسینی

۱۵۲ یعقوبی

۱۵۳ ISLA MBELIEVES AND INSTITUTIONS

۱۵۴ اسلام معتقدات و آئین مصنفہ ہنری لامن

۱۵۵ D.B. MCDONALD, DEVEL OF MUSLIMS THEOLOGY P. 42

۱۵۶ MEMOIR SURLES BY — DE GOEGE

۱۵۷ PALESTINE UNDER THE FATEMID CALIPHS BY — S. LANE POOLE P-170

۱۵۸ SPRINGETT.

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں معاملہ اللہ کے حوالے ہے
پھر اُن کو اُن کا کیا ہوا جتلا دیں گے (قرآن)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان قلب ابن آدم بکل واد
شعبۃ فمن اتبع قلبہ الشعب کلہا لم یبال اللّٰہ بای
واد اھلکہ الخ (ابن ماجہ)

اختلافِ اُمّت کا المیہ

حصہ دوم

یعنی

حقیقتِ مذہبِ شیعہ

جس میں

شیعہ مذہب کا پس منظر نظریہ امامت۔ آئمہ کی تعداد شیعہ مذہب کے فرقے اور ان کے عقائد،
ان کی عہد بعہد ترقی شیعہ حکمران اور انکی اسلام دشمن سرگرمیاں شیعی بدعات اور شیعیت کے
اہلسنت پر اثرات نیز صحابہ کرامؓ کے آپس میں تعلقات۔ علویوں اور امویوں کی آپس میں رشتہ
داریاں۔ واقعہ کربلا کی صحیح صورت اور دیگر تمام متنازعہ امورات کا مکمل جائزہ۔ گویا یہ کتاب
شیعہ مذہب کی مکمل انسائیکلوپیڈیا ہے

حکیم فیض عالم صدیقی راجوروی